

وَمَا أَكْمَلُوا لَكَ دِينَكَ إِلَّا خِرَافَةٌ مِمَّا فَرَغْنَا مِنْهَا
اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تم کو دین اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ

الطَّرِيقُ الْأَسَلَمُ

اَرْدُو شَرِح

عظّم

مُسْنَدُ الْإِمَامِ الْأَسَلَمِ

مُسْنَدِ إِمَامِ عَظْمِ أَبُو حَنِيفَةَ كِي ٥٢٣ أَحَادِيثِ مُبَارَكَةٍ كَا تَرْجَمَةٌ تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ
حَلِّ لُغَاتِ، سَنَدِ حَدِيثِ بِرَجَبِثِ أَوْرَ إِكِّ مُتَفَرِّدِ اسْلُوبِ فِي مَفْهُومِ
حَدِيثِ كِي وَضَاحِثِ كِ سَاثِ

تَرْجَمَةٌ وَتَشْرِيحُ

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ نَظَرُ اقْبَالِ صَانِدِ ظَلَّةِ

مَكْتَبَةُ رَحْمَانِيَّةِ

اِقْرَأْ سَنَدُ عَرَفِ سَنَدِثِ، اَرْدُو بَا زَارِ لَاهُورِ
فُون: 042-7224228-7355743





الطَّرِيقُ الْأَسْلَمُ

اَرْدُو شَرَح

DATA ENTERED

عظْم مُسْنَدُ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ

مُسْنَدُ إِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبُو حَنِيفَةَ "جُودِ كُ ٥٢٣ أَحَادِيثُ مُبَارَكَةٌ بِرِشْتَلِ هِي"
كَأَرْدُو تَرْجَمَةٌ، تَخْرِيجُ أَحَادِيثِ، حَلُّ لُغَاتِ، سُنَدِ حَدِيثِ بِرِجْتِ
أُورِ إِيكِبْ مُتَفَرِّدِ اسْلُوبِ فِي مَفْهُومِ حَدِيثِ كِي وَضَاحِثِ كِ سَاتْه

تَرْجَمَهُ وَتَشْرِيحُ

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ زَيْفَرُ اِقْبَالِ

مَكْتَبَةُ رَحْمَانِيَّة

اِقْرَأْ سُنَدُ عَرَفِي سَتْرِي، اَرْدُو بَاازَارِ لَاهُورِ
فُون: 042-7224228-7355743





حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں



مکتب رحمانیہ

نام کتاب: الطریق الاسلامیہ از دوشیح منہ الامام الام

ترجمہ و تشریح: مولانا محمد ظفر اقبال

ناشر: مکتب رحمانیہ

مطبع: لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

مسند امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

- ۳۸ ○ محدثین کو امام صاحب سے وجہ نکارت ۱۵ ○ احساسات کی زبان شکر
- باب سوم * ۱۶ ○ مختصر تعارف صحاح ستہ
- ۵۵ ○ تعارف کتاب ۱۹ ○ مسند امام اعظم کا مختصر تعارف
- ﴿کتاب الایمان والاسلام والقدر والشفاعة﴾ ۲۰ ○ مسند امام اعظم کی مرویات کا جائزہ
- ۷۰ ○ توحید و رسالت کا بیان ۲۲ ○ مرویات صحابہ در مسند امام اعظم
- ۷۳ ○ مشرکین کی اولاد کا کیا حکم ہے ۲۳ ○ شرح مسند کا تعارف اور ہمارا اسلوب شرح
- ۷۷ ○ کلمہ توحید کی گواہی تک لوگوں سے قتال کا بیان * ○ باب اول * ۲۴
- ۸۱ ○ مسلمانوں کے تالے توڑنے والوں کا حکم ۲۹ ○ تعارف حدیث
- ۸۴ ○ جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دے اس کا کیا حکم ہے؟ ۳۱ ○ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعداد پر ایک چھوٹا سا مناقشہ
- ۸۹ ○ آثار اسلام مٹ جانے کا بیان * ○ باب دوم * ۳۲
- ۹۱ ○ خوارج جیسی رائے رکھنے کا بیان ۳۳ ○ مولد و مدفن
- ۹۳ ○ جو شخص اپنے لیے ایمان کو ثابت نہ کرے ۳۷ ○ اخلاق کریمانہ
- ۹۶ ○ تقدیر پر ایمان کا بیان ۳۸ ○ تحصیل علم
- ۱۰۰ ○ منکرین تقدیر کی مذمت ۳۹ ○ ماخذ علم
- ۱۰۴ ○ شفاعت کا بیان ۳۹ ○ اصول و عقائد
- ۱۱۲ ○ ایمان سے مؤمن کو کیا فائدہ ہوگا؟ ۴۰ ○ محدثین کی نظروں میں امام اعظم کی ثقاہت
- ۱۱۵ ○ یا حنان یا منان کہہ کر اللہ کو پکارنے والے کا بیان ۴۱ ○ فقہ حنفی کا امتیاز
- کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی شفاعت کا بیان ۱۱۷ ۴۲ ○ امام اعظم کا علمی پایہ
- ۱۱۹ ○ روایت باری تعالیٰ کا بیان ۴۵ ○ علم فقہ کا انتخاب

﴿ کتاب العلم ﴾

- ۱۶۵ مرد کو ہوتا ہے تو کیا حکم ہے؟
- ۱۶۶ ○ طلب علم کا بیان
- ۱۶۷ ○ کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان
- ۱۶۸ ○ کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان
- ۱۶۹ ○ جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی
- ۱۷۰ ○ جس شخص کے دل میں اللہ اپنی حکمت ڈال دے اس کا بیان
- ۱۷۱ ○ رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات کی نسبت کرنے پر سخت وعید کا بیان
- ۱۷۲ ○ نواف اور گھنٹے کا درمیانی حصہ ستر ہے
- ۱۷۳ ○ ایک کپڑے میں نماز کے جواز کا بیان
- ۱۷۴ ○ نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان
- ۱۷۵ ○ سفار کی فضیلت کا بیان
- ۱۷۶ ○ نماز عصر کے قضا ہو جانے پر وعید کا بیان
- ۱۷۷ ○ نماز کے اوقات ممنوعہ کا بیان
- ۱۷۸ ○ اذان کی ابتداء کیسے ہوئی؟
- ۱۷۹ ○ اس شخص کے اجر کا بیان جو اللہ کے لیے مسجد بنائے
- ۱۸۰ ○ مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے کی ممانعت
- ۱۸۱ ○ نماز کی ابتداء میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟
- ۱۸۲ ○ رفع یدین کا بیان
- ۱۸۳ ○ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی خواہ صرف سورہ فاتحہ ہی ہو
- ۱۸۴ ○ نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھنی چاہیے
- ۱۸۵ ○ نماز عشاء میں پڑھی جانے والی سورت کا بیان
- ۱۸۶ ○ فجر میں قراءت کا بیان
- ۱۸۷ ○ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے
- ۱۸۸ ○ تطبیق سے منسوخ ہونے کا بیان
- ۱۸۹ ○ جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟
- ۱۹۰ ○ سجدے میں ہاتھ رکھنے سے پہلے گھنٹے رکھنے کا بیان
- ۱۹۱ ○ اس شخص کی ممانعت کرنے کی ممانعت
- ۱۹۲ ○ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان
- ۱۹۳ ○ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان
- ۱۹۴ ○ دودھ پی کر وضو نہ کرنے کا بیان
- ۱۹۵ ○ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم
- ۱۹۶ ○ مسواک کی تاکید کا بیان
- ۱۹۷ ○ وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا
- ۱۹۸ ○ ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کا بیان
- ۱۹۹ ○ ایڑیاں دھونے میں احتیاط کا بیان
- ۲۰۰ ○ چھڑکاؤ کا بیان
- ۲۰۱ ○ موزوں پر مسح کرنے کا بیان
- ۲۰۲ ○ جو بحالت ناپاکی پھر جماع کرنا چاہے!
- ۲۰۳ ○ مومن نجس نہیں ہوا کرتا
- ۲۰۴ ○ ایام کی حالت میں چٹائی پکڑانے کا بیان
- ۲۰۵ ○ اگر عورت خواب میں اس کیفیت سے دوچار ہو جس کا سامنا

- ۲۰۵ سجدہ میں اپنے بازوؤں کو نہ بچھائیں
- ۲۰۶ صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے؟
- ۲۰۸ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان
- ۲۰۹ عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے؟
- ۲۱۰ تشہد کا بیان
- ۲۱۱ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو تشہد کی تعلیم کس طرح دی؟
- ۲۱۲ دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان
- ۲۱۳ نماز کو بلکی پڑھانے کا حکم
- ۲۱۵ بوریے پر نماز پڑھنے کا بیان
- ۲۱۵ مریض کی نماز کا بیان
- اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟
- ۲۱۷ سورہ ص میں سجدہ کا بیان
- ۲۱۸ اہل علم و فضل حضرات امامت کے زیادہ حقدار ہیں
- ۲۲۱ ولد الزنا غلام اور دیہاتیوں کی امامت کا بیان
- ۲۲۲ دو آدمی بھی جماعت کے حکم میں ہوتے ہیں
- ۲۲۳ صفوں کے ملانے والوں کی فضیلت کا بیان
- ۲۲۴ فجر و عشاء کی جماعتوں میں شرکت کی فضیلت کا بیان
- ۲۲۵ خواتین کے مساجد میں آنے کا بیان
- جب رات کا کھانا اور نماز عشاء اکٹھے ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟
- اگر کوئی شخص تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر جماعت پالے تو وہ کیا کرے؟
- ۲۲۷ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں محنت کا بیان
- ۲۲۸ جمعہ کے دن غسل کا بیان
- ۲۲۹ رات کے اکثر حصے میں قیام کا بیان
- ۲۲۸ سنت فجر کا بیان
- ۲۳۰ فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟
- ۲۳۱ جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟
- ۲۳۲ شب جمعہ میں فوت ہونے والے کی فضیلت کا بیان
- ۲۳۳ خواتین کے لیے نیکی اور دعاء میں نکلنے کی رخصت ہے
- ۲۳۵ نماز عید سے پہلے یا بعد میں نوافل نہ پڑھنے کا بیان
- ۲۳۶ سفر میں نماز کو مختصر کرنے کا بیان
- ۲۳۹ سواری پر نماز پڑھنے کا بیان
- ۲۴۰ وتر کی ترغیب کا بیان
- ۲۴۲ وتر میں کیا پڑھا جائے؟
- ۲۴۳ وتر میں فصل نہ ہونے کا بیان
- ۲۴۴ رات کے ابتدائی درمیانے اور آخری حصہ میں وتر کا بیان
- ۲۴۵ نماز میں کمی بیشی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟
- ۲۴۶ سورہ ص میں سجدہ کا بیان
- ۲۴۷ نماز میں بات چیت کے نسخ کا بیان
- ۲۴۹ اس شخص کا بیان جو نماز پڑھے اور اس کے پہلو میں عورت ہو
- ۲۵۰ اگر نماز میں کوئی امر نادر پیش آ جائے تو کیا حکم ہے؟
- ۲۵۱ کوئی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کوئی نہیں
- ۲۵۲ سورج کو گہن لگ جائے تو کیا حکم ہے؟
- ۲۵۵ استخارہ کی نماز کا بیان
- ۲۵۷ چاشت کی نماز کا بیان
- ۲۵۸ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں محنت کا بیان
- ۲۵۹ رات کے اکثر حصے میں قیام کا بیان
- ۲۶۰ نبی ﷺ کی رات کی نماز کتنی رکعتوں پر مشتمل ہوتی تھی؟
- ۲۶۱ سنت فجر کا بیان
- ۲۶۲ فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟

- نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا بیان ۲۶۳
- بعد عشاء چار رکعات نفل پڑھنا ۲۶۴
- نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنا ۲۶۵
- گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا بیان ۲۶۶
- خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا ۲۶۷
- اگر کسی شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہو جائیں ۲۶۸
- اس شخص کا بیان جس کے متعلق لوگوں کی رائے اچھی ہو ۲۷۰
- جنازے کو کس طرح اٹھایا جائے ۲۷۱
- نماز جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں؟ ۲۷۳
- نماز جنازہ کی دعاء کا بیان ۲۷۴
- لحد کا بیان ۲۷۵
- قبر میں سوال و جواب کا بیان ۲۷۶
- قبر میں تین چیزیں ہوں گی ۲۷۷
- نبی ﷺ کا اپنی والدہ کی قبر پر آنے کا بیان ۲۷۸
- قبرستان میں جانے کی اجازت کا بیان ۲۷۹
- قبرستان جا کر کیا دعاء کرے؟ ۲۸۰
- رکاز کا حکم ۲۸۱
- بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے ۲۸۳
- اگر کسی کو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو تو اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا بیان ۲۸۴
- کتاب الزکوٰۃ ﴿ ۲۸۵
- انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے ۲۸۵
- عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان ۲۸۷
- کیا احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے؟ ۲۸۷
- ایام بیض کے روزوں کا بیان ۲۸۸
- بلال کی اذان تمہیں سحری سے نہ روک دے ۲۸۹
- روزے دار کے لیے سیٹگی لگوانے کا بیان ۲۹۰
- روزہ دار اگر صبح کو ناپاکی کی حالت میں اٹھے یا اپنی بیوی کو بوسہ دے تو کیا حکم ہے؟ ۲۹۱
- سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت کا بیان ۲۹۳
- صوم وصال اور خاموشی کا روزہ ممنوع ہے ۲۹۴
- ایام تشریق کا روزہ رکھنا منع ہے ۲۹۶
- اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی شخص اعتکاف کی منت مان لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۹۷
- ﴿ کتاب الحج ﴾ ۲۹۸
- حج کے احکام ۲۹۸
- اداء حج میں جلدی کرنا ۲۹۸
- افضل حج اور حاجی کی فضیلت کا بیان ۲۹۹
- احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی ۳۰۱
- محرم کا لباس ۳۰۲
- کیا محرم کے لیے خوشبو کا استعمال جائز ہے؟ ۳۰۴
- حج تمتع کا بیان ۳۰۵
- اگر عورت حج تمتع کی نیت سے آئے اور وہ "ایام" میں ہو تو کیا حکم ہے؟ ۳۰۶
- محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا جبکہ اسے کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو ۳۰۸
- محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے ۳۱۰
- کیا احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے؟ ۳۱۱

	○ محرم کے لیے پھینے لگوانا	۳۱۳	﴿ کتاب الاستبراء ﴾
۳۲۸	○ استلام کا بیان	۳۱۳	○ رحم کی صفائی کے احکام
۳۲۸	○ عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا	۳۱۶	○ امید کی عورتوں سے ہم بستری کی ممانعت کا بیان
	○ جمرات پر کنکری پھینکنا	۳۱۸	﴿ کتاب الرضاع ﴾
۳۲۹	○ محرم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونا	۳۲۰	○ دودھ پلانے کے احکام
	○ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت	۳۲۲	○ دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب
۳۲۹	○ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنا	۳۲۶	○ کے رشتہ سے
	﴿ کتاب النکاح ﴾		﴿ کتاب الطلاق ﴾
	○ نکاح کے احکام	۳۲۷	○ طلاق کے احکام
۳۵۱	○ نکاح کا خطبہ	۳۲۷	○ مذاق میں طلاق دینا
۳۵۱	○ نکاح کا حکم	۳۲۹	○ عدت کا بیان
۳۵۲	○ کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب کا بیان	۳۲۹	○ حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا
۳۵۳	○ کوئی شخص پانچ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرے	۳۳۱	○ مجنون کی طلاق نہیں ہوتی
۳۵۵	○ خوبصورت مگر بانجھ عورت سے نکاح نہ کرنے کا بیان	۳۳۱	○ اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کو اختیار دے دے تو کیا حکم ہے؟
۳۵۶	○ عورت کا منحوس ہونا	۳۳۲	○ منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار کا بیان
۳۵۷	○ کیا انسان اپنی بیٹی کے سامنے اس شخص کا ذکر کر دے جس سے وہ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے		○ جبکہ اس کا شوہر آزاد ہو
۳۵۸	○ عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا	۳۳۳	○ باندی کی طلاق
۳۵۹	○ متعہ کی حرمت کا بیان	۳۳۸	○ طلاق باندی ہوئی عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت
۳۶۱	○ عزل کا بیان	۳۳۸	○ اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند مر گیا ہو
۳۶۳	○ عورتوں کے پاس پیچھے سے آنے کی حرمت کا بیان	۳۴۰	○ جس عورت کا شوہر مر گیا ہو لیکن نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور
۳۶۵	○ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے	۳۴۴	○ نہ اس کے ساتھ ہم بستری کی ہو
		۳۴۵	○ ایلاء سے رجوع کس طرح ہوگا؟
		۳۴۷	○ کیا عورت کسی چیز کے عوض اپنے شوہر سے خلع لے
۳۶۶			○ سکتی ہے؟

- ۳۹۰ ○ قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے
- ۳۹۱ ○ ممانعت کا بیان
- ۳۹۲ ○ خرید و فروخت کے احکام
- ۳۹۳ ○ مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان
- ۳۹۴ ○ شراب پر لعنت کا بیان
- ۳۹۵ ○ کیا پڑی ہوئی شراب بیچنا جائز ہے؟
- ۳۹۶ ○ سود خور پر خدا کی لعنت
- ۳۹۷ ○ سود ادھار میں ہوتا ہے
- ۳۹۹ ○ دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا
- ۴۰۰ ○ جائز اور ناجائز بیوع کا بیان
- ۴۰۵ ○ اللہ کے بھروسے پر خریداری کا بیان
- ۴۰۶ ○ شکاری کتے کی قیمت میں رخصت کا بیان
- ۴۰۹ ○ تنگ دست کو مہلت دینا
- ۴۱۰ ○ دھوکے کی مذمت کا بیان
- ۴۱۱ ○ سب سے پہلے دینار ڈھالنے والے کا بیان
- ۴۱۲ ○ رہن کے احکام
- ۴۱۳ ○ شفعہ کے احکام
- ۴۱۴ ○ اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھے تو کیا حکم ہے؟
- ۳۶۷ ○ مال غنیمت کے خمس کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنے کی
- ۳۶۸ ○ مدبر غلام کے احکام
- ۳۶۹ ○ کیا مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے؟
- ۳۷۰ ○ ولاء کا مستحق وہ ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو
- ۳۷۱ ○ قسم کے احکام
- ۳۷۳ ○ جو شخص اطاعت یا نافرمانی کی منت مانے تو کیا حکم ہے؟
- ۳۷۴ ○ بیمن اغوا کا حکم
- ۳۷۵ ○ قسم میں استثناء کا لفظ لانے کا بیان
- ۳۷۶ ○ شرعی سزاؤں کے احکام
- ۳۷۶ ○ شراب کی حرمت کا بیان
- ۳۷۸ ○ شراب نوشی کی سزا
- ۳۸۰ ○ کس قدر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟
- ۳۸۱ ○ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں
- ۳۸۳ ○ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا
- ۳۸۵ ○ کیا مسلمان کو ذمی کے بدلے قضا صا قتل کیا جائے گا یا نہیں؟
- ۳۸۶ ○ مجاہدین کی عورتوں کا تقدس
- ۳۸۸ ○ لشکر کی روانگی کے وقت امیر لشکر کو وصیت کرنا
- ۳۸۹ ○ حد بلوغ کیا ہے؟
- ﴿ کتاب النفقات ﴾
- ﴿ کتاب التدبیر ﴾
- ﴿ کتاب البیوع ﴾
- ﴿ کتاب الایمان ﴾
- ﴿ کتاب الحدود ﴾
- ﴿ کتاب الرهن ﴾
- ﴿ کتاب الشفعة ﴾
- ﴿ کتاب الجهاد ﴾

﴿ کتاب المزارعة ﴾

○ یہ امت کس طرح فناء ہوگی؟ ۴۴۴

○ کھیتی کے احکام

﴿ کتاب الاطعمة والاشربة والضحایا ۴۱۶

○ مخابرو سے ممانعت کا بیان

والصيد والذبائح ۴۱۶

○ زمین کو کرائے پر لینے کا بیان

○ کھانے پینے کی چیزوں، قربانی، شکار اور ذبیحے کے احکام ۴۴۶

﴿ کتاب الفضائل ﴾

○ کچلی والے درندے سے ممانعت کا بیان ۴۴۶

○ فضائل کا بیان

○ بچہ سے شکار کرنے والے پرندہ کی حرمت کا بیان ۴۴۶

○ نبی ﷺ کی عمر مبارک کا بیان

○ گھریلو گدھوں کی حرمت کا بیان ۴۴۷

○ نبی ﷺ کو کیسے پہچانا جاتا تھا؟

○ حشرات الارض کی حرمت کا بیان ۴۴۹

○ جو شخص قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد چیز بھی دے دے

○ مینڈک کو مارنے والے کا بیان ۴۵۰

○ خصائل نبوی ﷺ کا بیان

○ گوہ کی ناپسندیدگی کا بیان ۴۵۱

○ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل

○ سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنے کا بیان ۴۵۲

○ حضرت عمارؓ کے فضائل

○ پانی جس چیز سے ہٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ ۴۵۳

○ حضرت عثمانؓ کی فضیلت

○ ٹڈی دل کا بیان ۴۵۴

○ حضرت علیؓ کی فضیلت

○ اگر کوئی اونٹ یا جانور بدک جائے تو کیا حکم ہے؟ ۴۵۵

○ حضرت حمزہؓ کی فضیلت

○ مجسمہ کی حرمت کا بیان ۴۵۶

○ حضرت زبیرؓ کی فضیلت

○ اگر کوئی عورت پتھر سے کسی جانور کو ذبح کر لے تو کیا

○ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فضائل

○ حکم ہے؟ ۴۵۶

○ حضرت خزیمہؓ کی فضیلت

○ عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان ۴۵۸

○ حضرت خدیجہؓ کی فضیلت

○ اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو کیا حکم ہے؟ ۴۶۰

○ حضرت عائشہؓ کی فضیلت

○ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی وجہ ۴۶۰

○ امام شعیبؓ کی مدح

○ سرکہ کی فضیلت کا بیان ۴۶۱

﴿ کتاب فضل امتہ ﷺ ﴾

○ امت مسلمہ کے فضائل

○ کھانے کے معاملے میں کافر اور مؤمن کا امتیاز ۴۶۲

○ اہل جنت کی ایک سو بیس صفوں کے ہونے کا تذکرہ

○ ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت کا بیان ۴۶۳

○ سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے کی

- ۴۸۴ ○ اگر کسی شخص کے یہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو کیا کرے؟ ۴۶۳ ممانعت کا بیان
- دباء اور حنتم کی ممانعت کا بیان ۴۶۴
- ۴۸۶ ○ آداب کا بیان ۴۶۵ ○ قبرستان جانے، قربانی کے گوشت اور برتنوں سے متعلق
- ۴۸۶ ○ والدین کے حقوق کا بیان ۴۶۵ احکام کا بیان
- ۴۸۷ ○ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے حکم کا بیان ۴۶۷ ○ نبیذ کا بیان
- ۴۸۷ ○ کبریائی اور عظمت سے متعلق روایت کا بیان ۴۶۸ ○ شراب کی کتنی مقدار حرام ہے؟
- ۴۸۹ ○ نرمی کا بیان ۴۶۸ ○ کیا شراب بیچ کر اس کی قیمت کھانا جائز ہے؟
- ۴۹۱ ○ شامل نبوی کا بیان ۴۶۸ ○ کتاب اللباس والزینة
- ۴۹۲ ○ عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کا بیان ۴۷۰ ○ لباس وزینت کے احکام
- ۴۹۳ ○ خوشبو نہ لوٹانے کا بیان ۴۷۰ ○ ٹوپوں سے متعلق روایات کا بیان
- ۴۹۵ ○ ستاروں میں دیکھنے کا بیان ۴۷۱ ○ بغیر پہنے کپڑا بدن پر لٹکانے کا بیان
- ۴۹۵ ○ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہونے کا بیان ۴۷۲ ○ دنیا میں ریشم پہننے والے کا بیان
- ۴۹۶ ○ سب سے زیادہ پسندیدہ ناموں کا بیان ۴۷۲ ○ تصاویر کے احکام
- ۴۹۷ ○ نیکی اور گناہ کے حکم کا بیان ۴۷۳ ○ مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا
- ۴۹۸ ○ جب آدمی مجلس میں آئے تو کہاں بیٹھے؟ ۴۷۵ ○ بالوں کے ساتھ بال ملانے والی عورت کا بیان
- ۴۹۹ ○ جو شخص لوگوں کا شکر یہ ادا نہ کرے ۴۷۵ ○ کتاب الطب
- ۴۹۹ ○ ظلم سے بچنے کا بیان ۴۷۶ ○ طب کے احکام
- اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کے لیے نیک اعمال کا ۴۷۶
- ۵۰۱ ○ چیز لے لے تو کیا حکم ہے؟ ۴۷۶ اجر لکھا جاتا ہے
- ۵۰۲ ○ نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والے کا بیان ۴۷۸ ○ ہر بیماری کی دوا ہے
- ۵۰۳ ○ افضل ترین جہاد کیا ہے؟ ۴۸۰ ○ چار چیزوں میں شفاء کا بیان
- ۵۰۴ ○ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے ۴۸۰ ○ ”من“ کا بیان
- ۵۰۵ ○ مسلمانوں کی مثال کا بیان ۴۸۲ ○ مریض کے لیے کیسے دعاء کرے؟
- ۵۰۶ ○ حضرت جبریل علیہ السلام کی پڑوسی کے متعلق وصیت ۴۸۳ ○ جو شخص ان چیزوں کے پیچھے پڑے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتا

- ۵۲۸ ○ مظلوموں کی فریادری کا بیان
- ۵۲۹ ○ زمانہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان
- ۵۳۰ ○ آدمی کا کسی چیز کی محبت میں فریفتہ ہو جانا
- ۵۳۰ ○ کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت کا بیان
- ۵۳۱ ﴿ کتاب الرقاق ﴾
- ۵۳۲ ○ دل کو نرم کرنے والی احادیث کا بیان
- ۵۳۳ ○ نبی ﷺ کی معیشت کا بیان
- ۵۳۴ ﴿ کتاب الجنایات ﴾
- ۵۳۴ ○ اولاد انسان کی کمائی ہوتی ہے
- ۵۳۴ ○ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کا بیان
- ۵۳۶ ○ وحشی بن حرب نے اسلام کیسے قبول کیا؟
- ۵۴۱ ○ سورۃ اللیل کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر
- ۵۴۱ ﴿ کتاب الوصایا و الفرائض ﴾
- ۵۴۱ ○ وصیت اور میراث کے احکام
- ۵۴۳ ○ کیا کوئی مسلمان کسی عیسائی کا وارث ہو سکتا ہے؟
- ۵۴۳ ○ وراثت کے حصے ذوی الفروض کو دینے کا بیان
- ۵۴۴ ○ اگر غلام آزاد ہونے کے بعد مر جائے تو کیا حکم ہے؟
- ۵۴۶ ○ یتیم کا مال ناحق کھانے والے کا بیان
- ۵۴۶ ○ یتیمی کب تک رہتی ہے؟
- ۵۴۶ ﴿ کتاب القیمة و صفة الجنة ﴾
- ۵۴۷ ○ قیامت اور جنت کی صفات کا بیان
- ۵۴۹ ○ حور عین کی صفات کا بیان
- ۵۵۰ ○ تشکر و امتنان
- ۵۵۲ ○ کتابیات
- ۵۰۷ ○ مظلوموں کی فریادری کا بیان
- ۴۰۷ ○ زمانہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان
- ۵۰۸ ○ آدمی کا کسی چیز کی محبت میں فریفتہ ہو جانا
- ۵۰۹ ○ کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت کا بیان
- ۵۱۰ ﴿ کتاب الرقاق ﴾
- ۵۱۱ ○ دل کو نرم کرنے والی احادیث کا بیان
- ۵۱۱ ○ نبی ﷺ کی معیشت کا بیان
- ۵۱۲ ﴿ کتاب الجنایات ﴾
- ۵۱۴ ○ اہل کتاب کی دیت کا بیان
- ۵۱۵ ○ قصاص کب لیا جائے گا؟
- ۵۱۶ ﴿ کتاب الاحکام ﴾
- ۵۱۶ ○ فیصلے اور احکام
- ۵۱۷ ○ قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند درجہ آدمی کا بیان
- ۵۱۸ ○ قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں
- ۵۱۹ ○ کون لوگ مرفوع القلم ہیں؟
- ۵۲۰ ○ اگر گواہ موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟
- اگر بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟
- اگر فریقین میں سے ہر ایک گواہ پیش کر دے تو کیا حکم ہے؟
- ۵۲۲ ﴿ کتاب الفتن ﴾
- ۵۲۵ ○ تیس کذاب لوگوں کا بیان
- ۵۲۶ ○ زمانے کی سختی کا نتیجہ کیا ہوگا؟
- ۵۲۶ ﴿ کتاب التفسیر ﴾
- آیات قرآنی کی تفسیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿احساسات کی زبان شکر﴾

الحمد لمن ليس له بواب ينادى، ولا صاحب يغشى، ولا وزير يؤتى، ولا غيره رب يدعى، والصلوة والسلام على من اوتى جوامع الكلم، وجواهر الحكم، وعلى آله واصحابه قادة الامم والتابعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الالم، اما بعد!

قرآن کریم ”جو کہ کلام اللہ ہے“ کے بعد احادیث مبارکہ ”جو کہ کلام حبیب اللہ ہیں“ کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور قرآن کریم ہی کی طرح احادیث مبارکہ کا حجت ہونا بھی روایت و درایت ثابت ہے چنانچہ ماضی بعید اور ماضی قریب دونوں زمانوں میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔

حدیث پیمبر کے ساتھ مسلمانوں کا جذباتی اور عقیدت مندانہ تعلق ذات پیمبر کے ساتھ والہانہ الفت و عقیدت کا نتیجہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے جید اور ممتاز علماء کرام نے ”جس طرح بھی ممکن ہو سکا“ حدیث پیمبر کی خدمت کر کے ذات پیمبر کی خدمت کا تصور اپنے سامنے رکھا، اس سلسلے میں انہوں نے اتنے موضوعات پیدا کیے کہ ہر موضوع کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد رکھنا پڑی اور اتنی دیانت داری کا مظاہرہ کیا گیا کہ اگر اپنے قریبی رشتہ دار بھی روایت حدیث کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے تو قرابت اور رشتہ داری کا لحاظ پس پشت ڈال کر وہ حدیث پیمبر کا لحاظ کرتے تھے۔

آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کی حیثیت مخدوم الکتب کی سی ہے اور پیغمبرانہ تعلیمات میں کلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام بلند حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم حفاظت الہی کے وعدے میں محفوظ ہے حدیث پیمبر بھی بعینہ اسی طرح محفوظ ہے، گو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد امام بخاری تشریف لائے، اس وقت تک حدیث کا محفوظ رہنا عقلی طور پر ناممکنات میں سے ہے اور گو کہ حضرات محدثین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مفصل اور تسلی بخش جوابات دیے ہیں، لیکن میں ایک عام فہم بات عرض کرتا ہوں کہ پوری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم

محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کی صورت میں جو فن ایجاد کر کے پانچ لاکھ مسلمانوں ”جن کا تعلق روایت حدیث سے رہا“ کے مکمل حالات اور سوانح عمری مہیا کی ہے یہ ان ہی کا امتیاز ہے دنیا کے کسی اور مذہب کی تعلیمات نقل کرنے والوں کے حالات تو بڑی دور کی بات نام تک محفوظ نہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ حدیث کی سند میں آنے والے پانچ لاکھ راویوں کے حالات تو محفوظ ہو سکتے ہیں لیکن حدیث پیمبر محفوظ نہیں ہو سکتی۔ یا للعجب!

کتب حدیث میں ”مسند امام اعظم“ کے مقام و مرتبہ پر بحث کرنے سے قبل ”صحاح ستہ“ کا مختصر تعارف معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ کتب حدیث میں ان کی حیثیت ہر مسلک و مشرب سے تعلق رکھنے والے علماء کے یہاں انتہائی معتبر ہے یہ تعارف ناکارہ راقم الحروف نے محنت و جستجوئے بسیار کے بعد تقریباً ایک سال پہلے مرتب کیا تھا جو بہت سی تحقیقات کا ایک جزو ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

مختصر تعارف صحاح ستہ

(۱) صحیح بخاری میں کل کتابوں کی تعداد: ۹۷

صحیح بخاری میں کل ابواب کی تعداد: ۳۳۵۰

صحیح بخاری میں کل احادیث کی تعداد: ۷۵۶۳

صحیح بخاری کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ کتاب الجہاد والسیر ہے کہ اس میں ۱۹۹ ابواب ہیں اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ کتاب المغازی ہے کہ اس میں کل ۵۲۵ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۲) صحیح مسلم میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۴

صحیح مسلم میں کل ابواب کی تعداد: ۱۳۳۴

صحیح مسلم میں کل احادیث کی تعداد: ۵۸۰۰ (مکررات کو نکال کر)

صحیح مسلم کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ کتاب الایمان ہے کہ اس میں کل ۹۶ ابواب ہیں

اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ کتاب الحج ہے کہ اس میں ۵۲۲ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۳) سنن ابی داؤد میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۰

سنن ابی داؤد میں کل ابواب کی تعداد: ۱۸۱۱

سنن ابی داؤد میں کل احادیث کی تعداد: ۵۲۷۴

سنن ابی داؤد کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ”کتاب الصلوٰۃ“ ہے کہ اس میں کل ۲۵۱ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی کتاب الصلوٰۃ ہی میں ہیں جن کی تعداد ۷۷۰ ہے۔

(۳) سنن ترمذی میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۶

سنن ترمذی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۱۷

سنن ترمذی میں کل احادیث کی تعداد: ۳۹۵۶

سنن ترمذی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ”کتاب الصلوٰۃ“ ہے کہ اس میں کل ۲۱۳ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث کتاب تفسیر القرآن میں ہیں جن کی تعداد ۴۲۰ ہے۔

(۵) سنن نسائی میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۱

سنن نسائی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۵۲۶

سنن نسائی میں کل احادیث کی تعداد: ۵۷۶۱

سنن نسائی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ”مناسک الحج“ ہے کہ اس میں کل ابواب کی تعداد ۲۳۱ ہے اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۴۶۷ ہے۔

(۶) سنن ابن ماجہ میں کل کتابوں کی تعداد: ۳۷

سنن ابن ماجہ میں کل ابواب کی تعداد: ۱۵۱۳

سنن ابن ماجہ میں کل احادیث کی تعداد: ۴۳۴۱

سنن ابن ماجہ کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ”کتاب اقامۃ الصلوٰۃ“ ہے کہ اس میں کل ۲۰۵ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۶۳۰ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں سب سے زیادہ مفصل کتاب ”بخاری شریف“ ہے کیونکہ اس میں کتابوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۹۷ اور ابواب کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۳۵۵۰ اور احادیث کی تعداد بھی سب سے زیادہ اسی کتاب میں ہے یعنی ۷۵۶۳ بقیہ پانچ کتابوں میں احادیث کی تعداد کے اعتبار سے یوں درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

① صحیح مسلم: ۵۸۰۰

② سنن نسائی: ۵۷۶۱

③ سنن ابی داؤد: ۵۲۷۴

④ سنن ابن ماجہ: ۴۳۴۱

اس اعتبار سے سنن ترمذی احادیث کی تعداد کے لحاظ سے صحاح ستہ کی سب سے چھوٹی کتاب ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کا درجہ کم از کم سنن ابن ماجہ سے تو بہت اونچا ہے، بعض حضرات نے اسے صحیحین کے بعد تیسرے نمبر پر جگہ دی ہے اور بعض حضرات نے سنن ابی داؤد کے بعد سنن ترمذی کا درجہ قرار دیا ہے۔



﴿ مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف ﴾

یہ کتاب خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی تصنیف و تالیف نہیں ہے بلکہ ان کے بعد ان کے شاگردوں سے نسلاً بعد نسل ہم تک نقل ہوئی ہے، امام صاحب کی مرویات کو ان کے مختلف شاگردوں اور بڑے بڑے محدثین نے مسانید کی شکل میں لکھا ہے مثلاً حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری، حافظ ابن عقدہ، حافظ ابو القاسم، حافظ اشنائی، امام حارثی، حافظ ابن عدی صاحب الکامل، حافظ ابن شاہین، امام دارقطنی، حافظ ابو نعیم اصفہانی اور امام ابن عساکر وغیرہ۔

اس وقت جو نسخہ ہمارے یہاں متداول ہے وہ امام حارثی رحمۃ اللہ علیہ کا جمع کردہ ہے جو وہ امام صاحب سے متعدد واسطوں سے نقل کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس کی ترتیب مسانید کی طرز پر ہے اس لیے اس میں امام صاحب کی مرویات ان کے شیوخ حدیث کے حوالے سے منقول ہیں اور کسی خاص ترتیب کے بغیر یہی وجہ ہے کہ اس میں تکرار بھی پیدا ہو گیا ہے، اس مشکل کو علامہ نصکفی اور ملا عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حل کیا چنانچہ اول الذکر نے اس کا اختصار کر کے تکرار کو حذف کیا اور ثانی الذکر نے اسے ابواب فقہیہ اور کتب حدیث کی ترتیب کے مطابق مرتب کر دیا، گویا اس وقت امام صاحب کی یہ تصنیف ہمارے ہاتھوں میں متعدد تبدیلیوں کے بعد پہنچی ہے۔

راقم الحروف کی دلی تمنا ہے کہ مسند امام اعظم کو اس کے شایان شان طریقے سے اعلیٰ معیار پر شائع کیا جائے اور اس کی باقاعدہ تبویب، ترقیم اور تخریج و تہذیب کی جائے جس کے لیے راقم نے ترقیم و تخریج کا کام تو کر دیا ہے، تبویب و تہذیب بھی کر دی ہے اور مکتبہ رحمانیہ ”جہاں سے یہ کتاب طبع ہو رہی ہے“ کو اس کام کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے اور اپنی خدمات انہیں پیش بھی کر دی ہیں، اللہ کرے یہ کام جلد از جلد ہو جائے اور فقہ حنفی اور حدیث کا یہ عظیم ذخیرہ اعلیٰ معیار پر شائع ہو جائے۔

مسند امام اعظم کے اس مختصر تعارف کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی مرویات اور اس کے راوی صحابہ کرام کا ایک جامع تجزیہ پیش نہ کر دیا جائے چنانچہ ذیل میں اسی کی تفصیل پیش خدمت ہے۔



﴿ مسند امام اعظم کی مرویات کا جائزہ ﴾

رقم	اسم الكتاب	عدد الاحاديث	رقم	اسم الكتاب	عدد الاحاديث
۱	كتاب الايمان والاسلام والقدر والشفاعة	۳۰	۱۸	كتاب الرهن	۱
۲	كتاب العلم	۱۱	۱۹	كتاب الشفعة	۳
۳	كتاب الطهارة	۳۹	۲۰	كتاب المزارعة	۲
۴	كتاب الصلوة	۱۱۷	۲۱	كتاب الفضائل	۳۴
۵	كتاب الزكوة	۳	۲۲	كتاب فضل امته <small>صلوات الله عليهم</small>	۶
۶	كتاب الصوم	۱۹	۲۳	كتاب الاطعمة والاشربة والضحايا	۳۴
۷	كتاب الحج	۳۷	۲۴	كتاب اللباس والزينة	۸
۸	كتاب النكاح	۲۵	۲۵	كتاب الطب وفضل المرض والرقى	۱۳
۹	كتاب الاستبراء	۱	۲۶	كتاب الادب	۳۲
۱۰	كتاب الرضاع	۲	۲۷	كتاب الرقاق	۳
۱۱	كتاب الطلاق	۱۵	۲۸	كتاب الجنایات	۳
۱۲	كتاب النفقات	۲	۲۹	كتاب الاحكام	۱۰
۱۳	كتاب التدبير	۳	۳۰	كتاب الفتن	۳
۱۴	كتاب الايمان	۷	۳۱	كتاب التفسير	۱۵
۱۵	كتاب الحدود	۶	۳۲	كتاب الوصايا والفرائض	۶
۱۶	كتاب الجهاد	۷	۳۳	كتاب القيمة وصفة الخنة	۳
۱۷	كتاب البيوع	۲۳	كل تعداد	۵۲۳	

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظم کی وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہ ”کتاب الصلوٰۃ“ ہے اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے کم ہے وہ کتاب الاستبراء اور کتاب الرہن

ہے۔



مرویات صحابہ در مسند امام اعظم

(بترتیب حروف تہجی)

تعداد مرویات	نام صحابی	تعداد مرویات	نمبر شمار	نام صحابی	نمبر شمار
۱	حضرت عبداللہ بن انیس	۲۰	۱	حضرت اسامہ بن زید	۱
۱	حضرت عامر بن ربیعہ	۲۱	۱	حضرت اسامہ بن شریک	۲
۱	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی	۲۲	۲۳	حضرت انس بن مالک	۳
۱	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی	۲۳	۳	حضرت براء بن عازب	۴
۱	حضرت عبداللہ بن شداد	۲۴	۲۸	حضرت بریدہ بن حصیب سلمی	۵
۴۳	حضرت عبداللہ بن عباس	۲۵	۱	حضرت ثوبان	۶
۱	حضرت عبداللہ بن عثمان (سیدنا صدیق اکبر)	۲۶	۲	حضرت جابر بن سمرہ	۷
۷۹	حضرت عبداللہ بن عمر	۲۷	۴۱	حضرت جابر بن عبداللہ	۸
۴۹	حضرت عبداللہ بن مسعود	۲۸	۳	حضرت جریر بن عبداللہ	۹
۱	حضرت عبداللہ بن مغفل	۲۹	۱	حضرت جعفر بن ابی طالب	۱۰
۱	حضرت عبدالرحمن بن ابی بزی	۳۰	۱۲	حضرت حذیفہ بن الیمان	۱۱
۱	حضرت عثمان بن عفان	۳۱	۳	حضرت خزیمہ بن ثابت	۱۲
۱	حضرت عدی بن حاتم	۳۲	۲	حضرت رافع بن خدیج	۱۳
۱	حضرت عطیہ قرظی	۳۳	۱	حضرت زید بن ثابت	۱۴
۷	حضرت علی مرتضی	۳۴	۱	حضرت سبرہ بن معبد الجہنی	۱۵
۲	حضرت عمران بن حصین	۳۵	۱	حضرت سعد بن عبادہ	۱۶
۶	حضرت عمر بن الخطاب	۳۶	۵	حضرت سعد بن ابی وقاص	۱۷
۱	حضرت قطبہ بن مالک	۳۷	۱	حضرت سعید بن زید	۱۸
۴	حضرت مغیرہ بن شعبہ	۳۸	۱	حضرت طلحہ بن عبیداللہ	۱۹

۱۲۵۸۲۴

۳۹	حضرت نعمان بن بشیر	۴	۵۰	حضرت ابو قتادہ انصاری	۲
۴۰	حضرت واثلہ بن اسقع	۱	۵۱	حضرت ابو مسعود انصاری	۱
۴۱	حضرت وائل بن حجر	۴	۵۲	حضرت ابو موسیٰ اشعری	۷
۴۲	حضرت ابو ایوب انصاری	۲	۵۳	حضرت ابو ہریرہ	۲۲
۴۳	حضرت ابو بردہ بن نیار	۱	۵۴	حضرت امیمہ بنت رقیقہ	۱
۴۴	حضرت ابو بکرہ	۱	۵۵	حضرت حفصہ	۱
۴۵	حضرت ابو جحیفہ	۲	۵۶	حضرت عائشہ صدیقہ	۵۳
۴۶	حضرت ابو الدرداء	۱	۵۷	حضرت عائشہ بنت عمر	۱
۴۷	حضرت ابو ذر غفاری	۴	۵۸	حضرت ام سلیم	۱
۴۸	حضرت ابو سعید خدری	۲۱	۵۹	حضرت ام عطیہ	۲
۴۹	حضرت ابو عامر اشجعی	۱	۶۰	حضرت ام ہانی بنت ابی طالب	۱۲

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظم میں جن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مرویات آئی ہیں، ان کی تعداد ساٹھ ہے جن سے ۴۷۸ روایات نقل کی گئی ہیں، جبکہ بقیہ مرویات میں مراہیل اور نامعلوم الاسم صحابہ کرام کی روایات شامل ہیں، اس فہرست کے مطابق مسند امام اعظم میں سب سے زیادہ مرویات حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کی گئی ہیں کہ ان کی تعداد ۷۹ ہے، دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۵۳ ہے جبکہ تیسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن مسعود کا نام آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۴۹ ہے۔

مسند امام اعظم کی خصوصیات میں یوں تو بہت سی چیزیں شامل ہیں لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے جو اسے بعد کی کتب حدیث ہی میں نہیں، اپنے زمانے کی کتب حدیث میں بھی انتہائی اہم مقام سے سرفراز کرتی ہے اور وہ یہ کہ موطا امام مالک سے لے کر صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں مؤلف کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ موطا امام مالک کی سب سے عالی سند روایت ”ثنائی“ ہوتی ہے اور صحیح بخاری شریف ”جواہر الکتاب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے“ میں سب سے عالی سند روایت ”ثلاثی“ آئی ہے اور وہ بھی اتنی بڑی کتاب میں بہت زیادہ نہیں، صرف ۲۲ روایات ثلاثیات بخاری ہیں جنہیں راقم الحروف الگ سے جمع کر کے طبع کروا چکا ہے اور اب وہ راقم کی کتاب ”موضوع روایات“ کا حصہ ہے۔

جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد ”جن میں امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف صحابی کا واسطہ ہے اور جنہیں وحدانیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی سند عالی ترین ہے“ آٹھ ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	حدیث نمبر	نام صحابی جو امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں
۱	۳۳	حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی
۲	۹۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی
۳	۲۰۲	حضرت عائشہ بنت عجر
۴	۲۴۶	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری
۵	۲۷۱	حضرت انس بن مالک
۶	۲۷۷	حضرت انس بن مالک
۷	۲۷۹	حضرت عبداللہ بن انیس
۸	۲۸۰	حضرت وائلہ بن اسقع

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ حضرت الامام رضی اللہ عنہ کو کم از کم سات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت و روایت کا شرف حاصل ہے، گو کہ حضرت جابر کے سن وفات اور امام صاحب کے سن ولادت کو سامنے رکھ کر یہ بات ناممکن ہو جاتی ہے کہ امام صاحب کو ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو، اسی طرح حضرت عائشہ بنت عجر کے تفصیلی حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے تاہم اگر ان دونوں کو الگ کر بھی لیا جائے تب بھی پانچ صحابہ کرام سے روایت تو مسند امام اعظم سے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

شرح مسند کا تعارف اور ہمارا اسلوب شرح

مسند امام اعظم کی جو شرح اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جو ناکارہ راقم الحروف کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس کے مطالعہ سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہ کسی منجھے ہوئے فقیہ و محدث اور عالم کی تحقیق نہیں، محض ایک طالب علمانہ کاوش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جدید تحقیقات سے اس کتاب کو لبریز سمجھ کر خریدنے والے مایوسی کا شکار ہوں گے، البتہ شرح حدیث کے حوالے سے اگر کچھ مل جائے تو یہ اس ذات کی برکت سے ہو گا جس کی طرف حدیث کو منسوب کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے مسند امام اعظم کی شرح کو مندرجہ ذیل پانچ حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) عبارت اور ترجمہ: سب سے پہلے تو حدیث کی سنداً و متناً عبارت کو درج کیا گیا ہے اور اس کی تشکیل بالاعراب کی گئی ہے اور اس کے بعد اس کا با محاورہ مفہوم بیان کیا گیا ہے، لفظی ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے منشاء نبوی کی وضاحت کو

فوقیت دی گئی ہے اور اس میں مسند امام اعظم کے کسی ترجمہ کو سامنے نہیں رکھا گیا، بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب پوری کتاب کا ترجمہ ہو چکا تو اس کے بعد حضرت مولانا خورشید عالم صاحب کا ترجمہ علم میں آیا اور افسوس ہوا کہ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو ان ہی کے ترجمے سے استفادہ کر لیتا۔

(۲) حل عبارت: ترجمے کے بعد صرفی و نحوی تحقیق کے ساتھ ساتھ عبارت کے حل پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ عبارت کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط بھی واضح ہو جائے اور عبارت میں کسی قسم کی پیچیدگی بھی باقی نہ رہے، نیز مشکل الفاظ کا لغوی معنی بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۳) تخریج حدیث: مسند امام اعظم کی شرح میں جس چیز نے راقم الحروف کو تھکاوٹ کی لذت سے سب سے زیادہ آشنا کیا، وہ اس کی احادیث کی تخریج تھی، اور اس لذت کو وہی جانتے ہیں جو اس راہ سے کبھی گزرے ہوں یا اس کی صعوبتوں سے واقف ہوں، اس سلسلے میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک ایک حدیث کا حوالہ تلاش کرنے میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے بھی صرف ہوئے اور ایسا بھی ہوا کہ صرف ایک گھنٹے میں دسیوں حدیثوں کا حوالہ مل گیا۔

تخریج کے دوران مسند امام اعظم کے حاشیہ ”تنسیق النظام“ سے بہت مدد ملی اور اس کے مؤلف حضرت مولانا محمد حسن سنبھلی کی محدثانہ شان کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرنا پڑا، لیکن یہ خیال بھی دامن گیر ہوا کہ اگر حضرت ہم سے جیسے نکتوں کے لیے کتب حدیث کے حوالے کے ساتھ ساتھ ان کے ابواب اور کتب کا حوالہ بھی دے دیتے تو بہت آسانی ہو جاتی، اس سلسلے میں مفتاح کنوز السنۃ، نیل الاوطار اور صحیح ابن حبان کے جدید نسخوں سے بہت فائدہ ہوا جن کے آخر میں اطراف حدیث کی فہرست سے حدیث تلاش کرنے میں سہولت رہتی اور متعلقہ مقامات پر حدیث دستیاب ہو جاتی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ فضل خداوندی اور توفیق ایزدی نے یاوری کی اور مسند امام اعظم کی صرف آٹھ احادیث کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث کا حوالہ مل گیا، لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حوالہ جات نقل کرنے میں نے اس چیز کا التزام نہیں کیا کہ کتب حوالہ اور مسند کی روایت کے الفاظ بعینہ ایک جیسے ہوں، بلکہ اگر دو حدیثوں کا مفہوم ایک ہو اور معمولی لفظی اختلاف بھی باقی رہا تو اس اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام روایات میں ایسا ہوا ہے بلکہ اکثر مقامات پر لفظی اختلاف تو ہے ہی نہیں، اس لیے ان کا حوالہ بھی سپرد قلم کر دیا گیا۔

رہی یہ بات کہ وہ آٹھ حدیثیں کون سی ہیں جن کا راقم کو حوالہ نہیں مل سکا تو ان کے نمبر حسب ذیل ہیں۔

۱۳۰ (۱)	۱۸۶ (۲)	۲۹۸ (۳)	۳۴۰ (۴)
۳۴۷ (۵)	۳۸۷ (۶)	۴۴۶ (۷)	۴۵۳ (۸)

اور اس کی بھی بنیادی وجہ راقم الحروف کا ناقص استقراء اور کم زور تتبع ہے جس کا اسے یقین و اعتراف ہے اور دوسری وجہ حدیث کی امہات الکتب کی عدم دستیابی بھی ہے جس کی عدم دستیابی سے متاثر ہونے والوں میں راقم الحروف تنہا نہیں ہے۔

(۴) سند حدیث پر بحث: مسند امام اعظم کی ایک تہائی سے زیادہ روایات تو ”ثانیات“ کے زمرے میں آتی ہیں اس لیے وہاں تو سند حدیث پر بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ہی فائدہ البتہ اس بات کی وضاحت پھر بھی ضروری ہے کہ دیگر کتب حدیث کی نسبت اس کتاب کی روایت کو کیوں تفوق حاصل ہے؟ سو اس سلسلے میں راقم الحروف نے ابتداءً اس عنوان کا بھی التزام رکھا ہے تاہم جب اس چیز کا احساس ہو گیا کہ قارئین امام صاحب کی سند کی اہمیت سے واقف ہو چکے تو اسے ترک کر دیا گیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسند امام اعظم کی بعض اسانید اور بعض راویوں پر بعض حضرات کے کچھ تحفظات ہیں جن پر وہ حضرات محدثین کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، لیکن ہماری نظر میں ان تحفظات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے کہ کسی راوی کے بارے میں تمام محدثین کا ہم خیال ہونا ممکن تو ہے لیکن ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ہی راوی کے بارے میں محدثین کرام کی متضاد آراء سامنے آتی ہیں اور اس کی ایک دو نہیں، سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اس لیے اگر مثلاً امام بخاریؒ ایک راوی کو متروک یا ضعیف قرار دیتے ہیں تو ان کے پاس وہ وجوہات اور اسباب موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ یہ حکم لگاتے ہیں اور اگر اسی راوی کے بارے میں مثلاً امام مسلم قابل احتجاج ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ بھی دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے، دیگر محدثین اور امام صاحب کے درمیان بھی اگر اسی ضابطے کو پیش نظر رکھ لیا جائے تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہے گا۔

(۵) مفہوم: چونکہ مسند امام اعظم کی بہت سی مرویات ایسی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی فقہی حکم سے ہے اس لیے شرح حدیث کے وقت فقہی اختلافات کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے، بالخصوص جبکہ یہ کتاب درس نظامی میں بھی شامل ہے اور فقہ حنفی کے اہم ماخذ میں سے بھی ہے لیکن اس کتاب پر جب قلم اٹھانے کا ارادہ کیا گیا تو اسی وقت یہ عزم کر لیا تھا کہ انشاء اللہ اس شرح میں فقہ الحدیث کو شرح حدیث کے طور پر لیا جائے گا، اور فقہی اختلافات ان کے دلائل اور جوابی دلائل سے گریز کیا جائے گا۔

کیونکہ فقہی اختلافات تو کتب فقہ میں بڑی تفصیل سے ذکر کر دیے جاتے ہیں، نیز دورہ حدیث کی کتابوں میں بھی ہر مسئلہ پر اختلافی نقطہ نظر شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر یہ ایک عام نظریہ بن چکا ہے کہ کتب حدیث بھی درحقیقت کتب فقہ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کتب حدیث میں دلائل فقہ ملتے ہیں اور اختلاف ائمہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے علماء اور طلبہ کا محور صرف فقہی

اختلافات ہی رہ جاتے ہیں اور وہ انہی کو ازبر کرنے میں لگے رہتے ہیں اور حدیث کا جو بنیادی مقصد تعلیم و تربیت ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، وہ احادیث کو صرف اختلافات میں بنیاد بناتے ہیں، اتفاقیات میں ان پر عمل نہیں کرتے، پھر ہر ایک دوسرے کی تغلیط یا تضعیف کے درپے ہوتا ہے۔

اس تمام صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہی اختلافات کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے یہاں شرح حدیث کے ان پہلوؤں سے بحث کی جائے گی جس میں ان احکام کا پس منظر، حکمت اور عملی راہ ہموار ہو سکے اور صرف علماء ہی نہیں، عوام بھی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کا تجزیہ کر سکیں اور الحمد للہ! میں آخر تک اس روش پر قائم رہا ہوں جس کی بہتری یا عدم بہتری قارئین کی رائے پر موقوف نہیں۔

اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں شکر کے جن جذبات اور احساسات سے لبریز ہوں، قلم ان کی ترجمانی سے انکاری ہے، اللہ کی توفیق سے صرف تین ماہ میں یہ ساری کتاب قبلہ رو بیٹھ کر لکھی گئی ہے، حضرت امام صاحبؒ کی محبت سے زیادہ حدیث پیمبر کے ساتھ قلبی لگاؤ کا اس کتاب کے منصفہ شہود پر آنے میں عمل دخل ہے۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مکتبہ رحمانیہ کے منتظمین کا شکر یہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، جنہوں نے اس کام کی طرف متوجہ کیا اور اس کی طباعت کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے اس خدمت کو ذخیرہ آخرت بنائے، حضرت امام صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور حدیث پیمبر اور ذات پیمبر کے ساتھ قلبی اور والہانہ عقیدت و محبت عطاء فرمائے۔ آمین

محمد ظفر غفرلہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بروز منگل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث اور نبوت دونوں کی تاریخ آغاز ایک ہی ہے ہر نبی کا کلام حدیث اور ہر حدیث کا ماخذ لسان نبی رہی ہے اس لیے جو اہمیت کسی نبی کو حاصل ہوتی ہے وہی اہمیت و حیثیت اس نبی کی احادیث کو بھی حاصل ہوگی اور یوں بھی ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ معصوم کی باتیں بھی معصومیت سے بھرپور ہوں گی اس لیے کلام نبوت میں عصمت اور معصومیت کا ہونا ایک بدیہی اور واضح بات ہے۔

ہم جس کتاب کا آغاز کر رہے ہیں اس کا تعلق بھی کلام نبوت سے ہے۔ یعنی ان الفاظ و اقوال سے جو لسان نبوت سے ادا ہوئے، تلمیذانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذہان و قلوب نے انہیں محفوظ کیا اور اپنے شاگردوں تک انہیں منتقل کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ نسل در نسل ہم تک چلتا چلا آ رہا ہے اور انشاء اللہ تا حکم رب چلتا ہی رہے گا۔

یوں تو حدیث کی ہر کتاب کے آغاز میں حدیث سے متعلق اجمالی معلومات تحریری اور تقریری طور پر ذکر کی جاتی ہیں جس سے بعض اوقات تکرار کا بھی شبہ بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہاں ہمیں حدیث کے حوالے سے اور پھر اس کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے تین مختلف ابواب میں چند نئی باتیں ذکر کرنا ہیں تاکہ ان کا فائدہ زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے اور وہ نادر و نایاب جواہرات جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ان تک باسانی رسائی ہو سکے۔

والله الموفق والمیسر



﴿تعارف حدیث﴾

عام طور پر کتب حدیث و اصول حدیث میں ”حدیث“ کی تعریف یوں کی جاتی ہے

”الحدیث هو قول النبی ﷺ و أفعاله و تقریره“

اور ”علم حدیث“ کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

”هو علم يعرف به اقوال رسول الله ﷺ و أفعاله و تقریراته“

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حدیث کی تعریف ”نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی مکمل تاریخ“ کی جائے تو اس میں نبی ﷺ کی زندگی کا ہر شعبہ بھی شامل ہو جائے گا اور مذکورہ تعریف بھی اس کا ایک حصہ بن جائے گی، البتہ اس پر یہ اشکال ضرور کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ تعریف حدیث ”جو آپ کی خود ساختہ اور نو ایجاد بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ”بدعت“ ہے“ کا ماخذ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اور ایک متجسس طالب علم کے لیے اس اشکال کا پیدا ہونا ضروری بھی ہے۔

میں اس سوال کا کوئی بھی جواب دیئے بغیر آپ کی توجہ صحیح بخاری شریف کے اصل نام کی طرف مبذول کرائے دیتا ہوں، جواب آپ کی سمجھ میں انشاء اللہ خود بخود آجائے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری کا اصل نام ”الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله ﷺ و سننہ و ایامہ“ ہے، اس کے آخری لفظ ”ایام“ کا عام فہم ترجمہ کسی بھی مستند عربی دان سے پوچھ لیجئے وہ آپ کو اس کا ترجمہ تاریخ ہی بتائے گا اور یہی میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

تدوین حدیث: حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی زندگی اور در نبوت کا ایک ایک گوشہ اور اس کی مکمل تاریخ یوں تو عملی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جانثار و جاں سپار فدائیوں کی صورت میں موجود تھی لیکن اسے علمی طور پر محفوظ کیے بغیر مطمئن ہو کر بیٹھا نہیں جاسکتا تھا اس لیے اسے سب سے پہلے یادداشتوں کی صورت میں محفوظ کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جمع کردہ ”الصحیفة الصادقة“ حضرت علی مرتضیٰؓ کا جمع کردہ ”صحیفة علی“ حضرت جابر بن عبداللہؓ کا نوشتہ

”صحیفہ جابر“ صحیفہ سمرہ بن جندب، صحیفہ ابن عباس، صحیفہ سعد بن عبادہ اور صحیفہ ابن عمر اسی کی مختلف صورتیں تھیں اور وہ املائی فرامین اس کے علاوہ ہیں جو خود حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ نے لکھوائے تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت ”کتاب الصدقہ“ کو حاصل ہے۔

دور صحابہ کے بعد دور تابعین میں بھی ہمیں ان تحریری یادداشتوں کو مختلف مجموعوں کی صورت میں محفوظ کرنے کے شواہد ملتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حزم، امام زہری اور امام شعبی کے مرتب کردہ مجموعہائے حدیث اسی دور کی یادگار ہیں لیکن اس دور کی سب سے اہم ترین خدمت حدیث جو تحریری صورت میں ہمارے سامنے آج بھی موجود ہے وہ صحیفہ ہمام بن منبہ ہے جو سیدنا ابو ہریرہ کی مرویات کا امین اور انہی کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، گو کہ اس صحیفے میں حضرت ابو ہریرہ کی تمام مرویات کا احاطہ نہیں کیا گیا لیکن اس میں موجود تمام احادیث کا جب مسند احمد کی احادیث سے تقابل کیا گیا تو دونوں نسخوں میں رتی برابر بھی فرق نہیں نکلا۔

اسی دور میں ایک جامع کتاب کے طور پر باضابطہ تصنیف ”مسند امام اعظم“ کی صورت میں سامنے آئی، جس میں حضرت الامام ابو حنیفہ کی کبار تابعین سے مروی روایات درج ہیں، اس کتاب کی خصوصیات اور اہمیت و حیثیت پر انشاء اللہ ہم تیسرے باب میں تفصیلی کلام کریں گے۔

عہد اتباع تابعین میں جمع حدیث کا کارنامہ جن ممتاز اہل علم نے سرانجام دیا، ان میں معمر بن راشد صاحب کتاب الجامع، ابن جریج صاحب کتاب الآثار اور امام مالک صاحب موطا بہت نمایاں ہیں، قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن الشیبانی کی کاوشیں بھی اسی دور میں اہل علم کے لیے باعث صد افتخار بنیں۔

اس کے بعد مسانید کا دور آتا ہے جن میں مسند احمد، مسند امام شافعی، مسند ابو داؤد الطیالسی اور مسند نعیم بن حماد وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں، پھر اصحاب صحاح کا دور آیا جس نے باقی تمام ادوار پر نمایاں فوقیت حاصل کر لی، یہی وہ زمانہ تھا جس میں صحاح ستہ کی تالیف ہوئی اور اصحاب صحاح نے اپنے اپنے ذوق اور دقت نظر کے مطابق احادیث کے ایسے مجموعے مرتب اور مدون کر دیئے جو رہتی دنیا تک کے لیے سند اور حجت بن سکیں، امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار بھی اسی دور کی یادگار اور اسی پائے کی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

تدوین حدیث کی یہ مختصر تاریخ ”جس کے بعد بھی کتب حدیث کا ایک بہت قابل قدر ذخیرہ اہل علم اور محدثین کی کاوشوں سے وجود میں آیا“ اس لیے ذکر کی گئی تاکہ ایک تو اس کا مکمل پس منظر واضح ہو جائے اور دوسرے اس اعتراض کی مکمل بیخ کنی ہو جائے جو بعض لوگ ناواقفیت اور کم علمی کی بناء پر کرتے ہیں کہ احادیث تو نبی ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں، اس طویل عرصے میں کسی بات کا بعینہ محفوظ رہ جانا ممکن نہیں ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس باب میں ہمارے اکابر اور اسلاف صالحین کی خدمات اور کاوشوں سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہو

جائے۔

راویان حدیث: اس عنوان کے تحت ہمیں ”رواۃ حدیث“ کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ یہاں ان مشہور اور کثیر الروایہ صحابہ کرام کا ذکر کرنا مقصود ہے جن سے مروی روایات کتب حدیث کے اوراق میں منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں اور ہر طالب حدیث کے کان ان مبارک ناموں سے مانوس ہیں:

- ۱- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۵۳۲) آپ سے ۱۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔
- ۲- ام المومنین حضرت عائشہؓ (۵۵۸) آپ سے ۱۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔
- ۳- حضرت ابو ہریرہؓ (۵۵۹) آپ سے ۱۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔
- ۴- حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۵۶۸) آپ سے ۱۱۶۶۰ احادیث مروی ہیں۔
- ۵- حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۵۷۳) آپ سے ۱۲۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔
- ۶- حضرت ابوسعید خدریؓ (۵۷۴) آپ سے ۱۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔
- ۷- حضرت جابرؓ (۵۷۸) آپ سے ۱۱۵۴۰ احادیث مروی ہیں۔
- ۸- حضرت انسؓ (۵۹۳) آپ سے ۱۲۲۶۶ احادیث مروی ہیں۔

(آثار الحدیث ج ۱ ص ۳۸۰)

اسی فہرست میں حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات بھی آتے ہیں اور ان کی مرویات بھی معتدبہ مقدار میں موجود ہیں۔

مرویات عائشہؓ کی تعداد پر ایک چھوٹا سا مناقشہ

عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی روایات کی تعداد دو ہزار دو سو دس بیان کی جاتی ہے جیسا کہ آثار الحدیث کے حوالے سے حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی رائے ابھی گزری اور حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ”سیرت عائشہ“ میں جو ان کی شہرہ آفاق کتاب ہے، یہی تعداد ذکر کی ہے لیکن ان حضرات کی علمیت اور عملی عظمت، محدثانہ و فقیہانہ، متکلمانہ اور صوفیانہ رفعت و بلندی کے باوصف اور اس اعتراف حق کے ساتھ کہ ان اکابر کے پاؤں کی جوتیوں کی ساتھ خاک کے جو ذرات لگے رہے ہیں، راقم سطور ان سے بھی کم تر اور ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے، تاہم اس علمی امامت کو ”جو ان اکابر کی برکت اور زکوٰۃ ہے“ نئی نسل تک پہنچانا بھی ضروری ہے، اس لیے یہ عرض کرنے کی جرأت و جسارت کی جا رہی ہے کہ مذکورہ رائے کی صحت میں کلام کیا جاسکتا ہے کیونکہ اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی صرف ان روایات کی تعداد کو معلوم کر لیا جائے جو ان سے نقل ہو کر ”امام احمد بن حنبل“ کے

ذریعے ہم تک پہنچی ہیں تو ان ہی کی تعداد دو ہزار چار سو چونتیس بنتی ہے، اب یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو تعداد مذکورہ شیوخ نے بیان فرمائی ہے وہ بخذف مکررات ہے اور مؤخر الذکر تعداد بشمول مکررات ہے کیونکہ شیوخ حدیث یا رواۃ حدیث کی نقل کردہ روایات کی تعداد اسانید کے اعتبار سے شمار کی جاتی ہے نہ کہ متون کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ سند حدیث تو ہر روایت میں بدل جاتی ہے اس لیے بظاہر مؤخر الذکر عدد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم



﴿ کچھ صاحب کتاب کے بارے میں ﴾

یوں تو ہر دور میں تاریخ کا دھارا موڑ دینے کی صلاحیت رکھنے والی عظیم اور عبقری شخصیات موجود رہی ہیں اور ان پر عظیم تصنیفات و تالیفات کے ذریعے التفات بھی کیا گیا لیکن تاریخ کی کچھ شخصیات انتہائی ”مظلوم“ بھی ہیں جن کے پاکیزہ دامن پر ہر زمانے کے کچھ سفہاء اور حتماء گھٹیا اور لچر الزامات لگاتے رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ مظلوم شخصیت حضرت امیر معاویہؓ کی ہے جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ یزید کے ابا تھے، لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ سرور دو عالم ﷺ کے رشتے میں سالے لگتے تھے، وہ کاتب وحی تھے، وہ صحابی رسول تھے، وہ مسلمانوں کے عادل خلیفہ تھے، وہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے والے مدبر حکمران تھے اور نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول، سید اشباب اہل الجنتہ حضرات حسنینؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، آخر ان چیزوں کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟

اسی طرح تاریخ کی دوسری مظلوم ترین شخصیت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہے جنہیں ہر زمانے میں بالخصوص اور عصر حاضر میں بالعموم اس طرح مورد طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے جیسے معاذ اللہ وہ اسلام کے دشمن ہوں، اور سب دشمن کی اس دوڑ میں وہ بھی شامل ہیں جن کے علمی مقام و مرتبہ کو یہ چیز زیب نہیں دیتی اور وہ بھی جنہیں ”علم“ نام کی کسی چیز کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں، امام صاحبؒ کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں میں سے ایک اہم ترین نعمت ”عقل“ کو استعمال کر کے بہت سے غیر منصوص احکام کا استخراج کر لیتے ہیں یا دو متضاد چیزوں کا تضاد دور کر دیتے ہیں یا دو میں سے کسی ایک کو ترجیح دے لیتے ہیں لیکن ان کا یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ آج تک اسے معاف نہیں کیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ میں اس قسم کے مواقع پر اپنے آپ کو اس شعر سے تسلی دے لیتا ہوں۔

اذا اتتك مذمتی من ناقص

فہی الشہادۃ لی بانی کامل

امام ابوحنیفہؒ کا اصل نام نعمان اور والد محترم کا نام ثابت تھا، آپ کے خانوادے میں سب سے پہلے آپ کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سیدنا علی مرتضیٰؓ مسند خلافت پر رونق افروز تھے، ایک مرتبہ آپ کے دادا اپنے بیٹے ثابت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، اس وقت ”ثابت“

بچے تھے سیدنا علی مرتضیٰ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے برکت کی جسے اللہ نے یقینی طور پر حضرت الامام کی صورت میں شرف قبولیت عطاء فرمایا۔

آپ کی پیدائش کوفہ میں ۸۰ھ میں ہوئی جہاں اس زمانے میں علم کی گرم بازاری پورے عروج پر تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؑ کے ہزاروں شاگرد نے اس نوآباد چھاؤنی کو ایسا بارونق اور علمی ذوق سے بھرپور شہر بنا دیا تھا جہاں پوری دنیا کے منتخب اور ممتاز اہل علم قیام پذیر تھے، اسی وجہ سے طبعی طور پر فقہ حنفی کے اکثر مسائل مذکورہ دونوں صحابہؓ کی روایات و درایت کے انتہائی قریب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ خوش رو، خوش لباس، خوشبو پسند کرنے والے، خوش مجلس، نہایت کریم النفس اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قدمیاد تھا، نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز، گفتگو نہایت شیریں، آواز بڑی دلکش اور وہ خود بڑے قادر الکلام تھے، عمر امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کسی قدر دراز قامت تھے، آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی، اچھا لباس پہنتے، عام طور پر اچھی حالت میں رہتے، خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا بنیادی طور پر آپ ریشمی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے اور آپ ماتحتی میں بے شمار ورکر اور کارکن کام کرتے تھے لیکن کبھی کسی کو امام صاحب سے شکایت نہیں ہوئی۔

امام صاحبؒ نے کم از کم چار صحابہ کرامؓ کو پایا ہے۔

۱- حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کو کوفہ میں۔

۲- حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کو مدینہ منورہ میں۔ ۳- حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ کو مکہ مکرمہ میں۔

بعض حضرات نے یہ تعداد اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے جیسا کہ عنقریب آپ مسند امام اعظم کے تعارف میں پڑھ آئے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف اتنی بات سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور ہم بجا طور پر امام صاحب رضی اللہ عنہ کو تابعین میں شمار کر سکتے ہیں۔

حضرت امام صاحبؒ کے فضائل و مناقب یوں تو بہت زیادہ ہیں اور ان کے سوانح نگاروں نے ان کا احاطہ بھی کیا ہے، اسی طرح ان پر کیے جانے والے سطحی اور بیکار اعتراضات بھی بہت زیادہ ہیں، جن میں سے ایک اہم ترین اعتراض ان کی محدثانہ حیثیت پر ہے، چونکہ یہ کتاب ان کی محدثانہ حیثیت اور شان و شوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس لیے یہاں اس اعتراض کا جائزہ لینا ضروری ہے اور ہماری رائے میں حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ کی تحریر اس سلسلے میں بہت عمدہ اور مضبوط ہے، اس لیے ہم اسے ہی نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مولد و مدفن

آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے، علمی پایہ کے لحاظ سے کوفہ ہمیشہ ممتاز شہر رہا ہے علامہ

کوثری نے نصب الراية کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخی لکھی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی کے ۷۱ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا تھا، اس کے ارد گرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم و نسق کے لیے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعود کی مجھے یہاں خود بھی ضرور تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لیے ان کو بھیج رہا ہوں، انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہد عثمان کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیمی دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نو آباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہو گئے حتیٰ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے ”اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا۔ کوفہ بحالت موجودہ ہی کیا کم تھا کہ اس مدینۃ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے، ایک سعید بن جبیر تنہا یہاں ابن عباس کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کوفہ والے ان کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

شعسی کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمر ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے میں ان غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت ان کو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعی کا تو کہنا ہی کیا ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے ابو سعید خدری اور حضرت عائشہ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے ابو عمران نے ان کو اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ء میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا، اس نے کہا کیا حسن بصری سے بھی زیادہ؟ انہوں نے کہا ایک حسن بصری سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ، اہل کوفہ، اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعسی کہا کرتے تھے کہ ابراہیم فقہ کے گہوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا علی، عبداللہ بن مسعود، عمر، زید بن ثابت، ابو الدرداء، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا، حضرت معاذ بن جبل نے جو زبان رسالت سے علم بالحلال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا تھا کہ تحصیل علم کے لیے تم حضرت ابن مسعود کی خدمت میں کوفہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور

سیوطی تین سو سے زیادہ پیش نہیں کر سکے اس کے بالمقابل صرف ایک کوفہ میں عجمی پندرہ سو صحابہ کا قیام لکھ رہے ہیں جن میں ستر صحابہ بدری تھے عراق کے بقیہ شہروں میں بسنے والے صحابہ کا ابھی ذکر نہیں ہے (اور یہ تعداد بھی کم ہے ورنہ جو مقام مرکزی چھاؤنی بنا دیا گیا ہو معلوم نہیں کہ وہاں کتنے اور صحابہ کا گزر ہوا ہوگا) رامہرمزی اپنی کتاب ”الفاصل“ میں قابوس سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں؟ یہ ابن مسعود کے شاگرد تھے۔ فرمایا اے جان پدر! بات یہ ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود ان کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لیے آتا دیکھتا ہوں۔ شرح جو یہاں کے قاضی تھے ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے ”اے شرح! اٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔“ ان کے علاوہ تینتیس (۳۳) اشخاص یہاں اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں ارباب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔

اس دور کے بعد دوسرا دوران حضرات کے تلامذہ کا شروع ہوتا ہے ان کا عدد بھی ہزاروں سے متجاوز تھا امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ دیر جماعہ میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے ایک عبدالرحمن بن الاشعث کے ساتھ جو جماعت نکلی تھی اس میں چار ہزار کی تعداد صرف قراء تابعین کی تھی۔ رامہرمزی انس بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہا موجود تھے۔ نیز عفان بن مسلم سے ناقل ہیں کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو ہم نے وہاں صرف چار ماہ اقامت کی حدیث کا وہاں یہ چرچا تھا کہ اگر ہم ایک لاکھ حدیثیں لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں ہی پر اکتفاء کیا اور صرف وہی حدیثیں جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلم تھیں انتہی۔

اسی لیے مسلم ائمہ و حفاظ کو بھی طلب حدیث کے لیے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر آج بھی آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ حتیٰ کہ خود امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ حدیث حاصل کرنے کے لیے کتنی بار کوفہ گیا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اگر مہبط وحی ہونے کا فخر حاصل تھا تو کوفہ کو ہزاروں صحابہ کے مرجع و مسکن ہونے کا بجا فخر حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کو دیگر بلاد اسلامیہ کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ امام ترمذی نے فقہ کا کوئی باب کم چھوڑا ہے جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو۔

۱۔ یہ عفان بن مسلم امام احمد اور بخاری وغیرہ کے شیخ ہیں۔ علی بن مدینی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی حرف میں ان کو ذرا شبہ پڑ جاتا تو اسے سرے سے ترک کر دیا کرتے تھے۔ (تقریب) اب اندازہ فرمائیے کہ جب اس سخت شرط کے ساتھ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ان کو کوفہ میں مل سکتا ہے تو حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا مرتبہ کیا ہوگا۔

یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ سرِ مو بھی کتاب و سنت سے تجاوز کر سکتی ہے۔

اخلاق کریمانہ

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لیے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھتے اور اس نفع سے محدثین کے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے اس سے جو بچ رہتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے اور کہتے کہ اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کر لو اور خدا کا شکر ادا کرو میرے شکر کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تو تم کو دیا نہیں تمہارے ہی مال کا نفع ہے یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنا دیا ہے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخاست ہو گئی اور یہ تہا رہ گیا تو فرمایا مصلیٰ اٹھا کر جو اس کے نیچے تم کو ملے وہ لے لو اس نے جائے نماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے آپ نے فرمایا یہ لے لو اور اپنا لباس درست کر لو۔ وہ بولا میں خود صاحب وسعت ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے فرمایا تو پھر اپنا حال ایسا بناؤ کہ تمہیں ذکھ کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت و کرم کے آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک ریشمین کپڑا آپ سے مانگا آپ نے ایک کپڑا اس کے لیے نکالا تو وہ بولی میں بڑھیا عورت ہوں اور یہ معاملہ امانت کا ہے مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے۔ فرمایا چار درہم دے دے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنائیے اور ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت وصول ہو گئی تھی اب یہ کپڑا مجھے چار ہی درہم میں بیچ رہا ہے۔^۱

ابن مبارک نے سفیان ثوری سے پوچھا ابوحنیفہ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں کرتے؟ سفیان نے جواب دیا ابوحنیفہ اس سے بالاتر ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسلط کریں۔ (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی نیکیاں لے لے)۔^۲

^۱ خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۱ و ۳۶۲۔

^۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۳۔

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں، مفصل تذکروں میں دیکھے جاسکتے ہیں ان چند واقعات میں امام صاحب کی صرف ہمدردی اور مساوات قابل غور نہیں ہے۔ دنیا میں سخی اور کریم اور بھی گزرے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہاں آپ نے صرف ہمدردی نہیں کی بلکہ بے منت ہمدردی کرنے کے اصول بھی بتا دیئے۔ ہمدردی کا ایفاء محتاج کی حاجت روائی کرنا پھر اس کو سبک روح رکھنا اور ایسے طریقے نکال لینا جن سے اپنے نفس کو محسن اور محتاج کو ندامت کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سردست اس کی حاجت رفع ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس کو سوال کی عادت بد بھی نہ پڑنے پائے۔ یہ ایک قیمتی سبق ہے جو ان چند واقعات سے ہم کو ملتا ہے۔

تحصیل علم

زفر بن ہذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے سنا ہے کہ مجھے علم کلام کا پہلے اتنا شوق تھا کہ میں اس علم میں شہرہ آفاق ہو گیا تھا۔ حماد بن ابی سلیمان کا حلقہ درس میرے قریب تھا، ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا ایک شخص کی بی بی باندی ہے وہ سنت کے موافق اسے طلاق دینا چاہتا ہے کتنی طلاقیں دے؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کیا جواب دوں۔ میں نے کہا حماد سے پوچھ اور واپس آ کر مجھے بھی بتا۔ وہ حماد کے پاس گئی، انہوں نے فرمایا جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو جماع کرنے سے پہلے اسے صرف ایک طلاق دینا چاہیے۔ جب دو حیض اور گزر جائیں تو پھر وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس نے واپس آ کر مجھ سے ان کا جواب نقل کیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ علم کلام بھلا کس کام کی چیز ہے اور اپنے جوتے اٹھا حماد کی خدمت میں حاضر ہو گیا وہ مسائل بیان کرتے، میں ان کو سنتا اور یاد رکھتا۔ جب دوسرے دن وہ تشریف لاتے پھر ان کا اعادہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میں نے ان مسائل کو صحیح ضبط کیا ہے اور ان کے دوسرے شاگردوں نے غلطیاں کی ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر مقام پر ابو حنیفہ کے سوا اور کوئی شخص نہ بیٹھے۔ دس سال مسلسل بلکہ ان کی وفات تک میں ان کے ساتھ رہا۔ حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے تھے جب

۱۔ حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں تھے۔ تاریخ اصہبان میں ابو الشیخ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی ادھر سے ان کے والد کہیں گھوڑے پر سوار آرہے تھے یہ صورت دیکھ کر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی۔ جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طلبہ ان کے والد (مسلم بن یزید) کے دروازہ پر آئے اور دستک دی، یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو انہوں نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ کے فرزند حماد کی ضرورت ہے یہ خفیہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا جاؤ بھی باہر جاؤ، اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے۔ ابن عدی نے "الکامل" میں نقل کیا ہے کہ حماد فرماتے تھے کہ میں قنادہ طائس اور مجاہد سے ملا ہوں۔ جب ابراہیم نخعی سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مسائل کا حل کس سے کیا کریں تو انہوں نے حماد ہی کا نام لیا تھا۔ (مقدمہ زیانی)

واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ اس اثناء میں آپ کو زیادہ یاد کس کی رہی، میرا خیال تھا وہ یہی فرمائیں گے تیری لیکن انہوں نے ابوحنیفہؒ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابوحنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا ہے اور زمانہ تلمذ سے ہی آپ کی کنیت ابوحنیفہؒ تھی یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ کنیت امام صاحب نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی۔ اسی روایت سے امام صاحب کے صحت ذوق، سلامتی فطرت اور قوت حفظ کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے صرف درس حدیث کے صدر نشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حفظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے۔

ماخذ علم

خطیب بغدادی روایت کرتا ہے کہ امیر المومنین ابو جعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں کا۔ فرمایا، آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا، یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس ہستیاں تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ میرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن کو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ رہ گئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی قرآن دانی اور قرآن نہیں امت میں ضرب المثل ہو چکی ہے اب سوچئے کہ جو علم اتنے جامع اور مضبوط ماخذ سے حاصل کیا گیا ہو گا وہ کتنا عمیق اور کتنا مستحکم ہو سکتا ہے۔ نفسیاتی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں، کوفہ جو امام اعظمؒ کا مسکن تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بسایا اور آباد کیا ہوا تھا پھر جو صحابی اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے گئے وہ ابن مسعود ہی تھے۔ حضرت علیؒ کا تو کوفہ دار الخلافت ہی رہ چکا تھا اس لیے اہل کوفہ کے لیے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود تھی۔ کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر ہر جزئی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہوگا انتہا درجہ کی ناواقفی ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے زیر تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور انداز طبیعت قائم ہو چکا تھا، وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے اصول استنباط، اصول فکر، مصالح و مضار پر غور و خوض کا زاویہ نظر سب ان ہی سے متحد تھا۔ اس لیے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا۔

اصول و عقائد

یحییٰ بن ضریس کہتے ہیں کہ میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحبؒ پر

کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا اعتراض کیا ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ فرماتے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتا ہوں۔ اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول دونوں میں نہیں ملتا تو پھر میں آپ کے صحابہ کے اقوال تلاش کرتا ہوں اور ان میں جو زیادہ پسند آتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا ہاں جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کا اتباع کرنا لازم نہیں سمجھتا جیسا انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کر لیتا ہوں۔^۱

ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا خراسان میں دو قسم کے لوگ سب سے بدتر ہیں، جہمیہ اور مشبہ۔ ابو یوسف سے دوسری جگہ اس طرح منقول ہے کہ امام صاحب جہم بن صفوان کی مذمت کیا کرتے تھے اور اس کی باتوں پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ عبدالرحمان جمانی کہتے ہیں میں نے ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جہم بن صفوان کافر ہے، یحییٰ بن نصر کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ شیخین کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے ختنین سے محبت رکھتے تھے، تقدیر کے قائل تھے اور اس میں کوئی مین میخ نہیں نکالتے تھے مسح علی الخفین کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اور متقی عالم تھے۔^۲ ابو سلیمان جوزجانی اور معلیٰ بن منصور رازی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ میں کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہاں بشر مرسی اور ابن ابی داؤد نے اس مسئلہ میں بحث شروع کی اور انہوں ہی نے امام صاحب کے تلامذہ کو بدنام کیا۔^۳

محدثین کی نظروں میں امام اعظم کی ثقاہت

امام ابو داؤد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے شافعی پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے۔ ابو حنیفہ پر رحمت نازل اپنے زمانہ کے امام تھے۔ امام احمد جب کبھی امام ابو حنیفہ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لیے دعاء رحمت فرماتے۔^۴

حسن بن علی حلوانی شبابہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں شعبہ اچھا خیال رکھتے تھے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، کعب، عباد، جعفر بن عون، جیسے اجلہ محدثین نے روایت کی ہے وہ ثقہ ہیں ان کی روایت میں کوئی سقم نہیں۔ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا اے ابو زکریا (ان کی کنیت

۱ خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۸ ۲ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۷

۳ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۸

۴ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳

۵ تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳

ہے) کیا ابو حنیفہ حدیث کے بارے میں سچے شمار ہوتے تھے انہوں نے فرمایا نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا، کیا ابو حنیفہ کبھی خلاف واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟ فرمایا محدثین ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی۔

خطیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دوبار فرمایا ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔^۱ خارجہ بن مصعب اور ابو وہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابو حنیفہ پر نکتہ چینی کرے وہ بلاشبہ ناقص العقل ہے۔^۲

حافظ ابن حجر شافعی نے امام صاحب کے مناقب نقل کر کے یحییٰ بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کی اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے مناقب بہت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جنت فردوس میں ان کو جگہ دے۔ ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔

فقہ حنفی کا امتیاز

اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زیلیعی کے مقدمہ میں ایک مختصر مقالہ سپرد قلم کیا ہے، ہم یہاں اس کا اختصار ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوری کی تشریح دادہ ہے۔ امام طحاوی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوری چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں۔ ابو یوسف، زفر بن الہذیل، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعی کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ خطیب نے امام ابو یوسف کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے۔ عافیہ ازدی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، حبان، مندل۔

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے، اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا، اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ صیمری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ

۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۹

۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۱۹ و ۳۲۰

۳ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۶۳ و ۳۶۸

مسائل میں بحث و تمحیص کرتے اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحب فرماتے اب اس کو لکھ لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے۔ یحییٰ بن معین "التاریخ والعلل" میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ایک دن امام ابو یوسف سے فرمایا اے یعقوب جو کچھ مجھ سے سنا کرو اسے فوراً ہی نہ لکھ لیا کرو کیونکہ کبھی ایک مسئلہ کے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے۔ اس روایت سے موفق مکی کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ پر اپنے مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ وہ بہت خوشی سے اپنی رائیں پیش کریں پھر اس پر خوب جرح و قدح ہو اس کے بعد اگر سمجھ میں آجائے تو اس کو قبول کر لیں۔ مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کی مجلس شوریٰ نقلی و عقلی ہر دو لحاظ سے بہت مکمل مجلس تھی۔ اس میں اگر حفاظ و محدثین، عربیت و تفسیر کے جاننے والے تھے تو زفر بن ہذیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے۔ ان ہی اہل علم و فہم علماء کے تبادلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا تھا اس کے مصالح و مضار سب اس طرح سامنے آجاتے تھے کہ زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی۔

خطیب امام ابو یوسف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے وکیع سے کہا ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے۔ وکیع نے فرمایا ابوحنیفہ غلطی کر کیسے سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ ابو یوسف و زفر جیسے قیاس کے ماہر یحییٰ بن ابی زائدہ حفص بن غیاث، حبان و مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معین جیسے لغت و عربیت کے جاننے والے داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہوں۔ اگر وہ غلطی کھائیں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔ دراصل فقہ حنفی کی عام مقبولیت کا منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا مگر اس کا یہی کمال محدثین کی نظروں میں موجب نقصان بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عام محدثین کا طور فکر بالکل اس سے جداگانہ تھا۔ وہ اس تمام غور و خوض کو رائے کی مداخلت تصور کرتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک معذور بھی تھے کیونکہ آئین شریعت کی اس طرح ترتیب و تشکیل کا امت میں یہ پہلا قدم تھا اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانا چاہیے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھر شدہ شدہ دوسرے اماموں کو بھی اسی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی حتیٰ کہ کوئی امام ایسا نہیں رہا جس کی فقہ بالآخر اسی مرتبہ شکل پر نہ آگئی ہو مگر "البادی الظلم" کے قاعدہ کے موافق اصحاب الرائی کا اولین مخاطب صرف حنفیہ رہ گئے۔

۱۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن جو امام مالک کے استاد ہیں اپنی اسی خدمت کی وجہ سے ربیعۃ الرائی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کہتے تھے اے اہل عراق تم تو ربیعۃ الرائی کہتے ہو اور خدا کی قسم ہے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے مگر اس کے باوجود ان کی طرف رائے کی نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا لقب ہی ربیعۃ الرائی پڑ گیا تھا۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذیل ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداخلت برائے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقہ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں، امام شاطبیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر طعن کرنا اس لیے جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا۔ حالانکہ امام صاحب کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے۔“

انصاف کیجیے کہ ایک آئینی نظر کے لیے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیار صحت صرف اسناد ٹھہر گیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک رکھ لیتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مصراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے وسیع باب میں اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس لیے یہاں بھی اس باب کے عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا تو کچھ بے جا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابو عمرو کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من وعن تسلیم کیا ہو اپنے استقراء و اجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بہ بنا لیا گیا تو اس کی مخالف حدیث میں سب نے تاویل و توجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا۔ جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عموماً قابل تاویل سمجھا ہے۔ مثلاً انسانی حاجت کے لیے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھنا چاہیے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول ہر طریق پر جانچا تو لا جب ان کے نزدیک ادب و احترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت ﷺ کو قضاء حاجت کے لیے قبلہ کی جانب پشت کیے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا، اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا صرف ایک ذوالیدین کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہواً اور کسی کو عمدات چیت کرنے کی نوبت آگئی تھی اس کے باوجود ان

کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ ہی کی تخصیص و توجیہ شروع کر دی، جبکہ حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر، اس لیے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترک حدیث رکھ لیجے یا عمل بالحدیث رکھے۔ اسی قسم کے امتیازات کی بناء پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں اگر علماء انسانوں کی ضرورت اور دین حنیف کی سہولت کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الحلیل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظم کا علمی پایہ

شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ نصر بن شمیل کہتے ہیں لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے ابو حنیفہ نے آ کر انہیں بیدار کیا۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، واقعی بات یہ ہے کہ ابو حنیفہ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کو فیوں کا قول اختیار کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابو حنیفہ ہی کی ہے جعفر بن ربیع کہتے ہیں میں پانچ سال ابو حنیفہ کی خدمت میں رہا، ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے۔ عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابو حنیفہ کے لیے دعا کیا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیئے ہیں۔ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحب کی وفات کی خبر پہنچی، انہوں نے فوراً انا اللہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا۔ اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے۔^۱

علم فقہ کا انتخاب

جو شخص امام صاحب کے مناظرات و حالات سے ذرا بھی واقف ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام صاحب کو جمیع علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ علم کلام سے آپ کی ابجد شروع ہوتی ہے اور حدیث و تفسیر و فقہ تو آپ کا مشغلہ ہی تھا۔ مورخ ابن خلکان آپ کے متعلق یہ لکھتا ہے ”ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة“ یعنی آپ پر قلت عربیت کے سوا اور کوئی نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ اس کے اسباب بھی جو کچھ ہیں وہ تحقیق کے بعد کچھ نہیں رہتے لیکن ہم اس سلسلہ میں ان چند اسباب کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بناء پر امام صاحب نے دیگر علوم کی بجائے علم فقہ کو اپنا دائمی مشغلہ بنا لیا تھا۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ جو شخص حدیث و قرآن نہیں جانتا وہ فقہ سے بھی کوئی مجتہدانہ مذاق نہیں رکھتا۔

ہمارے نزدیک اس موقع پر اختیاری اسباب کے ساتھ کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فقہ ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ ہو جانا چاہیے تھا۔ مناقب موفق اور تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد علم فقہ کی مہارت کے لحاظ سے جن پر نظریں پڑتی تھیں وہ حماد بن ابی سلیمان مفتی کوفہ تھے جب تک یہ بقیہ حیات رہے لوگ ان کی وجہ سے دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو اب اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ان کا کوئی دوسرا جانشین ہو ادھر ان کے تلامذہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کے محترم استاد کا نام اور ان کا علم کہیں ختم نہ ہو جائے۔ حماد کے ایک فرزند تھے جو اچھے عالم تھے ان پر اتفاق ہو گیا کہ انہیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا جائے۔ ابو بکر نیشلی اور ابو بردہ وغیرہ جو ان کے شاگرد تھے اب ان کے پاس آنے جانے لگے لیکن ان حضرات پر شعر و سخن کا ذوق غالب تھا یہ اس جگہ کو نبھانہ سکے پھر لوگوں کا خیال ابو بکر نیشلی کی طرف گیا ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابو بردہ کی خدمت میں یہ مسند پیش کی گئی مگر انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر لوگوں نے امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ علم فنا ہو جائے اس لیے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور مسند افتاء پر بیٹھ گئے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱)

واقعہ یہ ہے کہ جب مفتی کوفہ کی مسند پر بیٹھنے کے لیے قدرت نے امام صاحب ہی کو انتخاب کیا ہو تو اس جگہ کوئی دوسرا کیسے بیٹھ سکتا تھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ امام ابو حنیفہ وہی ہیں جن کے سامنے جب منصب قضاء پیش کیا گیا تو ہر سختی و ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر منصب قضا قبول نہ کیا اور یہی ہیں کہ جب ان سے ایک آزاد علمی خدمت کی درخواست کی گئی تو فوراً قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بہر حال اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اتفاقات

ساویہ کی بناء پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لیے مخصوص ہو چکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شناوری کی مسند تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہیے تھا۔

حافظ ابن عبدالبرّ ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا انہوں نے فرمایا اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انہوں نے فرمایا یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے سے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمش اور امام صاحب کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ عبید اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا، وہ اس کا جواب نہ دے سکے دیکھا تو وہاں ابو حنیفہؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے فرمایا اے نعمانؒ اس کے متعلق تم کچھ بولو انہوں نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ اعمشؒ نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی۔ اس پر اعمش نے کہا نحن الصیادلة وانتم الاطباء (تم لوگ اطباء ہو اور بھئی ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا اشاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب و خواص نہیں جانتا، اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں۔^۱

خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہو جاتی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم و اسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہو جائیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے کہا بے شبہ ابو حنیفہؒ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمشؒ کو امام صاحب کا یہ استنباط بہت پسند آیا تھا۔^۲

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں و كذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ دو علیحدہ چیزیں نہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ محدث کے نزدیک الفاظ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم۔

۱ جامع بیان العلم ص ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱

۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۳۱

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے شغل فقہ صرف امت کے نفع کی خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا اختیار فرمایا تھا۔ الفاظ حدیث تو محفوظ ہو ہی چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباط مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا اس لیے امام صاحب نے اس خالی گوشہ کو پُر کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث و قرآن سے نا آشنا تھے ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ غطار ہیں تو یہ اطباء فقہ کا تمام تار و پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ لہذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لیے کتاب و سنت کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا معنی اس علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و نقل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لیے آپ کے لیے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا تھا۔ امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کی فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھی گئی ہے ایک طرف جہاں امام احمد و امام شافعی کا مسلک نقل کیا گیا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء محدثین کی خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار سے اس کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کی فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں رہنے کے قابل تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے ماخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار کر لیتا تو بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی۔

اسرائیل جو مسلم ائمہ حدیث میں ہیں امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقہیہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظم کی فقہ کے مطابق فتوے

۱۔ مقدمہ ص ۳۱۲۔

۲۔ خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۰۔

دیتے تھے حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

وکان (وکیع) یفتی برأی ابی حنیفة وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا۔ ۱

وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔

امام صاحب کے اساتذہ محدثین کی جو تعداد علماء نے لکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام صاحب نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی، اس لیے بعد کے زمانہ میں آپ کی شان محدثیت نظری بن کر رہ گئی۔

محدثین کو امام صاحب سے وجہ نکارت

تاریخ کا یہ بھی ایک تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے، وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے ورع و تقویٰ، جود و سخا، علم و فضل، خرد و عقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے۔ ائمہ میں امام اعظم آپ کا لقب تھا محدثین و علماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرہ مقلدین میں شامل رہا اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحہ کے صفحہ رنگ دیے ہیں اس کے بعد پورے ۵۴ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ وہ نکتہ چینی نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی کسی بدتر سے بدتر کافر پر بھی نہیں کی جاسکتیں۔ ایک متوسط عقل کا انسان ان مناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسے دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے۔

وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الالیق ترکه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لا یشک فی دینہ ولا فی ورعہ ولا فی حفظہ ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة (ج ۲ ص ۱۶۵)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظمؒ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے نہ حفظ و رع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اور ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجیے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔ غصہ اور مسرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا اسی لیے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب و رضا کے دونوں حالوں میں جچے تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہ کے الفاظ صحابہ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آسکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے امام شععی کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

قال الشعبي حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (ﷺ) فاتخذوه دينا۔^۱

شععیؒ فرماتے ہیں ہم نے تو لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین کے جو مبہم الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کسے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے ایک مرتبہ امام صاحب اعمش کی عیادت کے لیے گئے۔ اعمش نے کچھ روکھا پن دکھلایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمش کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گزرا اور گزرنا چاہیے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا اعمش نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر ان الفاظ کو کتنا ہی چسپاں کیجیے مگر چسپاں نہیں ہو سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس مقولہ سے ہمارے خیالات کتنا کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد باتھ آگئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ائمہ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سرو پا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اعمش التقاء ختامین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا

گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمش کا عمل بھی اپنے مختار کے مطابق درست تھا۔^۱

اگر اسی طرح امام کے حق میں بھی بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آسکتی ہیں اور اس کے بعد اصل بات بھی اتنی قابل اعتراض نہیں رہتی جیسا کہ الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غور و خوض کیا جاتا تھا، صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کر لیا جاتا اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمد روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال و حرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابو حنیفہؒ کھڑے ہوئے اور سوال کیا اے ابو الخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اپنا دوسرا نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر بھی آ گیا اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمائیے کیا فرماتے ہیں اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو وہ غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتوے دیں گے تو وہ بھی غلط ہوگا۔ قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آچکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آجائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔ قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لا جواب ہوئے اور ناراض ہو گئے۔ آخر کار غصہ ہو کر اندر تشریف لے گئے۔^۲

ابو عمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بے شبہ علم و تقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہ تھا لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے ورع و تقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے ادھر روز مرہ نئے نئے واقعات پیش آنے لگیں تو اس سے پہلے کہ جہلاء شریعت میں دست اندازی شروع کر دیں یہ بھی مقدر

ہو گیا کہ شریعت کی ترتیب و تہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہو جائے جنہوں نے صحابہ و تابعین کے دور میں پرورش پائی ہو انصاف کیجیے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط و صحت کے ساتھ جمع ہو جاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے۔ درحقیقت یہ امام صاحب کی بڑی انجام بینی اور امت کی بروقت دستگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا، اسی لیے عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ امت پر آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعائیں کیا کریں۔ یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ تھی محدثین کے مذاق کے خلاف۔ جس دور میں آثار و مرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہو اس دور میں صرف ابواب فقہیہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم ادھر ادھر ہٹائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم ادھر ادھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہو احادیث و آیات کے اشارات، دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کر کے ان کو احادیث سے ایک علیحدہ شکل دے دینا کب گوارا کیا جاسکتا تھا۔ آخر جب آپ کا دور گزر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگوار یوں کی نقل باقی رہ گئی۔ پھر استاد و شاگردی کے تعلقات نے حقائق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے جہم کو کافر کہا تھا اسے خود تہمی اور کافر کہا گیا۔ جس نے کتاب و سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت تھی اسی پر کتاب و سنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استاد و شاگردی کے انسلاک سے علماء کے حلقوں میں گشت لگا رہی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہو سکتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی، بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولتی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جبکہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لیے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا لیکن تاریخ کی جو نقول اور اق میں درج ہو چکی ہیں اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لیے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی افراد نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہوئے ہیں یا نرے محدث ہیں فقہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کر لی گئیں۔ یوں تو

امام صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بھی کچھ مختصر نہ تھا ایک ابو الحسن شافعی کی تحریر کی بناء پر ان کی جو تعداد نام و نسب کی قید کے ساتھ ثابت ہوتی ہے وہ نو سو آٹھ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں اکثر شاگرد بسلسلہ فقہ تھے۔

کاش آپ کا درس حدیث کا حلقہ بھی اسی پیمانہ پر قائم ہو جاتا تو شاید امام کی تاریخ کا نقشہ آج آپ کو کچھ دوسرا نظر آتا۔ چنانچہ جس حنفی نے بھی اس شغل کو قائم رکھا ہے اس کے ساتھ تاریخ زیادہ بے دردی کا سلوک نہیں کر سکی۔ ذیل کے ایک ہی واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ افواہ کیا ہوتی ہے اور جب حقیقت سامنے آ جاتی ہے تو پھر اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ میں شام میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابو حنیفہ ہے یہ سن کر میں گھر واپس آیا اور تین دن لگ کر امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل انتخاب کئے۔ تیسرے دن اپنے ہاتھ میں کتاب لے کر آیا یہ اپنی مسجد کے امام و مؤذن تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے؟ میں نے ان کے حوالہ کر دی۔ اس میں وہ مسئلے بھی ان کی نظر سے گزرے جن کے شروع میں میں نے یہ لکھ دیا تھا ”اور نعمان اس کے متعلق یہ فرماتے ہیں“ اذان دے کر جب کھڑے کھڑے وہ کتاب کا ابتدائی حصہ دیکھ چکے تو کتاب اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لی اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی پھر نکالی اور پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ ختم کر دی پھر مجھ سے پوچھا اے خراسانی یہ نعمان کون شخص ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک شیخ ہیں ان سے عراق میں میری ملاقات ہوئی تھی فرمایا یہ تو بڑے پایہ کے شیخ ہیں جاؤ ان سے اور علم سیکھو۔ اب میں نے کہا جی یہ تو وہی ابو حنیفہ ہیں جن کے پاس جانے سے ابھی آپ نے مجھے منع کیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے متعلق انہوں نے سن کیا رکھا تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو بات کیا نکلی اس لیے خارجی شہادات اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے صرف کالے کالے حروف سے تاریخ مرتب کرنا کوئی صحیح عمل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں حسد و تنافس کا بھی ایک کمزور پہلو موجود ہے اس کی بدولت بہت سے تاریخی حقائق پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ سوء اتفاق سے یہاں یہ سب باتیں جمع ہو گئی ہیں۔

عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں میں نے حسن بن عمارہ کو امام ابو حنیفہ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا وہ امام صاحب کی توصیف کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق صرف ازراہ حسد چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ حافظ ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا حاسد یا ان کی شان سے ناواقف میرے نزدیک ان دونوں میں ناواقف شخص پھر غنیمت ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے پاس آیا دیکھا تو سر جھکائے کچھ فکر مند سے بیٹھے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کدھر سے آرہے ہو میں نے کہا قاضی شریک کے پاس سے۔ آپ نے سر اٹھا کر یہ اشعار پڑھے

ان یحمدونی فانی غیر لائمہم
 قلبی من الناس اهل الفضل قد حسدوا
 فدام لی ولہم مابی وماہم
 ومات اکثرنا غیظا بما نجد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کے مر گئے ہیں۔
 وکیج کہتے ہیں شاید امام صاحب کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہوگی اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔
 جعفر بن الحسن ابو عمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخش دیا۔ میں نے کہا علم و فضل کے طفیل میں کہا بھی فتویٰ تو مفتی کے لیے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں۔ (جامع بیان العلم۔ ج ۲ ص ۲۶۶)

ابو عمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا دوسری ارجاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے۔ اس کی نوبت بھی ان کو اس لیے آئی ہے کہ انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے جیسے ابراہیم نخعی اور ابن مسعود کے تلامذہ اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرنے پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دینے اس پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہوگئی ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعویٰ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقعہ کم پیش آیا ہے اور امام صاحب کو زیادہ۔ اس پر ان کے ساتھ حسد اور بہتان کی مصیبت مزید براں ہے۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالک کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں جو سنت کے خلاف ہیں امام مالک نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں اس بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کر چکا ہوں۔ ابو عمر کہتے ہیں علماء امت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعویٰ نسخ یا اس کے مقابلہ میں امت کا اجماع پیش کیے بغیر اس کو ترک کر دیے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحب سے روایت کرنے

والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے پھر جنہوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط و تفریط کی دو راہوں پر نکل جائیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہاں بھی ایک جماعت افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔^۱ آخر میں حافظ ابو عمر بطور قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو، علم کے ساتھ اس کا مشغلہ ثابت ہو چکا ہو۔ کبار سے احتراز کرتا ہو، مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو، اس کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سرو پا الزامات ہرگز قابل نہیں ہوں گے۔^۲ سچ تو یہ ہے کہ مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہ و شتا سے اس کی توقع فضول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے وحی آئی جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کر دوں۔^۳

نوٹ: حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریر ہم نے سیر الصحابہ سے من و عن نقل کر دی ہے، چونکہ حضرت کا اسلوب تحریر نہایت عمدہ ہے اس لیے قارئین کو اگر بعد کے صفحات میں وہ عمدہ اسلوب تحریر مفقود نظر آئے تو وہ اس میں مؤلف کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ اصول ہے۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک



۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۸ و ۱۳۹

۲ اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لیے طبقات الشافعیہ میں احمد بن صالح مصری اور حاکم کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر تفصیلی بحث کر دی ہے اور اس مجمل ضابطہ میں جس جس قید و شرط کی ضرورت تھی سب ذکر کر دی ہیں۔

۳ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۲

۴ ایضاً ج ۲ ص ۱۶۱۔

﴿تعارف کتاب﴾

حضرت الامام کی اس کتاب عظیم کا تعارف تو خیر ہم جیسا ہیچ مدان کیا کروا سکتا ہے تاہم اس سے قبل چند تمہیدی باتیں اور کچھ مقدمات ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ابتدائی باتیں بھی معلوم ہو جائیں اور تعارف کتاب میں ہمیں ان کا تعاون بھی حاصل ہو جائے۔

(۱) علم حدیث میں ”سند“ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے بغیر کسی حدیث کو قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا درجہ متعین کیا جاسکتا ہے اس لیے سب سے پہلے سند کی تعریف معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے

”الطریق الموصل الی المتن“

”وہ راستہ جو متن تک پہنچا دے۔“

اسے ایک مثال سے سمجھئے، مسند امام اعظم کی پہلی حدیث اس طرح ہے:

”أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ يُحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصِ اللَّيْثِيِّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ الخ

”اس میں ”الاعمال بالنیات“ حدیث کا متن ہے جس تک امام ابوحنیفہ کی رسائی اس لڑی سے ہوئی ہے جس کے نام اس میں مذکور ہیں یعنی یحییٰ، محمد بن ابراہیم التیمی، علقمہ بن وقاص لیشی اور سیدنا فاروق اعظمؓ، اسی لڑی کو عربی میں ”سند“ کہا جاتا ہے اور سند بیان کرنے کو ”اسناد“ کہتے ہیں اور سند مکمل ہونے کے بعد نبی ﷺ کا جو ارشاد یا واقعہ مذکور ہوتا ہے اسے متن کہتے ہیں۔

یاد رکھیے! کہ سند میں جن راویوں کا نام آتا ہے اگر محدثین کو ان کی قوت حافظہ، امانت و دیانت، ضبط و اتقان، عقل و شعور اور شخصیت پر تحفظات اور اعتراضات ہوں تو ایسی روایت کا درجہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر محدثین کو ان پر اطمینان و اعتماد ہو تو ان کی روایت بھی قابل اعتماد قرار پاتی ہے، یہ بات کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ کس راوی کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ تو اس کے لیے اس فن کی بے شمار کتب موجود ہیں اور ”اسماء الرجال“ کے نام

پر ایجاد کیا جانے والا عظیم اور بے مثل فن ایک ایک راوی کے حالات زندگی کی نقاب کشائی کے لیے کافی سے زیادہ ہے جس میں صرف راوی حدیث ہی سے بحث نہیں کی جاتی، بلکہ یہ تک دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کن استاذوں سے علم حاصل کیا ہے اور اس کے شاگرد کون لوگ ہیں؟

اسی لیے علماء کرام سند اور طلب سند کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں کیونکہ امت مرحومہ سے پہلے کسی امت میں اس چیز کا اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی توجہ دی گئی۔

(۲) اہل اصول کے یہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ سند میں جتنے راوی کم ہوں گے، اس کا درجہ اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس حدیث کو صحت کے اتنا ہی قریب سمجھا جائے گا اور سند میں جتنے راوی زیادہ ہوں گے، اس کا درجہ اتنا ہی کم ہوگا اور وہ صحت سے اتنی ہی دور ہوگی۔

چنانچہ وہ روایات جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو اور وہ بھی صحابی کا، ان کا درجہ بقیہ تمام روایات سے اونچا ہوگا، اور ایسی روایات کو اصلاح محدثین میں ”وحدانیات“ کہا جاتا ہے، یہیں سے بعض دوسری اقسام حدیث کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ

- ثنائیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔
 ثلاثیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔
 رباعیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان چار واسطے ہوں۔
 خماسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔
 سداسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی ﷺ کے درمیان چھ واسطے ہوں۔

مسند امام اعظم کی خصوصیات و امتیازات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کئی احادیث ”وحدانیات“ کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں یعنی ان میں حضرت الامام اور نبی ﷺ کے درمیان صرف صحابی کا واسطہ ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو ائمہ اربعہ میں سے امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام حتی کہ امام مالک کو بھی حاصل نہیں۔ مسند امام اعظم کی ایسی روایات کی تعداد سات ہے جبکہ بعض علماء کی رائے کے مطابق ان کی تعداد چار ہے اور اگر مسند امام اعظم کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی امام صاحب کی وحدانیات کو جمع کر لیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً ۲۰ تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے ”عشرین لابی حنیفہ“ کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں ان تمام احادیث کو جمع فرمایا ہے۔

”وحدانیات“ کے بعد دوسرا درجہ ”ثنائیات“ کا آتا ہے، اس میں امام صاحب کے ساتھ صرف امام مالک شریک ہیں، صحاح ستہ کے مؤلفین تو بڑی دور کی بات، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل تک کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، مسند امام

اعظم میں ایسی روایات کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے جو علیحدہ کتابی شکل میں تخریج حدیث کے ساتھ الامام الاعظم ابوحنیفہ و الثنائیات فی مسانیدہ کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے، امام صاحب کی یہ روایات عام طور پر بارہ سندوں سے آئی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ابوحنیفہ	عن ابی الزبیر	عن جابر	عن النبی ﷺ
۲۔ ابوحنیفہ	عن نافع	عن ابن عمر	عن النبی ﷺ
۳۔ ابوحنیفہ	عن عبداللہ بن ابی حبیبہ	عن ابی الدرداء	عن النبی ﷺ
۴۔ ابوحنیفہ	عن عبدالرحمن	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۵۔ ابوحنیفہ	عن عطیہ	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۶۔ ابوحنیفہ	عن شداد بن عبدالرحمن	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۷۔ ابوحنیفہ	عن عطاء	عن ابی سعید	عن النبی ﷺ
۸۔ ابوحنیفہ	عن عاصم	عن رجل من اصحابہ	عن النبی ﷺ
۹۔ ابوحنیفہ	عن عون	عن رجل من اصحابہ	عن النبی ﷺ
۱۰۔ ابوحنیفہ	عن محمد بن عبدالرحمن	عن ابی امامۃ	عن النبی ﷺ
۱۱۔ ابوحنیفہ	عن مسلم الاور	عن انس بن مالک	عن النبی ﷺ
۱۲۔ ابوحنیفہ	عن محمد بن قیس	عن ابی عامر	عن النبی ﷺ

ثنائیات کے بعد تیسرا درجہ ”جو دیگر محدثین و اصحاب صحاح کے یہاں سند عالی کا پہلا اور اہم ترین درجہ ہے“ ثلاثیات کا ہے، ایسی احادیث کی تعداد بخاری شریف جیسی کتاب میں صرف بائیس ہے جنہیں بفضلہ تعالیٰ راقم الحروف نے ”ثلاثیات بخاری“ کے نام سے یکجا کر کے رسالے کی صورت میں شائع بھی کروا دیا ہے جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔

ثلاثیات کے بعد چوتھا درجہ ”رباعیات“ کا ہے جس سے نیچے کی سند مسند امام اعظم میں شاذ و نادر ہی کہیں آئی ہوگی، ایسی روایات کی تعداد مسند امام اعظم میں تقریباً ڈیڑھ سو ہے۔

(۳) امام صاحب کی یہ مسند متعدد کبار شیوخ کی سند سے نقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے، آج کل درس نظامی میں علامہ ”ہسکفی“ کا روایت کردہ نسخہ شامل نصاب ہے، پہلے یہ نسخہ شیوخ کی ترتیب پر مرتب تھا لیکن اس سے استخراج حدیث میں کافی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لیے علامہ عابد سندھی نے اسے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دیا تاکہ استخراج حدیث اور استنباط مسائل آسان ہو جائے، گویا اس وقت مسند امام اعظم کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے

وہ علامہ عابد سندھی کی ترتیب ہے اور اسے علامہ ”ہسکفی“ نے امام صاحب سے روایت کیا ہے۔

امام ہسکفی کا مختصر تعارف

آپ کا پورا نام صدر الدین موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم بن محمد بن صاعد ہے، آپ کی پیدائش دیار بکر کے ایک شہر ”حصن کیفا“ میں ہوئی، اسی کی طرف نسبت کر کے آپ کو ”ہسکفی“ کہا جاتا ہے، جبکہ ملا علی قاری کی رائے کے مطابق آپ کا صحیح تلفظ ”ہسکفی“ خاء کے ساتھ ہے جس میں فاء پہلے ہے، کاف بعد میں ہے۔

آپ کی نوجوانی کے ایام قاہرہ اور حلب میں گزرے، حافظ دمیاطی کو آپ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ خود حافظ دمیاطی نے اپنے شیوخ کے معاجم میں ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ آپ کا انتقال قاہرہ ہی میں ۶۵۰ھ میں ہوا۔

(۴) محدثین کا یہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی حدیث پڑھنا شروع کرتے ہیں تو اس کے آغاز میں ”وبہ قال حدثنا“ کہتے ہیں اس لیے ہمیں ہر حدیث کے آغاز میں ”وبہ قال حدثنا“ کہنا چاہیے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین، والصلوة والسلام علی سید المرسلین، وآله ائمة الدین، وصحبه سرج الاسلام والمسلمین اما بعد! فيقول اضعف عباد الله الغنی محمد عابد بن احمد علی بن القاضي محمد مراد الواعظ السندی الانصاری، تاب الله علیه انه هو التواب الرحیم، لما كان مسند الامام الاعظم والهمام الاقدم ابی حنیفة النعمان رضی اللہ عنہ من رواية الخصفکی مرتبا علی اسماء شیوخه بحسب ما روى عنهم رحمهم الله تعالى، وكان استخراج الحديث منه مشکلا، خصوصاً لمن لا یدری شیخ الامام فی ذلك الحديث اردت ان ارتبه علی الابواب الفقهية لیسهل البحث فيه، مستعینا بالله انه مفیض الخیر والجلود **ترجمہ:** تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور رحمت کاملہ و سلامتی کا نزول ہو اس ہستی پر جو تمام پیغمبروں کی سیادت کا شرف رکھتی ہے، ان کی اس آل پر جو دینی قائدین ہیں اور ان کے ان صحابہ پر جو اسلام اور اہل اسلام کے روشن چراغ ہیں۔

حمد و صلوة کے بعد! بے نیاز خدا کا سب سے کمزور ترین بندہ محمد عابد بن احمد علی بن قاضی محمد مراد واعظ سندھی انصاری عرض کرتا ہے ”اللہ اس پر اپنی خصوصی توجہ فرمائے کیونکہ وہ بہت متوجہ ہونے اور بہت رحم کرنے والا ہے“ کہ چونکہ امام اعظم ہمام اقدم امام ابوحنیفہ کا وہ مسند جو امام خصفکی کی روایت سے نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے، ان کے شیوخ کے اسماء گرامی پر بحسب روایت مرتب تھا، جس کی بناء پر اس سے حدیث تلاش کرنا بہت مشکل تھا، خاص طور پر ان حضرات کے لیے جو مطلوبہ حدیث میں اسماء شیوخ سے ناواقف ہوتے تھے، اس لیے میں نے اللہ سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ اس مسند کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دوں تاکہ اس سے حدیث تلاش کرنا آسان ہو جائے، اللہ ہی خیر و سخاوت کا حقیقی فیضان فرمانے والا ہے۔

حل عبارت: سرج، سراج کی جمع ہے بمعنی چراغ، ارتبہ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے ”لما كان مسند الامام“ شرط ہے اور اس کی جزاء ”اردت ان ارتبه“ ہے، مستعینا بالله کا تعلق ”اردت“ کے ساتھ ہے اور اصل عبارت یہ ہے ”اردت مستعینا بالله“

مفہوم: اس عبارت میں ”اما بعد“ سے لے کر آخر تک صرف ایک بات ہی بیان کی گئی ہے اور وہ ہے ”وجہ تصنیف کتاب“ یا زیادہ صحیح الفاظ میں ”وجہ ترتیب جدید“ کہ میں نے اس کتاب کو اس جدید انداز میں اور نئے پیرہن میں اہل علم کے سامنے اس لیے پیش کیا کہ اس کے قدیم نسخوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہو گیا تھا کیونکہ اس کتاب کی سابقہ

ترتیب اسماء شیوخ کے اعتبار سے تھی، اب جسے ان سے کچھ مناسبت تھی وہ تو اپنا مقصد حاصل کر لیتا تھا لیکن ایسے لوگ بہت کم رہ گئے تھے اور جسے ان سے کچھ مناسبت بھی نہ تھی اور وہ کتاب ہذا سے مستفید بھی ہونا چاہتے تھے تو انہیں اس میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں اور ایسے لوگ بہت زیادہ تھے چنانچہ میں نے علامہ ہسکفی کی اس ترتیب کو بدل کر اسے موجودہ متداول کتب کی ترتیب میں فتنہی ابواب پر مرتب کر دیا۔

اب یہ کتاب ۳۳ کتابوں اور اس کے مختلف ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- | | |
|-----------------------------|---|
| ۱۔ کتاب الایمان | ۲۔ کتاب العلم |
| ۳۔ کتاب الطہارۃ | ۴۔ کتاب الصلوٰۃ |
| ۵۔ کتاب الزکوٰۃ | ۶۔ کتاب الصوم |
| ۷۔ کتاب الحج | ۸۔ کتاب النکاح |
| ۹۔ کتاب الاستبراء | ۱۰۔ کتاب الرضاع |
| ۱۱۔ کتاب الطلاق | ۱۲۔ کتاب النفقات |
| ۱۳۔ کتاب التدبیر | ۱۴۔ کتاب الایمان |
| ۱۵۔ کتاب الحدود | ۱۶۔ کتاب الجہاد |
| ۱۷۔ کتاب البیوع | ۱۸۔ کتاب الرهن |
| ۱۹۔ کتاب الشفیعہ | ۲۰۔ کتاب المزارعہ |
| ۲۱۔ کتاب الفضائل | ۲۲۔ کتاب فضل امتہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> |
| ۲۳۔ کتاب الاطعمۃ والاشربۃ | ۲۴۔ کتاب اللباس والزینۃ |
| ۲۵۔ کتاب الطب | ۲۶۔ کتاب الادب |
| ۲۷۔ کتاب الرقاق | ۲۸۔ کتاب الجنایات |
| ۲۹۔ کتاب الاحکام | ۳۰۔ کتاب الفتن |
| ۳۱۔ کتاب التفسیر | ۳۲۔ کتاب الوصایا والفرائض |
| ۳۳۔ کتاب القیامۃ وصفۃ الجنۃ | |

اس فہرست پر نظر ڈالیے اور پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم اور بقیہ کتب صحاح کی فہرست کے ساتھ اس کا تقابل کیجیے، ہر منصف مزاج آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ بلاشبہ امام صاحب اپنے وقت ہی کے نہیں بعد کے تمام زمانوں کے لیے بھی محدث اعظم ہیں۔

(۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصِ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ أَمْرٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهَجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوئی ہے اور جس شخص کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

صلح جلاء: الاعمال پر الف لام استغراقی ہے اور ہر کسی قسم کا عمل اس میں شامل ہے ہجرت باب نضرینصر کا مصدر ہے اور یہ ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی ظاہری ہجرت ترک وطن کا نام ہے اور باطنی ہجرت ترک معاصی کا نام ہے "فمن کانت ہجرتہ" میں "ہجرت" اسم کانت ہے اور اس کی خبر مقصودہ محذوف ہے اور "فہجرتہ" مبتدا ہے جس کی خبر "مقبولة" محذوف ہے۔

تجلیح حدیث: اخرجہ البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، و مسلم: ۴۹۰۴، و ابوداؤد: ۲۲۰۱، و الترمذی: ۱۶۴۷، و النسائی: ۷۵، ۳۴۳۷، ۳۸۰۳، و ابن ماجہ: ۴۲۲۷، و احمد: ۱۶۸، و الطیالسی: ۳۷، و الحمیدی: ۲۸، و البزار: ۲۵۷، و ابن خزيمة: ۱۴۲۔

سندین پر بحث: یوں تو تمام محدثین اپنی اپنی کتاب کا آغاز تبرک کے طور پر اسی حدیث سے کرتے ہیں اور اسی طریقہ محدثین کی پیروی کرتے ہوئے امام صاحبؒ نے اپنی اس کتاب کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا ہے، لیکن یہاں ہمیں جس نکتے کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ اس کے راویان حدیث ہیں، آپ گن کر دیکھ لیجئے اس حدیث میں امام صاحبؒ اور نبی ﷺ کے درمیان چار واسطے ہیں گویا یہ "رباعیات" میں سے ہے لیکن یہی روایت جب بخاری شریف میں آتی ہے تو یہ "سداسیات" میں شامل ہو جاتی ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور نبی ﷺ کے درمیان اس حدیث کی روایت میں چھ راویوں کا واسطہ موجود ہے اب یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ کم واسطوں والی روایت کا درجہ زیادہ اونچا ہوگا یا زیادہ واسطوں والی روایت کا۔ پھر اس نکتے پر بھی غور فرمائیے کہ امام صاحبؒ کی سند میں جن راویوں کا نام آیا ہے، امام بخاریؒ کی سند میں بھی وہی نام ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری امام صاحبؒ کے براہ راست استاذ ہیں اور امام بخاریؒ کے دو واسطوں سے استاذ بنتے ہیں۔

مفہوم: اس حدیث کے مالہ و ماعلیہ پر کچھ مختصر بحث تو گزشتہ کتابوں میں ذکر کی جا چکی ہے اور کچھ آئندہ کتابوں میں خصوصاً دورہ حدیث شریف میں آجائے گی یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضور نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منور و مطہر پر وحی کا جو سلسلہ اللہ کی طرف سے شروع کیا گیا، اس کا بنیادی مقصد اس بات کی وضاحت تھی کہ کون سے اعمال اختیار کر کے انسان اپنے خالق و مالک کے قریب ہو سکتا ہے اور کون سے اعمال اختیار کر کے وہ اللہ کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے، اسی مناسبت سے امام صاحب نے اعمال والی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز فرمایا۔

۲۔ محدثین نے اس حدیث کو خبر متواتر قرار دیا ہے جو کہ اثبات احکام شرعیہ میں آیات قرآنیہ کی طرح ہوتی ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث تواتر لفظی کے معیار پر تو کسی طرح پوری نہیں اترتی کیونکہ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں اس کی روایت صرف حضرت عمر فاروق نے فرمائی ہے حضرت عمر سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی علقمہ، علقمہ سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی یحییٰ بن سعید، آگے یحییٰ بن سعید سے نقل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ محمد بن علی النقاش کی رائے کے مطابق یحییٰ سے اس روایت کو نقل کرنے والوں کی تعداد ۲۵۰ افراد تک پہنچتی ہے، ابوالقاسم بن مندہ نے تین سو سے زائد نام شمار کروائے ہیں اور حافظ ابواسمعیل انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث تلامذہ یحییٰ میں سے سات سو افراد سے لکھی ہے، اس لیے اسے ہم زیادہ سے زیادہ تواتر معنوی کے درجے پر رکھ سکتے ہیں کیونکہ چار لڑیوں تک اسے نقل کرنے والے راوی ہر زمانے میں صرف ایک رہے ہیں جبکہ تواتر کے لیے یہ شرط ہے کہ ہر زمانے میں اس کے راوی اتنی بڑی مقدار میں رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔

یہاں ایک لطیفہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ابھی آپ نے پڑھا کہ یہ حدیث سات سو سندوں سے بھی روایت ہوئی ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی جنہیں دنیا ”حافظ الدنیا“ کے نام سے جانتی ہے، فتح الباری ج ۱ ص ۴۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میں جب سے طلب حدیث کے مشغلہ میں مصروف ہوا ہوں، اس وقت سے لے کر آج تک تمام کتب حدیث کو چھاننے کے باوجود میرے پاس اس حدیث کی جو مختلف سندیں اکٹھی ہوئی ہیں، ان کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی جبکہ اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سو سے بھی زائد اسناد سے منقول ہیں اس لیے اس قول کی صحت میں مجھے استبعاد معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ اس حدیث کے پس منظر اور شان و رود کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی، اس عورت نے ہجرت کی شرط سے اپنے نکاح کو مشروط کر دیا، چنانچہ اس شخص نے ہجرت کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس شخص کو ”مہاجر ام قیس“ کے نام سے پکارا جانے لگا کیونکہ اس عورت کی شناخت ”ام قیس“ کے نام سے ہی ہوتی تھی، بعض علماء نے اس عورت کا نام ”قبیلہ“ بتایا ہے لیکن اس پر جزم ظاہر نہیں کیا جاتا، بہر حال! جب یہ سارا ماجرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے، وہ

اس حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے آئے۔

لیکن احقر راقم الحروف اس سلسلے میں ایک واسطے سے اپنے استاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے ذوق صحیح کا عاشق ہے جو اس موقع پر انہوں نے اپنی صحیح بخاری کی شرح فضل الباری ”جو اگر پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی تو یقیناً صحیح بخاری کا جو قرض اردو زبان پر چڑھا ہوا ہے بڑی حد تک ادا ہو جاتا“ میں تحریر فرمایا ہے حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

”لیکن ہم کو یہ حسن ظن ہے کہ اس نے فقط ام قیس سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت نہیں کی تھی، کیونکہ وہ مومن اور صحابی تھا، اس کے متعلق ہم ایسا عقائد نہیں رکھتے بلکہ جس طرح کبھی کبھی ایک عمل میں متعدد پہلوؤں کی نیت ہوتی ہے ایسے ہی اس کی ہجرت محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے تو تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ نکاح کی نیت بھی مخلوط تھی، چونکہ صحابہ کرام کا زمانہ تھا اور قاعدہ ہے کہ ”حسانات الابرار سیئات المقربین“ یعنی ابرار کے لیے جو نیکیاں شمار ہوں گی، مقربین کے لیے وہ گستاخی اور گناہ تصور ہوں گے بڑے لوگوں کا معاملہ بڑا ہی ہوتا ہے، اس لیے وہ بیچارے ذرا سے تصور کی وجہ سے سب کا نشانہ انگشت بن گئے اور حضور ﷺ کو ناگوار گزرا کیونکہ اتنی سی بات بھی صحابہ کی شان کے خلاف تھی۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۱۳۹)

کتاب الایمان والاسلام والقدر والشفاعة

یہ کتاب ایمان، اسلام، تقدیر اور شفاعت کے بیان پر مشتمل ہے

(۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرٍ قَالَ بَيْنَا مَعَ صَاحِبٍ لِي بِمَدِينَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ بَصُرْنَا بِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ فَقُلْتُ لِصَاحِبِي هَلْ لَكَ أَنْ نَأْتِيَهُ فَنَسْأَلَهُ عَنِ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ دَعْنِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّذِي أَسْأَلُهُ فَإِنِّي أَعْرِفُ بِهِ مِنْكَ قَالَ فَانْتَهَيْنَا إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّا نَتَقَلَّبُ فِي هَذِهِ الْأَرْضِ فَرُبَّمَا قَدِمْنَا الْبَلَدَةَ بِهَا قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدْرَ فَبِمَا نَرُدُّ عَلَيْهِمْ قَالَ أَيْلِغُهُمْ مِنِّي إِنِّي مِنْهُمْ بَرِيٌّ وَلَوْ أَنِّي وَجَدْتُ أَعْوَانًا لَجَاهَدْتُهُمْ ثُمَّ أَنشَأُ يُحَدِّثُنَا قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهُ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ أَقْبَلَ شَابٌّ جَمِيلٌ أَبْيَضُ حَسَنُ اللَّيْمَةِ طَيْبُ الرِّيحِ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيْضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالَ فَرَدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَرَدَدْنَا مَعَهُ۔

فَقَالَ اَدْنُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَدْنُ فَدَنَا ذَنْوَةٌ اَوْ ذَنْوَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ مُوقِرًا لَهٗ ثُمَّ قَالَ اَدْنُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَدْنُهُ فَدَنَا حَتّٰى الصَّقِ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا مِنْ تَصَدِّيقِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهُ يَعْلَمُ قَالَ فَاخْبِرْنِيْ عَنِ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ مَا هِيَ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحُجُّ الْبَيْتِ لِمَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهٖ سَبِيْلًا وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَالْاِغْتِسَالُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ قَالَ فَاخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ مَا هُوَ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّهُ كَانَكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذَلِكَ فَاَنَا مُجِسِّنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰى هِيَ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ لَهَا شَرَائِطُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ قَالَ صَدَقْتَ ثُمَّ اَنْصَرَفَ وَنَحْنُ نَرَاهُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى بِالرَّجُلِ فَقُمْنَا فِيْ اَثَرِهٖ فَمَا نَدْرِى اَيْنَ تَوَجَّهَ وَلَا رَاٰنَا شَيْئًا فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ هٰذَا جِبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ مَا اَتَانِيْ بِصُوْرَةٍ اِلَّا وَاَنَا اَعْرِفُهٗ فِيْهَا اِلَّا هٰذِهِ الصُّوْرَةَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن یمر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مدینہ منورہ میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک ہماری نگاہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر جا پڑی میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ کیا خیال ہے ان کے پاس جا کر تقدیر کے متعلق سوال کریں اس نے کہا ٹھیک ہے میں نے کہا کہ پھر سوال مجھے ہی کرنے دینا کیونکہ میں ان کی طبیعت کو زیادہ جانتا ہوں۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پہنچے وہاں پہنچ کر میں نے عرض کیا اے ابو عبدالرحمن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کنیت تھی) ہم لوگ زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اس دوران بعض اوقات ہمارا ایسے شہروں میں بھی آنا جانا ہوتا ہے جہاں کے لوگ تقدیر کو نہیں مانتے ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب دیا کریں؟

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میری طرف سے انہیں یہ پیغام پہنچا دو کہ میں ان سے بیزار ہوں اور اگر مجھے کچھ مددگار میسر آگئے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے ہمیں یہ حدیث سنانا شروع کی کہ ایک مرتبہ ہم نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا بھی ایک گروہ تھا اچانک سامنے سے ایک خوبصورت نوجوان آیا جس کا رنگ سفید اور بال خوبصورت تھے اس سے انتہائی عمدہ خوشبو مہک رہی تھی اور اس نے سفید کپڑے زیب بدن کر رکھے تھے اس نے آتے ہی کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ پھر سب کو مخاطب کر کے انہیں

بھی سلام کیا، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی۔

اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں قریب ہو سکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہو جاؤ، چنانچہ وہ ایک دو قدم آگے ہو گیا، پھر نبی ﷺ کے سامنے تعظیماً کھڑا ہو گیا اور دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا آ جاؤ، چنانچہ اس مرتبہ وہ اتنا قریب ہوا کہ اپنے گھٹنے سے رسول اکرم ﷺ کے گھٹنوں سے ملا لیے اور کہنے لگا کہ مجھے ”ایمان“ کے بارے بتائیے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر اس کے فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں، اس سے ملنے پر آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر یقین رکھیں، اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا، ابن عمر فرماتے ہیں کہ اس کے نبی ﷺ کی تصدیق کرنے اور ”صدقہ“ کہنے سے ہمیں تعجب ہوا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ پہلے سے یہ بات جانتا تھا (پھر سوال چہ معنی دارد؟)

پھر اس نے کہا کہ مجھے ”احکام اسلام“ کے بارے بتائیے کہ وہ کیا کیا ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا بشرطیکہ وہاں پہنچنے کی استطاعت بھی ہو، رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ یہ سن کر اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں پھر تعجب ہوا۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے ”احسان“ کے بارے میں بتائیے کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ آپ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کریں کہ گویا آپ اللہ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، اگر یہ تصور نہیں کر سکتے تو یہ تصور کر لیجیے کہ اللہ تو آپ کو دیکھ رہا ہے، اس نے پوچھا کہ اگر میں اس طرح کرنا شروع کر دوں تو کیا میں ”محسن“ کہلاؤں گا؟ نبی ﷺ نے اثبات میں جواب دیا اور اس نے اس کی بھی تصدیق کی۔

پھر اس نے کہا کہ مجھے ”قیامت“ کے بارے بتائیے کہ وہ کب آئے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (دونوں ہی کو معلوم نہیں ہے) البتہ قیامت کی کچھ علامات ہیں، اس کے بعد نبی ﷺ نے (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آپ کو قیامت کا وقت کیوں معلوم نہیں؟ سورہ لقمن کی آخری آیت کی تلاوت کرتے ہوئے) فرمایا بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اگلے دن وہ کیا کمائے گا اور کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، بیشک اللہ ہی علیم وخبیر ہے، اس نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور واپس چلا گیا۔

ہم اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا ذرا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لانا، ہم اس کے پیچھے پیچھے گئے تو ہمیں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں چلا گیا اور ہمیں کچھ نظر نہیں آیا، ہم نے آخر سارا ماجرا نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ جبریل تھے، تمہارے پاس دین کی بنیادی باتیں تمہیں سکھانے آئے تھے، بخدا! وہ جب بھی میرے پاس کسی بھی شکل و صورت میں آتے تھے، میں انہیں پہچان لیتا تھا، لیکن اس مرتبہ نہیں پہچان سکا۔

فائدہ: اگلی حدیث بھی چونکہ اسی مضمون کی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے اس کے بعد ایک ہی مرتبہ دونوں سے متعلق چند گزارشات پیش کر دی جائیں گی۔ انشاء اللہ

(۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِئِيلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي صُورَةٍ شَابٍ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدُنُو؟ فَقَالَ أُدُنُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِيمَانُ فَقَالَ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَدْرِي ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا شَرَائِعُ الْإِسْلَامِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَصَوْمَ رَمَضَانَ وَغُسَلَ الْجَنَابَةَ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَدْرِي ثُمَّ قَالَ فَمَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْمَلَ لِلَّهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَتَى قِيَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فَقَضَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَلَهُ أَتَرَاهُ فَأَخْبَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ ذَلِكَ جِبْرِئِيلُ ﷺ جَاءَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے نوجوان کی صورت میں حاضر ہوئے جس نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا، اس نے آ کر کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ نبی ﷺ نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا آ جاؤ (چنانچہ وہ قریب ہو گیا)

اب اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ”ایمان“ کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ پر اس کے فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں اور اچھی بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر یقین رکھو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، ہمیں اس کی اس بات پر تعجب ہوا کیونکہ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو جانتا تھا پھر سوال کا کیا مطلب؟

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! احکام اسلام کیا ہیں؟ فرمایا نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، اور غسل جنابت کرنا۔ اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں اس کی تصدیق پر تعجب بھی ہوا، پھر اس نے پوچھا کہ ”احسان کیا ہے؟“ فرمایا کہ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کرنا کہ گویا تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ تصور نہ ہو سکے تو کم از کم یہی تصور کر لو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس نے نبی ﷺ کی تصدیق کی، پھر کہنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا جس سے سوال پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہ سن کر اس نے پیٹھ پھیری اور چلا گیا، اس کے جانے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لاؤ، ہم

نے اسے تلاش کیا لیکن ہمیں اس کا کوئی نشان نظر نہ آیا، ہم نے نبی ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں تمہارے دین کی بنیادی باتیں سکھا دیں۔

حَلَّتْ عِبْرَاتٌ: اذ بصرنا میں اذ مفا جاتیہ ہے جو ”اچانک“ کا معنی دیتا ہے اور ”بصرنا“ باب کرم یکرم سے ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے ”دعنی“ میں ”دع“ باب فتح سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے ن وقایہ کا اور ی ضمیر متکلم کی مفعول بہ ہے۔ ”اعرف“ باب ضرب سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ ”بہا قوم“ یہ ”البلدة“ کی صفت ہے اور ”البلدة“ پر الف لام عہد ذہنی کے لیے ہے ”ابلفہم“ میں ”ابلف“ باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور ”ہم“ ضمیر مفعول بہ ہے ”رہط“ گروہ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق تین سے لے کر دس تک پر ہوتا ہے۔ ”الللمة“ بال رکھنے کا وہ مسنون طریقہ جس میں بال کانوں کی لو سے متجاوز ہو جائیں۔ ”ادنو“ اصل میں ”ء ادنو“ تھا پہلا ہمزہ جو برائے استفہام تھا اسے حذف کر کے دوسرے ہمزہ پر اکتفاء کر لیا گیا جیسے ”اطلع“ کہ اصل میں ”ء اطلع“ تھا۔ ”ادنہ“ یہ باب نصر سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور آخر میں ہاء سکتہ لگی ہوئی ہے۔ ”الصق“ باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملانا ”شرائع“ جمع ہے شریعت کی بروزن و معنی فریضتہ کے ”شرائط“ جمع ہے شریطہ کی اور اس کا معنی علامت ہے، بعض لوگ ”شرائط“ کو ”شرط“ کی جمع سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے شرط کی جمع ”شروط“ آتی ہے۔

مَجْتَمِعٌ بِحَدِيثٍ: اخرجہما البخاری: ۵۰، ۴۷۷۷، و مسلم: ۹۳، و الترمذی: ۲۶۱۰، والنسائی: ۴۹۹۳-۴۹۹۴۔ وابن

ماجہ: ۶۳، ۶۴، و ابوداؤد: ۴۶۹۵، و احمد: ۱۹۱، و ابن خزيمة: ۲۵۰۴۔

سَنَدٌ بِرَبْحَةٍ: زیر بحث دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث کی سند میں امام صاحب کے استاذ کا نام ”علقمہ“ آیا ہے یہ وہ علقمہ نہیں جن کا ذکر ”انما الاعمال بالنیات“ والی حدیث کی سند میں آیا ہے کیونکہ ان کا پورا نام ابو واقد علقمہ بن وقاص لیشی ہے اور زیر بحث حدیث کے راوی علقمہ بن مرشد ہیں۔

۲۔ امام صاحب کی سند میں ”یحییٰ بن یعر“ نامی راوی حدیث ہی پر اس مضمون کی مسلم شریف میں موجود اکثر احادیث آ کر مجتمع ہو جاتی ہیں جو بعض سندوں میں امام مسلم کے پانچویں استاذ ہوتے ہیں اور بعض سندوں میں چوتھے استاذ جبکہ امام صاحب کے وہ دوسرے استاذ ہوتے ہیں اس لیے یہ سند امام مسلم کی نسبت زیادہ عالی ہے۔

۳۔ جس طرح مفسرین کے یہاں یہ اصول ہے کہ ”القرآن یفسر بعضہ بعضا“ اسی طرح محدثین کے یہاں بھی یہ اصول ہے کہ ”الحديث یفسر بعضہ بعضا“ نیز اصولیین کے یہاں یہ بھی اصول ہے کہ زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے یعنی اگر ایک مضمون کی دو روایتیں کتابوں میں منقول ہوں ایک روایت میں کچھ الفاظ دوسری کی نسبت زائد ہوں اور راوی قابل اعتماد ہو تو اس اضافے کو قبول کر لیا جائے گا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ دوسرے راوی نے یہ اضافہ نہیں کیا اس لیے ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

۴۔ زیر بحث دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث ثلاثیات میں شمار کی جائے گی اور دوسری حدیث رباعیات میں۔
 مَقْفُوهٌ: ذخیرہ حدیث میں یہ حدیث انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور اس پر ہر دور کے علماء نے خصوصی توجہ دی ہے لیکن اگر ہم یہاں اس کے تمام مباحث کا احاطہ کرنا شروع کر دیں تو ایک اچھا خاصا ضخیم رسالہ تیار ہو سکتا ہے جس کا یہ مقام نہیں اس لیے اختصار کے ساتھ چند نکات عرض کیے جاتے ہیں۔

(۱) حدیث میں مذکور واقعہ نبی ﷺ کی وفات سے صرف ۸۱ دن پہلے پیش آیا اس لیے اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے۔
 (۲) یحییٰ بن یعمر کے دوسرے ساتھی کا نام مسلم شریف کی روایت میں حمید بن عبدالرحمن حمیدی آیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ شہر بصرہ میں تقدیر سے متعلق زبان طعن دراز کرنے والا سب سے پہلا شخص معبد جہنی نامی تھا۔
 (۳) حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبانی تکمیل دین کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کا خلاصہ صحابہ کرام کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا اسی بناء پر اس مرتبہ حضرت جبریل ﷺ مشہور حسین و جمیل صحابی حضرت وحیہ کلبی کی شکل میں ”جس میں وہ عام طور پر متشکل ہو کر آتے تھے“ آنے کی بجائے ایک نامانوس اور اجنبی شکل میں آئے اور ایسا انداز اختیار کیا کہ جس سے کسی کو کسی قسم کا شک گزرنے کی بجائے یہی احساس ہو کہ سائل کوئی دیہاتی یا بدو آدمی ہے۔

(۴) تاہم سائل کے حوالے سے مختلف چیزیں صحابہ کرام کے لیے بڑی حیران کن تھیں مثلاً
 الف: اگر وہ کہیں دور دراز سے سفر کر کے آیا تھا تو اس پر سفر کے آثار کیوں نہیں دکھائی دے رہے تھے؟
 ب: اگر وہ وہیں کا رہائشی تھا تو اسے کوئی جانتا کیوں نہ تھا؟

ج: صحابہ کرام کے عام طریقے کے خلاف وہ نبی ﷺ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر کیوں بیٹھا؟

د: مختلف سوالات کرتے ہوئے اس نے نبی ﷺ کا جواب سننے کے بعد نبی ﷺ کی تصدیق کیوں کی؟ کیونکہ سوال لاعلمی کی دلیل ہے اور تصدیق مضبوط علم کی دلیل۔

(۵) اس مضمون کی جتنی احادیث بھی مختلف کتابوں میں آئی ہیں ان میں سے بعض میں پہلا سوال ”ایمان“ سے متعلق ہے اور بعض میں ”اسلام“ سے متعلق اس سلسلے میں تاویل کرتے ہوئے مختلف علماء کی مختلف آراء ہیں لیکن راقم الحروف کا ذوق یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہے اس لیے سوالات کی تقدیم و تاخیر راویوں کی طرف سے ہوئی ہے کسی راوی نے ”ایمان“ کو مقدم کر دیا اور کسی نے اسلام کو اور بیان و نقل روایت میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

یہ رائے قائم کرنے کے جب فتح الباری کی طرف رجوع کیا گیا تو اس میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی یہی رائے سامنے آئی والحمد للہ

”فالحق ان الواقع امر واحد، والتقديم والتاخير وقع من الرواة، والله اعلم“

(فتح الباری: ۱/۵۸۲)

(۶) ایمان و اسلام سے متعلق علماء کا بہت تفصیلی کلام کتابوں میں موجود ہے، یہاں صرف اتنی بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ ”ایمان“ نام ہے اللہ کو ماننے کو، اور اسلام نام ہے اللہ کی ماننے کا، گویا ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اسلام کا تعلق اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

”الاسلام علانية، والایمان فی القلب“

(۷) یہاں یہ اصول بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو جن الفاظ سے نقل کیا ہے، دوسرے بعض راویوں نے اسے بعینہ اسی طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں کچھ زائد الفاظ بھی آئے ہیں مثلاً امام صاحبؒ کی پہلی روایت میں غسل جنابت کا بھی ذکر ہے اور دوسری روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یا تو بعض رواۃ حدیث ذہول و نسیان کا شکار ہو گئے یا پھر وہ صحیح طرح اسے ضبط ہی نہیں کر سکے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور بعض اوقات اختصار کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ کی زیر بحث حدیث میں علامات قیامت کا ذکر نہ ہونا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ دو علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱- لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے گی یعنی اولاد نافرمان ہو جائے گی۔

۲- انتہائی نادار چرواہے جو کسی وقت ننگے بھوکے، مفلس اور قلاش تھے بڑے بڑے عالی شان محلات بنائیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

اس کی وجہ بھی یہی اختصار ہے جو بعض اوقات رواۃ حدیث کے پیش نظر رہتا ہے اور اس کی بے شمار نظائر صحیح بخاری سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۸) ”ما المسئول عنها باعلم من السائل“ یہ جملہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے اور ”لا ادری“ کی بجائے یہ طویل جملہ استعمال کرنا یقیناً حکمتوں سے بھرپور ہے جن میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہی سوال جواب حضرت عیسیٰؑ اور حضرت جبریلؑ کے مابین بھی ہوئے تھے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے قیامت کے وقت متعین کے بارے حضرت جبریلؑ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ”ما المسئول عنها باعلم من السائل“ اب اس موقع پر حضرت جبریلؑ نے نبیؑ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے جبریل کے الفاظ میں جواب دے کر بتا دیا کہ تم نے خود ہی تو یہ جواب دیا تھا، اتنی جلدی بھول کیسے گئے؟ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۸۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّوْحِيدِ وَالرِّسَالَةِ

(۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثُوهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهُ رَاعِيَةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهُ وَأَنَّهُ أَمَرَهَا تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَتَعَاهَدُهَا حَتَّى سَمِنَتِ الشَّاةُ وَاشْتَغَلَتِ الرَّاعِيَةُ بِبَعْضِ الْغَنَمِ فَجَاءَ الذِّئْبُ فَاخْتَلَسَ الشَّاةَ وَقَتَلَهَا فَجَاءَ عَبْدَ اللَّهِ وَفَقَدَ الشَّاةَ فَأَخْبَرَتْهُ الرَّاعِيَةُ بِأَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَدِمَ عَلَى ذَلِكَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ وَقَالَ ضَرَبْتَ وَجْهَ مُؤْمِنَةٍ فَقَالَ سَوْدَاءُ لَا عِلْمَ لَهَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا أَيْنَ اللَّهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ فَمَنْ أَنَا قَالَتْ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ إِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ فَأَعْتَقَهَا فَأَعْتَقَهَا.

توحيد ورسالت کا بیان

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے کئی صحابہ نے ان سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ایک باندی تھی جو ان کی بکریوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کیا کرتی تھی، انہوں نے اسے ایک خاص بکری پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دے رکھا تھا، چنانچہ وہ باندی اس بکری کا زیادہ خیال رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ بکری خوب صحت مند ہو گئی۔

ایک دن وہ باندی دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مشغول تھی کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اسی بکری کو اچک کر لے گیا اور اسے مار ڈالا، جب حضرت عبداللہ بن رواحہ گھر واپس آئے تو بکری کو نہ پایا (باندی سے پوچھا) اس نے سارا واقعہ سنا دیا، انہوں نے غصہ میں آ کر اس کے منہ پر ایک طمانچہ زور سے مار دیا، بعد میں انہیں اس پر ندامت ہوئی اور انہوں نے نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر یہ چیز بہت گراں گزری، آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تم نے ایک مومن عورت کے چہرے پر مارا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو جہنم ہے اسے "ایمان" سے متعلق کچھ نہیں پتہ (وہ مؤمنہ نہیں ہے)۔

نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں! نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا اللہ کے پیغمبر! نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا یہ مؤمنہ ہے اس لیے تم اسے آزاد کر دو، چنانچہ انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "تتعاهد" باب تفاعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا "غنمہ" "غنم" اور "شاة" دونوں کا ترجمہ عام طور پر "بکری" کیا جاتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ "غنم" مصدر ہے اور اس کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا، واحد کا معنی ادا کرنے کے لیے لفظ "شاة" کو وضع کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ "شاة" کا ترجمہ "بکری" اور "غنم" کا ترجمہ "بکریاں" یا بکریوں کا ریوڑ ہے۔ "سمنت" یہ لفظ سین کے ساتھ موٹاپے اور فریبی کے معنی میں باب کرم سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ "اشتغلت"

باب اتعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب بمعنی مصروف ہونا۔ ”الذئب“ بھیڑیا اس کی جمع ”ذئاب“ آتی ہے۔ ”اختلس“ باب اتعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی اچک لینا ”فقد“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی گم پانا ”فلطمها“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی تھپڑ مارنا ”عظم“ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی گراں گزرنا ”فاعتقها“ اس میں پہلا لفظ باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور دوسرا اسی باب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آزاد کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۱۱۹۹ (۵۳۷) وابن خزیمہ: ۸۵۹، وابن حبان: ۲۲۴۷، وابوداؤد: ۹۳۰، والنسائی

۱۴/۳، واحمد: ۲۴۱۶۵، ۲۴۱۶۹، ۲۴۱۷۴، والدارمی: ۱۵۱۰، والبخاری فی خلق افعال العباد: ۲۶۔

سنن پر بحث: ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے محدثین کا یہ اصول ہے

”الصحابۃ کلہم عدول“

اور راوی حدیث صحابی کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں، زیر بحث حدیث میں تو رجال صحابہ سے نقل کرنے والے راوی عطاء بن ابی رباح بھی انتہائی ثقہ ہیں اس لیے سنداً اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔
۲۔ تخریج حدیث میں جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں یہ واقعہ بعینہ اسی طرح منقول ہے، فرق صرف اتنا ہے یہاں مرکزی کردار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور وہاں یہ واقعہ حضرت معاویہ بن الحکم السلمی کے حوالے سے منقول ہے لیکن اس سے نفس واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۳۔ درجہ کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی ثنائیات میں شمار ہوتی ہے۔

مفہوم: حدیث کا نفس مضمون تو ترجمہ سے ہی واضح ہے، البتہ چند باتیں استنباط حدیث سے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) خواتین عام طور پر غیروں اور اپنوں کے لگائے ہوئے خوش کن نعروں کے جال میں الجھ کر پھڑپھڑاتے ہوئے اپنی زبان کو جو مکمل آزادی دے کر بے لگام چھوڑ دیتی ہیں اور اٹھتے بیٹھتے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف تبرا بازی کرتی رہتی ہیں، کیا وہ اس واقعے پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گی کہ کس طرح ایک عورت کو تھپڑ مارنے پر ”جو آزاد بھی نہیں، زر خرید کنیز اور باندی تھی“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناگواری اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور صرف ایک تھپڑ مارنے پر مالک کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر دے ”گو کہ یہ حکم اداء نماز کے حکم کی طرح وجوبی نہیں تھا بلکہ استحباب پر محمول تھا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کے لیے تھا کہ عورت بھی مرد ہی کی طرح اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق اور انسانی مشینری کا ایک اہم ترین حصہ ہے“ کیا یہ واقعہ اور حکم اسلام میں خواتین کے حقوق پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی نہیں؟

(۲) اس کنیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو سوال پوچھا کہ اللہ کہاں ہے! تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنا نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے اس لیے کہ ”مکان“ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود محدود ہوتا ہے اور

اللہ کی ذات لا محدود ہے اس لیے وہ لامکان بھی ہے اس کی ذات و تجلیات ہر جگہ موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس باندی کے جواب ”فی السماء“ کو اس کی سادگی اور بھولپن پر محمول کیا گیا ہے اور اس سے اس کا مقصد ذہن کے ان معبودان باطلہ سے امتیاز پیدا کرنا تھا جن کی ناحق عبادت ناحق شناس لوگ کرتے ہی رہے ہیں ورنہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔

(۳) جو شخص توحید و رسالت کی غیر مشروط طور پر امامت یا ظلی و بروزی نبوت کی پیوند کاری کیے بغیر گواہی دیتا ہو وہ مومن ہے اور مسلمانوں کے تمام حقوق و احکام میں برابر کا شریک ہے جیسا کہ اس واقعے سے معلوم ہوا۔

(۴) زیر بحث حدیث کا ترجمہ الباب سے تعلق کئی طرح سے واضح ہے۔

(اللس) توحید و رسالت کی گواہی دینے پر باندی کو ”مؤمنہ“ قرار دینے سے اس کا تعلق ”کتاب الایمان“ سے ہوا۔

(ب) مسئلہ تقدیر سے بھی اس کا تعلق بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ چونکہ اس باندی نے جان بوجھ کر غفلت نہیں برتی تھی بلکہ دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہونے کی وجہ سے بھیڑیے نے موقع پا کر اس بکری کو اچک لیا اس لیے اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ اللہ کی طرف سے تقدیر میں یہی لکھا تھا۔

(۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ انْهَضُوا بِنَا نَعُودُ جَارَنَا الْيَهُودِيَّ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهُ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْنِي رَسُولُ اللَّهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ أَبِي فَلَمْ يُكَلِّمَهُ أَبُوهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْنِي رَسُولُ اللَّهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ أَبِي فَقَالَ أَبُوهُ أَشْهَدُ لَهُ فَقَالَ الْفَتَى أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَنِي نَسَمَةً مِنَ النَّارِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِأَصْحَابِهِ انْهَضُوا بِنَا نَعُودُ جَارَنَا الْيَهُودِيَّ قَالَ فَوَجَدَهُ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ فَنَظَرَ الرَّجُلُ إِلَى أَبِيهِ قَالَ فَأَعَادَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَوَصَفَ الْحَدِيثَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِلَى أَخِيهِ عَلَى هَذِهِ الْهَيْئَةِ إِلَى قَوْلِهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَنِي نَسَمَةً مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ بن حصیب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا ”اؤ ذرا ہم اپنے یہودی ہمسائے کی عیادت کر آئیں“ راوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اسے حالت نزع میں پایا آپ ﷺ نے اس کا حال دریافت کرنے کے بعد فرمایا ”اللہ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے اور میرے پیغمبر خدا ہونے کی گواہی دے دو (میں قیامت کے دن تمہاری سفارش کروں گا) اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا لیکن اس نے کوئی بات نہیں کی، نبی ﷺ نے اس سے پھر یہی فرمایا اور اس نے پھر اپنے باپ کی

طرف دیکھا، اس دوسری مرتبہ میں اس کے باپ نے اسے کلمہ شہادت پڑھنے کی اجازت دے دی اور اس نوجوان نے یہ کلمہ پڑھ لیا

اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله

یہ سن کر نبی ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے ایک شخص کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں پھر نبی ﷺ نے پوچھا کیا تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں؟ تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، پھر کہیں جا کر اس کے باپ نے اسے اجازت دی اور اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "جلوسا" جالس کی جمع ہے "انھضوا" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھنا، چلنا "نعود" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم بمعنی عیادت کرنا، بیمار پرسی کرنا "الیهودی" یہ "جار" کی صفت ہے اور موصوف صفت مل کر "نعود" کے لیے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔ "اشھد" باب سح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور "اشھد" اسی باب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے "انقذ" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا۔ "نسمۃ" بمعنی روح، جان، نفس۔

تَجَنَّبَ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری: ۱۳۵۶، ۵۶۵۷، وابوداؤد: ۳۰۹۵، وابن السنی، وعبدالرزاق، وابن حبان: ۲۹۶۰، واحمد: ۱۲۸۲۳، والحاکم۔

سَيِّئِينَ بِرَبِّهِمْ: (۱) امام صاحب نے اس حدیث کو حضرت بریدہ بن الحصیب کی روایت سے نقل کیا ہے جبکہ بخاری شریف میں یہی روایت حضرت انس سے مروی ہے۔

(۲) سند کے اعتبار سے یہ حدیث امام صاحب کی ثلاثیات میں شمار ہوتی ہے اور امام بخاری کی رباعیات میں اس لیے امام صاحب کی سند امام بخاری کی نسبت زیادہ عالی ہے۔

مَقْبُولَةٌ: اس حدیث سے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) ہمسائے کے وہ حقوق جو شریعت نے ہر مسلمان پر عائد کیے ہیں ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور بیمار پرسی کی جائے اس سلسلہ میں بزار، ابو الشیخ اور ابو نعیم کی یہ روایت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک پڑوسی، تو وہ ہوتا ہے جس کا صرف ایک حق ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے، دوسرا پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے دو حق ہیں اور تیسرا پڑوسی وہ ہوتا

ہے جس کے تین حق ہیں۔

وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے وہ مشرک پڑوسی ہے جس کے ساتھ قرابت کا کوئی تعلق نہ ہو اس کے لیے صرف ”حق جوار“ ہے وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں مسلمان پڑوسی ہے جس کے لیے ایک تو ”حق اسلام“ ہے اور ایک ”حق جوار“ اور وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے کہ اس کے لیے ایک تو ”حق اسلام“ ہے اور ایک ”حق جوار“ ہے اور ایک ”حق قرابت“

(۲) بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس یہودی نوجوان کی عیادت کے لیے نبی ﷺ تشریف لے گئے تھے اور جس کا یہ واقعہ ہے وہ نبی ﷺ کی خدمت اور کام کاج کیا کرتا تھا اور ابن بشکوال نے اس کا نام ”عبدالقدوس“ ذکر کیا ہے۔

(۳) کسی شخص کو بھی اپنی عبادات و مجاہدات پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کفر و شرک کی دلدل میں دھنسنے ہوئے کسی شخص کو نظر حقارت سے دیکھنا چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ موت کے وقت اسے کلمہ کی دولت عطاء ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

(۴) ہماری وجہ سے اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیں تو ہمیں اس پر فخر کرنے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(۵) مشرک سے اپنے کام کاج کروانا اور اس سے خدمت لینا اس حدیث کی رو سے جائز ثابت ہوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ

(۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمِزٍ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يَهُودِيَّةً وَيُنَصِّرَانِهِ قَيْلٌ فَمَاتَ صَغِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

مشرکین کی اولاد کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بچہ فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جو بچے حالت صغریٰ میں ہی فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ انہوں نے بڑے ہو کر جو کام سرانجام دینے تھے اللہ کو ان کا زیادہ علم ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”مولود“ باب ضرب سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر ہے اور ”یولد“ اسی باب سے مضارع مجہول

کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیدا ہونا۔ ”یہودانہ“ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی یہودی بنانا، اس طرح ”ینصرانہ“ بھی یہی صیغہ ہے بمعنی عیسائی بنانا۔

تجلیح حدیث: أخرجه البخاری: ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۸۵، ۴۷۷۵، ۶۵۹۹، ومسلم: ۶۷۵۵، (۲۶۵۸) وابوداؤد: ۴۷۱۴، والترمذی: ۲۱۳۸، والطیالسی: ۲۳۵۹، ومالك: ۱۶۵، والحمیدی: ۱۱۱۱، واحمد: ۷۳۲۱۔

سنن ابن ماجہ: ۱۔ یہ حدیث امام بخاری نے جن اسناد سے روایت کی ہے ان میں کوئی سند بھی ”رباعیات“ کے درجے سے نیچے نہیں بعض اسانید تو ”سداسیات“ تک بھی ہیں جبکہ امام صاحب کی سند سے یہ روایت ”ثنائیات“ کے عالی درجے پر فائز ہے اور اس میں امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اس لیے یہ امام صاحب کی سند سے عالی ہے۔

۲۔ امام بخاری وغیرہ دیگر محدثین نے اسے مفصل روایت کیا ہے جبکہ امام صاحب کی روایت میں اختصار ہے۔
مفہوم: اس حدیث میں مندرجہ ذیل امور انتہائی قابل توجہ ہیں۔

(۱) دنیا میں یہودیت، عیسائیت اور ہندومت تین بڑے مذاہب ہیں، یہودیت اور عیسائیت کی مذہبی روایات و اقدار کے مطابق دنیا میں آنے والا ہر بچہ ناپاک اور گنہگار ہے، اس ناپاک اور گنہگار کے اثرات کو دور کرنے کے لیے اسے ”بپتسمہ“ کی مخصوص رسم سے گزرنا ہوگا ورنہ ناپاک اور گنہگار ہی رہے گا۔ اسی طرح ہندومت انسان کو ”سات جنم“ کے گھن چکر میں الجھا کر اس کے ہر جنم کو پچھلے جنم کا نتیجہ قرار دیتا ہے، گویا انسان نے اپنے پچھلے جنم میں جو کچھ کیا ہے وہ آئندہ ہر جنم میں اسی کا خمیازہ بھگتے گا۔ جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کیسی عظیم خوشخبری سنائی ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر بچہ پاک، پاکیزہ اور فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، گناہوں سے دور اور بالغ ہونے تک گناہوں سے معصوم رہتا ہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب اور قانون نوزائیدہ بچے کو یہ عظمت دے سکتا ہے جو اسلام نے اسے عطاء فرمائی ہے؟ لیکن اس کا کیا کیا کیجیے کہ ہمیں اسلام پر تبرا کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں آتا۔ فالی اللہ الممشکی۔

(۲) بچے کا ذہن کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے جس پر جو چیز نقش کی جائے گی وہی دکھائے دے گی چنانچہ اگر والدین اس کے ذہن پر یہودیت کے آثار نقش کر دیں گے تو وہ اسے لازماً قبول کر کے یہودی ہی بنے گا، اسی طرح اگر اس کے والدین اس کے ذہن پر عیسائیت، ہندومت، سکھ مت، آتش پرستی یا اسلام جس کے بھی نقوش ابھاریں گے وہ بچہ اسی کا اثر قبول کرے گا۔

(۳) اسلام کا یہ امتیاز تو تمام ادیان و مذاہب میں بالکل واضح ہے کہ اس کے نزدیک ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہوں سے پاک صاف، فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی جو کفر و شرک کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور پیدائش کے کچھ عرصے کے بعد ہی مر جاتا ہے، کیا اس

بچے کو بھی اس کے والدین کے تابع کر کے مشرک سمجھا جائے گا یا اس پر کوئی حکم ثانی لگایا جائے گا؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس بچے کو بھی مشرک ہی سمجھا جائے گا تو پھر اسلام کی اس سرمدی اور امتیازی تعلیم کا کیا مطلب؟ اور اگر اس پر کوئی دوسرا حکم لگایا جاتا ہے تو پھر اس مشہور ضابطے کا کیا ہوگا جو زبان زد عوام و خواص ہے کہ ”الولد تبع لابویہ“ سو اس سلسلے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) مشرکین کے نومولود فوت ہو جانے والے بچوں کے بارے بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ مشرک ہوتا ہے اور نہ کافر وہ تو فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہو۔

(۲) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے اہل جنت کے ان خدام میں شمار اور شامل ہوں گے جن کے بارے قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ بچے ایسے محسوس ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی ہاتھوں میں آبخورے اور جام لیے اہل جنت کی خدمت کے لیے مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے ہوں گے اولاد مشرکین کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئے گی جیسا کہ سند ضعیف کے ساتھ ایک روایت میں بھی آتا ہے۔

(۳) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں میں سے جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جنت کی طرح اعمال میں اپنی زندگی بسر کریں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جہنم کے راستے پر گامزن ہوں گے ایسے بچے جہنم میں داخل ہوں گے۔

(۴) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے ”مقام اعراف“ میں جو جنت اور جہنم کے درمیان ہے رہیں گے کیونکہ انہیں نہ تو نیکیوں کا پتہ ہے جس کی بنا پر وہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ ہی گناہوں کی خبر ہے جسے بنیاد بنا کر انہیں جہنم میں دھکیلا جاسکے۔

(۵) بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں کا آخرت میں اس طرح امتحان لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نار جہنم کو پیش کر کے انہیں اس میں داخل ہونے کا حکم فرمائیں گے جو بچے اس آگ میں داخل ہو جائیں گے ان پر تو وہ آگ اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی تھی اور جو بچے اس آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دیں گے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

یہ رائے بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دار العمل اور دار التکلیف تو نہیں ہے وہ تو دار الجزاء ہے وہاں عمل اور امتحان کا کیا مطلب؟ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان بچوں کا یہ امتحان اس وقت ہوگا جب اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہوں گے اور اہل جہنم اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو چکے ہوں گے اس کے بعد ان کا مذکورہ طریقے پر امتحان لیا جائے گا۔

(۶) امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ایسے بچوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کریں گے۔ امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں کوئی منصوص قول تو مروی نہیں، تاہم ان کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ان بچوں کے اہل جہنم میں سے ہونے کا قول منسوب کیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہؒ نے اس نسبت کی تغلیط کی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس سلسلے میں توقف کے قائل ہیں اور ہماری رائے کے مطابق ان تمام اقوال میں سے احتیاط کے قریب تر یہی قول ہے اور زیر بحث حدیث کے اس جملے سے بھی فی الجملہ اسی کی تائید ہوتی ہے۔

”اللہ اعلم بما کانوا عاملین“

بَابُ الْأَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

(۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُواهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى۔

کلمہ توحید کی گواہی تک لوگوں سے قتال کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک وہ ”لا الہ الا اللہ“ کا اقرار نہ کر لیں، جب وہ اس کا اقرار کر لیں تو سمجھ لیں کہ انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، سوائے اس کلمے کے حق کے اور ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہوگا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: امرت باب نصر سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حکم دینا۔ ”اقاتل“ باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قتال کرنا، لڑنا ”عصموا“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بچانا، محفوظ کر لینا۔

تَجْنِيسُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۲۵، ۱۳۳۵، ۲۷۸۶، ومسلم: (۱۲۴ و ۱۳۱) ۳۲ و ۳۸، وابوداؤد ۱۵۵۶، ۲۶۴۰، والترمذی: ۲۶۰۶، ۲۶۰۷، ۳۳۴۱، وابن ماجہ: ۲۹۲۷، والنسائی: ۵۰۰۶، وعبدالرزاق ۶۹۱۶، ۱۰۰۲۰، ۱۸۷۱۸، واحمد: ۱۴۱۸۸۔

سَنَدٌ بِرَبْحَتٍ: (۱) یہ حدیث پندرہ مختلف صحابہؓ سے مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

(۲) یہ روایت حضرت جابرؓ ہی سے مسلم شریف اور ترمذی وغیرہ میں بھی مروی ہے، تاہم مسلم شریف میں یہ روایت امام مسلمؒ اور نبی غنیہؒ کے درمیان پانچ واسطے آنے کی وجہ سے ”خمسایات“ کے درجے میں آتی ہے جبکہ امام صاحبؒ کی ”ثنائیات“ میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے، اس اعتبار سے سنداً یہ حدیث امام صاحبؒ کے عالی سند ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) علامہ سیوطیؒ کی رائے کے مطابق سند کے اعتبار سے یہ روایت اگرچہ متواتر نہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے متواتر کے

قریب ضرور ہے۔

مَفْهُومًا: اس حدیث سے متعلق فتح الباری کے چند اقتباسات کا خلاصہ راقم کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

(۱) نبی ﷺ جب کسی موقع پر یہ ارشاد فرمائیں کہ ”مجھے حکم دیا گیا ہے“ تو اس میں یقینی طور پر امر اور حکم دینے والی ذات اللہ کی ہوگی کیونکہ انبیاء کرام ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دے سکتا اور اگر کوئی صحابی یہ جملہ کہیں کہ ”مجھے حکم دیا گیا ہے“ تو اس میں امر نبی ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا صحابی نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرام مجتہد ہیں اور ایک مجتہد کو دوسرا مجتہد کوئی حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ اس کے لیے حجت ہوتا ہے۔

(۲) زمانہ جاہلیت کی ان تصاویر کو اپنے سامنے رکھ کر ”جن میں مرکز توحید کو بتوں کی گندگی سے آلودہ دکھایا گیا ہے“ ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ بچپن سے ذہنوں اور تفکرات و تخیلات پر چھائی ہوئی وہ بت پرستی جس کے تحت سینکڑوں ہزاروں معبودان باطلہ وجود میں آچکے تھے اہل عرب کے لوگ وریشہ میں کس طرح سرایت کر گئی ہوگی؟ اور کیا وہ کسی شخص کو اس کے خلاف آواز اٹھانے پر آزادی سے جینے کا حق دیں گے؟ کیا وہ اس نداء حق اور منادی برحق کو مارنے اور ختم کرنے پر نہ تل جائیں گے؟ ایسا ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے کان اس آواز سے صدیوں سے نا آشنا تھے ان کے چوہدریوں اور پروہتوں کو اپنی روزی خطرے میں دکھائی دیتی تھی اور انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر ہم نے اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو صرف اس کا کلمہ پڑھ کر ہی ہماری جاں خلاصی نہیں ہو جائے گی بلکہ ہمیں اس کلمہ کے نظام کو بھی قبول کرنا پڑے گا، اس کلمے کے مطالبات بھی پورے کرنا ہوں گے اور اس کے تقاضوں پر بھی عمل کرنا ہو گا، اس لیے وہ شروع میں کسی کے منہ سے یہ کلمہ سنتے ہی بدک جاتے تھے اور اپنی تمام تر توانائیوں سے اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کے درپے رہتے تھے۔

اس تمہید سے ہمارا مقصد تاریخ عرب کے مخفی گوشے نمایاں کرنا نہیں ہے، بلکہ اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اس حدیث میں تو صرف کلمہ طیبہ پڑھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور وہ بھی نامکمل ہے، کیا بقیہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟ تو اس کا ایک جواب تو ہماری سابقہ تمہید سے واضح ہوا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ہم اس حدیث کے دوسرے طرق پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں مکمل کلمہ طیبہ اور اس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث مجمل ہے اور اس کے دوسرے طرق اس کی تفصیل اور ضابطہ ہے کہ مجمل کو مفصل پر محمول کیا جاتا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے۔

یہاں اس سوال کو بھی واضح کرنا ضروری ہے جو مختلف اذہان میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتا ہے کہ اس حدیث میں ”لا الہ الا اللہ“ کہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس کے کہنے پر جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ”قول“ (کہنے) کا تعلق تو زبان سے ہوتا ہے اس لیے اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ انسان کے مسلمان ہونے کے لیے

صرف زبان سے کلمہ کا اقرار کافی ہے دل سے اس کی تصدیق ضروری نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا آخری جملہ اسی سوال کا جواب ہے یعنی ”حسبکم علی اللہ“ کہ مسلمان ظاہر کے مکلف ہیں، باطن پر مطلع ہونے کے وہ مکلف ہیں اور نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن ہے اس لیے اگر کوئی شخص مسلمانوں کا کلمہ پڑھتا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو تو اس کی جان و مال کی حفاظت اسلام کے ہر نام لیوا اور اسلامی خلافت و سلطنت کی ذمہ داری ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ خود نبی ﷺ نے اپنے عہد نبوت میں معلوم ہونے کے باوجود بھی کبھی کسی منافق کی جان و مال سے تعرض نہیں کیا اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ لوگ تو انہیں بھی کلمہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر ہمارا ساتھی سمجھتے ہیں۔

”لئلا يتحدث الناس ان محمداً مني يقتل اصحابه“

(۳) اس حدیث میں کلمہ طیبہ کا اقرار نہ کرنے تک اور دیگر احادیث میں اس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ کا اہتمام نہ کرنے تک ”قال“ کرتے رہنے کے جس حکم کا اظہار کیا گیا ہے اس حکم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ قتل اور قتال دو الگ الگ چیزیں ہیں ان کے درمیان ترادف کسی صورت نہیں ہے اس لیے کہ قتال اور مقاتلہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں وقوع فعل جانبین سے ہوتا ہے جبکہ قتل باب نصر کا مصدر ہے اس میں وقوع فعل جانبین سے ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ اس کا خاصہ ہی نہیں ہے اس اعتبار سے قتال اور مقاتلہ کا معنی ہوا باہم ایک دوسرے سے لڑنا اور قتل کا معنی ہوا کسی شخص کو جان سے مار دینا ظاہر ہے کہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے پہلی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ باہم ایک دوسرے سے لڑنے والے کسی ذی روح کی جان ضائع ہونے کا ذریعہ بن جائیں لیکن دوسری صورت میں ایسا ہونا یقینی ہے۔

اس مقدمہ کو سامنے رکھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کا بھی جائزہ لیجیے کہ جب نبی ﷺ کے وصال مبارک کے بعد مانعین زکوٰۃ کا رد عمل سامنے آیا اور بعض صحابہؓ نے اس میں سیدنا صدیق اکبرؓ کو نرمی برتنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسی حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے اس میں کسی قسم کی نرمی برتنے سے انکار کر دیا اور پورے شرح صدر کے ساتھ مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا، لیکن یہ بھی مقاتلہ کی صورت تھی، قتل کی صورت نہ تھی، معلوم ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص سے قتال کرنا تو حلال ہوتا ہے لیکن اسے قتل کرنا جائز اور حلال نہیں ہوتا۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دیگر ائمہ کے علی الرغم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تارک نماز اور مانع زکوٰۃ کو قتل نہ کرنے کی بنیاد بھی یہی حدیث ہے اس سے جہاں امام صاحبؒ کی رائے کی تائید ہوتی ہے وہیں ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

۴۔ زیر بحث حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر اس کلمہ توحید کے کسی بھی حق کی وجہ سے یہ وعدہ ختم بھی ہو سکتا ہے اس کا مطلب بھی اوپر کی تقریر سے واضح ہو گیا کہ کلمہ توحید کا

اقرار کرنے کے بعد ہر شخص کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب وہ جو مرضی کرتا پھرے اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا؟ خواہ وہ دوسرے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلتا رہے؟ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ پورا کرنا اسلامی سلطنت کی ذمہ داری نہ رہے گا اور اس کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح کلمہ توحید پڑھ کر اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کیا ہے دوسرے شخص نے بھی تو اسی طرح کلمہ توحید کا اقرار کر رکھا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی جان و مال کی حفاظت نہ کی جائے؟

یہیں سے حدود شرعیہ کا فلسفہ بھی واضح ہو گیا جس کے مطابق کسی شخص کو قتل یا مالی جرمانے کی سزا دی جاتی ہے گو کہ بعض لوگ ”جن میں نام کے مسلمانوں کی بھی ایک قابل ذکر تعداد ہے“ ان حدود شرعیہ کو غیر انسانی اور ظالمانہ قرار دیتے ہوئے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن اگر وہ باریک بینی اور انصاف کے ساتھ صرف انہی سطور کو ملاحظہ فرمائیں تو بات بڑی حد تک واضح ہو جائے۔

(۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِحَبِيبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَا كُنْتُمْ تَعْدُونَ الذُّنُوبَ شِرْكًا قَالَ لَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا إِلَّا الشِّرْكَ بِاللَّهِ تَعَالَى۔

ترجمہ: ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جابرؓ سے پوچھا کیا آپ لوگ گناہوں کو شرک نہیں سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں! کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا تھا یا رسول اللہ! کیا اس امت میں کوئی ایسا گناہ بھی کیا جائے گا جو حد کفر تک پہنچتا ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں! سوائے شرک کے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتًا: ”ما كنتم“ یہ ”ما“ نافیہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اسی صورت کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ”ما“ ای شئیء کے معنی میں ہو کر استفہامیہ ہو مطلب یہ ہوگا کہ قتل، چوری، شراب خوری اور بدکاری وغیرہ میں سے کون سے گناہوں کو آپ شرک سمجھتے تھے؟ لیکن یہ احتمال مرجوح ہے کیونکہ آگے آنے والا جواب اس کی موافقت نہیں کرتا۔ ”تعدون“ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی شمار کرنا ”الذنوب“ ذنب کی جمع ہے بمعنی گناہ یبلغ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچنا اور یہ ”ذنب“ کی صفت ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الحارثی فی مسنده: ۳۵، واحمد: ۱۵۲۵۲۔

سَنَدٌ بِرَبْحَتٍ: ۱۔ احادیث میں بعض اوقات ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے حوالے سے کسی روایت کو پیش کر کے اس سے استشہاد کر رہے ہیں جیسا کہ زیر بحث حدیث میں حضرت جابرؓ خود صحابی ہونے کے باوجود حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے استشہاد کر رہے ہیں یہ اتصال سند کی بڑی مضبوط علامت ہوتی ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث اس طرح ایک طرف تو ثانیات میں شمار ہوتی ہے اور دوسری طرف حضرت ابو سعید خدریؓ کا واسطہ آنے

کی وجہ سے ”ملائیات“ میں شمار ہوتی ہے۔

مَقْفُوفٌ: ۱۔ خوارج جو حضرت علی مرتضیٰ کے دور خلافت میں ایک بڑا منظم گروہ گزرا ہے، کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کبیرہ مثلاً قتل، چوری، بدکاری اور شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ صرف گناہ نہیں کرتا بلکہ کفر کرتا ہے اور ان گناہوں کے ارتکاب سے وہ کفر کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور گروہ ”جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہے“ کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے، بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب شان مسلم کے خلاف تو ہے لیکن اس سے کوئی بھی شخص دائرہ ایمان سے نہیں نکلتا جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کی رائے ہے اور نہ ہی دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ خوارج کی رائے ہے کیونکہ کفر ایمان کی نقیض ہے اور ایمان کی حقیقت شہادتین کا اقرار ہے، اب جو شخص شہادتین کا اقرار کرتا ہے اسے کسی طرح کافر قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اجتماع نقیض بھی محال ہے اور ارتقاغ نقیضین بھی۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں ابوالزبیر کا حضرت جابر سے سوال کرنا غالباً اسی وجہ سے ہے کہ وہ خوارج کے من گھڑت عقیدے اور نظریے کی تردید کے لیے کوئی مستند بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی اور اپنے جیسے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی تسلی کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَكْسِرُ اَغْلَاقَ الْمُسْمِلِيْنَ

(۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ ابْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَرَأَيْتَ الَّذِينَ يَكْسِرُونَ أَغْلَاقَنَا وَيَنْقُبُونَ بُيُوتَنَا وَيُغَيِّرُونَ عَلَيَّ أُمَّتَنَا أَكْفَرُوا قَالَ لَا قَالَ أَرَأَيْتَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتَاوَلُونَ عَلَيْنَا وَيَسْفِكُونَ دِمَاءَنَا أَكْفَرُوا قَالَ لَا حَتَّى يَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ شَيْئًا قَالَ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَصْبُعِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ يُحَرِّكُهَا وَيَقُولُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ فَرَفَعُوهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

مسلمانوں کے تالے توڑنے والوں کا حکم

ترجمہ: طائوس کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمن! یہ تو بتائیے کہ وہ لوگ جو ہمارے تالے توڑ دیتے ہیں، ہمارے گھروں میں نقب لگا کر گھس جاتے ہیں اور ہمارے ساز و سامان کو تاخت و تاراج کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ کافر ہو گئے؟ فرمایا نہیں، اس نے پھر پوچھا کہ یہ بتائیے، یہ لوگ ہمارے قتل کے جواز پر تاویل کر رہے ہیں اور ہمارا خون تک بہاتے ہیں، کیا یہ کافر ہیں؟ فرمایا نہیں، جب

تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ انگلی اب تک میری نظروں کے سامنے ہے جسے وہ حرکت دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے کہ نبی ﷺ کی سنت یہی ہے۔

اس حدیث کو ایک بڑی جماعت نے نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "یکسرون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "اغلاق" جمع ہے غلق کی بمعنی تالا۔ "ینقبون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دیوار میں سوراخ کرنا "یغیرون" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی غارت گری کرنا "امتعتنا" متاع کی جمع ہے بمعنی ساز و سامان "یتاولون" باب تفاعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تاویل کرنا "یسفکون" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہانا "اکفروا" میں ہمزہ نفس کلمہ کا نہیں بلکہ استفہامیہ ہے اور "کفروا" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کفر کرنا "اصبع" بمعنی انگلی اس کی جمع اصابع آتی ہے۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۶۵۸

سَنَدٌ بِرَبْحَةٍ: (۱) یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر "موقوف" ہے۔

(۲) محدثین کا اصول ہے کہ اگر کوئی بات کسی صحابیؓ کی طرف منسوب ہو اور نبی ﷺ کی طرف اس کی نسبت کی تصریح نہ ہو اور وہ بات محض اپنی عقل کے بل بوتے پر نہ کہی جاسکتی ہو تو صحابیؓ کے اس ارشاد کو نبی ﷺ کا فرمان ہی سمجھا جائے گا۔

(۳) محدثین کا یہ بھی اصول ہے کہ اگر کوئی صحابیؓ بیان روایت میں نبی ﷺ کی طرف کسی بات کی صراحت نسبت تو نہ کریں لیکن اسے نبی ﷺ کی سنت قرار دیں تب بھی اسے نبی ﷺ ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ زیر بحث حدیث میں یہ دونوں اصول اچھی طرح منطبق ہو جاتے ہیں۔

(۴) سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی "ثلاثیات" میں سے ہے۔

مَقْلُوبٌ: اس حدیث میں ایک اہم اور معرکہ الآراء مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے "مسئلہ تکفیر اہل قبلہ" یہاں اس کے چند اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) ایمان میں داخل ہونے کے لیے ان تمام چیزوں پر قلبی یقین و اطمینان پایا جانا ضروری ہے جن کا اہل ایمان سے مطالبہ کیا جاتا ہے مثلاً اللہ کی ذات و صفات، اللہ کے فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان بالغیب، لیکن کفر کے لیے ان تمام چیزوں کا انکار ضروری نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی انسان کو ایمان کے دائرہ اور حدود سے نکال کر کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

(۲) ہمارے اکابر کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ کسی کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرنے میں انتہائی احتیاط کرتے ہیں اور جب تک اس سلسلے میں انہیں شرح صدر نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ اس انتہائی اقدام سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ امام

صاحب کے بیان کردہ اس اصول پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو ننانوے وجوہ سے کافر قرار دیا جاسکتا ہو اور ایک وجہ اسے کافر ہونے سے بچاتی ہو تو ہم اس ایک وجہ کو ترجیح دیں گے اور ان ننانوے وجوہ کو ترک کر دیں گے۔

(۳) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص قوی یا عملی طور پر کسی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس بدعت کے درجے کے اعتبار سے اسے ”فاسق و فاجر“ تک بھی کہا جاسکتا ہے لیکن محض ارتکاب بدعات کی وجہ سے کسی شخص کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر ان بدعات کا دائرہ ضروریات دین کے انکار تک وسیع ہو جائے مثلاً کوئی شخص نبی ﷺ کے بعد اجراء نبوت کا قائل ہو یا کسی بھی صحابی کی کسی نبی پر فضیلت کا قائل ہو یا قرآن کریم میں تحریف کا قائل ہو یا کوئی ایسا عمل کرتا ہو جو عقیدہ توحید و رسالت کے منافی ہو وغیرہ تو ضروریات دین کا انکار چونکہ انسان کو ایمان کے دائرہ سے خارج کر کے دائرہ کفر میں داخل کر دیتا ہے اس لیے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاسکے گا خواہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا پابند ہی ہو اس کا چہرہ داڑھی سے مزین ہو اس کی چال ڈھال سنت کے مطابق ہی ہو اس لیے کہ ایمان بنیادی اکائی ہے اعمال کی قبولیت کا دارومدار اسی پر ہے، اگر ایمان ہو تو اعمال بھی قبول ہوں گے اور اگر ایمان ہی نہ ہو تو اعمال بھی قبول نہ ہوں گے خواہ ان کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو۔

(۴) پوری امت مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حلال کو حرام سمجھنا اور حرام کو حلال سمجھنا درحقیقت افتراء علی اللہ اور کفر ہے لیکن حرام کا ارتکاب کرنے والے کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جائے گا جب تک وہ اسے حلال سمجھنا شروع نہ کر دے گا البتہ اسے گناہگار اور فاسق و فاجر ضرور کہا جاسکتا ہے مثلاً ایک شخص شراب خانہ خراب کو ”جسے شریعت نے حرام قرار دے رکھا ہے“ حلال سمجھتا ہے اور دوسرا شخص پیتا تو خوب ہے لیکن اسے حلال سمجھ کر نہیں، بلکہ اسے وہ حرام ہی سمجھتا ہے تاہم بری صحبت اور عادت بد کی وجہ سے وہ اس کے منہ سے چھوٹی نہیں تو یہ دونوں برابر نہیں، پہلا شخص اسے حلال سمجھنے کی وجہ سے دائرہ کفر میں داخل ہو گیا اور دوسرا شخص اعلیٰ درجے کا گناہگار اور محروم تو ہے لیکن کافر نہیں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے گناہ اور احساس گناہ کہ اگر انسان کے دل دماغ سے کسی گناہ کے گناہ ہونے کا احساس بھی مٹ جائے تو اس کے توبہ کرنے کی امید بھی موہوم ہو جاتی ہے کیونکہ توبہ تو وہ اس وقت کرے گا جب گناہ کو گناہ سمجھے گا اور جب وہ گناہ کو نیکی سمجھنا شروع کر دے تو توبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ان مختصر گزارشات کی روشنی میں ”تکفیر اہل قبلہ“ کا مسئلہ امید ہے کہ کچھ نہ کچھ حد تک واضح ہو گیا ہو گا اور زیر بحث حدیث کا مقصد بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان چوروں، ڈاکوؤں، اور قاتلوں کو بھی کافر قرار دینے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ سائل کے بار بار تکرار کرنے کے باوجود انہیں کافر قرار نہیں دیا باوجودیکہ ان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل پڑتا تھا اور قتل و غارت گری اور چوری و ڈکیتی کی وارداتوں کی وجہ سے لوگوں کا سکون و اطمینان رخصت ہو چکا تھا، اس

احتیاط کی وجہ وہی تھی جو عنقریب مذکور ہوئی۔

باب مَا جَاءَ فِيمَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

(۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَبِيبَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا رَدِيفُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَإِنِّي زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَصْبَعِ أَبِي الدَّرْدَاءِ السَّبَابَةَ يَوْمِي إِلَى أَرْنَبَتِهِ۔

جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دے اس کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: عبد اللہ بن حبیبہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک دن اس دوران کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر پیچھے سوار تھا نبی ﷺ نے فرمایا اے ابو درداء! جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی میں نے عرض کیا خواہ اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی جائے؟ یہ سن کر نبی ﷺ ایک لحظہ خاموش رہے اور کچھ دیر چلنے کے بعد پھر وہی بات فرمائی میں نے پھر وہی سوال کیا تین مرتبہ اس طرح ہونے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! اگر اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی ہو جائے اور اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہی ہو جائے راوی کہتے ہیں کہ آج بھی حضرت ابو درداء کی شہادت والی انگلی مجھے اپنے سامنے نظر آتی ہے جبکہ انہوں نے اسے اپنی ناک کے نرم حصے پر رکھا تھا۔

حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَبِيبَةَ: "رَدِيفٌ" اِيكُ هِي سَوَارِيٌّ پَرِ بِيْطْنِي وَالِي دُوْآدِمِيُوں مِيں سِي پِيچھِي وَالِي كُو كِهْتِي هِي "زَنِي" بَابِ ضَرْبٍ سِي مَاضِي مَعْرُوْفٍ كَا صِيغَةُ وَاحِدٍ مَذْكُرٍ غَائِبٍ هِي بِمَعْنَى بَدْكَارِي كَرْنَا "سَرَقٌ" مَذْكُوْرهُ بَابِ سِي مَذْكُوْرهُ صِيغَةُ هِي بِمَعْنَى چُوْرِي كَرْنَا "فَسَكَتَ" بَابِ نَصْرِ سِي مَاضِي مَعْرُوْفٍ كَا صِيغَةُ وَاحِدٍ مَذْكُرٍ غَائِبٍ هِي بِمَعْنَى خَامُوْشِ هُوْنَا "سَارَ" بَابِ ضَرْبٍ سِي مَذْكُوْرهُ صِيغَةُ هِي بِمَعْنَى چَلْنَا۔

تَجْرِيْحُ حَدِيْثٍ: اِنْخَرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۵۸۲۷، وَمُسْلِمٌ ۲۷۳ (۹۴) ۱۵۴، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۲۶۴۴

سَنَدٌ پَرِ بَحْثٍ: (۱) مَحْوُلُهُ بِالْاَكْتَبِ مِيں يِه رُوَايَتِ حَضْرَتِ ابُو ذَرِّ غَفَارِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كِي حُوَالِي سِي مَرُوِي هِي نَفْسِ مَضْمُوْنِ بَعِيْنِهِ يِهِي هِي الْبَلْتَةُ مَرْكَزِي رُوَايِ مِيں تَبْدِيْلِي آگِي هِي۔

(۲) سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی ثنائیات میں سے ہے جبکہ بخاری شریف میں یہی روایت کم از کم ”خماسیات“ اور زیادہ سے زیادہ ”سباعیات“ کے درجے تک پہنچتی ہے اور مسلم شریف میں یہی روایت ”ثمانیات“ کے درجے تک پہنچتی ہے۔

مفہوم: ۱۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا اس واقعہ کو وہ اپنے ذہن اور قوت حافظہ میں مضبوط طریقے سے موجود پاتے ہوئے صرف نبی ﷺ کا ارشاد ہی نقل نہیں فرماتے بلکہ وہ کیفیت تک بیان فرماتے ہیں جس کیفیت میں انہوں نے نبی ﷺ سے یہ ارشاد سنا تھا۔

۲۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں صدق دل سے توحید اور رسالت کا اقرار کرنے والا ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہوگا خواہ اسے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے ابتداء جہنم ہی میں کیوں نہ جانا پڑے قرآن و حدیث میں اس کے واضح دلائل موجود ہیں۔

۳۔ نبی ﷺ کی تربیت کی برکت سے حضرات صحابہ کرام کو گناہوں سے ایسی نفرت پیدا ہو گئی تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گناہ نام کی کسی شے سے بھی وہ واقف نہیں ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ایمان کی ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی جو ان کے رگ و ریشے میں خوب سرایت کر چکی تھی اس لیے انہیں اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ جنت جیسے پاکیزہ مقام میں ”جو مقام رضاء الہی کا نام ہے“ کوئی گناہگار کیسے داخل ہو سکتا ہے؟

اور اس تعجب میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا تھا جب کسی گناہ کا تعلق کسی کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیرنے سے ہوتا خواہ فریق مخالف کی رضا مندی سے ہی ہو یا کسی کے مال و دولت سے ہو اس لیے جب نبی ﷺ نے شہادتین کا اقرار کرنے والے ہر شخص کے حق میں فرمایا کہ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی تو انہوں نے متعجب ہو کر سوچا کہ بعض کلمہ گو ایسے افراد بھی تو ہوں گے جو چوری، بدکاری، قتل و غارتگری اور دیگر گناہوں میں ملوث ہوں گے کیا یہ لوگ بھی جنت میں چلے جائیں گے؟ اور اسی وسوسے کے ازالے کے لیے انہوں نے بار بار نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگرچہ کوئی کلمہ گو کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کو جس حکیمانہ فہم و فراست سے مالا مال فرما رکھا تھا پوری کائنات میں اگر کہیں فہم و فراست کے نمونے دکھائی دیتے ہیں تو وہ اسی کا صدقہ ہیں جس کا ایک چھوٹا سا نمونہ زیر بحث واقعہ بھی ہے کہ ہر مرتبہ سوال کے بعد کچھ وقفہ تک سکوت فرمایا پھر اپنی بات کو دہراتے ہوئے یہ احساس دلایا کہ یہ بات میرے منہ سے یوں ہی نہیں نکل گئی بلکہ میں ارادہ یہ بات کہہ رہا ہوں اور مجھے اس کے آثار و نتائج کا بھی اندازہ ہے۔

اس حکیمانہ اسلوب کے بعد اس عقیدے اور حقیقت کو حضرت ابو الدرداء یا حضرت ابو ذر غفاری اور ان کے توسط سے پوری امت مسلمہ کے ذہن میں اچھی طرح راسخ کرنے کے لیے آخر میں فرمایا کہ تمہیں یہ بات خواہ کتنی ہی ناگوار

گزرے اللہ کا فیصلہ بہر حال یہی ہے کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے کسی شخص کو خلود جہنم کی سزا نہیں دے گا۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مرتکب کبیرہ ”دخول جہنم“ کا تو مستحق ہے لیکن مؤمن ہونے کی صورت میں وہ ”خلود جہنم“ کا ہرگز مستحق نہیں اور ظاہر ہے کہ ”دخول“ اور ”خلود“ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۵۔ پھر اسی حدیث سے داستان عشق و وفاء کا وہ سبق بھی اخذ کیا جاسکتا ہے جسے جماعت صحابہ کرام نے تاریخ اقوام و امم میں انفرادیت کے ساتھ رقم کیا اور آج تک وہ تاریخ عالم میں سنہرے حروف سے لکھی جاتی ہے ذرا غور تو کیجیے! کہ نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الہی کا ایک ضابطہ بیان فرمادیتے ہیں صحابی کو اللہ کے علم پر تعجب ہوتا ہے وہ بار بار سوال کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ اسی ضابطے کو بیان فرماتے ہیں اور آخر میں حکیمانہ اور محبت سے بھرپور عتاب کے الفاظ بھی فرمادیتے ہیں اب عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیان روایت کے وقت وہ صحابی صرف اس ضابطے کو بیان فرمادیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کے لیے بیان فرمایا تھا اور محبت سے بھرپور عتاب کے ان الفاظ کو ترک کر دیں جن سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں سمجھاتے ہوئے ڈانٹنے کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ تو ان دیوانوں کی داستان محبت ہے جنہیں اپنے خلیل و حبیب سے ہی نہیں ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے ایسی محبت تھی جس کا مال و حسن کے پجاری خواب و خیال میں بھی تصور تک نہیں کر سکتے یہی وہ وارثی اور قلبی لگاؤ ہے جس کی بنا پر خلیفہ رابع، حیدر کرار سیدنا علی مرتضیٰ کو فاتح خیبر اور امیر المؤمنین کہلانے سے زیادہ ”ابو تراب“ کہہ کر پکارا جانا زیادہ محبوب تھا۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَ مُعَاذُ حِمَصَ آتَاهُ رَجُلٌ شَابٌ فَقَالَ مَا تَرَى فِي رَجُلٍ وَصَلَ الرَّحِمَ وَبَرَّ وَصَدَقَ الْحَدِيثَ وَأَدَّى الْأَمَانَةَ وَعَفَّ بَطْنَهُ وَفَرَّجَهُ وَعَمِلَ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ غَيْرِ أَنَّهُ شَكََّ فِي اللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ إِنَّهَا تُحْبَطُ مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْأَعْمَالِ قَالَ فَمَا تَرَى فِي رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيَ وَسَفَكَ الدِّمَاءَ وَاسْتَحَلَّ الْفُرُوجَ وَالْأَمْوَالَ غَيْرَ أَنَّهُ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذُ ارْجُوا وَأَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَتَى وَاللَّهِ إِنْ كَانَتْ هِيَ الَّتِي أَحْبَبْتُ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَضُرُّ هَذِهِ مَا عَمِلَ مَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذُ مَا أَرَعُمُ أَنْ رَجُلًا أَفْقَهُ بِالسُّنَّةِ مِنْ هَذَا۔

ترجمہ: ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل نے ”حمص“ میں نزول اجلال فرمایا تو ایک نوجوان شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صلہ رحمی کرتا ہو نیکی کے کام کرتا ہو سچ بولتا ہو امانت ادا کرتا ہو اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہو اور حسب توفیق نیکی کے دیگر کاموں میں بھی حصہ لیتا

ہو لیکن اللہ اور رسول کے بارے میں شک و شبہ کا شکار ہو؟ فرمایا اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

پھر اس نے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو معاصی کے گھوڑے پر سوار رہا، لوگوں کے خون بہاتا رہا، لوگوں کی عزتوں اور مال و دولت کو پامال کرنا حلال سمجھتا رہا لیکن خلوص دل کے ساتھ اس بات کی گواہی بھی دیتا رہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ حضرت معاذ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں امید بھی ہے اور اندیشہ بھی یہ سن کر اس نوجوان نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں شک و شبہ اس کے پاس موجود اعمال کی ساری پونجی کو برباد کر سکتا ہے تو اس کی موجودگی میں یہ اعمال اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ کہہ کر وہ نوجوان چلا گیا۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ میں نے اسے سمجھتا تھا کہ یہ آدمی سنت کو اتنا جاننے اور سمجھنے والا ہے۔

تصحیح بخاری: اخرجہ الحارثی فی مسندہ: ۷۲۳۔

خَلِّ عِبَارَاتٍ: ”رجل“ موصوف ہے اور ”وصل الرحم“ سے ”غیرانہ شك“ تک اس کی صفات ہیں ”وصل“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا ”بر“ ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حسن سلوک کرنا، نیکی کے کام کرنا، یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے ”صدق“ باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سچ بولنا ”ادی“ باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ادا کرنا ”عف“ باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پاکباز ہونا ”بطنہ“ اس کی جمع ”بطون“ آتی ہے بمعنی پیٹ جیسے ”فرج“ کی جمع ”فروج“ آتی ہے بمعنی شرمگاہ ”عمل“ باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمل کرنا ”استطاع“ باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طاقت رکھنا۔ ”شك“ باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شک کرنا۔ ”رکب“ باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سوار کرنا۔

سَبَّحَ بَرِيحَتًا: ۱۔ ابو مسلم خولانی کبار تابعین میں سے ہیں اور آپ کو حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبل جیسے جلیل القدر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی ثلاثیات میں سے ہے۔

۳۔ گو کہ یہ روایت حضرت معاذ بن جبل پر موقوف ہے لیکن محدثین کے اس ضابطے کے مطابق ”جس کا عنقریب تذکرہ ہوا“ درحقیقت یہ مرفوع ہے۔

مَقَالَتُهُ: ۱۔ حضرت معاذ بن جبل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور قریبی صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، کے ”حمص“ میں ”جو شام کا مشہور شہر ہے“ نزول اجلال کے بعد لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا اور ان کے ذریعے اپنی علمی تشنگی کو بجھایا کیونکہ یہ حضرت معاذ بن جبل وہی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو چلتے چلتے ان سے پوچھا تھا کہ لوگوں کے معاملات کس طرح نمٹاؤ گے اور فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے

کروں گا، نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ سنت مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں فیصلے کروں گا، نبی ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل سنت میں بھی نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلے کروں گا، یہ سن کر نبی ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا

الحمد لله الذي وفق رسول رسوله لما يحبه ويرضاه

۲۔ عوام کے سامنے اجتماعی طور پر کوئی ایسی بات بلا ضرورت نہ کہی جائے جس سے انہیں نیکیوں کی طرف رغبت نہ رہے یا وہ گناہوں پر جری ہو جائیں جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ عام طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے کافر ماضی اور حال میں ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے کندھے بہبود عامہ کے کاموں اور کارناموں پر ملنے والے تمغوں سے سچے نظر آتے ہیں، ان کے چہرے خدمت خلق میں مصروف رہنے کی وجہ سے اطمینان و سکون کی جیتی جاگتی تصویریں ہوتے ہیں اور ان کے جنازوں میں خلقت کے اژدہام سے بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اللہ نے اس کی بخشش کر دی ہوگی، اگر ایسا نہیں تو اس کے ان اعمال کا کیا ہو گا؟

اسی طرح بہت سے مسلمان ”جو نام کے مسلمان ہوتے ہیں“ ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی میں کسی نیکی کے قریب نہیں جاتے، کسی گناہ سے دور نہیں بھاگتے، ان کی زندگی اللہ و رسول کی نافرمانی سے عبارت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ آیا کلمہ کی برکت سے انہیں جہنم سے نجات مل جائے گی یا اپنے گناہوں کی پاداش میں وہ جہنم کا ایندھن بنا دیے جائیں گے؟

حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس آنے والے نوجوان کا سوال بھی یہی تھا اور وہ ان سے اس سوال کا تشفی بخش جواب چاہتا تھا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اس کے سوال کے پہلے حصے کا جواب دیتے ہوئے اس ضابطے کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایمان کے بغیر اللہ کی بارگاہ میں بڑے سے بڑا نیک عمل بھی غیر مقبول ہے، اسے ایک مثال کی مدد سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کوئی بھی اکائی لکھنے کے بعد اس کے بائیں جانب صفر ڈالتے جائیں مثلاً ۱۰۰۰۰۰۰۰ اس اکائی کی قیمت نہیں بڑھے گی اور اگر یہی صفر آپ اکائی کی دائیں جانب ڈالنا شروع کر دیں تو عدد کے اعتبار سے اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، اسی طرح اعمال کی مثال بھی صفر کی سی ہے، اگر اسے ایمان کی اکائی کی دائیں جانب ڈالا جائے تو اس کی قیمت بھی لگے گی، بصورت دیگر آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ کفار و مشرکین اور غیر مسلموں کے بہبود عامہ اور خدمت خلق یا نیکی کے دوسرے کاموں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے تاکہ اللہ کے عدل و انصاف پر کوئی حرف اعتراض نہ اٹھایا جاسکے۔

بَابُ يَدْرُسُ الْإِسْلَامَ كَمَا يَدْرُسُ وَشَى الثَّوْبِ

(۱۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ جِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَدْرُسُ الْإِسْلَامَ كَمَا يَدْرُسُ وَشَى الثَّوْبِ وَلَا يَبْقَى إِلَّا شَيْخٌ كَبِيرٌ أَوْ عَجُوزٌ فَانِيَةٌ يَقُولُونَ قَدْ كَانَ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ فَقَالَ صِلَةٌ بِنُ زَيْدٍ فَمَا يُغْنِي عَنْهُمْ يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَصُومُونَ وَلَا يُصَلُّونَ وَلَا يَحُجُّونَ وَلَا يَتَصَدَّقُونَ قَالَ يَنْجُونَ بِهَا مِنَ النَّارِ-

آثار اسلام مٹ جانے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان سے منقول ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں اسلام ایسے مٹ جائے گا جیسے کپڑے کے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں اس زمانے میں کچھ بوڑھے لوگ رہ جائیں جو یہ کہتے ہوں گے کہ کسی زمانے میں ”لا الہ الا اللہ“ کہنے والے بھی ہوتے تھے اور یہ بوڑھے افراد خود ”لا الہ الا اللہ“ کا اقرار نہیں کرتے ہوں گے اس موقع پر موجود ایک صاحب صلہ بن زید بولے کہ اے عبداللہ! اگر لوگ روزے نہ رکھتے ہوں نماز نہ پڑھتے ہوں حج نہ کرتے ہوں اور صدقہ و خیرات نہ کرتے ہوں تو انہیں ”لا الہ الا اللہ“ کیا فائدہ دے گا؟ فرمایا کہ اس کی برکت سے کسی نہ کسی وقت وہ نار جہنم سے نجات پا ہی جائیں گے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتِي: ”يدرس“ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مٹ جانا، ”وشى“ بمعنی نقش و نگار داغ دھبے، ”يا عبداللہ“ مسند اعظم کے نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت حذیفہ نے بیان کی ہے، عبداللہ نام کے کسی صحابی نے نہیں جن سے سوال کرنے کا کوئی مطلب بنتا ہو اصل میں یہ لفظ ”يا ابا عبداللہ“ ہے اور ابو عبداللہ حضرت حذیفہ کی کنیت ہے، کاتب سے سہواً ”ابا“ کا لفظ رہ گیا جس کی وجہ سے عبارت میں اشکال پیدا ہوا۔ ”ينجون“ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی نجات پانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: وفي هذا الباب روايات كثيرة واحاديث شهيرة يتقوى بها معنى الحديث وان كانت الالفاظ مختلفة منها ما رواه احمد و مسلم والترمذى عن انس، ومنها ما رواه احمد و مسلم عن ابن مسعود، ومنها ما رواه الستة والحاكم عن ابى سعيد مرفوعاً لا تقوم الساعة حتى لا يحج البيت۔

تَسْنِينُ بِرَبْحَتٍ: (۱) حماد امام ابو حنیفہ کے صاحبزادے کا نام ہے جنہوں نے یہ روایت اپنے والد سے بیان کی ہے۔

(۲) حضرت حذیفہ مشہور صحابی ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ان کا لقب ”صاحب سر النبی ﷺ“ مشہور تھا۔

یہ بات ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ماضی قریب میں ایک قابل احترام شخصیت کو ان کے بعض معتقدین نے اس لقب سے تقریر و تحریر میں یاد کرنا شروع کر دیا تھا، جس نے بہت سی خرابیوں کو جنم دیا حالانکہ یہ اصولی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کے وہ القاب جو نبی ﷺ نے انہیں خود مرحمت فرمائے ہوں، وہ انہی کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، کسی دوسرے پر اس لقب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا خواہ اس کی ہستی کتنی ہی قابل احترام کیوں نہ ہو۔

(۳) سند کے اعتبار سے تو اگرچہ یہ روایت ”موقوف“ ہے لیکن حکماً مرفوع ہے جیسا کہ عنقریب بالتفصیل مذکور ہوا۔

(۴) درجہ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

مَقْفُوفٌ: (۱) اس حدیث میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلام پر ایسا کڑا وقت بھی آنے والا ہے جب نئی نسل اور نوجوان قوم دین و مذہب کی تمام ترقیوں سے نہ صرف یہ کہ آزاد ہو جائے گی بلکہ اسے دین اسلام کا کلمہ تک نہیں آتا ہوگا، اسلام ایک قصہ پارینہ بن چکا ہوگا، اسلام کسمپرسی کا شکار ہوگا اور مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث کے عین مطابق ”بدأ الاسلام غریبا وسعیو د کما بدأ“ کے حالات سے دو چار ہو کر اجنبیت کا شکار ہو چکا ہوگا، نوجوان نسل دین اسلام سے بیگانہ اور نا آشنا ہو چکی ہوگی۔

نوجوان نسل تو رہی ایک طرف، زمانے کا گرم سرد چکھے ہوئے وہ معمر افراد جو زندگی کا ایک لمبا حصہ گزار چکے ہوں گے، ان کے ذہن میں بھی مسلمانوں کے نمایاں خدو خال محفوظ نہیں ہوں گے، ان کا حافظہ صرف اتنی سی بات یاد رکھ پایا ہوگا کہ کبھی اس دھرتی پر ”لا الہ الا اللہ“ کہنے والے دیوانے بھی ہوا کرتے تھے آج وہ نظر نہیں آتے، اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو بلکہ عین ممکن ہے انہوں نے بھی صرف نام ہی کے مسلمانوں کا زمانہ پایا ہو اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اسلام پر تبصرہ کرنے والے یہ بزرگ اور عمر رسیدہ افراد مسلمان ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم عمر رسیدہ افراد آپس میں مل بیٹھ کر یہ تبصرہ کریں جیسا کہ ”ہم لا یقولون لا الہ الا اللہ“ سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

(۲) گو کہ اس حدیث کو دور حاضر پر مکمل منطبق تو نہیں کیا جاسکتا البتہ حالات حاضرہ کو زیر بحث حدیث میں بیان کیے گئے حالات و واقعات کا پیش خیمہ ضرور قرار دیا جاسکتا ہے، خصوصاً پاکستان میں اس وقت دین اور اہل دین کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے، وہ انتہائی تشویشناک ہے۔

(۳) ترجمۃ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابق ”ینجون بہا من النار“ سے واضح ہوتی ہے کہ کلمہ گو ”خواہ وہ کتنا ہی گنہگار اور بد کردار ہو“ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اپنے اس ایمان کی بدولت جو کلمہ پڑھنے پر اسے حاصل ہوا ہے، جہنم سے نکل کر کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ رَأَى رَأَى الْخَوَارِجِ

(۱۳) أَبُو حَنِيفَةَ وَالْمِسْعَرُ عَنْ يَزِيدٍ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَأَى الْخَوَارِجِ فَسَأَلْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِخِلَافٍ مَا كُنْتُ أَقُولُ فَأَنْقَذَنِي اللَّهُ تَعَالَى بِهِ۔

خوارج جیسی رائے رکھنے والے کا بیان

ترجمہ: یزید بن صہیب کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی طرح رائے رکھتا تھا بعد میں میں نے نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ایک صحابی سے ان آراء کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو بات فرماتے تھے وہ اس کے موافق نہ تھی جو میری رائے تھی اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچالیا۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "اری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا مراد "رائے قائم کرنا" ہے۔
"انقذنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا "ن" وقایہ کا اور "ی" ضمیر متکلم کی مفعول بہ ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: تابع المسعر "وهو احد من كبار المحدثين واعلامهم" ابا حنيفة فحصل التائيد والتقوية والحديث

اخرجه الحارثي في مسنده: ۸۱۶

سَنَدٌ بِرَبْحَةٍ: ۱۔ یہ روایت امام ابوحنیفہ کے ساتھ ساتھ مسعر بن کدام نے بھی نقل کی ہے جو کہ انتہائی محتاط محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور امام صاحب کے ہم عصر اور ہم سبق بھی ہیں امام صاحب کی وفات کے تین چار سال بعد فوت ہوئے تھے۔

۲۔ چونکہ امام صاحب کے استاذ یزید بن صہیب "وہ یزید نہیں جس کے دور حکومت میں سیدنا حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا تھا" نے اپنے خیالات کی اصلاح کے لیے کسی صحابی سے رجوع کیا تھا اور صحابی نے انہیں نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان سنایا تھا اس لیے دو واسطے ہونے کی بنا پر یہ روایت ثانیات میں شمار ہوتی ہے۔

مَقْبُولٌ: ۱۔ سیدنا علی مرتضیٰ کے دور خلافت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو مرتکب کبیرہ کو مخلص فی النار سمجھتا تھا شفاعت کا منکر تھا، تحکیم "جو صفین کے موقع پر حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان بیخ مقرر ہونے کی صورت میں ہوئی تھی" پر اس گروہ نے حضرت علی مرتضیٰ کو بہت ستایا تھا اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ انتہائی عابد و پرہیزگار لیکن تعمق فی الدین کا شکار اور امت مرحومہ کے متفقہ مسائل میں ایک نئے راستے کا انتخاب کرنے کی وجہ سے امت سے کٹ چکے تھے اسی لیے انہیں "خوارج" کہا جاتا تھا یزید بن صہیب "جو زیر بحث واقعے کا مرکزی کردار ہیں" بھی پہلے اسی گروہ کے جال میں پھنس کر ان کے نظریات کا شکار ہو گئے تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل میں خواہش

پیدا ہوئی کہ نبی ﷺ کے وہ قریبی صحابہ کرام ”جن سے ابھی دنیا خالی نہیں ہوئی ہے“ سے بڑھ کر دین کو جاننے اور سمجھنے والا کوئی نہیں ہو سکتا اور ان ہی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے اس لیے اپنے عقائد و نظریات کسی صحابی کے سامنے رکھ کر ان سے احادیث کے حوالے سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

چنانچہ اس تڑپ اور جذبے کے بیدار ہونے پر وہ ایک صحابی ”اغلب گمان کے مطابق جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت جابرؓ ہے“ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے رہنمائی کے طلبگار ہوئے، صحابی مذکور نے ان کے عقائد و نظریات سن کر نبی ﷺ کے جواقوال و فرامین ذکر فرمائے، ان میں اور ان کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق تھا، اس لیے انہوں نے ”خوارج“ کے گروہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور راہ نجات کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔

۲۔ ترجمہ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابقت ”خوارج کے عقیدہ ایمان“ کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی شخص کا ایمان عمل کے بغیر معتبر ہوتا ہی نہیں اور وہ عمل کو ایمان کا جزو لازم سمجھتے ہیں جبکہ اہل سنت و الجماعت ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کو ضروری تو کہتے ہیں لیکن عملی کمزوری رکھنے والے کو ایمان سے خارج بھی نہیں کرتے اور نہ ہی اعمال کو ایمان کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يُثَبِّتُ لِنَفْسِهِ الْإِيمَانَ

(۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: كُنَّا مَعَ عَلْقَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ فَسَأَلَهُ عَلْقَمَةُ فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنْ بِيْلَادِنَا قَوْمًا لَا يُثَبِّتُونَ لِنَفْسِهِمُ الْإِيمَانَ وَيَكْرَهُونَ أَنْ يَقُولُوا إِنَّا مُؤْمِنُونَ بَلْ يَقُولُونَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُولُونَ قَالَ يَقُولُونَ إِذَا اثْبَتْنَا لِنَفْسِنَا الْإِيمَانَ جَعَلْنَا لِنَفْسِنَا الْجَنَّةَ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا مِنْ خُدَعِ الشَّيْطَانِ وَحَبَائِلِهِ وَحِيلِهِ الْجَاهِمِ إِلَى أَنْ دَفَعُوا أَعْظَمَ مِنَّةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَخَالَفُوا سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَرَضِيَ عَنْهُمْ يُثَبِّتُونَ الْإِيمَانَ لِنَفْسِهِمْ وَيَذْكُرُونَ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ وَلَا يَقُولُونَ إِنَّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَوْ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ فَقَالَ لَهُ عَلْقَمَةُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنْ اللَّهُ تَعَالَى لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ لَمْ يَعْصُوهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَذَا عِنْدَنَا عَظِيمٌ فَكَيْفَ نَعْرِفُ هَذَا فَقَالَ لَهُ يَا ابْنَ أَخِي مِنْ هَلُنَا ضَلَّ أَهْلُ الْقَدَرِ فَإِيَّاكَ أَنْ تَقُولَ بِقَوْلِهِمْ فَإِنَّهُمْ أَعْدَاءُ اللَّهِ تَعَالَى الرَّادُونَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ ﷺ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

أَجْمَعِينَ فَقَالَ لَهُ عَلْقَمَةُ إِسْرَحْ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ شَرْحًا يُذْهِبُ عَنْ قُلُوبِنَا هَذِهِ الشُّبُهَةَ فَقَالَ أَلَيْسَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى دَلَّ الْمَلَائِكَةَ عَلَى تِلْكَ الطَّاعَةِ وَالْهَمَّهُمْ أَيَّاهَا وَعَزَمَهُمْ عَلَيْهَا وَجَبَرَهُمْ عَلَى ذَلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ وَهَذِهِ نِعْمَ أَنْعَمَ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَوْ طَالَبَهُمْ بِشُكْرِ هَذِهِ النِّعَمِ مَا قَدَرُوا عَلَى ذَلِكَ وَقَصُرُوا وَكَانَ لَهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِتَقْصِيرِ الشُّكْرِ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ۔

جو شخص اپنے لیے ایمان کو ثابت نہ کرے

تَرْجَمْنَا: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علقمہ اور عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر تھے اس دوران علقمہ نے عطاء سے پوچھتے ہوئے کہا اے ابو محمد! ہمارے شہروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے لیے ایمان کو ثابت نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو صراحتاً مومن کہنے سے گھبراتے ہیں اور وہ یوں کہتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم مومن ہیں عطاء نے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب ہم اپنے لیے ایمان کو ثابت کریں گے تو گویا جنت کو اپنے لیے (خود کو اس کا مستحق) سمجھنے لگیں گے۔

عطاء نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو شیطان کا دھوکہ اور اس کا نکر و فریب ہے جس میں شیطان نے انہیں مبتلا کر کے اللہ کی عظیم نعمت ”اسلام“ سے دور کر رکھا ہے اور وہ نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کر رہے ہیں میں نے خود نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے لیے ایمان کو ثابت کرتے تھے اور اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے ذکر کرتے تھے۔

پھر عطاء نے فرمایا کہ وہ یہ تو کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں لیکن یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم یقینی طور پر اہل جنت میں سے بھی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں تمام بسنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ان پر ظلم کرنے والے نہیں ہوں گے علقمہ نے ان سے پوچھا اے ابو محمد! اگر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو ”جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے“ عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ظالم نہیں ہوں گے؟ فرمایا ہاں! ایسی ہی بات ہے علقمہ نے کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بہت بڑی بات ہے ہم اسے کیسے پہچانیں؟ فرمایا اے بھتیجے! یہیں سے تو قدریہ گمراہ ہوئے تم ان کے عقائد اختیار کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ وہ اللہ کے دشمن اور اس کی بات نہ ماننے والے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے نہیں فرمایا تھا کہ آپ اعلان کر دیجیے! واضح اور بلیغ ترین حجت اللہ ہی کی ہے سوا کہ وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت سے نواز دیتا۔

علقمہ نے عرض کیا کہ اے ابو محمد! اس کی اچھی طرح وضاحت فرمادیں تاکہ ہمارے دلوں سے سارے شکوک و شبہات دور ہو جائیں فرمایا کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس فرمانبرداری کی طرف ملائکہ کو متوجہ فرمایا ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی اور اسے ان پر لازم کر دیا؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے عطاء نے پھر پوچھا کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ نعمتیں اللہ ہی نے ان پر انعام فرمائی ہیں؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے فرمایا کہ اب اگر اللہ ان سے اپنی عطاء کردہ نعمتوں پر شکر کا

مطالبہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے اور اس میں ان سے ضرور کوتاہی ہوگی اور اس کوتاہی پر انہیں سزا دینا اللہ کا حق ہوگا اور اس میں وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "خدا" جمع ہے خداع بمعنی دھوکہ کے۔ "حباثل" جمع ہے حبالہ بمعنی رسی کی "حیکلہ" جمع ہے حیکلہ کی بمعنی خفیہ چال، مکر و فریب "الجہام" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حوالہ کرنا۔ "شرحا" موصوف اور "یذهب" اس کی صفت ہے۔ "الہمہم" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی الہام کرنا۔ "نعم" نعمتہ کی جمع ہے بمعنی احسانات مہربانیاں۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ: ۷۷، ابوداؤد: ۶۹۹، واحمد وغیرہ۔

سَنَدٌ بِرَبْحٍ: ۱۔ سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد کی روایات میں بعینہ یہی الفاظ تو نہیں ہیں لیکن بہت سے الفاظ مشترک ہیں اور مضمون میں تو اشتراک ہے ہی اور مضمون کا یہ اشتراک ترمذی شریف کی روایت میں اور بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے بالخصوص جبکہ ترمذی میں یہ مضمون حضرت عطاء بن ابی رباح ہی سے منقول ہے۔

۲۔ سند حدیث میں امام صاحب کے استاد "عطاء" کے والد کا نام "رباح" نقل کیا گیا ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے عطاء کے والد اپنی کنیت "ابورباح" سے زیادہ مشہور تھے اس لیے ہم نے سند حدیث میں اس کی تصحیح کر دی ہے۔

۳۔ محولہ بالا کتب میں یہ واقعہ ابن دیلمی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور زیر بحث حدیث میں اس واقعے کو نقل کرنے والے امام صاحب ہیں۔

۴۔ عطاء بن ابی رباح چونکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور انہیں متعدد صحابہ کرام سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے اس لیے یہ روایت امام صاحب کی ثنائیات میں سے ہے۔

مَفْهُومٌ: ۱۔ بعض اوقات شیطان انسان کو لفظی بھول بھلیوں میں پھنسا کر اس طرح شکار کرتا ہے کہ انسان کسی طرح کی مزاحمت کیے بغیر ہی اس کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتا ہے اب بظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اگر ہمیں جنت میں داخلہ نصیب فرمادیں تو ان کی کرم نوازی ہے، ورنہ ہمیں مطالبہ کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے لیکن اگر ہم اپنے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں تو گویا اپنے آپ کو جنت کا مستحق گردانتے ہیں اور خود کو اہل جنت میں شمار کرنے لگتے ہیں اور یوں بھی انسان کو دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا بالخصوص جبکہ وہ ایمان جیسی عظیم ترین چیز کا دعویٰ ہو، اس لیے ہمیں صراحتاً ایمان کا دعویٰ دار بننے کی بجائے یوں کہنا چاہیے کہ ہم انشاء اللہ مومن اور مسلمان ہیں، اس سے ہم مسلمان بھی رہیں گے اور دعویٰ بھی نہیں ہوگا۔

یہ شیطان کا وہ حملہ ہے جو انسان کو شکوک و شبہات کی اندھیرنگری میں ایسی جگہ لے جا کر مارتا ہے جہاں اسے کوئی بچانے والا نہ ہو، اگر انسان صرف اتنی سی بات پر غور کر لے کہ اپنے اس دعویٰ میں وہ ایمان کو اللہ کی مشیت پر

موقوف کر رہا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ نے ایمان کو بندے کی اپنی مشیت و خواہش پر موقوف کرتے ہوئے فرمایا ہے

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر

تو اس کے سامنے حقیقت واضح ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

۲۔ پھر ”اسلام“ تو ویسے ہی اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطاء ہونے والی سب سے زیادہ عظیم نعمت ہے اس سو سے کے ذریعے انسان اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ اس عظیم نعمت کی ناشکری ہے تو بھی بے جا نہیں ہوگا۔

۳۔ اس نظریے کی بنیاد شیطان یوں فراہم کرتا ہے کہ یقینی طور پر اپنے لیے ایمان کو ثابت کرنا جنت میں اپنے داخلہ کو قطعیت کے ساتھ ثابت کرنے کے مترادف ہے اور مستثنیات کے علاوہ کسی شخص معین کے بارے میں دخول جنت کا دعویٰ کرنا شرعاً ممنوع ہے اور جو چیز ”منہی عنہ“ کو مستلزم ہو وہ خود بھی منہی عنہ اور ممنوع ہوتی ہے کیونکہ خاتمہ کے وقت ایمان نصیب ہونے کا کسی کو علم نہیں لہذا دعویٰ ایمان بھی منہی عنہ ہے۔

حالانکہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اپنے لیے ایمان کا ثبوت پیش کرنا اس ایمان کی بناء پر صحیح ہے جو انسان کو فوری طور پر حاصل ہے لیکن چونکہ کسی انسان کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں اس لیے قطعیت کے ساتھ اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے، گویا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جنہیں غلط ملط کرنے کی وجہ سے یہ خرابی لازم آتی ہے۔

۴۔ ترجمہ الباب سے اس حدیث کا تعلق مسئلہ تقدیر کی وجہ سے ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں بسنے والی ساری مخلوق کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں تو انہیں ”ظالم“ نہیں کہا جاسکتا، یہاں انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں تو ایسی مخلوقات بھی ہیں جنہوں نے ساری زندگی پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، کیا اللہ انہیں بھی بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا؟ مثلاً ”ملائکہ“ جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے قارئین کو راقم کے اس سوال کا جواب دینا ہوگا تاکہ بات واضح ہو جائے کہ کیا نبی ﷺ سے بڑھ کر اللہ کی ذات و صفات میں گم ہو کر کوئی شخص اللہ کی عبادت کر سکتا ہے؟ اللہ کی تعریف اور اس کی مدح و ثناء بیان کر سکتا ہے؟ اس کی بلندی اور برتری کو پہچان سکتا ہے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور میرا بھی یہی جواب ہے کیونکہ خود نبی ﷺ فرماتے تھے۔

لا احصى ثناء عليك، انت كما اثنيت على نفسك

جب امام الانبیاء اور تاجدار ختم نبوت ﷺ اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ ”پروردگار! تیری شان اور مدح و

ثناء کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہم تیری تعریف کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، ہم تو بس صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ کو آپ سے بڑھ کر کوئی جان سکتا ہے اور نہ بیان کر سکتا ہے، تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے۔

نیز اللہ کی نعمتوں کی جو موسلا دھار بارش ہمہ وقت آسمان و زمین والوں پر متوجہ ہے، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی ذی روح میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں، شکر ادا کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، ان نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا ہی ممکن نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اب اگر اللہ کی صحیح قدر دانی نہ ہو جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے

وما قدروا اللہ حق قدرہ

اور اس کی شان و مدح و ثناء کرنے میں کوتاہی رہ جائے اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ مکمل طور پر ادا نہ ہو سکے، جس کی وجہ سے انہیں سزا دینی پڑ جائے تو یہ عین انصاف ہے، کہ بدلہ دینا تو بڑی دور کی بات ہے، شکر یہ بھی ادا نہیں کر سکتے، گو کہ اللہ ایسا کرتا نہیں ہے لیکن اگر کبھی ایسا کر لے تو اس پر کوئی حرف اعتراض نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی اس کے عدل و انصاف پر کوئی حرف آتا ہے۔

بقدر ضرورت مضمون حدیث کی وضاحت کے بعد یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا اور جس میں زیادہ بحث مباحثہ اور الجھنے سے نبی ﷺ نے نہ صرف یہ کہ منع فرمایا ہے بلکہ اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے گزشتہ اقوام و ملل کی ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے، اس لیے اس مسئلہ کی تفصیلات میں الجھنے کی بجائے اپنے اعمال کی طرف توجہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيمَانِ بِالْقَدْرِ

(۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ سُرَاقَةَ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ حَدِّثْنَا عَنْ دِينِنَا كَأَنَّا وَوَلِدُنَا لَهُ أَنْعَمَلُ بِشَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ أَمْ فِي شَيْءٍ نَسْتَقْبِلُ فِيهِ الْعَمَلَ قَالَ بَلْ فِي شَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ قَالَ فَفِيمَ الْعَمَلُ قَالَ إِعْمَلُوا فَكُلُّ مُيَسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى۔

تقدیر پر ایمان کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت سراقہ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ!

ہمیں ہمارے دین کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیے جس پر ہمیں ایسا اطمینان ہو کہ گویا یہ ہمارا پیدائشی دین ہے کیا ہم جو کام اور عمل کرتے ہیں تقدیران پر چل چکی ہوتی ہے اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے ہوتے ہیں؟ یا ہمارا عمل پہلے ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اعمال ان چیزوں میں سے ہیں جن پر تقدیر چل چکی اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے انہوں نے عرض کیا کہ پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا کہ تم عمل کرتے رہو اس لیے کہ ہر انسان جن کاموں کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے وہ کام آسان بھی کر دیے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مال راہ خدا میں دوسروں کو دیتا ہے اللہ سے ڈرتا ہے اور اچھی باتوں کی تصدیق کرتا ہے ہم اس کے لیے آسانیاں مہیا کر دیں گے اور جو شخص بخل کرتا ہے بے نیازی برتا ہے اور اچھی باتوں کی تکذیب کرتا ہے ہم اس کے لیے مشکلات کو مہیا کر دیں گے۔

خَلِّ عِبَارَتٌ: "حدثنا" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیان کرنا "ولدنا" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیدائش "انعمل" ہمزہ برائے استفہام اور نعمل باب سماع سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی عمل کرنا "جرت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چلنا "جفت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خشک ہونا "الاقلام" قلم کی جمع ہے۔

تَجْنِیْحٌ حَدِیْثٌ: اخرجه ابو داؤد: ۴۶۹۴، وابن ماجہ: ۹۱، ومسلم: ۶۷۳۵ (۲۶۴۸)

سَنَنِ بْنِ مَجْهَدٍ: ۱۔ اس مضمون کی روایات تمام کتب صحاح میں ائمہ حدیث نے تخریج کی ہیں الفاظ کا رد و بدل تو ہے لیکن مضمون سب کا مشترک ہے نیز مسند احمد، مؤطا مالک، معجم کبیر، ابن حبان اور حاکم وغیرہ میں بھی اس مضمون کی روایات موجود ہیں۔

۲۔ امام صاحب کی یہ روایت بنیادی طور پر حضرت سراقہ بن جعشم سے مروی ہے یہ وہی سراقہ ہیں جنہوں نے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ اور ان کے یار غار کا تعاقب کیا تھا اور ان کا گھوڑا زمین میں دھنسا دیا گیا تھا ان کا اصل نام تو سراقہ بن مالک بن جعشم بن مالک ہے لیکن بعض اوقات ان کے والد کا نام حذف کر کے انہیں دادا کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

۳۔ یہ روایت سنن ابن ماجہ میں بھی حضرت سراقہ ہی سے مروی ہے تاہم مسند امام اعظم کی روایت کے اعتبار سے اس میں دو فرق ہیں۔

(الف) امام صاحب کی روایت میں حضرت سراقہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے حضرت جابر ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت مجاہد کے حوالے سے منقول ہے۔

(ب) امام صاحب کی سند سے یہ روایت "ثلاثیات" کے زمرے میں آتی ہے جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہی روایت "خمسیات" کے زمرے میں آتی ہے اس اعتبار سے امام صاحب کی سند کا عالی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

مفہوم: حدیث زیر بحث کا مضمون سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کسی بھی کام کے وجود پذیر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسب

(۲) خلق

ان میں سے ”کسب“ کا تعلق بندے کے ساتھ ہے اور خلق کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ بندہ کبھی خالق نہیں کہلا سکتا البتہ اسے ”کاسب“ ضرور کہا جاسکتا ہے اسے ایک مثال سے اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ ایک ماہر کاریگر آپ کے پاس لکڑی کی بڑی خوبصورت اور شاندار الماری تیار کر کے لاتا ہے آپ اس میں اپنی کتابیں سلیقے سے رکھتے ہیں اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کاریگر کی کاریگری کی داد دیتے ہیں لیکن اگر آپ اس پر غور کریں کہ یہ الماری اس وقت تک بن نہیں سکتی تھی جب تک کاریگر اور بڑھی کو لکڑی میسر نہ آتی اور لکڑی اس وقت تک مہیا نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ درخت نہ اگتا اور درخت اس وقت تک نہ اگتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے دریاؤں، نہروں، تالابوں اور بارش کا پانی میسر نہ آتا تو آپ کی سمجھ میں یہ بات بھی آجائے گی کہ اگر اللہ درخت نہ اگاتا تو اس الماری کو کبھی وجود کی دولت نہ ملتی۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندے کی محنت کا اس میں کوئی دخل عمل نہیں ہے بلکہ بندے کی محنت کا اسے موجودہ شکل تک پہنچانے میں یقیناً بہت بڑا حصہ ہے اسی طرح کسب اور خلق کو بھی سمجھ لیجیے کہ ”خلق“ کسی چیز کو وجود عطاء کرنے کا نام ہے اور ”کسب“ اس موجود چیز میں اپنی محنت اور کوشش سے کام لے کر مختلف اشیاء ضرورت کو فراہم کرنے کا نام ہے جب اس نکتے پر غور کیا جائے تو کائنات کی کوئی ایجاد ایجاد بندہ باقی نہیں رہتی ہاں! اجتہاد بندہ بہت سی چیزیں ہیں جن سے یہ کائنات بکھری پڑی ہے۔

اس تمہید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان عاجز اور مجبور و بے بس نہیں ہے بلکہ اسے اللہ کی طرف سے جو صلاحیتیں اور فہم و فراست دی گئی ہے وہ اسے کائنات کی نعمتوں میں اپنے اختیار کو استعمال کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں اسی ”اختیار“ کی بناء پر اسے ”مکلف“ بنایا گیا ہے اور اسی ”اختیار“ کی بناء پر اس سے قیامت کے دن اس کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی جیسا کہ مسلم شریف کی کتاب القدر میں صراحتاً یہ روایت بھی منقول ہے اس تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی و ابدی کے مطابق مومن و مشرک، عالم و جاہل، مرد و عورت اور اس سے متعلق تمام تر تفصیلات ”خواہ وہ بے جان ہوں یا جاندار“ تحریر فرمادی تھیں اور اسی تقدیر کے مطابق یہ کائنات اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے اور اللہ کی طرف سے اس کا طریقہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ

ہر سال شب قدر کے موقع پر نئے سال کے احکام متعلقہ فرشتوں تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جن پر پورا سال عمل ہوتا رہتا ہے۔

یہاں ہر شخص کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا ہے تو پھر ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیکی کے راستے پہ چلنے اور بدی سے بچنے کی کیا ضرورت ہے؟ روزی کمانے اور اولاد حاصل کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اللہ نے جو لکھ دیا ہے اس کی خلاف ورزی تو ہو نہیں سکتی؟

میں اس کے جواب میں کسی لمبی چوڑی تقریر اور تمہید کی بجائے صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ اللہ نے تو یقیناً پوری کائنات کی تقدیر لکھ رکھی ہے کیا ہم نے بھی وہ لکھی ہوئی تقدیر دیکھی ہے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو میں کہوں گا کہ پھر تو آپ واقعی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو میں کہوں گا کہ جب آپ کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کی تقدیر میں کیا لکھا ہے آپ نے اسے دیکھا اور پڑھا ہی نہیں ہے تو صرف اپنی عقل کی بات مان کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا کوئی عقلمندی نہیں ہے یہی مطلب ہے نبی ﷺ کے اس فرمان کا کہ تم عمل میں کوتاہی نہ کرو اللہ نے جس مقصد کے لیے تمہیں پیدا کیا ہوگا اس کے اسباب وہ خود ہی مہیا فرما دے گا۔

(۱۶) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ مُصْعَبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ رَسُوْلِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ إِلَّا قِيَّةٌ قِيلَ فَفِيمَ الْعَمَلِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اِعْمَلُوا فِكُلِّ مَيْسَرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرْ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يُسِّرْ لِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ قَالَ الْأَنْصَارِيُّ الْآنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔

ترجمہ: ”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر نفس کے داخل ہونے اور خارج ہونے کی جگہ کے بارے میں لکھ رکھا ہے اور یہ کہ وہ کن چیزوں سے آسنا سامنا کرے گا کسی انصاری صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا تم عمل کرتے رہو اس لیے کہ جو شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اس کے اسباب مہیا کر دیے جائیں گے چنانچہ جو شخص اہل جنت میں ہوگا اس کے لیے اہل جنت کے اعمال آسان کر دیے جائیں گے اور جو شخص اہل جہنم میں ہوگا اس کے لیے اہل جہنم والے اعمال آسان ہو جائیں گے یہ سن کر اس انصاری صحابی نے کہا کہ اب عمل کی حقیقت سامنے آئی۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: ”ما هـی“ میں جو ”ما“ ہے یہ نافیہ یا استفہامیہ نہیں بلکہ ”ما“ موصولہ ہے اور ”التی“ کے معنی میں ہے ”لاقیة“ باب سماع سے اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی ملنا ملاقات کرنا ”یسر“ باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آسان کرنا ”حق“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ثابت کرنا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری: ۱۳۶۲، ومسلم: ۶۷۳۳ (۲۶۴۷) ابوداؤد: ۴۶۹۴، والترمذی: ۲۱۳۶، وابن ماجه: ۷۸، ومالك، والدارمی، والنسائی، والحاكم

سین بن پر بنجٹ: سند حدیث میں امام صاحب کے دوسرے استاذ کا نام "مصعب" آیا ہے یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ نہیں بلکہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے صاحبزادے کا نام ہے۔

۲۔ امام صاحب کی سند سے یہ روایت صرف تین واسطوں سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے اور اقسام حدیث کے اعتبار سے یہ "ثلاثیات" میں شمار ہوتی ہے لیکن صحاح ستہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں یہی روایت چھ واسطوں سے کم رواۃ سے نقل ہوئی ہو گویا اس حدیث میں بھی امام صاحب کی سند عالی ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں بھی مسئلہ تقدیر ہی کی وضاحت فرمائی گئی ہے جس کی تفصیلات عنقریب گزر چکی ہیں۔

(۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللَّهُ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لِأَقِيَّةٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَفِيمَ الْعَمَلِ إِذَا يَارَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ إِعْمَلُوا فُكُلٌ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيَسِّرُوا لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَأَمَا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيَسِّرُوا لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَلَا نَحَقُّ الْعَمَلَ - وَفِي رِوَايَةٍ إِعْمَلُوا فُكُلٌ مُيَسَّرٌ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِهَا فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَلَا نَحَقُّ الْعَمَلَ -

ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ حل عبارت، تخریج سند اور مفہوم سب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے ہم اسے دوبارہ نہیں دہرائیں گے البتہ اتنی بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ گزشتہ حدیث میں سائل کے "انصاری" ہونے کی صراحت نہیں کی گئی تھی جبکہ یہاں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ

(۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجِيءُ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدْرَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ مِنْهُ إِلَى الزَّنْدِيقَةِ فَإِذَا لَقِيَتْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرَضُوا فَلَا تَعُودُوا لَهُمْ وَإِنْ مَا تَوَّأُوا فَلَا تُشِيعُوهُمْ فَإِنَّهُمْ شِيعَةُ الدَّجَالِ وَمَجُوسُ هَذِهِ الْأُمَّةِ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ -

منکرین تقدیر کی مذمت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جماعت ایسی بھی آئے گی

جو تقدیر کو نہیں مانے گی پھر وہ زندقہ کی راہ پر چل پڑے گی ایسے لوگوں سے جب تمہارا آنا سامنا ہو تو انہیں سلام مت کہو اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لیے نہ جاؤ اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو کیونکہ یہ گروہ دجال ہے اور یہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم طے ہو گیا ہے کہ وہ انہیں جہنم میں مجوسیوں کے ساتھ اکٹھا کرے گا۔

حَلِّ عِبَارَاتٍ: "قوم" موصوف ہے اور "یقولون" اس کی صفت "لقیتموہم" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملاقات کرنا "لا تسلّموا" باب تفعیل سے نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی سلام کرنا "مرضوا" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بیمار ہونا "لا تعودوہم" باب نصر سے نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی عیادت کرنا "لا تشیعوہم" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیچھے چلنا۔ "شیعة" بمعنی گروہ "یلحقہم" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملا دینا۔

تجربہ صحیح حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۴۶۹۲، وابن ماجہ: ۹۲، واحمد: ۵۵۸۴۔

سندین پر بحث: ۱۔ نافع، حضرت ابن عمرؓ کے انتہائی قریبی اور عزیز شاگرد ہیں جن کے ذریعے حضرت ابن عمرؓ کی مرویات کا ایک بہت بڑا حصہ امت تک پہنچا ہے پہلے یہ حضرت ابن عمرؓ کے غلام تھے بعد میں انہوں نے انہیں آزاد کر کے علم دین کے تعلیم و تعلم کے لیے وقف کر دیا۔

۲۔ مسند امام اعظم کی یہ سند "ثلاثیات" کے درجے میں آتی ہے اور دیگر کتب حدیث میں یہی روایت چھ واسطوں سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے اس اعتبار سے دیگر کتب حدیث میں اس روایت کا درجہ "سداسیات" میں سے ہے۔

مفہوم: زیر بحث حدیث کا مضمون سمجھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ "زندیق" کسے کہتے ہیں؟ تاکہ حدیث کی مراد سمجھنا آسان ہو جائے۔

زندیق کی تعریف: جو لوگ دین اسلام کو سرے سے ہی نہیں مانتے انہیں تو "کافر" کہا جاتا ہے جو لوگ دین اسلام قبول کرنے کے بعد کسی اور دین مثلاً یہودیت، عیسائیت یا ہندومت وغیرہ میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں انہیں "مرتد" کہا جاتا ہے اور جو لوگ زبانی طور پر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں لیکن اپنے دل میں کفریہ عقائد بھی رکھتے ہوں اور قرآن و سنت کی نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے باطل اور بنی برکفر عقائد پر منطبق کر کے اپنے جذبات کی تسکین کرتے ہوں انہیں "زندیق" کہا جاتا ہے۔

زندیق کا شرعی حکم: جس طرح مرتد واجب القتل ہے اسی طرح زندیق بھی واجب القتل ہے البتہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی سزا کے معاف ہونے یا نہ ہونے میں علماء کرام کے مختلف اقوال و آراء ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کی رائے تو یہ ہے کہ اگر زندیق توبہ کر لے تو اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے قتل کی سزا معاف کر دی جائے گی امام مالکؒ اس کی توبہ کا اعتبار

نہیں کرتے اور اسے بہر صورت واجب القتل قرار دیتے ہیں، امام احمد بن حنبل سے دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، جبکہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر کے قتل کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

ابتداء اسلام میں ”قدریہ“ ایک فرقہ گزرا ہے، اس فرقے کے لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ ”قدریہ“ کی کوئی حیثیت نہیں، انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے اور انسان اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے اور انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، اس اعتبار سے ہر انسان ”خالق“ کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے کیونکہ ہر انسان کوئی نہ کوئی کام تو سرانجام دیتا ہی ہے، یہی حال مجوسیوں کا ہے جو ”خدا“ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے خالق خیر کو ”یزداں“ اور خالق شر کو ”اھرمن“ کا نام دیتے ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے ”قدریہ“ کو اس امت کے ”مجوسی“ قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث سے تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص تقدیر کا منکر ہو تو انسانیت کے ناطے اس کے وہ حقوق بھی ادا کرنا منع ہیں جو دوسرے کفار کے حق میں ممنوع نہیں چنانچہ کسی حدیث میں کافر کے بیمار ہونے پر اس کی بیمار پرسی کی ممانعت نہیں کی گئی لیکن ”قدریہ“ کی بیمار پرسی سے روک دیا گیا، انہیں سلام کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کے جنازوں میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی، نیز انہیں دجال کے اعوان و انصار میں سے قرار دے کر ان سے بچنے کی تلقین کی گئی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں ”زندیق“ قرار دیا گیا جس کے بارے آپ علماء کرام کا فتویٰ پڑھ آئے ہیں کہ وہ واجب القتل ہے۔

(۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجِيءُ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدَرَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ مِنْهُ إِلَى الزَّنْدِيقَةِ فَإِذَا لَقِيْتُمُوهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُوذُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوا جَنَائِزَهُمْ فَإِنَّهُمْ شِيعَةُ الدَّجَالِ وَمَجُوسُ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَحَقًّا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ۔

فائدہ: اس حدیث کا ترجمہ و تشریح، سند اور تخریج وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں آپ کی نظروں سے گزرا، البتہ فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث ”ثلاثیات“ میں سے تھی اور یہ ثلاثیات میں سے ہے۔

(۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْقَدْرِيَّةَ وَقَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلِي إِلَّا حَذَّرَ أُمَّتَهُ مِنْهُمْ وَلَعَنَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ”قدریہ“ پر لعنت فرمائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، انہوں نے اپنی امت کے ”قدریہ“ سے لوگوں کو ڈرایا اور انہیں ملعون قرار دیا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي عَرَبَةَ: "لَعْنُ" بَابُ فَتْحٍ مِنْ مَاضِي مَعْرُوفٍ كَمَا صَيغُهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى لَعْنَتِ كَرْنَا "حَذَرَ" بَابُ تَفْعِيلٍ مِنْ مَاضِي مَعْرُوفٍ كَمَا صَيغُهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى ذَرَانَا تَنْبِيهٌ كَرْنَا۔

تَجْرِيحٌ حَدِيثٌ: أَخْرَجَهُ الْحَارِثِيُّ فِي مَسْنَدِهِ: ۸۹۔

سَنَدٌ بِرَبْحَتٍ: ۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے "سالم" ان کے بیٹے ہیں جو اپنے والد کے "باب" حدیث میں صحیح جانشین ہیں۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنایات میں سے ہے۔

مَقْبُولٌ: یوں تو مسئلہ تقدیر اور قدریہ پر بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر قرآن و حدیث میں کسی شخص یا فرقے کو ملعون قرار دیا گیا ہو تو اس سے اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ کفر اور لعنت ایک دوسرے کو لازم ملزوم نہیں اور نہ ہی لعنت بول کر کفر مراد لینا شائع ذائع ہے اس لیے اس حدیث سے "قدریہ" کے کافر ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا تاہم انہیں "زندیق" قرار دیے جانے سے ان کی پوزیشن اور حیثیت ضرور واضح ہو جاتی ہے۔

(۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَعْنَةُ اللَّهِ الْقَدْرِيَّةَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ وَلَا رَسُولٍ إِلَّا لَعْنَهُمْ وَنَهَى أُمَّتَهُ عَنِ الْكَلَامِ مَعَهُمْ۔

فائدہ: یہ بھی گزشتہ حدیث ہی کی طرح ہے البتہ فرق اتنا ہے کہ گزشتہ روایت کا درجہ "ثنایات" میں سے تھا اور اس کا درجہ "ثلاثیات" میں سے ہے نیز گزشتہ حدیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ تھے اور اس حدیث کی روایت حضرت بریدہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْقَدْرِيَّةُ مَجْرُوسٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ وَهُمْ شِيعَةُ الدَّجَالِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرویت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اور وہ دجال کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تَجْرِيحٌ حَدِيثٌ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ: ۴۶۹۱۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ

(۲۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ يَخْرُجُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ يَزِيدُ فَقُلْتُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

مِنْهَا قَالَ جَابِرٌ اِقْرَأْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّمَا هِيَ فِي الْكُفَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيْدُ قُلْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا فَقَالَ جَابِرٌ اِقْرَأْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذٰلِكَ الْكُفَّارُ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ يَزِيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَاَيْنَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ اِلَى الْاٰخِرَةِ۔

شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو میری شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لیں گے، راوی حدیث یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلنے والے نہیں؟ (پھر اس حدیث کا کیا مطلب؟) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی تو پڑھو یہ حکم کافروں کے لیے ہے کہ انہیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا اور نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مؤمنین کا حکم بیان فرمایا ہے دوسری روایت میں بھی اسی طرح سوال جواب مذکور ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے ”شفاعت“ کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایک گروہ کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا اور بعد میں نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سفارش پر انہیں جہنم سے نکال لے گا یہ سن کر یزید اور حضرت جابرؓ کے درمیان مذکورہ سوال جواب ہوئے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”بشفاعت“ اس جار مجرور کا متعلق ”یخرج“ ہے جو کہ لفظوں میں موجود ہے اس اعتبار سے یہ ظرف لغو ہے ”اقرا“ باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پڑھنا ”يعذب“ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عذاب دینا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۴۷۱ (۱۹۱) ۴۷۲، ۴۷۳۔

سَنَنْ اِبْرٰهِيْمَ: ۱۔ اس حدیث کی سند میں امام صاحبؒ کے جس استاذ یزید بن صہیب کا ذکر ہے ان کی کنیت ابو عثمان ہے اور انہیں ”فقیر“ بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ لفظ ”فقر“ سے نہیں ”فقار“ سے نکلا ہے جس کا معنی ”ریڑھ کی ہڈی“ ہے ان کی ریڑھ کی ہڈی میں بہت شدید قسم کی تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے بالآخر ان کی کمر جھک گئی تھی اس لیے انہیں ”فقیر“ کہا جاتا ہے۔

۲۔ مسلم شریف میں یہ روایت بعینہ انہی الفاظ سے تو منقول نہیں لیکن مضمون و مفہوم حدیث یہی ہے۔

۳۔ امام صاحبؒ اور نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے درمیان صرف دو واسطے ہونے کی وجہ سے یہ روایت ”ثنائیات“ میں سے ہے۔

مفہوم: مسئلہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تخریج کے بعد یہاں سے مسئلہ شفاعت کی احادیث کا آغاز ہو رہا ہے جس

میں معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے، چنانچہ معتزلہ منکرین شفاعت میں سے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ قیامت کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا مقام عظیم حاصل ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ”جبکہ لوگوں کو دوسرے انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی طرف سے عدم استحقاق شفاعت کا جواب مل چکا ہوگا“ پوری کائنات کے لوگوں کی سفارش اپنے پروردگار سے کر کے حساب کتاب شروع کروائیں گے اور گناہگار مسلمانوں کی سفارش کر کے ان کے دخول جنت کا سبب بنیں گے، پھر بقیہ انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم صحابہ و اولیاء حفاظ و قراء علماء اور شہداء بھی اللہ کی اجازت و مشیت کے مطابق سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول بھی فرمائیں گے، جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں معتزلہ کی سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء اور منتخب افراد کی شفاعت و سفارش سے گناہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ دے دیا جائے گا تو یہ خلاف عدل ہوگا، اس لیے کہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گناہگار کو چھوٹ نہ دی جائے اور نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ دیا جائے، ورنہ نیکوکار اور بدکار میں کوئی فرق نہ رہے گا کیونکہ دونوں بہر حال جنت میں ہی جائیں گے۔

دوسری دلیل اہل اعتزال کی یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات ”جن میں اجمالاً قانون مکافات عمل بیان کیا گیا ہے“ بھی مسئلہ شفاعت کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ ہیں جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ

و جزاء سیئة سیئة مثلھا

نیز وہ آیات قرآنی بھی ”شفاعت“ کا انکار کرتی ہیں جن میں مکافات عمل کے اس قانون کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مجرم کو اپنے جرم کی سزا بہر حال بھگتنا ہی ہوگی، چنانچہ کہیں قتل عمد کے بارے ارشاد ہے

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدافیہا

اور کہیں پاکدامن عفت مآب عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

”ولہم عذاب عظیم“

جبکہ بعض آیات میں تو صراحتاً ”شفاعت“ کا انکار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

”فما تنفعہم شفاعۃ الشافعیین“

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

”ولا شفیع یطاع“

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات و احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت کے دن کوئی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا، ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

اہل سنت و الجماعت کی طرف سے ان دلائل کا جواب نہایت مضبوط انداز میں دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خلاف عدل ہونا اور سزا کو معاف کر دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں، اگر صاحب حق اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور متعلقہ آدمی کو معاف کر دے تو یہ اس کی عالی ظرفی اور وسعت قلبی کی دلیل ہوتی ہے، دنیا میں بھی یہی اصول اور ضابطہ ہے کہ معاف کرنے والے کو لوگ ہمیشہ اچھی نظروں سے دیکھتے اور اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کی سفارش پر اپنے حقوق تو معاف فرمادیں گے لیکن حقوق العباد کی ادائیگی اس دن بھی ضروری ہوگی تا آنکہ صاحب حق اس سے دستبردار ہو جائے یا اسے معاف کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت، خلاف عدل نہیں، موافق فضل ہے اور اللہ کی طرف سے اپنے حق سے دستبردار ہونے کی رضا مندی کی علامت ہے رہی وہ آیات قرآنیہ جن سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں، ان تمام کا تعلق کفار کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اسی طرح وہ احادیث جن سے بظاہر معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، ان میں بھی اور دیگر آیات قرآنیہ میں بھی شفاعت کا مستقل اختیار حاصل ہونے کی نفی ہے اور اسے اللہ کے اذن پر موقوف قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں، اس لیے کہ ہمیں بھی اس بات سے اتفاق ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، زبان بھی نہیں ہلا سکے گا۔

رہی یہ بات کہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اہل سنت و الجماعت کے پاس کیا دلائل ہیں جن پر وہ اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اثبات شفاعت سے متعلق وارد شدہ احادیث کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ خبر متواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں جن میں سے چند ایک اسی کتاب میں آپ کی نظروں سے گزریں گی، اس کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایات کثرت کے ساتھ منقول ہیں، ہم یہاں ان میں سے صرف تین حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں، طبرانی نے معجم کبیر میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں کی ہے اور اسی کتاب میں بھی عنقریب آرہی ہے۔

۲۔ شفاعتی یوم القيامة حق، فمن لم يؤمن بها لم یکن من اهلها

”قیامت کے دن میری سفارش برحق ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتا، وہ اس کا اہل بھی نہیں۔“

یہ حدیث امام احمد بن منیع نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے جو حضرت زید بن ارقم کے علاوہ دس سے زائد صحابہ کرام

علیہم الرضوان سے منقول ہے۔

۳۔ عن انس قال: من كذب بالشفاعة فلا نصيب له

”حضرت انس فرماتے ہیں کہ شفاعت کی تکذیب کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔“

اس حدیث کی تخریج سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اور ہناد نے کی ہے۔

(۲۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ رَبِيعِ بْنِ جِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ يُخْرِجُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنَ الْمُؤَحِّدِينَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتَحَشُوا وَصَارُوا فَحْمًا فَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ فَيَسْتَغِيثُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِمَّا تُسَمِّيهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ فَيُذْهِبُ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ذَلِكَ۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جہنم سے موحدین کی ایک جماعت کو نکالے گا، ان کی کھال جل چکی ہوگی اور وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا، جنتی انہیں ”جہنمی“ کے نام سے پکارا کریں گے، چنانچہ وہ اللہ سے اس سلسلے میں درخواست کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کی علامت بھی دور فرمادیں گے۔

حَلَّيْنِ خَبَارَاتٍ: ”امتحشوا“ باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھال کا جل جانا ”صاروا“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی ہو جانا ”فحما“ اس کا معنی کوئلہ ہے ”يستغيثون“ باب استفعال سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فریاد کرنا، درخواست کرنا ”تسميهم“ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی نام رکھنا۔

تَجْنِيحُ حُذَيْفَةَ: اخرجہ البخاری: ۶۵۶۶، ۷۴۳۹، ومسلم ۴۵۷ (۱۸۴) وابوداؤد ۴۷۴۰، والترمذی: ۲۵۹۷ والنسائی: ۱۱۴۱، وابن ماجه: ۴۳۰۹

سَنَنِ پَرَبِحَاتٍ: ۱۔ زیر بحث حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں نبی ﷺ اور امام صاحب کے درمیان پانچ واسطے ہیں اور درجے کے اعتبار سے یہ روایت ”خماسیات“ کے زمرے میں آتی ہے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اس روایت میں صحاح ستہ میں سب سے زیادہ قریب روایت سنن ابن داؤد کی ہے اور وہ بھی پانچ واسطوں سے ہو کر ”خماسیات“ کے درجے پر فائز ہے۔ اس اعتبار سے مسند امام اعظم اور سنن ابی داؤد کی اس روایت کا درجہ ایک ہی ہو جاتا ہے جو یقیناً امام ابوداؤد کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

مَقَالَةٌ: ۱۔ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہو سکے گا، اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا اور اسے وہاں سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا، نیز اس بات پر بھی احادیث و آیات قرآنیہ صراحتہ دلالت کر رہی ہیں کہ کوئی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، کبھی نہ کبھی اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا

جائے گا۔

۲۔ مستند احادیث سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر مسلمان کے جسم کا وہ حصہ حرام قرار دے رکھا ہے جس سے وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے یعنی اعضاء سجدہ جہنم کی آگ کا لقمہ نہیں بنیں گے اور یہی چیز جہنم میں مؤمن اور غیر مؤمن میں شناخت کا سبب بنے گی۔

۳۔ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ سے جل کر کونکہ بن جانے والے موحدین کو بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے گا یہ مجمل ہے جبکہ مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ انہیں جہنم سے نکال کر سب سے پہلے ”آب حیات“ کی ایک نہر میں غوطہ دلایا جائے گا جب وہ اس نہر سے نکلیں گے تو ان کے جسم پر نئی کھال آچکی ہوگی اور وہ تمام داغ دھبے دور ہو چکے ہوں گے جو جہنم کی آگ میں جلنے کی وجہ سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئے تھے البتہ ایک نشان باقی رہ جائے گا جس کی وجہ سے جنتی یہ شناخت کر سکیں گے کہ یہ جہنم سے نکل کر آنے والے افراد ہیں اور کچھ عرصہ تک ان کی یہی شناخت رہے گی۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ لوگ بارگاہ ایزدی میں عرض گزار ہوں گے کہ بار الہا! جب تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں جہنم سے نجات عطاء فرمادی تو اب اس کی طرف نسبت سے بھی ہمیں خلاصی عطاء فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ اس نشان کو بھی ختم فرمادیں گے جس سے ان کی پرانی شناخت ختم ہو جائے گی جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آ رہا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کے مطابقت اس حدیث کے دوسرے طرق کو ملانے سے زیادہ واضح ہوتی ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جہنم سے ان لوگوں کی گلو خلاصی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے ہوگی۔

(۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي قَوْلِهِ تَعَالَى عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا قَالَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الشَّفَاعَةُ يُعَذِّبُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِذُنُوبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَيُوتَىٰ بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَسْمُونَ فِي الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ ثُمَّ يَطْلُبُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْإِسْمَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ يُخْرِجُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنْ أَهْلِ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ وَالْقِبْلَةَ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَذَلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ فَيُوتَىٰ بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيُلْقُونَ فِيهِ فَيَنْبُتُونَ بِهِ كَمَا يَنْبُتُ النَّعَارِيرُ ثُمَّ يُخْرِجُونَ مِنْهُ وَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَسْمُونَ فِيهَا الْجَهَنَّمِيِّينَ ثُمَّ يَطْلُبُونَ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَذْهِبَ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْإِسْمَ فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ۔ وَزَادَ فِي الْخَرِجِ وَعَتَقَاءُ اللَّهِ تَعَالَى۔ وَرَوَى أَبُو حَنِيفَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي رُوْبَةَ شَدَادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ۔

تَرْجَمَانًا: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”مقام محمود“ والی آیت میں ”مقام محمود“ سے مراد ”شفاعت“ ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا اس کے بعد میری سفارش پر انہیں جہنم سے رہائی نصیب ہوگی، جہنم سے رہائی کے بعد انہیں ”حیوان“ نامی ایک نہر پر لایا جائے گا وہ اس میں غسل کریں گے پھر جنت میں داخل ہوں گے جنت میں انہیں ”جہنمی“ کہہ کر پکارا جائے گا پھر وہ اللہ سے درخواست کریں گے تو یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں بھی یہی مضمون آیا ہے جس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے بعد انہیں ”اللہ کے آزاد کردہ لوگ“ کہا جائے گا نیز امام صاحبؒ نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔

حَدِيثٌ غَابٍ: ”فیوتی“ باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا، یوں تو یہ فعل لازم ہے لیکن ”ب“ حرف جر کے ذریعے اسے متعدی کر لیا گیا ہے اور اب اس کا معنی لانا ہے ”الحيوان“ جنت کی ایک نہر کا نام ہے بعض روایات میں ”الحيوة“ کا لفظ بھی وارد ہوا ہے۔ ”فیسمون“ باب تفعیل سے مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی نام رکھنا۔ ”الشعاریر“ چھوٹی گلڑیوں کو کہتے ہیں جو بہت تیزی سے اگتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

مَجْتَمِعٌ بِحَدِيثٍ: حسب ما تقدم

سَيِّدُنَا بَرِيحًا: یہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالے سے امام صاحبؒ نے دو مختلف سندوں سے نقل فرمائی ہے اور دونوں سندوں سے یہ روایت ”ثانیات“ کے درجے میں آتی ہے ایک سند میں امام صاحبؒ کے استاذ عطیہ ہیں اور دوسری سند میں شداد بن عبدالرحمن ان کے استاذ ہیں۔

مَفْهُومٌ: مسئلہ شفاعت سے متعلق اجمالی وضاحت تو عنقریب گزر چکی ہے اس لیے اسے یہاں دوبارہ ذکر کرنا تطویل مالا یطال کے زمرے میں آتا ہے تاہم ”مقام محمود“ کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس حدیث کا مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو جائے اور بخاری شریف کی اس حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جائے جس میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعاء کی فضیلت ”اثبات شفاعت“ ذکر فرمائی گئی ہے۔

یوں تو مقام محمود کی تشریح و تعریف کے سلسلے میں محدثین اور مفسرین نے تفصیلی کلام فرمایا ہے لیکن ہم ان تمام اقوال کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے ”مقام محمود“ کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کے وہ تمام امتیازات جو قیامت کے دن ساری کائنات کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے اور آپ کی وہ تمام خدمات جو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا اور آپ کی وہ تمام خوبیاں جن پر خالق کائنات بھی آپ کی مدح سرائی کرتا ہے ان امتیازات و خدمات اور خوبیوں کو ”مقام محمود“ کہتے ہیں۔

چنانچہ دوسری مرتبہ نفع صور کے بعد سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر نکلنے کا معاملہ ہو یا کائنات کے سارے

انسانوں کی شفاعت عظمیٰ کا مسئلہ ہو، حوض کوثر پر اپنے امت کے ایک ایک فرد کا استقبال ہو یا پل صراط پر جہنم سے حفاظت کا معاملہ ہو، مبارک ہاتھوں میں تھمے ہوئے لواءِ حمد کے نیچے آدم و اولادِ آدم سب ہی کے جمع ہونے کی کیفیت ہو یا میدانِ محشر میں سوار ہو کر آنے کا امتیاز ہو، ہر موقع پر ہم سب کے آقا و مولیٰ، امام الانبیاء، صاحبِ قابِ قوسین، نبی المشرقیین و المغربین، آمنہ کے لختِ جگر اور خواجہ عبداللہ کے فرزند ارجمند، وجہ تخلیق کائنات، سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زالی شان دکھائی دیتی ہے، یہی وہ ”مقام محمود“ ہے جس کا کتب حدیث اور خود قرآن کریم میں بھی ذکر آیا ہے۔

(۲۶) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ عَطِيَّةِ الْعَوْفِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا قَالَ يُخْرِجُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ فَيُؤْتَى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيُلْقَوْنَ فِيهِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الشَّعَارِيرُ ثُمَّ يُخْرَجُونَ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَسْمَوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ ثُمَّ يَطْلُبُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُذْهِبَ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْإِسْمَ فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا“ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ میں سے ایک جماعت کو میری شفاعت کی برکت سے جہنم سے رہائی عطاء فرمائے گا، یہی ”مقام محمود“ ہے اس کے بعد انہیں ”حیوان“ نامی ایک نہر پر لایا جائے گا، اور اس نہر میں انہیں غوطہ دیا جائے گا جس سے وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے چھوٹی ککڑیاں اگتی ہیں، پھر انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا، وہاں انہیں ”جہنمی“ کے نام سے پکارا جائے گا، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس نام کے زائل ہونے کی درخواست کریں گے اور ان سے یہ نام بھی دور کر دیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: مَا فِي الْحَدِيثِ كَلِمَةٌ صَعْبَةٌ وَأَنَّ كَانَتْ فَحَسَبَ مَا تَقَدَّمَ

تَجْنِيزِ حَدِيثِ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ٤٧١٨۔

سند پر بحث: ۱۔ اس حدیث کی تخریج میں بخاری شریف کا جو حوالہ دیا گیا ہے، بعینہ اس کے الفاظ تو وہ نہیں ہیں جو امام صاحبؒ کی روایت میں ہیں لیکن اشتراکِ مضمون کی مناسبت سے اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے، یہی بات کہ سند کے اعتبار سے امام صاحبؒ کی روایت کس درجے پر آتی ہے تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ امام صاحبؒ کی ”ثانیات“ میں سے ہے اس اعتبار سے اس کی سند بہت عالی ہے۔

مفہوم: ۱۔ اس حدیث میں ”مقام محمود“ کی وضاحت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ”شفاعت“ منقول ہے جس سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے، کیونکہ علامہ سیوطیؒ نے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ شفاعت عظمیٰ: شفاعت کی یہ قسم نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس سے ساری مخلوق مستفید ہوگی، یہ وہی شفاعت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوقات کا حساب کتاب شروع فرمائیں گے۔

۲۔ اپنی امت کا حساب کتاب پہلے لیے جانے کے بارے شفاعت: چنانچہ ابن ابی الدنیا نے مرفوعاً ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اللہ سے درخواست فرمائیں گے۔

”یا رب عجل حسابہم“

چنانچہ سب سے پہلے اس امت کا حساب لیا جائے گا۔

۳۔ جہنم کی طرف دھکیل کر لے جائی جانے والی جماعت کی سفارش: چنانچہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری امت کے ایک گروہ کو جہنم کی طرف دھکیل کر فرشتے لے جا رہے ہوں گے میرے امتی مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں آپ ہماری سفارش فرمادیجئے بالآخر نبی ﷺ کی سفارش سے انہیں جہنم سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴۔ اپنے چچا خواجہ ابوطالب کے لیے سفارش: جس کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

۵۔ جنت میں بلا حساب کتاب داخلہ کے لیے اپنی امت کے ایک گروہ کی سفارش۔

۶۔ جنت میں اہل جنت کے داخلے کی رکاوٹوں کے دور کرنے کی سفارش۔

۷۔ اہل جنت کے درجات میں بلندی و ترقی کی سفارش۔

۸۔ مرتکب کبیرہ گناہگاروں کی سفارش

اس آخری شق کی دلیل میں حدیث نمبر ۲۹ کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو کہ عنقریب آیا چاہتی ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ عقیدہ کی خرابی اگر حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو انسان کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکال لیا جائے گا لیکن اگر عقیدہ کی خرابی حد کفر تک پہنچ جائے تو پھر انسان کے لیے جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

بَابُ مَا يُعْنَى عَنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ إِيْمَانُهُمْ؟

(۲۷) حَمَادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ النَّارَ بِدُنُوبِهِمْ فَيَقُولُ لَهُمُ الْمَشْرِكُونَ مَا أَعْنَى عَنْكُمْ إِيْمَانُكُمْ وَنَحْنُ وَأَنْتُمْ فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ نَعْدَبُ فَيَغْضِبُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ فَيَأْمُرُ أَنْ لَا يَبْقَى فِي النَّارِ أَحَدٌ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَيُخْرِجُونَ وَقَدْ احْتَرَقُوا حَتَّى صَارُوا كَالْحُمَةِ السُّودَاءِ إِلَّا وَجُوهَهُمْ فَإِنَّهُ لَا يُزِرُّقُ أَعْيُنَهُمْ وَلَا تُسَوِّدُ وَجُوهَهُمْ فَيُؤْتِي بِهِمْ نَهْرًا عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ فَيَذْهَبُ كُلُّ فِتْنَةٍ وَأَذَى ثُمَّ

يُدْخَلُونَ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ لَهُمُ الْمَلِكُ طِبْتُمْ فَأَدْخُلُوهَا خَالِدِينَ فَيَسْمُونَ الْجَهَنَّمِيِّينَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ
ثُمَّ يَدْعُونَ فَيَذْهَبُ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْإِسْمُ فَلَا يَدْعُونَ بِهِ أَبَدًا فَإِذَا خَرَجُوا قَالَ الْكُفَّارُ يَا لَيْتَنَا كُنَّا
مُسْلِمِينَ فَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ رَبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ-

ایمان سے مؤمن کو کیا فائدہ ہوگا؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے کہ تمہیں تمہارے ایمان نے کیا فائدہ دیا؟ ہم اور تم اکٹھے ایک ہی جگہ عذاب میں مبتلا ہیں یہ سن کر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جائیں گے اور وہ حکم دیں گے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک آدمی بھی جہنم میں باقی نہ رہے چنانچہ انہیں نکال لیا جائے گا لیکن اس وقت تک چہرے کے علاوہ ان کا سارا جسم جل کر سیاہ کونکے کی طرح ہو چکا ہوگا البتہ ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوئی ہوں گی اور نہ ہی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے پھر انہیں جنت کے دروازے پر بہتی ہوئی ایک نہر کے پاس لایا جائے گا وہ اس میں غسل کریں گے اور ان سے ہر تکلیف اور داغ دھبہ دور ہو جائے گا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ایک فرشتہ ان کا استقبال کرتے ہوئے کہے گا کہ تم خوب رہے اب ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ جنت میں ان لوگوں کو جہنمی سے نام سے پکارا جائے گا کچھ عرصہ بعد وہ اللہ سے دعاء کریں گے اور یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں کبھی اس نام سے نہیں پکارا جائے گا جس وقت یہ لوگ جہنم سے نکلنے لگیں گے اس وقت تک کفار تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے یہی مراد ہے اس ارشاد ربانی کی ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔

حَلَّ عِبْرَاتٍ: "ما اغنی" میں "ما" استفہامیہ ہے اور "اغنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بے پرواہ بنانا "دار" اس کی جمع دور آتی ہے بمعنی گھر "یغضب" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناراض ہونا۔ "احد یقول" میں "احد" موصوف ہے اور "یقول" اپنے مقولہ سے مل کر اس کی صفت ہے "احترقوا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی جل جانا "لا یزرق" باب تفعیل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نیلا کر دینا۔ "طبتم" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی عمدہ ہونا اچھا ہونا۔

تَجْرِیحُ حَلَّاتٍ: اخرج بنحوه الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول، وابن المبارک وابن جریر، والبیہقی، والطبرانی وابن

ابی حاتم وابن شامین والہیثمی: ۳۷۹/۱۰۔

سند حدیث کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی ثنائیات میں سے ہے کیونکہ امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

۱۔ بنیادی طور پر اس حدیث میں ”کلمہ“ کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ہر کلمہ گو بالآخر کلمہ کی برکت سے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائے گا اور فضل الہی اس کی دستگیری ضرور فرمائے گا۔

۲۔ جہنم میں گو کہ ابتداء تو گنہگار مسلمان اور کفار دونوں ہی ہوں گے لیکن ان میں دو فرق بہت بنیادی اور واضح ہوں گے۔ (الف) گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا جبکہ کفار و مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے انہیں وہاں سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

(ب) بظاہر دونوں ہی عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن اس عذاب کی کیت اور کیفیت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔

۳۔ اس حدیث سے ”چہرے“ کا پورے جسم انسانی میں اشرف الاعضاء ہونا بھی ثابت ہوا۔

۴۔ اس حدیث سے ان مغرب زدہ عالم نما جہلاء کے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو ہمیشہ اہل اسلام پر زبان طعن دراز کیے رکھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے یہ اعتراض دہراتے رہتے ہیں کہ اگر مسلمان اللہ کے نزدیک پسندیدہ قوم ہیں تو ان میں غربت، پستی، بیروزگاری، فقر و فاقہ اور دنیاوی آسائشوں سے محرومی کیوں پائی جاتی ہے؟ گویا ان کے نزدیک اللہ کی پسندیدگی اور محبوبیت یا ناراضگی اور ناپسند کا اعتبار اور معیار یہ معمولی اور گھٹیا چیزیں ہیں، حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی اللہ کی رضا اور پسندیدگی یا ناراضگی اور ناپسند کا معیار نہیں، اس کے نزدیک تو اصل معیار ”تقویٰ“ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جہنمی بھی مسلمانوں کو یہی طعنہ دیں گے کہ تمہارے کلمہ اور ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ دیکھو ہم اور تم ایک جیسے عذاب میں مبتلا ہیں؟ اگر تم اللہ کی پسندیدہ قوم ہو تو یہ ”عذاب“ چہ معنی دارد؟ اس پر اللہ کو جلال آئے گا اور وہ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے ہر شخص کو جہنم سے نکال لے گا جو سچے دل سے اس اقرار پر موت تک قائم رہا ہو اور اس کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہوا ہو اور یہی ان کفار و مشرکین کا جواب ہوگا جو اپنی زبان طعن دراز کر رہے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُنَادِي رَبَّهُ بِالْحَنَانِ الْمَنَّانِ

(۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ يَبْقَى أَحَدٌ مِنَ الْمُؤَحِّدِينَ فِي النَّارِ قَالَ نَعَمْ رَجُلٌ فِي قَعْرِ جَهَنَّمَ يُنَادِي بِالْحَنَانِ الْمَنَّانِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتَهُ جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَتَعَجَّبُ مِنْ ذَلِكَ

الصَّوْتِ فَقَالَ الْعَجَبُ الْعَجَبُ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا فَيَقُولُ
اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا جِبْرِئِيلُ فَيَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ مَا رَأَيْتَ مِنَ الْعَجَائِبِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا رَأَاهُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ قَعْرِ جَهَنَّمَ يُنَادِي بِالْحَنَانِ الْمَنَّانِ فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذَلِكَ
الصَّوْتِ فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا جِبْرِئِيلُ اذْهَبْ إِلَى مَالِكٍ وَقُلْ لَهُ أَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِي يُنَادِي
بِالْحَنَانِ الْمَنَّانِ فَيَذْهَبُ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ فَيَضْرِبُهُ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ
مَالِكٌ فَيَقُولُ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ أَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِي يُنَادِي بِالْحَنَانِ
الْمَنَّانِ فَيَدْخُلُ فَيَطْلُبُهُ فَلَا يُوْجَدُ وَأَنَّ مَالِكًا أَعْرَفَ بِأَهْلِ النَّارِ مِنَ الْأُمَّمِ بِأَوْلَادِهَا فَيَخْرُجُ فَيَقُولُ
لِجِبْرِئِيلَ إِنَّ جَهَنَّمَ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا أَعْرِفُ الْحِجَارَةَ مِنَ الْحَدِيدِ وَلَا الْحَدِيدَ مِنَ الرَّجَالِ فَيَرْجِعُ
جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى اِرْفَعْ
رَأْسَكَ يَا جِبْرِئِيلُ لِمَ لَمْ تَحِمْ بِعَبْدِي فَيَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّ مَالِكًا يَقُولُ إِنَّ جَهَنَّمَ قَدْ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا
أَعْرِفُ الْحَجَرَ مِنَ الْحَدِيدِ وَلَا الْحَدِيدَ مِنَ الرَّجَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلْ لِمَالِكٍ إِنَّ عَبْدِي فِي
قَعْرِ كَذَا وَكَذَا فِي سِتْرِ كَذَا وَكَذَا وَفِي زَاوِيَةِ كَذَا وَكَذَا فَيَدْخُلُ جِبْرِئِيلُ فَيُخْبِرُهُ بِذَلِكَ
فَيَدْخُلُ مَالِكٌ فَيَجِدُهُ مَطْرُوحًا مَنْكُوسًا مَشْدُودًا نَاصِيَتُهُ إِلَى قَدَمَيْهِ وَيَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ وَاجْتَمَعَتْ
عَلَيْهِ الْحَيَاتُ وَالْعَقَارِبُ فَيَجْدِبُهُ جَذْبَةً حَتَّى تَسْقُطَ عَنْهُ الْحَيَاتُ وَالْعَقَارِبُ ثُمَّ يَجْدِبُهُ جَذْبَةً
أُخْرَى حَتَّى تَنْقَطِعَ مِنْهُ السَّلَاسِلُ وَالْأَغْلَالُ ثُمَّ يُخْرِجُهُ مِنَ النَّارِ فَيَصِيرُهُ فِي مَاءِ الْحَيَاةِ وَيَدْفَعُهُ
إِلَى جِبْرِئِيلَ فَيَأْخُذُ بِنَاصِيَتِهِ وَيَمُدُّهُ مَدًّا فَمَا مَرَّ بِهِ جِبْرِئِيلُ عَلَى مَلَأَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا وَهُمْ
يَقُولُونَ أَفْ لِهَذَا الْعَبْدِ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا جِبْرِئِيلُ وَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَبْدِي أَلَمْ أَخْلُقْ بِخَلْقٍ حَسَنِ أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ
رَسُولًا أَلَمْ يَقْرَأْ عَلَيْكَ كِتَابِي أَلَمْ يَأْمُرْكَ وَيَنْهَكَ حَتَّى يَقْرَأَ الْعَبْدُ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى فَلِمَ فَعَلْتَ كَذَا
وَكَذَا فَيَقُولُ الْعَبْدُ يَا رَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِي حَتَّى بَقِيتُ فِي النَّارِ كَذَا وَكَذَا خَرِيفًا لَمْ أَقْطَعْ رَجَائِي
مِنْكَ يَا رَبِّ دَعَوْتُكَ بِالْحَنَانِ الْمَنَّانِ وَأَخْرَجْتَنِي بِفَضْلِكَ فَارْحَمْنِي بِرَحْمَتِكَ فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ
وَ تَعَالَى اشْهَدُوا يَا مَلَائِكَتِي بِأَنِّي رَحِمْتُهُ -

یا حنان یا منان کہہ کر اللہ کو پکارنے والے کا بیان

تَرْجَمَنَا: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں جا رہے گا؟ فرمایا ہاں، ایک آدمی ہوگا جو جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو اس کے دو ناموں ”یا حنان یا منان“ سے پکار رہا ہوگا وہاں سے حضرت جبریل ﷺ کا گزر ہوگا اور وہ اس کی آواز سن لیں گے، انہیں اس آواز پر تعجب ہوگا اور وہ کہیں گے کہ تعجب ہے جہنم سے ایسی آواز آرہی ہے پھر ان سے رہا نہ جائے گا اور وہ عرش الہی کے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! سر اٹھاؤ، وہ سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ہر چیز سے واقف ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا عجیب چیز دیکھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! میں نے جہنم کی سب سے نچلی تہہ سے ایک شخص کی آواز سنی ہے جو آپ کو ”یا حنان یا منان“ کہہ کر پکار رہا ہے مجھے اس آواز پر تعجب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! مالک (داروغہ جہنم) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال کر لائے، چنانچہ حضرت جبریل ﷺ جہنم کے ایک دروازے پر پہنچ کر دستک دیں گے، مالک نکلے گا، وہ اس سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال لو جو ”یا حنان یا منان“ پکار رہا ہے، مالک یہ سن کر جہنم میں داخل ہوگا، لیکن تلاش کے باوجود وہ بندہ اسے نہیں ملے گا، حالانکہ مالک اہل جہنم کو اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو پہچانتی ہے، چنانچہ مالک حضرت جبریل ﷺ سے کہے گا کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ میں پتھر اور لوہے لوہے اور آدمی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔

جبریل یہ سن کر لوٹ جائیں گے اور عرش الہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ! میرے بندے کو کیوں نہیں لائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! مالک کہہ رہا ہے کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے مجھے پتھر اور لوہے لوہے اور آدمی کے درمیان امتیاز نہیں ہو پا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مالک سے جا کر کہہ دو کہ میرا وہ بندہ جہنم کی فلاں تہہ فلاں پردے اور فلاں کونے میں پڑا ہوا ہے۔

جبریل وہاں پہنچ کر مالک کو یہ سب کچھ بتائیں گے، مالک جب مقررہ جگہ پر پہنچے گا تو اس شخص کو پھٹکار زدہ دھتکارا ہوا پیشانی کو پاؤں سے جکڑ ہوا اور ہاتھوں کو گردن سے بندھا ہوا پائے گا اور اسے سانپ اور بچھو چمٹے ہوئے ہوں گے، مالک اسے ایک مرتبہ اپنی طرف کھینچے گا تو وہ سانپ اور بچھو جھڑ کر گر پڑیں گے اور دوبارہ کھینچنے پر اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں گی اور پھر مالک اسے جہنم سے نکال لائے گا اور اسے نہر حیات میں غوطہ دلا کر جبریل کے حوالے کر دے گا۔

جبریل اسے پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوں گے راستہ میں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوگا وہ یہی کہے گی کہ افسوس ہے اس بندے پر یہاں تک کہ جبریل عرش الہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ! پھر اس بندے کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تیرے پاس اپنے پیغمبر کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا اس پیغمبر نے تیرے سامنے میری کتاب کی تلاوت نہیں کی تھی؟ کیا اس نے تجھے اچھے کاموں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کیا تھا؟ بندہ ان سب چیزوں کا اقرار کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ پھر تو نے فلاں فلاں کام کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا جس کی وجہ سے مجھے اتنی دیر جہنم میں رہنا پڑا، لیکن اس دوران میں نے تجھ سے امید کا ناطہ نہ توڑا اور میں تجھے ”یا حنان یا منان“ کہہ کر پکارتا ہی رہا، اب تو نے اپنے فضل سے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا ہے تو اب مجھ پر رحم بھی فرمادے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کر دیا۔

حَاتِبٌ عِبَارَاتٌ: ”قعر“ گہرائی ”یتعجب“ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعجب کرنا ”ساجدا“ ترکیب میں ”یصیر“ کی ہوضمیر سے حال ہے جس کا مرجع ”جبریل“ ہے ”اخرج“ باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی نکالنا ”یطلبہ“ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا ”اعرف“ اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی زیادہ پہچاننے والا ”زفرت“ باب ضرب سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چنگھاڑنا، بھڑکنے کی آواز ”لم لم تعجبی“ پہلا حرف استفہام ہے اور دوسرا نافیہ ہے جو مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے، باب ضرب سے نفی جہد بلم کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا۔ ”الحيات“ حیات کی جمع ہے بمعنی سانپ ”العقارب“ عقرب کی جمع ہے بمعنی بچھو۔ ”فیجذبہ“ باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھینچنا۔ ”فیصیرہ“ باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کر دینا، یہاں غوطہ دلانا مراد ہے ”عبدی“ اصل میں ”یا عبدی“ تھا، قرینہ کی وجہ سے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے ”رَحْمَتُهُ“ باب سجع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رحم کرنا۔

تَجْرِبَةُ حَاتِبٍ: اخرجہ احمد: ۱۳۴۴۴ و ابو یعلیٰ فی مسندیہما والبیہقی بسند صحیح عن انس مرفوعاً والحارثی

فی مسندہ: ۳۶۶۔

مَقَالَةٌ: اس حدیث مبارکہ میں ایک موحّد کے جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو خلوص دل کے ساتھ اس کے دو مبارک ناموں ”یا حنان یا منان“ سے پکارنے پر اس کی گلو خلاصی کا ذکر کیا گیا ہے، اسی بناء پر بعض علماء کرام کی رائے یہ بھی ہے کہ ”یا حنان یا منان“ اللہ کے وہ عظیم نام ہیں جن سے دعا کرنے والے کی دعاء ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور جن کا وسیلہ پیش

کر کے ہر درخواست کو پورا کروایا جا سکتا ہے گویا حنان اور منان اللہ کا وہ اسم اعظم ہے جس کے عظیم فضائل کتب حدیث میں موجود ہیں، مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازلیؒ کی ”فتح اللہ“ اور ”الکنز الاعظم“ ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ اپنے اپنے شعبے میں ماہر آدمی بھی ہر وقت اپنے ذہن میں مکمل جزئیات محفوظ رکھنے پر قادر نہیں اور یہیں سے قرآن کریم کا یہ عظیم اصول اپنی مکمل حقیقت کے ساتھ ہم پر آشکارا ہوتا ہے۔

و فوق کل ذی علم علیم (یوسف)

۳۔ حضرت جبریل کے متعلق اعداء اسلام ”یہود“ بے بہود گمان اور خیالات رکھتے ہیں انہیں ترحم اور شفقت کے جذبات سے عاری قرار دیتے ہیں اور انہیں اللہ کے عذاب کی نشانی قرار دیتے ہیں، گو کہ قرآن کریم سے بڑھ کر اللہ کی رحمت نہیں ہو سکتی جو حضرت جبریل کی وساطت سے اللہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کے قلب منور پر ۲۳ سال کے طویل عرصے میں نجماً نجماً نازل کیا، لیکن حسی آنکھ سے دیکھنے والوں کے لیے یہ واقعہ ایک مضبوط ترین دلیل ہے۔

۴۔ اگر بشری تقاضوں کی وجہ سے انسان کوئی گناہ کر بیٹھے تو اسکی فوراً تلافی کرنا، اس پر ندامت کا اظہار کرنا اور اللہ سے اور متعلقہ بندوں سے معافی مانگ لینا اس کی خوبی کی علامت ہے اور اس پر اکتا جانا شیطانیت کی دلیل ہے۔

۵۔ اللہ کی رحمت سے انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی مایوسیوں اور محرومیوں کا علاج رحمت خداوندی کی امید اور سہارے سے کرنا چاہیے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں سمجھا جائے کہ رحمت خداوندی کی آرزو اپنے ذہن میں بٹھا اور جما کر انسان گناہ کے کاموں پر دلیر ہو جائے اور نیکی کے کاموں سے پیچھے ہٹ جائے، بلکہ اللہ سے امید بھی ہمیشہ اچھی رکھے اور اللہ کا خوف بھی اپنے دل و دماغ کے ایک ایک کونے میں پیوست کر دے، یہ کامیابی کی علامت ہے اور یہی نجات کی ضمانت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ

(۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُورِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ الْبَلْخِيِّ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَيْسَى وَيَزِيدِ الطُّوسِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أُمِيَّةَ الْحَدَّاءِ الْعَدَوِيِّ عَنْ نُوحِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ يَزِيدِ الرَّقَاشِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ تَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ وَأَهْلِ الْعِظَائِمِ وَأَهْلِ الدِّمَاءِ۔

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کن لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ فرمایا کبیرہ گناہوں، بڑے بڑے جرائم اور خونریزی کرنے والوں کی۔

حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ: "تشفع" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سفارش کرنا "الکبائر" کبیرہ

کی جمع ہے بمعنی بڑا اس کے مقابلے میں صغائر کا لفظ آتا ہے جو صغیرۃ کی جمع ہے "العظام" عظیمۃ کی جمع ہے جو کہ عظیم کی مؤنث ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الترمذی: ۲۴۳۵، وأبو داؤد: ۴۷۳۹، والطیالسی: ۹۹۸، وابن ماجہ: ۴۳۱۰

مفہوم: ۱۔ اس حدیث کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے حال پر شفقت کا جو تعلق ہے اسے ظاہر کیا جائے یہ حدیث کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں اور بڑے بڑے جرائم پیشہ افراد کو تحفظ دینے کے لیے ہرگز دلیل نہیں بن سکتی اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مقصد ہے۔

۲۔ صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے بھی قیامت کے دن پریشان ہوں گے، لیکن ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے بہت سے اعمال اور بہت سے افراد موجود ہوں گے جبکہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا تصور بھی روح فرسا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا۔

۳۔ اس حدیث میں "اہل الکبار" اور "اہل العظام" دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں جو بعض حضرات کی رائے کے مطابق ایک ہی معنی ادا کرتے ہیں اور بعد والا جملہ پہلے کے لیے عطف تفسیری ہے، لیکن بعض محدثین نے ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "کبار" سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور "عظام" سے مراد وہ گناہ ہیں جو حقوق العباد سے متعلق ہوں۔

اور "اہل الدماء" سے مراد ناحق کسی کے خون سے اپنے ہاتھ کورنگنے والے افراد ہیں، کیونکہ قاتل "باوجودیکہ اتنا بڑا گنہگار ہے کہ ایک شخص کے قتل سے پوری انسانیت کے قتل کا گناہ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے" بہر حال دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دولت ایمان "خواہ ٹمٹاتے ہوئے چراغ کی ہی مانند ہو" اسے حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ مستحق شفاعت ہوتا ہے۔

۴۔ یہاں ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق تو کوئی بھی شخص دنیا میں جو مرضی کرتا پھرے، ظلم و زیادتی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے بدکاری و فحاشی کی انتہا سے بھی آگے بڑھ جائے، سینکڑوں اور ہزاروں معصوم و بے گناہ لوگوں کو قتل کر دے اور گناہ کے کسی کام میں بھی پیچھے نہ رہے، اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے جنت میں چلا جائے گا۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ کیا دنیا میں کیے گئے گناہوں اور مظالم کی موجودگی میں بھی ایسے لوگ سفارش کے مستحق ہوں گے؟ کیا ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کوئی فرق رہ جائے گا؟ یہ وہ سوال ہیں جو اس موقع پر ایک عام آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے۔ علماء حفاظ، قراء اور

نیک لوگوں کی سفارش نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ سفارش کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مقدمہ کمزور ہو اور جہاں مقدمہ مضبوط ہو وہاں وہ لوگ سفارش حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے بلکہ وہ تو خود دوسروں کی سفارش کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علماء حفاظ قراء اور دوسرے نیک لوگ بھی اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”خیرت بین الشفاعة، او یدخل نصف امتی الجنة، فاخترت الشفاعة لانہا اعم واکفی،

اترونها للمتقین؟ لا، ولكنها للمتلوین الخطاؤون“ [مسند احمد: ۵۴۵۲]

رہی یہ بات کہ کیا یہ لوگ اتنے گناہوں اور مظالم کے باوجود بھی سفارش کے مستحق ہوں گے؟ تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے کیونکہ ان کے پاس ”ایمان“ کی دولت ایک ایسی عظیم نعمت خداوندی ہے جو انہیں جہنم میں ہمیشہ جلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی یہ خدائی فیصلہ ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کیا فرق ہوگا؟ اس فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص پر پولیس کی طرف سے کسی جرم کے ارتکاب پر مقدمہ قائم کیا گیا، اسے پکڑ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں اس کے بعد اسے جیل میں پہنچا دیا گیا، اسے جیل میں جتنی مرضی سہولیات فراہم کر دی جائیں بہر حال! وہ جیل ہی رہے گی اور جیل میں جانا اس کی شخصیت کو عیب دار بنا دے گا، لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر کہیں گے کہ یہ شخص جیل کی ہوا کھا کر آیا ہے اور یہ کہ اگر فلاں شخص سفارش نہ کرتا تو یہ اب تک جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ خدائی جیل خانے کی ہوا کھا کر جنت میں داخل ہوں گے ان میں اور سیدھے جنت میں داخل ہونے والوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جانے کے باوجود ان کے نام کے ساتھ ”جہنمی“ کا لاحقہ ایک عرصے تک لگا رہے گا جو ظاہر ہے کہ کسی بھی آدمی کے لیے شرمندگی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ اللَّهِ تَعَالَى

(۲۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ وَبَيَانَ بْنِ بَشْرِ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَانظُرُوا أَنْ لَا تُغْلَبُوا فِي صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا قَالَ حَمَّادٌ يَعْنِي الْغَدْوَةَ وَالْعَشِيَّ.

رُؤْيَتِ بَارِي تَعَالَى كَابَيَانِ

ترجمہ: حضرت جریر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں

رات کا چاند دیکھتے ہو جس کے دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوتی، اس لیے دیکھو! اگر تم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز نہ چھوڑ سکو تو ایسا ضرور کرو (کیونکہ ان دو نمازوں کو روایت باری کے حصول میں خاص دخل ہے)

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "سترون" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی دیکھنا "ليلة البدر" "القمر" کے لیے عطف بیان ہے "لا تضامون" اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔

۱۔ لا تضامون میم کی تشدید کے ساتھ خواہ تاء پرفتحہ پڑھا جائے یا ضمہ اس صورت میں یہ باب تفاعل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا اور یہاں ایک تاء محذوف ہوگی۔

۲۔ لا تضامون میم کی تخفیف اور تاء پرفتحہ کے ساتھ اس صورت میں یہ باب ضرب سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا پہلی صورت میں اس کا معنی دھکم پیل کرنا اور دوسری صورت میں اس کا معنی دشواری اور تکلیف ہے۔

تَحْتِجِجُ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری: ۴۵۸۱، ومسلم ۴۵۲ (۱۸۲) و ابوداؤد: ۴۷۳۰، والترمذی: ۲۵۵۱، وابن ماجہ:

۱۷۷

مَفْهُومًا: ۱۔ روایت باری تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد میں سے ایک اہم ترین عقیدہ ہے جس کے مطابق اہل ایمان کو روز قیامت اپنے پروردگار کا دیدار ضرور نصیب ہوگا، انشاء اللہ اور دیدار محبوب کی یہ نعمت ہی ان کے باہمی درجات میں تفاوت کی دلیل ہوگی، بارگاہ قدسی میں جس کا مقام جتنا زیادہ ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ دیدار محبوب سے لطف اندوز ہوگا۔

۲۔ اسلام کے ابتدائی دور میں فرقہ معزلہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی آنکھوں میں ہرگز اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے اور اس سلسلے میں وہ متعدد دلائل سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتے ہیں۔

(الف) معزلہ کی پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار (الانعام)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، تو پھر ہم رویت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

(ب) معزلہ کی دوسری دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور آیت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار باری تعالیٰ کی فرمائش کا ذکر اور اللہ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

"لن ترانی ولكن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترنی" (الاعراف)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولو العزم صاحب کتاب و شریعت پیغمبر سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے تو مادشاء کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس آیت کی موجودگی میں رویت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

(ج) معتزلہ کی تیسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں صفات باری تعالیٰ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رخ زیبا سے پردہ ہٹا دیں تو پوری کائنات ان کی نورانی کرنوں کے سامنے تاب نہ لاتے ہوئے جل کر خاکستر ہو جائے۔

(د) معتزلہ کی چوتھی دلیل وہ حدیث ہے جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت باری تعالیٰ پر صحابہ کرام کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

نورانی اراہ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کا دیدار نہیں کر سکتے تو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(ھ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شب معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت باری تعالیٰ ہونے کی پرزور تردید کرنا اہل اعتزال کی پانچویں دلیل ہے۔ یہ اور اس قسم کے دلائل سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے یہ نظریہ اخذ کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی طاقت انسانی آنکھوں سے باہر ہے اور ایسا ہونا خارج از امکان ہے۔

اہل سنت والجماعت اور تمام اسلاف نے رویت باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں، انہیں ذکر کرنے سے پہلے میں اہل اعتزال کے ان دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بادی النظر میں آیات و احادیث سے مزین اس عقیدے کی حقیقت واضح ہو جائے۔

چنانچہ پہلے چار دلائل کا تو ایک مختصر سا جواب ہی کافی ہے اور وہ یہ کہ ان آیات میں اس دنیا کے احوال سے بحث کرتے ہوئے رویت باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے، آخرت میں رویت باری تعالیٰ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی، اور اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ایک عالم بھی اس دنیا میں جاگتی آنکھوں کے ساتھ دیدار خداوندی کا اثبات نہیں کرتا، کیونکہ اس دنیا کی کثافت اور مادیت کی موجودگی میں انسانی آنکھیں اس قابل بھی نہیں اور ان میں یہ طاقت بھی نہیں، جبکہ آخرت میں یہ کثافتیں دور ہو جائیں گی اور خود پروردگار اپنے بندوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت پیدا فرما دے گا کہ وہ اس کا دیدار کر سکیں۔

رہی شب معراج کے حوالے سے مسئلہ کی تحقیق تو ”نورانی اراہ“ کو محدثین نے دو طرح ضبط کیا ہے ایک حرف استفہام کے ساتھ ”آئی“ اور دوسرا حرف مشبہ بالفعل کے ساتھ ”آئی“ پہلی صورت میں اہل اعتزال کی تائید ہو سکتی ہے اور دوسری صورت سے اہل سنت والجماعت استدلال کر لیتے ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ انکار ان کی اپنی ذاتی

رائے تھی جس سے دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اختلاف تھا اس لیے اس رائے سے بھی استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جواب کے بعد اختصار کے ساتھ ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے اپنے نظریے پر پیش کردہ دلائل بھی ذکر کرتے چلیں تاکہ ان کے نظریے کو دلائل سے خالی نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اہل سنت والجماعت کی سب سے پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے

وجوه یومئذ ناظرة الی ربھا ناظرة

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے دیدار سے فیض یاب ہو رہے ہوں گے تو پھر ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قیامت کے دن اور جنت میں اہل جنت کو اپنے پروردگار کا دیدار ضرور ہوگا۔

(۲) اہل سنت والجماعت کی دوسری دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں روایت باری تعالیٰ سے متعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کا جواب ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ بتاؤ! کبھی چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش آئی ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے تم میں سے کسی نے دوسرے کو دھکا دیا ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے کسی کو نقصان اٹھانا پڑا ہے؟ اگر دنیا کے اس چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری، تکلیف اور مشقت محسوس نہیں ہوتی تو پھر اپنے پروردگار کو دیکھنے میں بھی تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

علماء کرام نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ اس حدیث میں روایت باری تعالیٰ کو روایت قمر سے تشبیہ دی گئی ہے گویا روایت باری تعالیٰ مشبہ ہے اور روایت قمر مشبہ بہ اس سے معلوم ہوا کہ مشبہ بہ کا اقویٰ اور اعلیٰ ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مشبہ کا درجہ مشبہ بہ سے کم ہی ہو بلکہ تشبیہ کا اصل مقصد نفس مسئلہ کی وضاحت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بہت سی تشبیہات اور نظائر کے ذریعے مسئلہ توحید کو ثابت کیا ہے۔

یہیں سے درود ابراہیمی پر ہونے والے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو گیا جس میں قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود مشبہ ہے اور نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ پر مشبہ ظاہر ہے کہ یہاں بھی تشبیہ سے توضیح مقصود ہے مشبہ بہ کی بڑائی پیش نظر نہیں ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام آسمانی مذاہب کے پیروکاروں میں ہمیشہ مسلم رہی ہے اس لیے تشبیہ میں ان کا ذکر کر دیا گیا۔

الغرض! روایت باری تعالیٰ ایک ایسا عقیدہ ہے جو عقیدہ سے زیادہ عقیدت اور چاہت کے معیار پر پرکھنے سے زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کا طریقہ بتاتے ہوئے نماز فجر اور نماز عصر کو دیگر نمازوں کے ساتھ زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا اور ان نمازوں کی تخصیص کی یہ وجہ بھی ہو

سکتی ہے کہ غالباً دیدار باری تعالیٰ کی لذت سے آشنا ہونے اور لطف اندوز ہونے کے یہی اوقات زیادہ تر ہوں گے۔
واللہ اعلم۔

کتاب العلم علم کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلْبِ الْعِلْمِ

(۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

طلب علم کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فائدہ: اگلی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے تاکہ دونوں کے مضمون پر ایک ہی دفعہ سیر حاصل بحث ہو جائے۔

(۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔
خانہ عبارت: ”طلب“ باب نصر کا مصدر ہے بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا، حاصل کرنا، ”فريضة“ مفروضہ کے معنی میں ہے۔

تخریج: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۲۴۔

مفہوم: ۱۔ بنیادی طور پر اس حدیث میں ”علم“ کے حصول اور تلاش میں سرگرداں ہونے کی فضیلت و اہمیت بیان کرنا مقصود ہے تاکہ عرب کا وہ معاشرہ جو جہالت کی تاریکیوں سے تاریک ہو چکا تھا، نبی اکرمؐ سرور دو عالم ﷺ کی برکت سے علم کی روشنی سے نہ صرف یہ کہ خود منور ہو جائے بلکہ پوری دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کرنے کا سبب بن جائے۔
اگر تاریخ کے اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے کہ پورے پورے شہر میں ڈھونڈے سے بھی کوئی پڑھا لکھا خال

خال ہی ملتا تھا، شراب و شباب کی گھٹی انہیں دی جاتی تھی، شعر و شاعری اور عشقیہ افسانے زبان زد عام ہونے کے باوجود علم سے بے بہرہ جماعتیں اپنی زندگی کے مقصد تک سے نا آشنا تھیں، اور انہیں تعلیم و تربیت سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس قسم کے حالات میں اگر نبی اکرمؐ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین میں داخل ہونے والوں کو علم کی اہمیت سے روشناس کراتے ہوئے اس کا حصول ہر مسلمان پر فرض قرار دیتے ہیں تو اس کی حقیقت اور اہمیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

۲۔ کتاب الایمان کے ساتھ اس کا ربط بھی یہی ہے کہ علم کی روشنی ہی ایک مسلمان کے ایمان کو بقاء اور جلاء بخشنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اگر انسان زیور علم سے آراستہ نہ ہو تو وہ اپنے ایمان کو کسی صورت جلاء نہیں دے سکتا۔

۳۔ محدثین کرام نے یہاں اس نکتے پر بھی بحث فرمائی ہے کہ آیا حصول علم کے اس حکم میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شامل ہیں یا نہیں؟ ہماری نظر میں اس سوال کا جواب ”علم“ کے تعین پر موقوف ہے، اگر ہم علم سے مراد کسب معاش کے علوم و فنون لیتے ہیں جیسا کہ ہمیں سرکاری و غیر سرکاری سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے باہر یہ حدیث بڑی آب و تاب سے لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

”طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة“

تو ہم اس حکم میں خواتین کو داخل نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان پر کسب معاش سے متعلق علوم کو ”جنہیں فنون قرار دینا زیادہ بہتر ہے“ فرض قرار دیتے ہیں کونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر وہ خواتین ”جو ان علوم و فنون سے بہرہ ور نہیں ہیں“ ایک فرض کو چھوڑنے کے گناہ میں مبتلا ہوں گی، حالانکہ انہیں کوئی بھی گنہگار نہیں سمجھتا۔

اسی طرح اس میں ایک فنی پیچیدگی یہ بھی پیدا ہو جائے گی کہ کسب معاش کے لیے تو بہت سے علوم و فنون ایجاد ہو چکے ہیں، زیر بحث حدیث میں ان میں سے کون سا علم مراد ہے؟ سائنس کا یا معیشت کا؟ انگریزی کا یا حساب کا؟ معاشرتی علوم کا یا ہندسہ کا؟ ڈاکٹری کا یا حکمت کا؟ کسی ایک کے تعین سے اس علم کو حاصل کرنے والے تو اداء فرض میں کامیاب تصور کیے جائیں گے اور دوسرے علوم میں مشغول رہنے والوں کو ترک فریضہ کا سٹیفکیٹ ملے گا حالانکہ یہ سراسر زیادتی اور نا انصافی ہے۔

اس لیے لامحالہ یہاں دین کا اتنا علم مراد ہوگا جو کسی بھی انسان کی دینی ضروریات کے لیے کافی ہو سکے مثلاً کلمہ کا صحیح تلفظ، نماز کی صحیح ادائیگی، حرام و حلال کی تمیز، جائز و ناجائز کا یقین، نیکی اور بدی کا فرق وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں جس طرح مرد کے لیے جاننا ضروری ہیں، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک عورت کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہیں۔

اس صورت میں ”مسلم“ کے حکم میں ”مسلمہ“ کا داخل ہونا بھی ایک واضح بات ہے، تاہم بعض محدثین نے اسی

حدیث میں صراحتاً ”مسلمہ“ کا لفظ بھی نقل کیا ہے جس سے مذکورہ تفصیل اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ فضائل علم و اہل علم تو اگلی احادیث میں عنقریب آیا جاتے ہیں، لیکن یہاں میں سنن ابن ماجہ کی اس حدیث کو نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں مرفوعاً مروی ہے۔

واضع العلم عند غیر اہلہ کمقلد الخنازیر الجوہر واللؤلؤ والذهب

”کسی نا اہل کے پاس علم رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گردن میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار لٹکانے والا۔“

اس حدیث کے الفاظ پر بار بار غور کریں اور منشاء نبوی ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ

(۳۳) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِينَ وَحَجَّجْتُ مَعَ أَبِي سَنَةَ سِتِّ وَتَسْعِينَ وَأَنَا ابْنُ سِتِّ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَرَأَيْتُ حَلَقَةَ عَظِيمَةً فَقُلْتُ لِأَبِي حَلَقَةُ مَنْ هَذِهِ فَقَالَ حَلَقَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزَاءِ الزَّبِيدِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ فَتَقَدَّمْتُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَقُولُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ كَفَاهُ اللَّهُ تَعَالَى مُهِمَّةً وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

تفقه فی الدین کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے میں نے ۹۶ھ میں جبکہ میری عمر سولہ سال تھی اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا یہ کس کا حلقہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا حلقہ ہے چنانچہ میں آگے بڑھ کر ان کے حلقے میں شریک ہو گیا، میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی راہ پر چل پڑتا ہے اللہ اس کے کاموں میں اس کی کفایت فرماتا ہے اور اسے ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ گیا ہو۔

حَلَقَةُ عِبَارَتٌ: ”ولدت“ باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پیدا ہونا۔ ”حججت“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حج کرنا ”مہمہ“ اہم کام ”رزقہ“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رزق مہیا کرنا۔

تَفَقَّهَ: من خصائص ابی حنیفۃ الامام، ولكن الخطیب اخرجہ بسا فی معناه وهو من الواحدنیات۔

مَفْهُومٌ: ۱۔ حضرت امام ابو حنیفہ گوائمہ مجتہدین و متبوعین میں سے یہ نمایاں فضیلت حاصل ہے ”جس کا سوائے شہرہ چشم

کے کوئی دوسرا انکار نہیں کر سکتا“ کہ انہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو امام مالکؒ سمیت ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ کو اپنے سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت وہم نشینی کا شرف حاصل ہوا ہے، گو کہ ان صحابہؓ کی تعداد چار ہو یا گیارہ، کیونکہ محققین کے نزدیک تو صرف ایک صحابی کے دیدار کا شرف رکھنے والا مسلمان بھی تابعی کے منصب پر فائز ہے۔

۲۔ علم دین کے حصول کی یہ اہم ترین فضیلت ہے کہ پروردگار عالم طالب علم کی جملہ ضروریات کی خود کفالت فرماتا ہے، اس کی پریشانیوں کو خود ہی دور فرماتا ہے، اس کی دنیا و آخرت کو خود ہی سنوارتا ہے اور رزق کے تفکرات سے بھی وہی اسے آزاد کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص بھی رزق کی تنگی سے پریشان ہو کر کبھی اپنی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتا، جبکہ دنیوی علوم و فنون کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے اپنے اوپر رزق کے دروازے بند پا کر خودکشی تک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ ایسی ایسی جگہوں سے رزق پہنچانے کا انتظام فرماتے ہیں جہاں اس کا خیال بھی نہیں جاتا، اس کے حاشیہ خیال میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں آیا ہوتا اور ایسے ایسے بندوں کو کان پکڑ کر علم اور اہل علم کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے جنہیں دنیا نے کبھی اس طرح کے کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوتا، یقیناً یہ اللہ کی قدرت کے سوا اور کچھ نہیں، جس میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے۔

”ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر“

۳۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ”وحدانیا“ میں سے ہے کیونکہ اس میں امام صاحبؒ اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور وہ ہے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؒ کا، اس سے بڑھ کر کسی سند کو عالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۲۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ لَيْكُنْ شِعَارُكَ الْعِلْمَ وَالْقُرْآنَ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے عائشہ! تمہارا شعار قرآن اور علم ہونا چاہیے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتِي: ”ليكن“ باب نضر سے امر معروف کا صیغہ واحد مکر غائب ہے بمعنی ہونا ”شعار“ خاص علامت

تجلیح حدیث: أخرجه الحارثي في مسنده: ۷۵۱۔

مفہوم: ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کائنات کی دوسری تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو تمام کھانوں پر ”ثرید“ کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صراحتاً مروی ہے، اور اس کی بنیادی وجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ

فطری ذہانت، معاملہ فہمی، اور بات کو اخذ کرنے کی صلاحیت ہے جو عورتوں میں بہت کم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خواتین میں ان سے زیادہ کسی کے ذریعے دین اسلام کے احکام امت تک نہیں پہنچے اور وہ احادیث جو اکیلی حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہیں، راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ۲۴۳۴ ہے، بعض حضرات نے یہ تعداد ۲۲۱۰ بھی بیان کی ہے، لیکن زیادہ صحیح وہی تعداد ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں ایک قابل قدر ہستی کے طور پر متعارف ہوئیں اور نو سال تک ہی نبی ﷺ کی رفاقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو نبوی سانچے میں ڈھال لیا، اس اعتبار سے نبی ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر مبارک صرف اٹھارہ سال تھی، چونکہ یہ اصول ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات امت کے لیے ماں کا حکم رکھتی ہیں، اس لیے بیوگی کے بعد ان کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ زندگی کے باقی ماندہ ایام گزارنے اور اپنا غم غلط کرنے کے لیے بھی کوئی طریقہ ہونا چاہیے تاکہ ازواج مطہرات بھی گھروں میں بیٹھے بیٹھے اکتانہ جائیں، اس لیے نبی ﷺ نے پہلے ہی سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو باقی ماندہ زندگی کا مشن سونپتے ہوئے فرما دیا کہ عائشہ! علم اور قرآن ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا، اسی کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا اور میری رفاقت میں رہ کر تم نے جو باتیں سیکھی ہیں، اپنی روحانی اولاد تک اس امانت کو پہنچانا اپنا فرض سمجھنا، اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ اپنی ساری زندگی اسی کام کے لیے وقف کر کے نبی ﷺ کی اس وصیت کی تکمیل میں سرخرو اور کامیاب ہو گئیں، اللہ کی ان گنت رحمتوں اور برکتوں کا ان پر نزول ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ أَهْلِ الذِّكْرِ

(۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَعَالَى فَقَالَ أَنْتُمْ مِنَ الَّذِينَ أَمَرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ وَمَا جَلَسَ عِدْلُكُمْ مِنَ النَّاسِ فَيَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا أَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔

اہل ذکر کی فضیلت

تَرْجَمًا: علی بن اقرم سے مرسل مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک جماعت پر گزر ہوا، جو اللہ کے ذکر میں مشغول تھی، نبی ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ لگائے رکھوں، اور تم جیسے لوگ جہاں بھی مجلس لگاتے ہیں، اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں، فرشتے انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، رحمت خداوندی انہیں اپنے سائے میں لے لیتی ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود ملائعہ اعلیٰ کے فرشتوں سے کرتا ہے۔

خَاتَمُ عِبَارَاتٍ: ”مر“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا ”بقوم یذکرون“ ترکیبی

اعتبار سے یہ دونوں موصوف صفت ہیں "اصبر" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی صبر کرنا "عدلکم" عین کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی مساوی اور برابر ہے "حفتہم" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گھیر لینا "باجنحتہا" جناح کی جمع ہے بمعنی بازو پر "غشیتہم" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈھانپ لینا۔

تحریج: اخرج البخاری مثله: ۶۴۰۸، والترمذی: ۲۳۷۸، وابن ماجہ: ۳۷۹۱۔

سندین پر بحث: ۱۔ حدیث کی دیگر کتب میں تو یہ روایت موصولاً (سند متصل کے ساتھ) ذکر کی گئی ہے لیکن اس سند میں یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اس سند میں امام صاحب کے استاذ علی بن اقرت تابعی ہیں صحابی نہیں اور وہ براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے تاہم امام صاحب کے نزدیک اور دوسرے بہت سے متقدمین کے نزدیک بھی اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ راوی ثقہ ہو جبکہ مرسل کی حجیت سے انکار سب سے پہلے امام شافعی نے کیا تھا ظاہر ہے کہ امام شافعی کا یہ انکار امام صاحب کے خلاف کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔

مفہوم: ۱۔ اس حدیث سے "ذکر" کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس سے بعض اوقات یہ طالب علمانہ اشکال ذہن میں پیدا ہونا مستبعد نہیں رہتا کہ امام صاحب کا مقصد یہاں ایسی روایات کو ذکر کرنا ہے جن سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہو اور اس حدیث میں علم کی فضیلت نہیں ذکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے؟ اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ذکر بول کر علم مراد ہے اور مجازاً ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں بالخصوص جبکہ ان دونوں میں کوئی منافات بھی نہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ امام صاحب کی سند سے یہ روایت مختصراً منقول ہے اس کی تفصیل حدیث کے ان دوسرے طرق سے ہوتی ہے جن کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو وہاں دو حلقے لگے ہوئے دیکھے ایک حلقہ کے لوگ ذکر و تلاوت میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ علم و تحصیل علم میں مشغول تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی اور پھر تحصیل علم میں مشغول حلقے کے لوگوں کے پاس جا کر یہ کہتے ہوئے رونق افروز ہو گئے کہ مجھے بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس دوسرے طریق کو ملانے سے علم کی فضیلت بھی واضح ہو جاتی ہے اور ذاکرین کی اہمیت بھی برقرار رہتی ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا یہ لوگ مرکز ہوئے ہیں اس نوزانی مجلس کو فرشتے اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر فرماتے ہیں جس سے فرشتوں کی نگاہوں میں ان لوگوں کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا ہے اور فرشتوں کا ان سے محبت کرنا بعید نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَجْعَلُ اللهُ حِكْمَتَهُ فِي قَلْبِهِ

(۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجْمَعُ اللهُ الْعُلَمَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ إِنِّي لَمْ أَجْعَلْ حِكْمَتِي فِي قُلُوبِكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُكُمْ الْخَيْرَ إِذْهَبُوا إِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ عَلَى مَا كَانَ مِنْكُمْ۔

جس شخص کے دل میں اللہ اپنی حکمت ڈال دے اس کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو جمع کر کے فرمائے گا میں نے تمہارے دلوں میں اپنی حکمت کی باتیں صرف اسی لیے ڈالی تھیں کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا تھا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے تمہارے گناہوں کو جو تم پر بوجھ تھے معاف کر دیا۔

خَلَقَ عِبَارَاتٍ: "یجمع" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع کرنا "لم اجعل" باب فتح سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بنانا "ارید" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تَحْتِجِحُ حَدِيثًا: اخرجہ ابو بکر بن ابی عاصم، والاصبہانی، والطبرانی، وابن عساکر والحارثی فی مسنده: ۲۷۵۔
مَفْهُومًا: اس حدیث میں اہل علم کی ایک عجیب اور عظیم فضیلت ذکر کی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور اسے حاصل کرنے والا صفت خداوندی کے حصول میں کوشاں ہوتا ہے اور "تخلقوا باخلاق اللہ" پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو زیور علم سے مزین کرتا ہے جس کا نتیجہ روز قیامت اس عظیم کرامت کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کا زیر بحث حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

تاہم یہاں دو باتیں واضح کرنا اور بھی ضروری ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں "فی قلوبکم" کا لفظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس علم کا اعتبار ہے جو دل کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو سکے کیونکہ اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور "تقویٰ" کا سبب کرامت و عزت ہونا بدیہی حقیقت ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) لسانی علوم: ایسے علوم اللہ کی طرف سے انسان پر حجت ہوتے ہیں۔

(ب) قلبی علوم: نفع بخش علوم درحقیقت یہی ہوتے ہیں۔

۲۔ اس پہلے نکتے سے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا جو بعض دیگر احادیث کو سامنے رکھنے سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے علماء کو جنت ہی کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر سب سے پہلے جہنم میں داخل ہونے والے تین گروہوں میں علماء کا ایک گروہ

کیوں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ علم جس کے دل کی گہرائیوں میں رچ بس جائے اسی کو حقیقی معنی میں ”عالم“ کہا جاسکتا ہے اور زیر بحث حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے جبکہ ”عالم“ کا نام استعمال کرنے والے وہ افراد جو علم کی حقیقت سے ہی بے بہرہ ہوتے ہیں انہیں ”عالم“ کہنا انصاف کے منافی ہے اور محولہ بالا حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں اہل علم کا ذکر ہے جبکہ سوال میں ذکر کردہ حدیث گروہ علماء سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق گروہ قراء سے ہے جو نام و نمود اور ریا و شہرت کی خاطر عوامی مجموعوں میں قرآن کریم کی تلاوت جیسے عظیم مقصد کو استعمال کرتے ہیں لیکن اگر اس کے عموم میں ”علماء“ کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْلِيظِ الْكِذْبِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَعَمِدًا

(۲۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِدًا أَوْ قَالَ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات کی نسبت کرنے پر سخت وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اور ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

فائدہ: چونکہ اگلی احادیث مبارکہ کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس پر بحث کرنے سے پہلے ان کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَرَوَاهُ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي رُوْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔

(۲۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ قَالَ عَطِيَّةٌ وَأَشْهَدُ أَنِّي لَمْ أَكْذِبْ عَلَيَّ سَعِيدٌ وَأَنَّ أَبَا سَعِيدٍ لَمْ يَكْذِبْ عَلَيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہی ایک دوسری سند کے ساتھ یہی روایت مذکور ہے جس کے آخر میں ہے راوی عطیہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ پر جھوٹ نہیں باندھ رہا اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا (یعنی یہ روایت صحیح اور سچی ہے)

(۴۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: یہ روایت بھی حضرت انسؓ ہی سے منقول ہے اور اس کا ترجمہ بھی حسب سابق ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "كذب" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔ "متعمدا" باب تفعّل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جان بوجھ کر کوئی کام کرنا، ترکیبی اعتبار سے یہ "كذب" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے "فلیتبعوا" باب تفعّل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تیار کرنا، بنا لینا "مقعد" اس کی جمع "مقاعد" آتی ہے بمعنی بیٹھنے کی جگہ۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری: ۱۱۰، و ابوداؤد: ۳۶۵۱، والترمذی: ۲۶۵۹، وابن ماجه: ۳۰، واحمد والدارمی وغیرہم۔

مفہوم: ۱۔ سند حدیث کے متعدد طرق کو دیکھ کر محدثین نے اس حدیث کے خبر متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کیونکہ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کو ساٹھ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں، جبکہ بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کو نبی ﷺ سے کم از کم دو صحابہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ اس مضمون کی جتنی روایات کا ترجمہ اوپر گزرا، بنیادی طور پر ان میں نقل حدیث کی اہمیت بیان کی گئی ہے، کہ حدیث نقل کرتے ہوئے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ آیا واقعہ نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد بھی فرمائی ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک ایسی بات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہوں جو نبی ﷺ سے ثابت ہی نہیں؟

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے خطباء، علماء اور واعظین بغیر تحقیق کے "حدیث کے نام" پر بہت سی ایسی باتیں بیان کر دیتے ہیں جن پر محدثین نے موضوع ہونے تک کا حکم لگایا ہوتا ہے، پھر جب ان سے کوئی اس حدیث کا حوالہ پوچھ لے تو وہ بغلیں جھانکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم نے دوران گفتگو یہ حدیث سنائی کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

سور المومن فیہ شفاء

ان کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد میں نے ان سے انتہائی ادب سے اس کا حوالہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حوالہ تو مجھے اس کا معلوم نہیں، تم بھی تلاش کرو، میں بھی تلاش کرتا ہوں، وہ دن اور آج کا دن مجھے آج تک اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا، اور ملتا بھی کیونکر؟ کہ ملا علی قاریؒ نے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "موضوع روایات" میں دیکھئے۔

اس مسئلے کے دو حل ہیں۔

۱۔ علماء خطباء اور واعظین گفتگو سے پہلے گفتگو کی تیاری کریں اور متعلقہ احادیث مبارکہ کی ”جو وہ اپنی گفتگو میں ذکر کر سکتے ہیں“ تخریج کو اپنے ذہن میں مختصر رکھیں، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہماری گفتگو میں وزن پیدا ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ہم اپنی بات مکمل اعتماد اور مضبوطی سے اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کر سکیں گے، گو کہ ہمارے یہاں ”تقریر“ کی اس نہج پر تیاری کرنے کا رواج نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہماری یہ بات بہت سے احباب کے لیے اچنبھے کی تجویز ہوگی لیکن بہر حال! یہ ایک مثبت قدم ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ہم نے اس بات کو ضرور ہی ذکر کرنا ہو تو اسے ”حدیث“ کے حوالے سے ذکر کرنے کی بجائے جنرل گفتگو کے طور پر ذکر کر دیا جائے، نبی ﷺ کی طرف اسے منسوب نہ کیا جائے، بلکہ صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ بعض کتابوں میں یہ بات بھی نظر سے گزری ہے، یا اس طرح کا کوئی اور جملہ اختیار کر کے بات بھی کہہ دی جائے اور نبی ﷺ کی طرف اسے منسوب کرنے سے بھی اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔

اس سلسلے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ حدیث کی احتیاط خراج تحسین کے قابل ہے اور امت کے لیے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہے اسی احتیاط کی بناء پر بہت سے وہ صحابہ کرام جنہیں دوسرے صحابہ کرام کی نسبت سفرو حضر میں نبی ﷺ کی ہم نشینی و رفاقت کا شرف زیادہ حاصل ہے، کثرت کے ساتھ روایات نقل کرتے ہوئے نہیں ملتے، ذخیرہ حدیث میں ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ملتی ہیں جس کی وجہ سوائے احتیاط کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ اس حدیث میں ”فلیتبا“ کا جو لفظ آیا ہے، محدثین نے اس کے دو معنی بیان فرمائے ہیں۔

(الف) لفظاً تو یہ انشاء ہے کیونکہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنی اخبار ہے، یعنی نبی ﷺ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ میری طرف جان بوجھ کر کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والا شخص ”جو میں نے نہیں کہی“ خبردار رہے کہ میں شب معراج اس کا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ کر آیا ہوں۔

(ب) لفظاً تو یہ انشاء ہے لیکن معنی بددعاء ہے کہ اے اللہ! تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں بنا دے، غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی نشر و اشاعت پر نبی ﷺ نے جیسی عظیم دعاء فرمائی تھی۔

نَضْرَ اللَّهُ امْرَأَ سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاها وَاذَاهَا كَمَا سَمِعَهَا۔

اس کے غلط استعمال پر اتنی ہی تہدید و وعید بھی ارشاد فرمائی، تاکہ توازن برقرار رہ سکے۔

کیونکہ حدیث نبی ﷺ کے اقوال اور افعال و احوال کا نام ہے جن کے ذریعے دینی معاملات میں حجت پکڑی جاتی ہے، اب اگر کوئی شخص کسی دینی مسئلہ میں نبی ﷺ کی طرف غلط طور پر کوئی بات منسوب کرتا ہے تو وہ درحقیقت دین میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، حالانکہ دین تو نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں مکمل کر دیا گیا تھا۔

۴۔ اس حدیث کے پیش نظر محدثین کرام نے موضوع اور غیر موضوع روایات میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے بڑی محنت اور مشقت برداشت فرمائی، علم حدیث کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک علم وضع کیا گیا جس کا نام ”علم اسماء الرجال“ ہے، کھرے اور کھوٹے کے اس امتیاز میں انہیں طعنے بھی سننے پڑے اپنے گھر بار سے دستبردار بھی ہونا پڑا اور مشکلات بھی جھیلنا پڑیں، کسی نے انہیں غیبت کرنے کا طعنہ دیا، کسی نے ان کے گھروں کو آگ لگا دی اور کسی نے انہیں ذہنی و جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا، لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی، وہ جس راوی کے متعلق شرح صدر کے ساتھ یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے اور جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے، انہوں نے اس پر بے لاگ تنقید کی، جسے سن کر متعلقہ راوی نے اپنی عزت بچانے کے لیے انہیں جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں محدثین کرام نے علم حدیث کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی کی اور اپنے خون پسینے سے اس کی آبیاری کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر حدیث کے بارے میں یہ تفصیلات موجود ہیں کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف؟ موضوع ہے یا اس کی اصل موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ محدثین کی ان عظیم کاوشوں پر پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور بیان حدیث میں ہمیں بھی ان جیسی احتیاط قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب الطہارۃ

طہارت کا بیان

بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

(۴۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو کرے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ الصَّوَّافِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَيْرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يُغْتَسَلُ مِنْهُ أَوْ يُتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کہ بعد میں اس سے غسل یا وضو کرے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لا یبولن" باب نصر سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیشاب کرنا "الدائم" ٹھہرا ہوا، بعض روایات میں اس کی جگہ "راکد" کا لفظ آیا ہے لیکن دونوں کی مراد میں کوئی فرق نہیں ہے "یتوضا" باب تفعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وضو کرنا۔

تَجْمِيعُ حَدِيثَاتٍ: أخرجه ابن ماجه: ۳۰۴ والنسائی: ۵۷ و مسلم: ۶۵۶ (۲۸۲) و ابوداؤد: ۲۷ والترمذی: ۲۱ والبخاری: ۲۳۹۔

مَفْهُومٌ: ۱۔ اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ نے کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر اس میں پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس ناپاک پانی کی چھینٹیں پیشاب کرنے والے کے جسم اور کپڑوں کو بھی ناپاک کر دیں گی اور یوں بھی پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کو نبی ﷺ نے عذاب قبر کا سبب قرار دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی تصریح موجود ہے ظاہر ہے کہ جب وہ پانی ناپاک ہو گیا تو اب اس سے وضو یا غسل کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

گویا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ اس سے جسم اور کپڑے ناپاک ہونے کے ساتھ ساتھ عذاب قبر کا بھی اندیشہ پیدا ہو گیا اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اگر وہ اس پانی میں پیشاب نہ کرتا اور وہ پانی پاک صاف ہوتا تو اس سے وضو یا غسل کیا جاسکتا تھا، لیکن اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔

اگر اہل عرب کے اس ماحول اور ان حالات کو مد نظر رکھ لیا جائے جو اس وقت سب ہی کو درپیش تھے تو ہمارے ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ سوال خود بخود ختم ہو جائے گا کہ اس پانی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب پانی کی قلت کا اپنے ابتدائی دور میں بہت زیادہ شکار تھا، پورے پورے شہر میں بیٹھے پانی کا صرف ایک کنواں ہوا کرتا تھا، دیگر ضروریات کی تکمیل انتہائی تنگی سے ہوا کرتی تھی، اس لیے پانی کا ایک ایک قطرہ بڑی احتیاط سے خرچ کرنا پڑتا تھا، ایسے میں اگر پانی کی کچھ مقدار کو پیشاب کر کے ضائع کر دیا جائے تو اس کی یقیناً روک تھام کی ضرورت تھی۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ پانی کی وہ کتنی مقدار ہے کہ اگر اس میں پیشاب یا کوئی اور نجاست مل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار ایسی ہے جس میں پیشاب وغیرہ ملنے سے ناپاک کی حکم نہیں لگایا جاسکتا؟ بالفاظ دیگر ماءِ قلیل اور ماء کثیر کا تعین کس طرح ہوگا؟ کیونکہ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ ماء قلیل نجاست سے بالاتفاق ناپاک ہو جاتا ہے اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا، لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک قلتین (دو

مٹکوں) کی مقدار سے کم پانی ماء قلیل ہے اور اس کے برابر یا اس سے زیادہ ماء کثیر کے حکم میں ہے امام مالک کے نزدیک وہ پانی ماء قلیل کے حکم میں ہے جس میں نجاست گرنے سے اس کے اوصاف ثلثہ (رنگ، بو اور مزہ) میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے ورنہ وہ کثیر کے حکم میں ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق ماء کثیر کا اطلاق اس مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر اس پانی کو ایک طرف سے حرکت دی جائے تو اس کے دوسرے کنارے میں حرکت اور ہلچل پیدا نہ ہو جس کی تعیین متاخرین نے وہ درود سے کی ہے اس سے کم مقدار پر ماء کثیر کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ اسے ”ماء قلیل“ کہا جائے گا جو نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

تحقیقی نظر سے اگر دیکھا جائے تو امام شافعی اور امام مالک کا مذہب سہولت پر مبنی ہے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب احتیاط پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ دینی معاملات میں احتیاط ہی زیادہ بہتر ہوتی ہے اس لیے جہاں وہ درود سے کم پانی میں نجاست گر جائے اور اس کے علاوہ دوسرا پانی مل سکتا ہو تو امام صاحب کے مذہب پر ہی عمل کرنا چاہیے اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو اور اس پانی کے اوصاف ثلثہ بھی تبدیل نہ ہوئے ہوں تو امام مالک کے مذہب پر عمل کر کے وضو اور نماز کر لینے والے کو گناہگار یا حرام کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔

باقی تفصیلی دلائل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کیجیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورِ الْهَرَّةِ

(۴۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ ذَاتَ يَوْمٍ فَجَاءَتْ الْهَرَّةُ فَشَرِبَتْ مِنَ الْإِنَاءِ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْهُ وَرَشَّ مَا بَقِيَ۔

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی ﷺ وضو فرما رہے تھے کہ ایک بلی آئی اور اس برتن سے پانی پینے لگی جب وہ بلی پانی پی چکی تو نبی ﷺ نے اسی سے وضو مکمل فرمایا اور باقی ماندہ پانی چھڑک دیا۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ عَبَّاسٍ: "توضا" مجازاً اس سے ارادہ وضو مراد ہے "ذات یوم" اس میں "ذات" کا لفظ زائد ہے "الہرۃ" بمعنی بلی اس کی تصغیر "ہریرۃ" ہے جس کی طرف حضرت ابو ہریرہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ "فشربت" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پینا "رش" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا "بقی" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی باقی رہنا۔

تصحیح حدیث: اخرج الطحاوی مثله ۴۵، و ابوداؤد: ۵۷، والترمذی: ۹۲، والنسائی: ۶۸، وابن ماجہ: ۳۶۷۔

مفہوم: بعض روایات میں "بلی" کو "سباع" (درندہ) قرار دیا گیا ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اس کا جھوٹا ناقابل

استعمال قرار پائے، لیکن جب دوسری روایات کو سامنے رکھا جاتا ہے تو خود نبی ﷺ نے انہیں بار بار گھروں میں آنے والا قرار دیا ہے اب اگر ان کا جھوٹا ناپاک قرار دے دیا جائے تو لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے، اس لیے شرعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں اور نبی ﷺ نے یہ فرما دیا۔

انہا لیست ینجس

اور اسی اصول کے پیش نظر زیر بحث واقعہ میں نبی ﷺ نے بلی کو برتن میں منہ ڈال کر پانی پینے سے نہیں روکا، بلکہ اسے پانی پینے دیا، اس کے بعد اسی پانی سے وضو فرمایا، کیونکہ اسے استعمال نہ کرنے میں حرج ہے اور قرآنی فیصلہ ہے۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

الغرض! یہ بات تو واضح ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، تاہم اگر اس کی جگہ دوسرا پانی موجود ہو تو اس دوسرے پانی سے وضو کر لینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کے بعد بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بیان جواز کے لیے بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرمایا تھا، بیان وجوب کے لیے نہیں کہ بلی کے جھوٹے سے ہی وضو کرنا واجب ہے، ورنہ وضو نہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَبُولُ قَائِمًا

(۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَبُولُ عَلَى سُبَاطَةٍ قَوْمٍ قَائِمًا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو لوگوں کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَتِهِ: "يَبُولُ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ مَضَارِعِ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَّغَ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى پِيشَابِ كَرْنًا، تَرْكِيبِي اِعْتِبَارًا سَيِّئٌ مَفْعُولٌ كِي حَالَتِ كَا بِيَانِ هُوَ "سَبَاطَةٌ" سَيِّنٌ كِي ضَمِّهِ كِي سَاتَهُ، بِمَعْنَى كُوڑَا كَرِكْتِ پِيشَابِ كِي جِگہ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِهِ: اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۲۲۴، وَ مُسْلِمٌ: ۶۲۴ (۲۷۳)، وَ ابُو دَاوُدَ: ۲۳، وَ التِّرْمِذِيُّ: ۱۳، وَ النَّسَائِيُّ: ۲۶، وَ ابْنُ

مَاجَه: ۳۰۵۔

مَقَالَةٌ: كَهْرُءِ هُوَ كَرْنِ كِي جَوَازٍ اَوْرَعْدَمِ جَوَازٍ مِيں تُو فُقَهَاءِ كَرَامِ كِي دَرْمِيَانِ دَوْرَانِ مِيں نَهِيں هِيں بَلَكِه سَب هِي كَا اِس بَاتِ پَر اِتْفَاقِ هِي كِه كَسِي عَذْرُ كِي وَجِه سِي كَهْرَا هُو كَر پِيشَابِ كَرْنَا جَائِزْ هِي، لِيَكِن اِس سَلْسَلِي كِي اِحَادِيثِ مِيں سَطْحِي نَظَرِ

سے تعارض معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کی روایات سے نبی ﷺ کی طرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت ثابت ہوتی ہے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شخص نبی ﷺ کی طرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت کو ثابت کرے تو تم اس کی بات کو تسلیم نہ کرنا اور اسے اس بات میں سچا مت سمجھنا۔

اس الجھن کو حل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کو بیان عادت پر محمول کر لیا جائے اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کی روایات کو بیان جواز اور بیان عذر پر محمول کر لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نبی ﷺ کی عادت نہ تھی جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا لیکن کسی عذر کی وجہ سے گھر کے باہر ایک آدھ مرتبہ ایسا کرنے کی نوبت بھی آئی ہے جیسا کہ مذکورہ صحابہؓ سے مروی ہے، اس طرح یہ تعارض دور ہو جاتا ہے۔

البتہ یہاں یہ بات قابل وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کونسا عذر تھا جس کی بنا پر نبی ﷺ نے ایسا کیا؟ تو فقہاء کرام نے اس سلسلے میں مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں لیکن ہم اس سلسلے میں عذر کی تعیین ضروری نہیں سمجھتے، بالخصوص جبکہ ہماری رائے کے مطابق یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے کیونکہ نبی ﷺ کے حکیمانہ اسلوب اور طرز عمل سے ہمیں اس قسم کے مواقع پر امت کے معذور افراد کے لیے گنجائش کے پہلو ملتے ہیں، چنانچہ وجود کے اعتبار سے بہت زیادہ بھاری بھر کم آدمی کے لیے اپنے فطری تقاضے سے نبرد آزما ہونے کے لیے بیٹھنے کی صورت میں بڑی دشواری ہوتی ہے گو کہ اس کے لیے موجودہ زمانے میں ”کموڈ“ ایک حل کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں انسان کو مکمل طور پر شرح صدر نہیں ہوتا، اس تناظر میں اس حدیث کو بیان جواز پر محمول کرنے میں کوئی قباحت نہیں رہتی۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنَ اللَّبَنِ

(۴۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ عَدِيِّ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا فَتَمَضَّمْضَمَّ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

دودھ پی کر وضو نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے دودھ پیا اور صرف کلی کر کے نماز پڑھ لی اور وضو نہیں فرمایا۔

خَلَّى عِبْرَاتٍ: ”شرب“ باب سَمْعٍ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پینا ”لَبَنًا“ اس کی جمع ”الْبَانُ“ آتی ہے بمعنی دودھ۔

تَجْنِیحُ حَافِئِیْثَ: اخرج البخاری مثله: ۲۱۱، و مسلم: ۷۹۸، و ابوداؤد: ۱۹۶، و الترمذی: ۸۹، و النسائی: ۷۸، و ابن

ماجه: ۴۹۸

مَفْلُوحٌ: اس حدیث سے فقہاء کرام نے ایک ضابطہ مستنبط کیا ہے جس کا تعلق کھانے اور پینے کی ہر چیز سے ہے اور وہ یہ کہ کھانے پینے کی کسی بھی چیز کو استعمال کرنے سے انسان کا وہ وضو جو اس نے پہلے سے کر رکھا ہو، نہیں ٹوٹتا، اور اس ضابطے میں فقہاء کرام نے یہ قید بھی ختم کر دی ہے کہ کھانے یا پینے کی وہ چیز خواہ آگ پر پکائی گئی ہو یا اسے پکانے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ اسے پکائے بغیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہو۔

یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ جو چیز آگ پر پکائی جاتی ہو، اسے کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری ہے، پھر ایک وقت آیا کہ یہ حکم اونٹ کے گوشت تک محدود رہ گیا، اور بالآخر یہ حکم بھی ختم ہو گیا، مختلف حضرات نے اس کی اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہات کی ہیں لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز جب انسان کے معدہ میں پہنچتی ہے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے اور انسان کے ذہن میں خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں، اب اگر وہ یہی تصورات لے کر نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز، نماز نہ رہے، کولہو کے بیل والا معاملہ ہو جائے اس لیے اس کے علاج کے طور پر یہ حکم تجویز فرمایا گیا کہ وضو کر لیا جائے تاکہ اس کے اثرات کسی حد تک زائل ہو جائیں۔

پھر چونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وسوس سے چھٹکارا پانا انسانی طاقت سے باہر ہے، اس لیے بعد میں اس حکم کی شدت کو ختم کر دیا گیا، تاہم اگر اب بھی کوئی شخص وضو کر لے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لیا جائے، لیکن اگر کسی شخص کو اپنے وضو کے باقی رہنے کا یقین ہو تو اسی وضو سے نماز پڑھ لینا ثواب میں کسی کمی کا سبب بننے کی بجائے مستقل وضو کی حالت میں رہنے کے ثواب کا سبب بنے گا۔

انشاء اللہ

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَا مَسَّتْهُ النَّارُ

(۴۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَقًا بِلَحْمٍ ثُمَّ صَلَّى۔

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے شوربے میں پکا ہوا گوشت تناول فرمایا، اس کے بعد جدید وضو کیے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "مرقا" شوربہ، "لحم" گوشت، "صلی" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے

بمعنی نماز پڑھنا۔

تجلیح حدیث: أخرجه البخاری: ۲۰۷، ومسلم: ۷۹۰، وابوداؤد: ۱۸۷، والترمذی: ۸۰، والنسائی: ۱۸۲، وابن ماجہ:

۴۸۸

مَقْبُحٌ: اس حدیث میں بھی بنیادی طور پر ”ممامست النار“ سے وضو کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ آیا کرنا چاہیے یا نہیں؟ جس کی قدرے وضاحت ہم گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کر چکے، البتہ یہاں اس بات کا اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں ”مامست النار“ کو کھانے کے بعد وضو کا حکم وارد ہوا ہے، ان میں ایک توجیہ تو یہی ہے کہ وہ منسوخ ہیں اور زیر بحث احادیث ناسخ ہیں اور دلیل نسخ حضرت جابرؓ کی وہ مشہور روایت ہے جو سنن اربعہ میں بھی موجود ہے۔

”کان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترك الوضوء ممامست النار“

یہ ایسی نص قطعی ہے جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

اور دوسری توجیہ بعض محدثین نے یہ بھی فرمائی ہے کہ ایسی احادیث کو وضوء لغوی پر محمول کر لینا چاہیے جس کا اردو میں آسان تر مفہوم ”ہاتھ اور منہ“ دھونا ہے تاکہ ہر دو حدیثوں پر عمل ہو جائے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے

”برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ“

ظاہر ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے وضو کے ضروری ہونے کا کوئی بھی امام قائل نہیں ہے، اس لیے کھانے کے بعد وضو کے ضروری ہونے کا قول بعید از قیاس ہے، بالخصوص جبکہ حدیث ایک ہی ہے، اس صورت میں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ کار نہیں رہتا کہ ”وضوء“ سے مراد لغوی وضوء ہے اور ”مامست النار“ والی احادیث کو اس پر محمول کرنے میں کسی عقلی یا نقلی رکاوٹ کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالسَّوَاكِ

(۴۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ الزَّرَادِيِّ عَنْ تَمَّامٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَالِي أَرَأَيْكُمْ قُلِحَا اسْتَاكُوا فَلَوْلَا أَنْ أَشَقَّ عَلَيَّ أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَفِي رِوَايَةٍ مَالِي أَرَأَيْكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلِحَا اسْتَاكُوا فَلَوْلَا أَنْ أَشَقَّ عَلَيَّ أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ أَوْ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ۔

مسواک کی تاکید کا بیان

ترجمہ: حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، نبی ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے؟ میں تمہارے دانت پیلے زرد کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مسواک کیا کروا کر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ حکم میری امت کو مشقت میں مبتلا کر دے گا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا، اسی مضمون کی دوسری روایت میں وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

حَلَّ عِبَارَتٍ: "اراکم" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا "قلحا" ق کے ضمہ کے ساتھ "قالح" کی جمع ہے بمعنی دانتوں کی زردی اور پیلا پن "استاکوا" باب افتعال سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی مسواک کرنا "اشق" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی گراں گزرنا، مشقت و تکلیف والا ہونا "لامرتہم" لام ابتدائیہ برائے تاکید ہے اور صیغہ واحد متکلم بحت فعل ماضی معروف از باب نصر ہے بمعنی حکم کرنا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری تعلیقا فی باب سواک الرطب والیابس للصائم، ومسلم: ۵۸۹ (۲۵۲) و ابوداؤد: ۴۶ والنسائی: ۷ وابن ماجہ: ۲۸۷، ومالک فی المؤطا: ص ۵۰، واحمد: ۱۵۷۴۱۔

مفہوم: اس حدیث میں فقہاء کرام کی دلچسپی کا نقطہ "عند کل وضوء" اور "عند کل صلوة" ہے، کیونکہ اگر پہلا لفظ صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس میں ہر مرتبہ وضو کرتے وقت مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا اور اگر دوسرا لفظ صحت کے ساتھ پایہ ثبوت تک پہنچ جائے تو اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت "خواہ نمازی" صف میں کھڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو اور اقامت ہی کیوں نہ کہی جا رہی ہو، مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا۔

قول اول جن فقہاء نے اختیار کیا، انہوں نے مسواک کو وضو کی سنت قرار دیا ہے اور جن فقہاء نے قول ثانی کو اختیار کیا، انہوں نے مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا، قول اول کے فقہاء نے اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا جائے اور لوگ صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرنے لگے تو کمزور مسوڑھوں والے افراد کے مسوڑھوں سے خون نکل آئے گا، یوں ان کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وہ صفیں چیرتے ہوئے پیچھے واپس آنے کی جدوجہد کریں گے اور نماز میں کھڑے ہوئے کچھ لوگ انہیں طعنہ دیں گے کہ اگر تم نے پیچھے ہی آنا تھا تو آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ بات تو تکرار سے لڑائی جھگڑے تک بھی پہنچ سکتی ہے اس لیے مسواک کو نماز کی سنت قرار نہیں دینا چاہیے۔

لیکن قول ثانی اختیار کرنے والے فقہاء اس خدشہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسواک کرنے کی وجہ سے مسوڑھوں سے خون بہت کم نکلتا ہے اور اگر کسی شخص کے مسوڑھے کمزور ہوں اور ان میں سے خون نکلنے کا اندیشہ ہو تو یہ اندیشہ وضو کے دوران بھی تو پیش آ سکتا ہے اور وہاں تو لڑائی جھگڑے کا امکان غالب ہے اس لیے کہ جس کے

مسوڑھوں سے خون نکل رہا ہے وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں اٹھے گا جب تک اس کا خون بند نہ ہو جائے اور وہ وضو نہ کر لے اور دوسرے نمازی اسے اٹھانے کے لیے زور لگائیں گے یوں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ تو اس صورت میں بھی پایا گیا اس لیے اس بنیاد پر کسی قول کو ترجیح نہیں دی جاسکتی تاہم ہماری رائے میں احتیاط اسی میں ہے کہ خود تو انسان وضو کے وقت مسواک کرے کسی دوسرے کو صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرتے دیکھے تو اسے نہ ٹوکے بلکہ سال میں ایک آدھ مرتبہ خود بھی سنت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کر لے تاکہ حدیث کے دونوں لفظوں پر عمل ہو جائے۔

۲۔ اس حدیث میں ہماری دلچسپی کا مرکز تین باتیں ہیں۔

(الف) اس حدیث سے نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی اس بے پایاں شفقت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں اپنی امت کے ہر ہر فرد سے تھی کیونکہ ان کی شفقت کے دائرہ میں صرف امراء طاقتور اور قریبی لوگ نہیں ہوتے تھے ان کی شفقت کا دائرہ پوری امت کے غرباء اور کمزوروں تک وسیع تھا اور ہر ایک اس دسترخوانِ رحم و کرم سے اس وقت سے لے کر آج تک فائدہ اٹھا رہا ہے اور قیامت تک اٹھاتا رہے گا۔

ذرا سوچئے! کہ ہم کمزوروں پر کیا یہ کم شفقت ہے کہ نماز تراویح کو فرض قرار نہیں دیا، مسواک کی فرضیت کا حکم نافذ نہیں کیا اور تہجد کی فرضیت منسوخ فرمادی، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی امت پر فرض ہو جاتی تو کیا امت کے ہر فرد میں اس حکم کو پورا کرنے کی طاقت تھی؟ یقیناً نہیں اور یہ اسی شفقت و مہربانی کا نمونہ ہے جو آج ہم جیسے بہت سے مسلمان جھٹ پٹ وضو کر کے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(ب) دور جدید نے مسلمانوں کے سامنے بڑی خوشنما اور دل فریب شکلوں میں بہت سی چیزیں پیش کر کے بہت سی سنتوں سے محروم کرنے کے اسباب وافر مقدار میں پیدا کر دیے ہیں چنانچہ اسی مسواک کو لے لیجئے کہ اب اس کی جگہ ٹوتھ پیسٹ نے لے لی ہے اور کہا یہ جانے لگا ہے کہ لکڑی کی یہ ڈنڈی کیا کر سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات پڑھے لکھے جاہل افراد میں سے بھی وہ کر سکتے ہیں جو جدید سائنس سے واقف نہ ہوں ورنہ اب تو سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ مسواک کے فائدے کسی ٹوتھ پیسٹ سے حاصل نہیں کیے جاسکتے اور میں تو اتنی بات جانتا ہوں کہ ہماری مسواک کی یہ ڈنڈی چاہے کچھ اور کرے یا نہ کرے لیکن اتنا ضرور کرے گی کہ ہمیں اپنے پروردگار کی رضا مندی کا پروانہ دلوا دے گی۔ اس عظیم الشان فائدے کے مقابلے میں دنیا کا کوئی ٹوتھ برش اس کا کروڑواں حصہ بھی فائدہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ ٹوتھ برش خراب ہونے کے بعد پاؤں میں روندنا جاتا ہے اور مسواک کا استعمال مکمل ہونے کے بعد اسے کسی اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے اسے سرراہ پھینکنے سے گریز کیا جاتا ہے اسے کوڑا کرکٹ کے لفافوں اور جگہوں میں پھینکنے سے احتیاط کی جاتی ہے۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھا جائے کہ ہم ٹوتھ پیسٹ کو حرام قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں کیونکہ حرام تو بڑی دور کی بات ہے ہمیں تو بغیر دلیل کے کسی چیز کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے بھی خوف آتا ہے البتہ یہ کہنا ہم اپنا حق

سمجھتے ہیں کہ اگر ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے کا وقت اور موقع آئے تو اس کے بعد سنت کی نیت سے اپنے دانتوں پر مسواک بھی پھیر لینی چاہیے پہلے مسواک کرنے اور بعد میں پیسٹ کرنے میں سنت کو نا کافی سمجھنے کا وہم پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے احتیاط ضروری ہے۔

(ج) مسواک کی فضیلت سے متعلق بے شمار طرق سے متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ مسند اعظم کے شارح مولانا محمد حسن سنبھلی نے حاشیہ میں اس کے اسی طرق کی نشاندہی فرمائی ہے لیکن یہاں ہم ان میں سے چند ایک کا حوالہ دے کر اگلی حدیث کی طرف متوجہ ہوں گے۔ انشاء اللہ

۱۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (نسائی، احمد، ابن حبان)
 ۲۔ ایک حدیث میں مسواک کو پیغمبروں کی سنت اور ایک حدیث میں امور فطرت میں سے قرار یا گیا ہے۔ (ترمذی، نسائی)
 ۳۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اس کثرت سے مسواک کرنے کی تاکید کی ہے کہ مجھے اپنے مسوڑھے چھل جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔ (طبرانی، بیہقی)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کو بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز پر ستر درجہ فضیلت حاصل ہے۔ (احمد، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی)
 ۵۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی مسواک آپ کے کان مبارک پر کاتب کے قلم کی طرح رکھی رہتی تھی (طبرانی) اور اسی وجہ سے صحابہ کرام کی بھی یہی عادت پختہ ہو گئی تھی۔ (خطیب)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

(۴۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَعَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَمَسَحَ رَأْسَهُ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ هَذَا وَضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، تین مرتبہ چہرے کو دھویا، تین مرتبہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھویا، سر کا مسح کیا اور اپنے پاؤں کو دھویا، اس کے بعد فرمایا یہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا وضو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے تاکہ دونوں کی وضاحت ایک ہی مرتبہ کی جاسکے۔

(۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَتَمَضَّمَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هَذَا وَضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هَذَا وَضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَامِلًا.

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ دَعَا بِمَاءٍ فَأَتَى بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَطَسَّتِ قَالَ عَبْدُ خَيْرٍ وَنَحْنُ نَنْظُرُ إِلَيْهِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى الْإِنَاءَ فَأَكْفَأَ عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى الْإِنَاءَ فَمَلَأَ يَدَهُ وَمَضَّمَ وَاسْتَنْشَقَ فَعَلَّ هَذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ إِلَى الْمِرَافِقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَخَذَ الْمَاءَ بِيَدِهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ غَرَفَ بِكَفِّهِ فَشَرَبَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طُهُورِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَهَذَا طُهُورُهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَمَضَّمَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ أَخَذَ مَاءً فِي كَفِّهِ فَصَبَّهُ عَلَى صَلْعَتَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طُهُورِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ يَعْنِي بِهِ مَنْ رَوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا عَلَى أَنَّهُ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى يَأْفُوحِهِ ثُمَّ مَلَأَ يَدَيْهِ إِلَى مُؤَخَّرِ رَأْسِهِ ثُمَّ إِلَى مُقَدِّمِ رَأْسِهِ فَجَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَرَّةً وَاحِدَةً لِأَنَّهُ لَمْ يُبَيِّنْ يَدَهُ وَلَا أَخَذَ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَهُوَ كَمَنْ جَعَلَ الْمَاءَ فِي كَفِّهِ ثُمَّ مَدَّهُ إِلَى كُوعِهِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ بَيِّنٌ فِي الْأَحَادِيثِ الَّتِي رَوَى عَنْهُ وَهُمْ الْجَارُودُ بْنُ زَيْدٍ وَخَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ وَأَسَدُ بْنُ عُمَرَ أَنَّ الْمَسْحَ كَانَ مَرَّةً وَاحِدَةً وَبَيِّنٌ أَنَّ مَعْنَاهُ مَا ذَكَرْنَا قَالَ وَقَدْ رَوَى عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كَثِيرَةً عَلَى هَذَا اللَّفْظِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا مِنْهُمْ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَغَيْرُهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَقَدْ رَوَى مِنْ أَوْجِهٍ غَرِيبَةٍ عَنْ عُثْمَانَ تَكَرَّرَ الْمَسْحُ إِلَّا أَنَّهُ مَعَ خِلَافِ الْحُفَاطِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهَلْ كَانَ مَعْنَاهُ إِلَّا عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَمَنْ جَعَلَ أَبَا حَنِيفَةَ غَالِطًا فِي رِوَايَةِ الْمَسْحِ ثَلَاثًا فَقَدْ وَهَمَ وَكَانَ هُوَ بِالْغَلْطِ أَوْلَى وَأَخْلَقُ وَقَدْ غَلَطَ شُعْبَةُ فِي هَذَا

الْحَدِيثِ غَلَطًا فَاحْشًا عِنْدَ الْجَمِيعِ وَهُوَ رِوَايَةٌ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ
عَنْ عَلِيِّ فَصَحَّفَ الْإِسْمَيْنِ فِي إِسْنَادِهِ فَقَالَ بَدَلْ خَالِدِ مَالِكٍ وَبَدَلْ عُلُقَمَةَ عُرْفُطَةَ وَلَوْ كَانَ
هَذَا الْغَلَطُ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ نَسَبُوهُ إِلَى الْجِهَالَةِ وَقِلَّةِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا خُرْجُوهُ مِنَ الدِّينِ وَهَذَا مِنْ قِلَّةِ
الْوَرَعِ وَاتَّبَاعِ الْهَوَىٰ-

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے پانی منگوایا، اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ
دھویا، تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، تین مرتبہ چہرے اور بازوؤں کو دھویا، تین ہی مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین
مرتبہ اپنے پاؤں کو دھویا اور فرمایا کہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔

اسی سند سے ایک دوسری روایت میں سر کے مسح کا ذکر ایک مرتبہ آیا ہے اور ایک روایت میں یہ تفصیل اس طرح وارد
ہوئی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ پانی منگوایا، چنانچہ ان کی خدمت میں پانی کا ایک برتن اور ایک طشت
پیش کیا گیا، راوی حدیث عبد خیر کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے برتن پکڑ کر
بائیں ہاتھ پر اس سے پانی انڈیلا اور تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں داخل کر کے اسے پانی سے
بھرا، کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا یہ کام انہوں نے تین تین مرتبہ کیے۔ پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، کہنیوں سمیت تین مرتبہ
ہاتھوں کو دھویا، پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا، تین مرتبہ اپنے پاؤں کو دھویا اور ہاتھوں کا چلو بنا کر اس میں
پانی بھرا اور اسے نوش فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ دیکھنا پسند کرتا ہے، وہ جان لے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی
طریقہ کار تھا۔

ایک روایت میں بازوؤں کو تین مرتبہ دھونے کے ذکر کے بعد یوں بھی آیا ہے کہ پھر انہوں نے اپنی ہتھیلی میں پانی لیا
اور اسے سر کے اگلے حصے پر بہا لیا اور مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا۔

عبداللہ بن محمد بن یعقوب ”جو اس حدیث کو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں“ فرماتے ہیں کہ جو راوی امام
صاحب سے خالد کے واسطے سے اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مرتبہ مسح راس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی توجیہ یہ کرتے
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو سر کے اگلے حصے پر رکھا اور اسے کھینچتے ہوئے سر کے پچھلے حصے تک لے گئے، پھر
پچھے سے آگے کی طرف لے گئے اور اس طرح تین مرتبہ کیا، ان کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ مسح راس ایک ہی مرتبہ ہے اس
لیے کہ اس طریقے کے مطابق نہ تو ان کے ہاتھ ہی جدا ہوئے اور نہ ہی انہوں نے تین مرتبہ نیا پانی لیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے
کسی شخص نے اپنی ہتھیلی میں پانی رکھا ہو اور اسے انگوٹھے کی جڑ تک لے جائے۔

ذرا غور تو فرمائیے! کہ حضرت جارود بن زید، خارجہ بن مصعب اور اسد بن عمر سے مروی روایات میں حضرت علی کی
طرف مسح راس کو ایک ہی مرتبہ منسوب کیا گیا ہے ان سب کی موجودگی میں تین مرتبہ والی روایت کو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا

ہے؟

البتہ یہ بات بھی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک بڑی تعداد سے ”جن میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شامل ہیں“ مسح راس تین مرتبہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اس سلسلے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عثمان غنیؓ سے تکرار مسح کی روایات اجنبی اسناد سے منقول ہیں لیکن وہ روایات حفاظ حدیث کی روایات کے خلاف ہیں، اس لیے وہ اہل علم کے نزدیک حجت نہیں اور اس کا وہی معنی بنتا ہے جو ہم عنقریب ذکر کر چکے۔

اس لیے جو حضرت تین مرتبہ مسح راس والی روایت نقل کرنے میں امام صاحب ”غلطی پر ٹھہراتے ہیں“ انہیں وہم ہو گیا، بلکہ درحقیقت وہ خود غلطی پر ہیں، چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ سے اس حدیث میں ایک فحش ترین غلطی ہوئی ہے، جسے تمام محدثین نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو مندرجہ ذیل سند سے نقل کیا ہے۔

عن مالک بن عرفطہ عن عبد خیر عن علی۔

اس سند میں انہوں نے دو اسموں میں تصحیف کی ہے چنانچہ انہوں نے ”خالد“ کی جگہ ”مالک“ کہہ دیا اور ”علقمہ“ کی جگہ ”عرفطہ“ کہہ دیا، اگر یہ غلطی امام ابوحنیفہؒ سے سرزد ہوئی ہوتی تو یہی لوگ انہیں جہالت اور قلت معرفت کے طعنے دیتے اور انہیں اس دین کے دائرے سے ہی نکال دیتے، حالانکہ یہ تقویٰ کی کمی اور خواہشات کی پیروی والی بات ہے۔

خَالَتْ عِبَارَاتٍ: ”کفیه“ کف کی تشبیہ ہے جس کا معنی ہتھیلی ہے ”ثلثا“ اپنے سے ماقبل فعل کے لیے ہر جگہ تیز واقع ہو رہا ہے ”ذراعیه“ ذراع کی تشبیہ ہے جس کا اردو میں قرب قریب مفہوم ”بازو“ کا لفظ ادا کرتا ہے، ”دعا“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منگوانا ”الیمنی“ ید کی صفت ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے کیونکہ ید مؤنث ہے ”اکفا“ باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انڈیلنا ”ملا“ باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھرنا ”الموافق“ مرفق کی جمع ہے بمعنی کہنی ”غرف“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چلو بھرنا ”سر“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوش ہونا ”طهور“ ط کے ضمہ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بمعنی وضو، لیکن وضو کے لفظ کو اگر واؤ کے زبر سے پڑھا جائے تو اس کا معنی وہ پانی ہو گا جس سے انسان وضو کرتا ہے اور اگر واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے وضو کا عمل مراد ہو گا، ”قال عبداللہ“ میں قال فعل ہے اور ”عبداللہ بن محمد بن یعقوب“ اجمال ”من روی عن ابی حنیفہ“ اس کی تفصیل، فی هذا الحدیث قال کے لیے متعلق اجمال اور تفصیل مل کر قال کے لیے فاعل ہے، یاد رہے کہ یہاں سے آخر تک کی عبارت امام صاحب کی نہیں بلکہ ایک حنفی فقیہ ”جنہوں نے امام صاحب سے اس کتاب کو بالواسطہ نقل کیا ہے اور ان کا نام عبداللہ بن محمد بن یعقوب ہے“ کی عبارت ہے۔

”یافوخہ“ سر کا اگلا حصہ ”لم یباین“ باب مفاعلہ سے نفی حجبہ لم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جدا کرنا ”کوعہ“ گئے ”صحف“ باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تصحیف کرنا، یہ اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس کا تعارف محدثین کے یہاں اس قسم کی غلطی سے کیا جاتا ہے کہ راوی حدیث سند حدیث کے ناموں میں غلطی کر بیٹھے مثلاً باپ اور بیٹے کا نام بدل دے ”لنسبوه“ باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی منسوب کرنا۔

تخریج حدیثین: اخرج البخاری مثلہما: ۱۵۹، و مسلم: ۵۳۸ (۲۲۶) و ابوداؤد: ۱۰۶، و الترمذی: ۴۸، و النسائی: ۸۴، و ابن ماجہ: ۴۱۳، و الطحاوی: ۱۱۳، و الطیالسی: ۸۱۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے متعدد مسائل مستنبط فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک کی تفصیل یہاں بیان کر کے شرح حدیث کے حوالے سے بھی ہم کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

۱۔ اس بات پر تو تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں تین کا عدد مسنون ہے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے والا آدمی چلو میں ایک مرتبہ پانی لے کر کلی کرے اور اسی میں سے تھوڑا سا پانی ناک میں بھی چڑھائے تین مرتبہ اس طرح کر لینے سے سنت بھی ادا ہو جائے گی اور تین کا عدد بھی پورا ہو جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ کلی کرنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے اور ناک میں ڈالنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے تب جا کر سنت ادا ہوگی۔

دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل اور ترجیحات ہیں، لیکن ایک ایسی حقیقت جسے تسلیم کرنے کے بعد یہ اختلاف رائے بھی ختم ہو جاتا ہے، وہ امام ترمذیؒ کا یہ بیان ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق دونوں پر عمل کر لیا جائے تو بھی جائز ہے اور اگر دونوں کے لیے الگ الگ پانی لے لیا جائے تو ہمیں یہ زیادہ محبوب ہے۔ امام شافعیؒ کے اس قول کے بعد اختلاف رائے ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ اس بات پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ وضو میں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے، البتہ بعض فقہاء کہنیوں کی جڑ کو اس میں شامل نہیں کرتے، اور اکثر فقہاء اسے شامل قرار دیتے ہیں، دوسرے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔

۳۔ اس بات پر بھی تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مسح راس وضو میں فرض ہے لیکن اس کی تعداد میں اختلاف رائے ہے بعض فقہاء دیگر اعضاء کی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ کرنا مسنون قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء سر کا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت کے مطابق سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے کی اگر تمام روایات کو اکٹھا کر لیا جائے جن میں مسح راس کا ذکر ہے، تو اکثر میں ایک دو یا تین کی کوئی قید مذکور ہی نہیں ہے، دو مرتبہ مسح کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں، اور جن روایات میں عدد کی قید وارد ہوئی ہے، ان میں سے

ایک مرتبہ والی روایات کو فقہاء کا ایک گروہ اختیار کر لیتا ہے اور تین مرتبہ والی روایات کو دوسرا گروہ، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ تین مرتبہ والی ایک روایت بھی سنداً محفوظ نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ تین مرتبہ مسح راس کی روایت تو خود امام صاحب نے بھی زیر بحث روایت میں ذکر کی ہے، تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا واضح ترین جواب یہ ہے کہ یہ تو امام صاحب کی خدا ترسی اور حقیقت پسندی کی علامت ہے کہ انہیں اپنے اساتذہ سے جو حدیث بھی ملی، وہ انہوں نے بلا کم و کاست آگے تک پہنچا دی، یہ دیکھے بغیر کہ اس سلسلے میں وہ خود کیا رائے رکھتے ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ امام صاحب کی رائے بھی کسی حدیث کی بنیاد پر ہی ہوگی اور وہ اس موضوع کی دوسری احادیث کا ”جو بظاہر اس سے متضاد ہیں“ ایسا حل پیش کریں گے کہ تضاد کی یہ صورت ختم ہو جائے۔

چنانچہ یہاں بھی امام صاحب کی طرف سے تین مرتبہ والی روایات کی توجیہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے اپنے ہتھیلی میں پانی لے رکھا ہو اور کبھی وہ اپنی ہتھیلی کو انگلیوں کی طرف جھکاتا ہو اور کبھی بازو کی طرف انگلیوں کی طرف جھکانے کی صورت میں پانی انگلیوں کی طرف چلا جاتا ہو اور بازو کی طرف جھکانے کی صورت میں بازو کی طرف چلا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے جتنی مرتبہ اپنی ہتھیلی کو حرکت دی ہے، اتنی ہی مرتبہ اس نے نیا پانی لیا ہے، یہی حقیقت ہے مسح راس کی کہ ایک ہی مرتبہ پانی لے کر اسے اگر تین مرتبہ آگے پیچھے پھیر لیا جائے تو اسے تین مرتبہ مسح کرنا نہیں کہیں گے بلکہ اسے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اگر اسے تین مرتبہ تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تینوں مرتبہ ماء جدید لیا گیا ہو، حالانکہ یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی، اس لیے اصل میں تو مسح راس ایک ہی مرتبہ ہے لیکن اگر تین مرتبہ والی روایات پر عمل کرنا ہو تو اس کا طریقہ بھی ہم ذکر کر چکے۔

ایک توجیہ ہماری طرف سے بھی قبول فرماتے جائیے کہ ایک مرتبہ والی روایات کو بیان فرض پر محمول کر لیا جائے اور تین مرتبہ والی روایات کو بیان سنت پر محمول کر لیا جائے تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود فقہ حنفی کی کتابوں میں تکرار مسح کو سنت قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اس مضمون کی روایت نقل کرنے کے بعد امام صاحب کا ذکر کر کے ان پر بے جا جملے کئے ہیں اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسا کرنا انہوں نے اپنی عادت بنا چھوڑی تھی، بات بات پر امام صاحب کی شان میں بے ادبی اور ان پر تنقید کرنا ان کا مستقل مشغلہ تھا، اور یہ صرف امام دارقطنی ہی کی کیا بات ہے، خطیب بغدادی نے کیا کم کارہائے نمایاں اپنے پیچھے چھوڑے ہیں، ان سب کو بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو امام بخاری کا طرز عمل حدیث کے کسی ادنیٰ طالب علم سے بھی مخفی نہیں، کہ وہ امام صاحب پر اعتراض بھی کرنا چاہتے ہیں اور نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے، اس لیے صرف اتنا کہہ دیتے ہیں ”قال بعض الناس“ کہ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے، اور اس کے بعد جو پھبتیاں کتے ہیں کہ رہے نام خدا

کا اسی طرح امام ترمذی تمام فقہاء کا مذہب بیان کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ امام صاحب کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک تک کا نام لیتے ہیں لیکن جب امام ابوحنیفہ کی باری آتی ہے تو ”قال بعض اهل الکوفۃ“ کہہ کر گزر جاتے ہیں بہر حال! اس داستان کو یہیں ختم کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ بات پھیلتی چلی جائے گی، تاہم اتنی بات کہنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ دور تابعین کی ایک مظلوم ترین شخصیت ہیں جن پر آج تک بھی بچوں جیسی عقل رکھنے والے بڑے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال! سند کے اعتبار سے امام دارقطنی نے امام صاحب پر ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے پر تنقید کی ہے حالانکہ اس اعتراض کی خود محدثین کی نگاہ میں کچھ وقت نہیں کیونکہ اصول حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ زیادت ثقہ بالاتفاق مقبول سمجھی جاتی ہے۔

اب یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ امام دارقطنی کی نظر عمیق امام صاحب کی ”مخالفت ثقات“ کی طرف تو چلی گئی لیکن ان کی نظر مبارک امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ کی ”تصحیف“ کی طرف نہیں اٹھی جبکہ امام صاحب پر تو مذکورہ اصول کی روشنی میں اس اعتراض کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں رہتی لیکن امام شعبہ پر کیا جانے والا اعتراض ایسا ہے جس سے گلو خلاصی ممکن نہیں کیونکہ تمام محدثین نے امام شعبہ کی اس غلطی کو واضح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ”مالک بن عرفطہ“ کی بجائے ”خالد بن علقمہ“ ہے امام شعبہ نے خالد کی بجائے مالک کہہ دیا، علقمہ کی بجائے عرفطہ کہہ دیا، اصول حدیث میں یہ کتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے اس کا اندازہ محدثین بخوبی کر سکتے ہیں اور ایسی ایک نہیں بے شمار غلطیاں ”جو کتب صحاح میں بھری پڑی ہیں“ امام شعبہ کی طرف منسوب ہیں لیکن کیا مجال ہے کہ خود امام بخاری ہی ”جو امیر المؤمنین فی الحدیث وعللہ“ کے معزز لقب سے مشرف ہیں کسی ایک غلطی کی طرف اشارہ ہی فرمادیں۔ فالی اللہ المبتدلی۔

۴۔ اس حدیث سے صحابہ کرام کا نبی ﷺ کی سنتوں اور طریقہ زندگی سے غیر معمولی شغف اور تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرنے اور اسے اسی انداز میں امت تک پہنچانے کے لیے کوششیں فرمائیں یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر جماعت صحابہ کو درمیان سے نکال لیا جائے تو دین کی عمارت ہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زبانی طور پر کسی بات کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سمجھانے کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے اور یہ کسی بھی بات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے بڑا کامیاب نسخہ ہے اس لیے استاذ کو چاہیے کہ عملی طور پر وہ بھی اپنے شاگردوں کے سامنے مسائل کو پیش کیا کرے تاکہ مسئلہ کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

(۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ

اللہ مَلَّ الشَّيْطَانُ يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: حضرت حمران "جو سیدنا عثمان غنیؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں" سے مروی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک موقع پر تین مرتبہ اعضا کو دھو کر وضو فرمایا اور فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔
حَدَّثَنَا عُبَّادُ بْنُ سُوَيْبٍ: "تَوْضَا ثَلَاثًا ثَلَاثًا" کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تین تین مرتبہ وضو کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اعضا وضو کو تین مرتبہ دھویا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: قَدْ مَضَى فِي الرَّقْمِ السَّابِقِ

مفہوم: ۱۔ اس حدیث کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ نبی ﷺ کے وضو کی کیفیت نقل کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ۲۳ تک پہنچتی ہے جن میں سب سے زیادہ صریح حدیث حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

یاد رہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ زیر بحث راوی نے جنگ یمامہ میں مسلمانوں کو جہنم رسید کرنے میں حضرت وحشی بن حربؓ کی مدد کی تھی اور مؤخر الذکر کو خواب میں اذان کے کلمات سکھائے گئے تھے یہ وضاحت اس لیے کرنا پڑی کہ "عبداللہ بن زید" ہونا دونوں میں مشترک ہے جس سے بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ وضو کے دوران اعضا وضو کو تین مرتبہ دھونا افضل ہے دو مرتبہ دھونا کفایت کر جاتا ہے اور ایک مرتبہ دھونا تو خیر ضروری ہے ہی اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تاہم ایک مرتبہ اعضا وضو کو دھونے کی صورت میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ اعضا وضو مکمل دھل گئے ہوں اور اچھی طرح تر بتر ہو گئے ہوں، فرائض میں اگر ایک بال برابر بھی کمی ہو جائے تو وضو نہیں ہوگا اور جب وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

(۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً۔

ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد صاحب کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو میں اپنے اعضا کو ایک ایک مرتبہ بھی دھویا تھا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۱۵۷، وَابُودَاؤُدَ: ۱۳۸، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۴۶، وَالنَّسَائِيُّ: ۸۰، وَابْنُ مَاجَةَ: ۴۱۱،

والطیالسی: ۱۹۳۴، والطحاوی: ۱۱۷

مَفْهُومٌ: گزشتہ حدیث کے ضمن میں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دو دو مرتبہ اور ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے نیز یہ کہ ایک مرتبہ دھونے کی صورت میں اسباغ اور احتیاط دونوں ضروری ہیں، تاہم یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی طریقے سے وضو کیوں نہیں فرماتے تھے؟ مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے وضو کرنے میں امت کے لیے یہ دشواری ہے کہ وہ اسی شش و پنج میں پڑی رہے گی کہ اب اعضاء وضو کو کتنی مرتبہ دھویا جائے اور جب کتنی مرتبہ؟ کیا اس کے بجائے ایک متفقہ دستور اور لائحہ عمل عطاء فرمانا زیادہ مناسب نہ تھا؟

اس سوال کا صحیح جواب تو حکماء اور دانشوران اہل علم ہی دے سکتے ہیں، مجھ ناکارہ کی سمجھ میں تو صرف اتنی بات آتی ہے کہ جس طرح ہم پانی کی ایک ایک بوند کے لیے ایجادات سے بھرپور ٹیکنالوجی کے اس دور میں ترس رہے ہیں، اگر ایک مرتبہ اور دو مرتبہ کی سہولت نہ ہوتی تو دن میں پانچ مرتبہ وضو کر کے ہم پانی کا ذخیرہ ختم کر دیتے اور پیاس کے مارے تالو چٹاتے پھرتے، اس لیے امت کی آسانی میں ہے کہ جب پانی وافر مقدار میں موجود ہو تو تین تین مرتبہ اعضاء کو دھولیا جائے، بصورت دیگر ایک اور دو پر اکتفاء کر لیا جائے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ بھی یہی تھا کہ پانی زیادہ ہونے کی صورت میں افضل پر عمل فرماتے اور کم ہونے کی صورت میں جواز پر عمل فرماتے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْأَعْقَابِ

(۵۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْعَرَاقِيبِ مِنَ النَّارِ۔

ایڑیاں دھونے میں احتیاط کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”ویل“ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے یا ہلاکت کے معنی میں ہے ”العراقیب“ عرقوب کی جمع ہے بمعنی ایڑیاں۔

مَجْمَعُ حَدِيثَاتٍ: اخرجہ البخاری: ۱۶۵، ومسلم: ۵۶۶ (۲۴۰)، والترمذی: ۴۱، والنسائی: ۱۱۰، وابن ماجہ: ۴۵۴، والطحاوی: ۱۷۸۔

مَفْهُومٌ: بعض روایات میں اس اختصار کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں نماز کا وقت ہو جانے پر صحابہ

کرام نے وضو کیا تو جلدی کی وجہ سے بعض صحابہ کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اور دھوپ میں وہ چمکتی ہوئی محسوس ہوئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا ”ویل للاعقاب من النار“

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہو گئی کہ پاؤں دھوتے وقت اتنی احتیاط کرنا ضروری ہے کہ انسان کی ایڑی بھی خشک نہ رہ جائے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب ایڑی خشک رہ جانے پر یہ وعید ہے تو پاؤں کا اکثر حصہ یا نیچے کا تلو تکمیل طور پر خشک رہ جانے کی صورت میں اس وعید کے اندر کتنی شدت پیدا ہو جائے گی۔

اور یہیں سے ان لوگوں کی تردید بھی ہو گئی جو مسح علی القدمین کے قائل ہیں اور پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کر لینا جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ مسح علی القدمین اور مسح علی الخفین دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، پہلے کے عدم جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور دوسرے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ یہ بات قابل وضاحت رہ گئی کہ خاص طور پر ایڑیوں کے خشک رہ جانے کے ساتھ اس وعید کا کیا تعلق ہے؟ تو اس کا جواب بھی ہماری گزشتہ تقریر سے واضح ہو گیا کہ جس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، وہ موقع ہی اس کا تقاضا کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ موقع کی مناسبت سے اصلاح کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّضْحِ

(۵۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ ثَقِيفٍ يُقَالُ لَهُ الْحَكْمُ أَوْ ابْنُ الْحَكْمِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَنَضَحَهُ فِي مَوَاضِعِ طُهُورِهِ۔

چھڑکاؤ کا بیان

ترجمہ: حکم اپنے والد صاحب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اس کے بعد ایک چلو بھر کر اپنے اعضاء وضو پر اسے چھڑک لیا۔

حَدِيثُ عِبَارَتُهُ: ”حَفْنَةٌ“ چلو بھر پانی ”نضحہ“ باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا۔
تَبْحِيحُ حَدِيثُ: أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ كَمَا فِي بَدَلِ الْمَجْهُودِ: ۱۰۱/۱، وَأَبُو دَاوُدَ مِثْلَهُ: ۱۶۶، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۵۰، وَالنَّسَائِيُّ: ۱۳۴، وَابْنُ مَاجَةَ: ۴۶۱۔

مَفْهُومٌ: انسانی طبیعت ایسی وسواس واقع ہوئی ہے کہ اس کا کوئی لمحہ وسواس سے خالی نہیں گزرتا، اور وسوسہ آنے میں کوئی رکاوٹ بھی حائل نہیں کی جاسکتی، اس لیے بعض وہ مسائل جہاں پر وسواس پیش آسکتے ہیں اور ان وسواس پر عمل کر کے انسان اللہ سے دور ہو سکتا ہے، شریعت نے ان کا علاج پہلے ہی بتا دیا ہے۔

چنانچہ یہ ایک شرعی حکم ہے کہ پیشاب کے قطرات سے بچا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر عذاب قبر ہونے کی دو میں

سے ایک وجہ پیشاب کے قطرات سے نہ بچنے کو بھی قرار دیا ہے اور اسی بناء پر پیشاب کو اچھی طرح خشک کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ پیشاب کے قطرات مکمل طور پر بند ہو جائیں اس کے لیے ٹشو پیپر، مٹی کا ڈھیلا یا چند قدم چل کر اپنا اطمینان کرنا ہر انسان کی اپنی سہولت پر موقوف ہے اصل مقصد یہ ہے کہ پیشاب کے قطرات آنا بند ہو جائیں تاکہ وضو اور نماز دونوں صحیح ہو جائیں۔

اب ایک شخص مکمل احتیاط کے ساتھ پیشاب کر کے وضو کرنے کے لیے بیٹھا وضو کر کے جب اٹھا اور نماز کی طرف متوجہ ہوا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے کپڑے گیلے ہو رہے ہیں اب اس کے ذہن میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ پیشاب کا قطرہ تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو دوبارہ وضو کرنا پڑے گا اور کپڑے کا وہ حصہ بھی دھونا پڑے گا لیکن انسان بار بار یہ وسوسہ آنے سے اکتا جائے گا اور بالآخر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ نماز ہی چھوڑ دے گا اس لیے شریعت نے اس کا حل یہ بتایا کہ جب وضو کرنے کے لیے بیٹھے تو اپنے کپڑوں پر پانی کے تھوڑے سے چھینٹے ڈال لے اور جب ذہن میں کوئی وسوسہ آئے تو یہ سوچ لے کہ یہ وہی پانی تو ہے جو میں نے خود ڈالا تھا اور جا کر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَيْنِ

(۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ قَالَتْ إِيَّتِي عَلِيًّا فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ شُرَيْحٌ فَاتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ لِيْ اْمَسْحُ۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

ترجمہ: شرح بن ہانی قاضی کوفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ کیا موزوں پر مسح کرنے کا کوئی ثبوت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علیؑ سے جا کر یہ مسئلہ پوچھو کیونکہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے شرح کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ مسح کر لیا کرو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "امسح" اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے ایک تو باب فتح سے مضارع معروف کے صیغہ واحد متکلم کے طور پر اور دوسرے، ہمزہ کو ہمزہ استفہامیہ قرار دے کر "مسح" کو میم کی زبر اور حاء کی تنوین کے ساتھ اس دوسری صورت میں علی الخفین کا متعلق "ثابت" کو محذوف ماننا پڑے گا جبکہ پہلی صورت میں "امسح" خود ہی اس کا متعلق ہوگا۔ "انت" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا "فاسالہ" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سوال کرنا "فانہ" سے مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے "یسافر" باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سفر کرنا "امسح" مذکورہ باب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مسح کرنا۔

تجلیح حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۵۵۲، والنسائی: ۱۲۹، ومسلم: ۶۳۹ (۲۷۶) والطحاوی: ۵۱۲۔

مفہوم: یہاں سے امام صاحب ان احادیث کو ذکر فرما رہے ہیں جن سے مسح علی الخفین کی مشروعیت اور اس کے اوقات کی تحدید و تعیین کا ثبوت ملتا ہے، یہ سلسلہ حدیث نمبر ۶۸ تک چلا گیا ہے، اس لیے ہم اس موضوع پر قدرے تفصیل سے کلام کر کے اگلی احادیث میں اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔

۱۔ قرآن کریم میں فرائض وضو بیان کرتے ہوئے چوتھا فرض پاؤں دھونا قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ دھونے کا مطلب پانی سے کسی چیز کو تر کرنا ہوتا ہے اور موزوں پر مسح کر لینے کا حکم قرآن کریم سے نہیں ملتا کیونکہ ظاہر ہے کہ مسح کا معنی ہے کسی چیز پر گیلیا ہاتھ پھیر لینا اور قرآن ایک ہی وقت میں دو چیزوں کا حکم نہیں دے سکتا، اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے حضرات موزوں پر مسح کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ موزوں پر مسح کرنے والوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

چنانچہ خود اس کتاب میں حدیث نمبر ۶۳ اور ۶۴ میں حضرت ابن عمرؓ کا ابتداء اس سے انکار منقول ہے، اس کی پوری تفصیل تو اس کے ترجمہ میں ہی انشاء اللہ آئے گی، لیکن یہاں صرف اتنا دکھانا ہے کہ قرآن کریم کی آیت وضو کا ظاہر دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کو مسح علی الخفین پر تعجب ہوتا تھا، اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ابتداء اس کے قائل نہ تھے اور امام مالکؒ تو آخر تک اپنے لیے اس رخصت کا فائدہ نہ اٹھاپائے، گو کہ حضرت ابن عمرؓ اور امام ابوحنیفہؒ بعد میں اس کے قائل ہو گئے تھے اور فقہ مالکی کی کتابوں میں بھی اس کے جواز کی تصریح موجود ہے۔

۲۔ اصول فقہ کا یہ مشہور ضابطہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ خبر مشہور کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے جسے امام شافعیؒ نسخ سے تعبیر کرتے ہیں اور احناف تخصیص سے، جب خبر مشہور سے زیادت جائز ہے تو خبر متواتر سے بطریق اولیٰ جائز ہوگی کیونکہ خبر مشہور کا درجہ خبر متواتر سے کم ہے۔

۳۔ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں اور ان روایات کو نقل کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد اسی ۸۰ سے بھی متجاوز ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں، ستر صحابہ کرامؓ سے تو اکیلے خواجہ حسن بصریؒ مسح علی الخفین کا جواز نقل کرتے ہیں، اسی پر باقی کا حال آپ خود قیاس کر لیجیے۔

ان تین مقدمات کو ملا کر یہ بات واضح ہوگئی کہ چونکہ مسح علی الخفین کی روایات متواتر ہیں اور خبر متواتر سے زیادہ علی کتاب اللہ جائز ہے لہذا مسح علی الخفین بھی جائز ہے، اس سلسلے میں امام صاحبؒ کا احتیاط سے بھرپور یہ جملہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ میں نے مسح علی الخفین کے جواز کا قول اس وقت تک اختیار نہیں کیا جب تک اس سلسلے کی احادیث کثرت کے ساتھ مجھ تک پہنچ نہ گئیں اور یہ مسئلہ مجھ پر نصف النہار کی طرح واضح نہ ہو گیا۔

۴۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسح علی الخفین امت مسلمہ کے لیے ایک رخصت ہے جس سے سردی کے موسم میں خوب فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، گو کہ اس میں بھی عزیمت یہی ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں لیکن چونکہ دین آسانی کا نام ہے، اس لیے اس

میں یہ سہولت بھی رکھی گئی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اپنا عمل مبارک اس سلسلے میں کیا تھا؟ تاکہ اس کے ذریعے ہم اپنا لائحہ عمل طے کر سکیں، سو اس سلسلے میں روایات کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر نبی ﷺ نے موزے پہن رکھے ہوں تو وضو کرتے وقت پاؤں دھونے کے لیے انہیں اتارا نہیں، بلکہ موزوں پر ہی مسح کر لیا اور اگر موزے نہیں پہنے ہوئے تو انہیں چڑھایا نہیں کہ اس پر مسح کر سکیں، بلکہ پاؤں کو دھو کر اپنا وضو مکمل کر لیا، اس لیے ہمیں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۵۔ نبی ﷺ اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں بھی موزوں پر مسح فرماتے رہے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ۱۰ھ میں حج فرمایا ہے اور اسی حج کے موقع پر سورۃ مائدہ کی آیت تکمیل دین کا نزول ہوا ہے جس میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا ہے اور اس حج کے صرف اکیاسی دن بعد نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا، نبی ﷺ کے انتقال سے صرف چالیس دن پہلے حضرت جریر بن عبداللہ الجلیؓ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور صحابہ کرامؓ ان کی روایت کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے، کیونکہ ان کی روایت میں کسی قسم کی تنسیخ یا ترمیم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

۶۔ اب یہاں یہ بات بھی طے کر لینا ضروری ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرتے رہنے کی کوئی مدت بھی مقرر ہے یا انسان کی اپنی مرضی پر موقوف ہے، جب تک جی چاہے موزوں پر مسح کرتا رہے؟ سو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی دورائے ہیں، بعض فقہاء عدم توقیت کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں کسی وقت کی تعیین نہیں کرتے جبکہ اکثر فقہاء توقیت کے قائل ہیں، احادیث دونوں طرف موجود ہیں البتہ توقیت والی احادیث زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے ترجیح کی حامل ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے وضو کر کے نماز پڑھ لی، پھر اسے سردی محسوس ہوئی، اس نے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کے لیے موزے پہن لیے، جس وقت اس نے یہ موزے پہنے، اس کا وضو بھی برقرار تھا اور یہ آدمی مقیم بھی ہے، سفر کی حالت میں نہیں ہے، نماز کا وقت آنے پر اس نے سوچا کہ موزے اتار کر اگر میں نے پاؤں دھوئے تو سردی زیادہ لگے گی اور یہ سوچ کر اس نے موزوں پر مسح کر لیا تو یہ جائز ہے اور وہ ایک دن رات تک یعنی ۲۴ گھنٹوں تک اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر وہ مسافر ہے تو ۲ گھنٹوں تک اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہاں اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ۲۴ اور ۲ گھنٹوں کا حساب وضو ٹوٹنے کے بعد سے شروع ہوگا، موزوں پہننے سے نہیں، مثلاً اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کے وقت موزے پہنے، اور اس کا وضو عشاء کے وقت تک برقرار رہا، عشاء کے بعد جا کر اس کا وضو ٹوٹا تو اب وہ اگلے دن عشاء کی نماز تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے، یہ نہیں کہ ظہر تک مسح کرنے کے بعد اسے وہ موزے اتارنا پڑیں گے، اور وضو کر کے نئے سرے سے دوبارہ پہننا پڑیں گے، کیونکہ اس میں وضو ٹوٹنے کے وقت کا اعتبار ہے، موزے پہننے کے وقت کا نہیں۔

۷۔ یہاں لفظ ”موزہ“ کی حقیقت سمجھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے بعض لوگ اسے کاٹن یا ٹاول کے ان موزوں پر

محمول کرتے ہوں جو عام طور پر بچے سکولوں میں اور بڑے دفاتر میں پہن کر جاتے ہیں اس غلط فہمی کو دور کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ دین کے بعض نام لیوا اس میں حد سے زیادہ ہی سہولتیں تلاش کرنا چاہتے ہیں اور اسی تناظر میں وہ عام کپڑے کی جرابیں پہن کر اس پر مسح بھی کر لیتے ہیں اور انہی کو پہن کر نماز بھی پڑھا دیتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور اس طرح مسح کرنے سے وضو کا ایک فرض چھوٹ جاتا ہے اور وضو نہ ہونے کی وجہ سے امام کی نماز نہیں ہوتی اور امام کی نماز نہ ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کتب حدیث و فقہ میں نھین کا لفظ چمڑے کے موزوں کے لیے بولا جاتا ہے عام جرابوں کے لیے تو یہ لفظ بولا ہی نہیں جاتا اور نہ ہی حدیث میں وہ مراد ہیں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا گیا ہے کہ اگر وہ جرابیں اون کی یا کپڑے کی ہوں تو اتنی موٹی اور مضبوط ہوں کہ جوتی کے بغیر صرف انہی کو پہن کر چلنے سے وہ پھٹ نہ جائیں، لیکن عام طور پر کپڑے کی ایسی جرابیں بنتی ہی نہیں ہیں، باقی اس کی مزید شرائط اور تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

نوٹ: آگے تقریباً دس حدیثیں اسی موضوع سے متعلق نقل کی گئی ہیں، لیکن ہم صرف ان کے ترجمہ اور تخریج پر ہی اکتفاء کریں گے۔

(۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَصَلَّى خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو کیا، موزوں پر مسح کیا اور اس سے پانچ نمازیں پڑھیں۔

تخریج: حاکم: اخرج ابن ماجہ مثله: ۵۱۰۔

(۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ صَلَّى خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوَضُوءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا رَأَيْتُكَ صَنَعْتَ هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح بھی کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج سے پہلے تو کبھی آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو فرمایا کہ عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

حکایۃ غبارت: "ماراینا" باب فتح سے ماضی منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی دیکھنا "صنعت" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عمل کرنا "عمدا صنعتہ" مفعول کو حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور یہ مفعول منادی بھی ہے جبکہ "یا عمر" کے ذریعے نداء ہے۔

تخریج: اخرجہ مسلم: ۶۴۲ (۲۷۷) و ابوداؤد: ۱۷۲ و الترمذی: ۶۱ و النسائی: ۱۳۳۔

(۵۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ رَأَيْتُ

رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ مَا أَنْزَلَتْ سُورَةُ الْمَائِدَةِ۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ الجلی فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج: اخرجہ البخاری: ۳۸۷ و مسلم: ۶۲۲ (۲۷۲) و ابوداؤد: ۱۵۴ و الترمذی: ۹۳ و النسائی: ۱۱۸ و ابن ماجہ:

۵۴۳۔

(۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ رَأَى جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ

عَلَى خُفَّيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَصْنَعُهُ وَإِنَّمَا صَحِبْتُهُ بَعْدَ مَا نَزَلَتْ

الْمَائِدَةُ۔

ترجمہ: ہمام بن حارث نے ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو وضو میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں نے نبی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف سورہ مائدہ کے نزول کے بعد حاصل کیا ہے۔

تخریج: حدیث: قد مضی انفا۔

(۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ

خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ

رُومِيَّةٌ ضَيِّقَةٌ الْكُمَيْنِ فَرَفَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ ضَيْقِ كُمِّهَا قَالَ الْمُغِيرَةُ فَجَعَلْتُ أَصْبُ عَلَيْهِ

مِنَ الْمَاءِ مِنْ إِدَاوَةٍ مَعِيَ فَتَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَلَمْ يَنْزِعْهُمَا ثُمَّ تَقَدَّمَ

وَصَلَّى۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ سفر پر نکلے دوران سفر آپ ﷺ قضاء

حاجت کے لیے تشریف لے گئے، قضاء حاجت سے فارغ ہو کر جب نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جو رومی جبہ

زیب بدن کیا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، اس لیے وہ اتر نہ سکا، نبی ﷺ نے آستین کی جگہ سے اسے اوپر اٹھا لیا،

حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں اپنے پاس موجود ایک برتن سے نبی ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا، نبی ﷺ نے اسی طرح

وضو کیا جیسے آپ ﷺ نماز کے لیے کرتے تھے اور موزوں پر مسح کر لیا، انہیں اتارا نہیں، پھر آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ عَبَّاسٍ: "قضى" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا "وعليه" سے "رجع" کی کیفیت بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے "الکمین" کم کی تشبیہ ہے بمعنی آستین "اصب" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اٹھیلنا، بہانا "اداوة" برتن "لم ينزعهما" باب ضرب سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اتارنا۔

(۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ ضَيْقَةُ الْكُمَيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِهَا وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْخُفَيْنِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيْقَةُ الْكُمَيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ۔
ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ بعینہ وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔

تخریج حدیثین: اخرجہما البخاری: ۳۶۳، ومسلم: ۶۲۹، والنسائی: ۱۲۳، وابن ماجہ: ۳۸۹۔

(۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ۔
ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج حدیث: قدم التخریج سابقا۔

(۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي الْجُهَيْمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى غَزْوَةٍ فِي الْعِرَاقِ فَإِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى أَبِيكَ فَسْأَلُهُ عَنْ ذَلِكَ قَالَ فَاتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِلْغَزْوِ فَإِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا قَالَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى عُمَرَ فَسْأَلُهُ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِغَزْوَةٍ جَلُولًا فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا سَعْدُ فَقَالَ إِذَا لَقَيْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَاسْأَلْهُ قَالَ فَلَقَيْتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتَهُ بِمَا صَنَعَ فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فَصَنَعْنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى غَزْوَةِ الْعِرَاقِ فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَيْنِ فَأَنْكَرْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِي إِذَا قَدِمْتَ عَلَى عُمَرَ فَاسْأَلْهُ عَنْ ذَلِكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَيْهِ

سَأَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهُ مَا صَنَعَ سَعْدٌ فَقَالَ عَمَّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا.
 تَرْجَمًا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ کے سلسلے میں عراق آیا تو وہاں حضرت سعد بن مالک کو
 موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تم اپنے والد صاحب کے
 پاس واپس پہنچو تو ان سے اس کے متعلق پوچھنا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں واپس پہنچا تو والد صاحب سے اس
 کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہم بھی مسح
 کرتے ہیں۔

ایک روایت میں غزوہ کا نام ”جلولاء“ (مقام کی مناسبت سے) بھی مذکور ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت
 عمر فاروق نے حضرت سعد کی تصدیق کی، اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ
 تمہارے چچا (حضرت سعد) تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حَلَّيْنَا عِبَارَاتٍ: ”قدمت“ باب مسح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی آنا ”فاذا“ یہ مفا جاتیہ ہے جو
 ”اچانک“ کا معنی دیتا ہے، ”افقہ“ اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی فقیہ ہونا۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجه البخاری: ۲۰۲، وابن ماجہ: ۵۴۶، واحمد: ۱۴/۱، وابن خزيمة۔

(۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ تَنَازَعَ أَبُوهُ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي
 الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ سَعْدٌ أَمْسَحُ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ مَا يُعْجِبُنِي قَالَ سَعْدٌ فَاجْتَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ
 فَقَالَ عُمَرُ عَمَّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ سُنَّةٌ۔

تَرْجَمًا: حضرت سالم سے مروی ہے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمر) اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے درمیان موزوں
 پر مسح کے مسئلے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا، حضرت سعد فرماتے تھے کہ میں تو مسح کرتا ہوں، اور حضرت ابن عمر فرماتے تھے
 کہ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ اتفاقاً ہم دونوں حضرت عمر کی ایک مجلس میں جمع ہو گئے، (وہاں یہ مسئلہ
 رکھا گیا تو) حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تمہارے چچا تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حَلَّيْنَا عِبَارَاتٍ: ”تنازع“ باب تفاعل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑنا، اختلاف رائے کرنا
 ”فاجتمعنا“ باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی اکٹھے ہونا۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: قد مر التخریج سابقا۔

(۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَلَمْ
 يُوقِفْتَهُ۔

تَرْجَمًا: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دوران سفر موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن

اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کسی وقت کی تعیین نہیں فرمائی تھی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لم يوقتہ" باب تفعیل سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وقت معین کرنا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرج ابو داؤد مثله: ۱۵۸، وابن ماجه: ۵۵۷، والدارقطنی: ۱۹۸/۱، والطحاوی: ۴۷۳۔

(۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا لَا يَنْزِعُ خُفَّهُ إِذَا لَبَسَهُمَا وَهُوَ مُتَوَضِّئٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِنْ شَاءَ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَلْبَسَهُمَا۔

تَرْجَمَةً: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مقیم آدمی موزوں پر ایک دن اور ایک رات مسح کر سکتا ہے اور مسافر تین دن اور تین راتیں اس دوران وہ اپنے موزوں کو نہ اتارے بشرطیکہ اس نے وضو کی حالت میں انہیں پہنا ہو۔

اور ایک روایت میں مسح علی الخفین کو انسان کی مرضی پہ موقوف کیا گیا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لبسهما" باب سح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "وہو متوضی" یہ جملہ "لبس" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرج ابو داؤد: ۱۵۷، والترمذی: ۹۵، وابن ماجه: ۵۵۳، واحمد: ۲۱۴/۵، والطحاوی: ۴۸۳، واما حدیث علی الآتی فقد اخرجہ مسلم: ۶۳۹ (۲۷۶)، والنسائی: ۱۲۸، والبیہقی فی الکبری: ۲۷۲/۱، وعبدالرزاق: ۷۸۹، واحمد: ۹۶/۱، والطحاوی: ۵۰۲۔

(۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ الْأَوْدِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً۔

تَرْجَمَةً: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

(۶۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: يَمْسَحُ الْمُسَافِرُ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، وَالْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً۔

تَرْجَمًا: اس کا ترجمہ بعینہ وہی ہے جو ابھی گزرا۔

بَابُ فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُودَ

(۶۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصِيبُ مِنْ أَهْلِهِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ فَيَنَامُ وَلَا يُصِيبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاعْتَسَلَ۔

جو بحالت ناپاکی پھر جماع کرنا چاہے!

تَرْجَمًا: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے اور پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جاتے رات کے آخری حصے میں جب بیدار ہوتے اور ضرورت پر دوبارہ زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لاتے تب جا کر غسل فرماتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۷۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصِيبُ أَهْلَهُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا يُصِيبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاعْتَسَلَ۔

تَرْجَمًا: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے جب رات کے آخری حصے میں بیدار ہوتے اور دوبارہ جاتے تو فراغت پا کر غسل فرماتے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: ”یصیب“ باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچنا یہاں کنایۃ مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ”ولا یصیب ماء“ میں یہی لفظ ”چھونے“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے ”استیقظ“ باب استفعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جاگنا ”عاد“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لوٹنا۔

تَخْرِجُ حَدِيثًا: اخرجہما ابن ماجہ: ۵۸۱، و ابو داؤد: ۲۲۸، والترمذی: ۱۱۸۔

مَقْهُومٌ: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ ضابطہ مستنبط کیا ہے کہ متعدد مرتبہ کی جنابت ایک مرتبہ غسل کرنے سے دور ہو جاتی ہے یہ ضروری نہیں کہ جنابت کے اسباب جتنی مرتبہ لاحق ہوں غسل بھی اتنی ہی مرتبہ کیا جائے یہ شریعت کی طرف سے ملنے والی ایک عظیم سہولت ہے۔

البتہ یہاں یہ اشکال بعض لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور یہ اشکال اس وقت زیادہ قوی ہو جاتا ہے جب بخاری شریف کی اس روایت کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے کہ نبی ﷺ ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات

کے حقوق ادا فرما دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ غیر مسلم اسے عیاشی پر محمول کر کے پیغمبر اسلام کی عصمت پر حملہ کرتے ہیں، اس لیے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں آپ کا یہ معمول مبارک رہا ہے کہ آپ ﷺ روزانہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی مزاج پرسی فرمایا کرتے تھے اور ضروریات کے متعلق پوچھ کر ان کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

شب باشی کے لیے آپ ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی اور ہر زوجہ محترمہ کے یہاں ایک رات گزارا کرتے تھے، یہ معمول بھی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا، البتہ مرض الوفات کے ایام ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں گزارے۔

آپ ﷺ نے پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرمائے اور باری باری ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے، یہ آپ ﷺ کا معمول مبارک نہ تھا، ایک جزوی واقعہ تھا جسے نقل کرنے والے مرچ مصالحے لگا کر چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں اور اہل اسلام کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر ایسے تھے۔ والعیاذ باللہ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام آپس میں اس موضوع پر متفق تھے کہ نبی ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی، ظاہر ہے کہ ہر جنتی مرد کو سو مردوں کے برابر طاقت عطاء کی جائے گی، گویا دنیا کے سو مرد جنت کے ایک مرد کے برابر ہیں۔ اب چونکہ نبی ﷺ کو چالیس جنتی جوانوں کے برابر طاقت دی گئی تھی تو چالیس کو سو سے ضرب دینے پر چار ہزار کی تعداد حاصل ہوئی، گویا نبی ﷺ اکیلے چار ہزار مردوں پر بھاری تھے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ ہر شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے تو چار ہزار کو چار سے ضرب دینے پر سولہ ہزار کا عدد حاصل ہوا، گویا نبی ﷺ کو جو مردانہ طاقت عطاء کی گئی ہے، وہ سولہ ہزار خواتین کو ان کے حقوق ادا کر سکتی ہے، یہاں صرف نو پرا تاشور مچایا جاتا ہے کہ بہت بڑا جرم محسوس ہونے لگے۔

یہیں سے تعدد ازواج پر کیے جانے والے اعتراض کا جواب بھی مل گیا اور ایک ہی رات میں کئی بیویوں سے یا ایک ہی بیوی سے متعدد مرتبہ مباشرت پر کیے جانے والے واہیات کا جواب بھی نکل آیا۔

(۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، تَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ اگر حالت جنابت میں نبی ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے قبل نماز جیسا وضو فرمایا کرتے تھے۔

مَفْهُومٌ: "اراد" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا "ان ینام" میں "ان" مصدریہ ہے اور اصل عبارت یہ ہے "اذا اراد النوم" "وضوء ہ" مفعول مطلق ہے اور منصوب بزعم الخافض ہے اصل عبارت یہ ہے "توضا مثل وضوء ہ للصلوة"

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۲۸۸، ومسلم: ۶۹۹ (۳۰۵)، وابوداؤد: ۲۲۴، والترمذی: ۱۲۰، والنسائی: ۲۵۹،

وابن ماجہ: ۵۸۴

مَفْهُومٌ: ۱۔ اس حدیث کی وضاحت طبرانی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت میمونہ بنت سعدؓ کے حوالے سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھا کہ کیا حالت جنابت میں آدمی یوں ہی سو سکتا ہے؟ فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ وضو کیے بغیر سو جائے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر وہ اسی طرح فوت ہو گیا تو جبریل اس کے پاس نہیں آئیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں موت آنا اچھی چیز نہیں ہے لیکن عوام میں یہ جو بات مشہور ہے کہ حالت جنابت میں مرنے والا حرام موت مرا اور گنہگار ہوا اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ بے اصل اور بے سرو پا بات ہے جس کا باطل ہونا بدیہی ہے۔

اور اسی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ باب نبوت کے بند ہونے کے بعد کرۂ ارض پر جبریل کی آمد و رفت بند نہیں ہوئی، بلکہ وہ حکم رب کی تکمیل و تعمیل کے لیے اب بھی زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت فرمایا ہے کہ اختیاری طور پر جنابت لاحق ہونے کی صورت میں وضو کر لینا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس حال میں وضو کیے بغیر ہی سو جائے تب بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا، ہاں اگر طلوع فجر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا اور نماز کا وقت گزرتا رہا تا آنکہ طلوع آفتاب بھی ہو گیا تو اس پر فرشتوں کی طرف سے لعنت پھینکا شروع ہو جاتی ہے اس لیے پہلی فرصت میں ہی اپنے آپ کو پاک کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْمُؤْمِنِ لَا يَنْجُسُ

(۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَدَّ يَدَهُ إِلَيْهِ فَدَفَعَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا لَكَ قَالَ إِنِّي جُنُبٌ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ إِذَا يَدُكَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ يَنْجَسُ وَفِي رِوَايَةٍ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ۔

مومن نجس نہیں ہوا کرتا

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے میری طرف بڑھایا، لیکن میں نے ایسا

نہیں کیا، نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ میں حالت ناپاکی میں ہوں، فرمایا اپنے ہاتھ دکھاؤ، مومن کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۷۳) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَادٍ، عَنْ حُدَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَدَّ يَدَهُ إِلَيْهِ، فَأَمَسَهَا عَنْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے ترجمے کے قریب قریب ہی ہے۔

خَلِّ عِبَارَتٌ: ”مالک“ میں ما استفہامیہ ہے اور لک ضمیر مجرور متصل ہے۔ ”ارنا“ باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دکھانا۔

تخریج حدیثین: اخرج البخاری مثلہما: ۲۸۳، ومسلم: ۸۲۵ (۳۷۲) وابن ماجہ: ۵۳۵، والنسائی: ۲۶۹، والترمذی: ۱۲۱۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے زمانہ جاہلیت کے اس تصور کو سمجھنا ضروری ہے جو وہ ناپاکی کی حالت لاحق ہونے والے مرد و عورت کے ساتھ روار کھتے تھے، عورت کے ساتھ ہونے والا سلوک تو بہت ہی بدتر تھا کہ اسے اچھوت سمجھ کر گھر کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا، اس کے قریب بیٹھنا تو دور کی بات اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز تک ناپاک سمجھی جاتی تھی، مرد بھی ناپاکی حالت میں کسی کو چھونا یا ہاتھ لگانا دوسرے کو ناپاک کرنے کے مترادف سمجھتے تھے، اسی تصور کی بناء پر حضرت حذیفہؓ نے اور دوسری روایات کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے مصافحہ کرنے سے گریز کیا اور مجلس سے کھسک گئے، مبادا یہ کہ نبی ﷺ کے ہاتھ بھی ناپاک ہو جائیں۔

نبی ﷺ نے اس خیال کی اصلاح کس عجیب طریقے سے فرمائی کہ اس کے بعد کسی کے ذہن میں اس کے حوالے سے کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور اس سے یہ اصول نکل آتا ہے کہ جنابت ایک نجاست حکمیہ ہے جس سے تلاوت قرآن اور دخول مسجد کے علاوہ کوئی دوسرا کام ممنوع نہیں ہوتا، یہ نجاست انسان کے ہاتھوں، پیروں اور جسم میں اس طرح سرایت نہیں کر جاتی کہ اگر وہ ہاتھ پیر کسی اور کو لگ جائیں تو وہ بھی ناپاک ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے اس حصہ ”ان المومن لا ینجس“ سے معلوم ہوا کہ کافر نجس ہوتا ہے اور اس کی یہ نجاست حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے، یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا انما المشرکون نجس“

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُنَاوَلَةِ الْخُمْرَةِ فِي الْحَيْضِ

(۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا نَاوَلِينِي الْخُمْرَةَ فَقَالَتْ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ إِنَّ حَيْضَتِكَ لَيْسَتْ فِي يَدِكَ۔

ایام کی حالت میں چٹائی پکڑانے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا مجھے چٹائی پکڑانا، انہوں نے عرض کیا کہ میں ایام سے ہوں، فرمایا تمہاری ناپاکی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "ناولينی" باب مفاعلہ سے امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی پکڑانا "الخمرۃ" چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم: ۶۸۹ (۲۹۸) و ابوداؤد: ۲۶۱ والنسائی: ۲۷۲ وابن ماجہ: ۶۳۲ والطیالسی: ۱۴۳۰ واحمد: ۲۴۶۸۸۔

مَقْبُولٌ: گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کردہ پس منظر کو اگر ایک مرتبہ پھر پڑھ لیا جائے تو اس حدیث کا مفہوم بھی خوب واضح ہو جائے گا اور معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کی ان خزاں رسیدہ رسومات و توہمات کی کس طرح جڑ اکھاڑ پھینکی ہے اور ظلم و ستم کی ان داستانوں سے طبقہ خواتین کو خاص طور پر کس طرح نجات دلائی ہے یہ الگ بات ہے کہ آج بھی بہت سے شعبے اور ادارے "حقوق نسواں" کے نام سے کام کر رہے ہیں، نجانے وہ کون سے حقوق نسواں ہیں جو اسلام نے خواتین کو عطاء نہیں کیے اور ان اداروں کی انتھک محنتوں سے وہ انہیں مل رہے ہیں اور نجانے "حقوق نسواں" کے علمبردار "فرائض نسواں" کے لیے بھی کوئی مہم چلانا پسند کریں گے یا نہیں؟ اس لیے کہ حقوق کا نعرہ تو اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے لیکن فرائض کا نام سنتے ہی سب اپنی اپنی بغلیں جھانکنا شروع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال! اگر اس موضوع کی روایات کو اکٹھا کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورت کے ساتھ سوائے مباشرت کے اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ہنسا بولنا، ایک ساتھ لیٹنا اور سونا، تک جائز قرار دے دیا، اس کا جھوٹا بھی ناپاک قرار نہیں دیا اور اسے اچھوتوں کی طرح کسی کال کوٹھڑی میں بند نہیں کروایا۔

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح مرد کے لیے جنبی ہونا نجاست حقیقیہ نہیں، اسی طرح عورت کے لیے حائضہ ہونا بھی نجاست حقیقیہ نہیں ہے بلکہ نجاست حکمیہ ہے اور نجاست حکمیہ کا حکم نجاست حقیقیہ سے جدا ہے۔

واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنْامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ

(۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ أُمَّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَغْتَسِلُ.

اگر عورت خواب میں اس کیفیت سے دوچار ہو جس کا

سامنا مرد کو ہوتا ہے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ام سلیم نے ایک مرتبہ نبی ﷺ سے پوچھا کہ اگر مرد کی طرح عورت بھی خواب میں ناپاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی غسل کرے گی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "تری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دیکھنا مراد احتلام ہو جانا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۱۳۰، ومسلم: ۷۱۰ (۳۱۱)، وابوداؤد: ۲۳۷، والترمذی: ۱۲۲، والنسائی: ۱۹۵، وابن ماجه: ۶۰۰۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث کے مضمون میں اس وقت زیادہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جب دوسری روایات سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انصار کی ایک خاتون نے "جن کا نام روایات میں حضرت ام سلیم مذکور ہے" نبی ﷺ سے جب عورت کو احتلام ہو جانے کی صورت میں اس کا شرعی حکم دریافت کیا تو وہاں موجود ام المومنین حضرت ام سلمہ نے فرمایا ام سلیم! تجھ پر افسوس ہے تو نے تو ساری عورتوں کو رسوا کر کے رکھ دیا، بھلا عورتوں کو احتلام کہاں ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ پھر بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کے مطابق مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے ان میں سے جو غالب آجائے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہ یا بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ کا استعجاب عادت کی بناء پر ہے کہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا اور سائل کا سوال امکان کی بناء پر ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غسل کرنے کا حکم مرد و عورت دونوں کی طرف یکساں متوجہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمَّامِ

(۷۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسُّ الْبَيْتِ الْحَمَّامِ هُوَ بَيْتٌ لَا يَسْتُرُ

وَمَا لَا يُطَهَّرُ-

حمام کا بیان

تَرْجَمًا: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حمام بدترین جگہ ہے کیونکہ وہاں ستر پوشی کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ ہی پاکیزگی بخش پانی ہوتا ہے۔

حَلَّيْنِ عِبَارَتٌ: ”بنس“ فعل ذم ہے ”الحمام“ مرفوع علی الذم ہے۔ ”لا یستر“ باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا ”لا یطهر“ باب تفعیل سے مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پاک ہونا اور بعض محدثین نے اسے باب کرم سے بھی ضبط کیا ہے۔

تَجْنِیْحٌ بِخَالِئِش: اخرجہ البیہقی فی سننہ، وابن عدی فی کاملہ: ۲۶۷۹/۷، والطبرانی: ۱۰۹۲۶۔

مَقْلُوبٌ: اسلام میں طہارت و صفائی اور نظر کی حفاظت پر جو زور دیا جاتا ہے اور ذہنوں میں اس کی جواہریت بٹھائی جاتی ہے وہ کسی صاحب عقل سے پوشیدہ نہیں اسی بناء پر اسلام نے مرد و عورت کے لیے ستر کا پیمانہ اور معیار بھی مقرر کیا ہے چنانچہ مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک کا حصہ ستر میں داخل کیا ہے اور اسے چھپانا فرض ہے بلا ضرورت شدیدہ جیسے علاج معالجہ اسے کھولنا سخت حرام ہے جبکہ عورت کے لیے پورا جسم ہی ستر ہے ہاتھ چہرہ اور دونوں پاؤں ستر میں داخل نہیں اور ان کے کھلا رہنے کی صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی۔

”اس زمانے میں غسل کے لیے بنائے جانے والے حماموں میں پردہ کا مکمل انتظام نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے ہی مکمل برہنہ ہو کر اپنی حاجت پوری کرتے تھے اور غسل کر کے باہر نکلتے تھے بعض اوقات خواتین بھی وہاں غسل کے لیے چلی جاتی تھیں اور یوں بہت زیادہ بے پردگی ہوتی تھی پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہاں موجود پانی بھی صاف نہیں ہوتا تھا جس سے طہارت اور پاکیزگی کا حصول تو رہا ایک طرف، لانا پاکی اور گندگی لے کر لوگ لوٹتے تھے ان ساری قباحتوں کے پیش نظر نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی اور خواتین کے لیے وہاں جانا بالکل ممنوع قرار دے دیا اور مردوں کو جسم کا نچلا حصہ ڈھکے بغیر وہاں جانے سے منع فرما دیا۔

موجودہ زمانے میں بھی اگر کہیں غسل خانوں اور حماموں کی ایسی ہی صورت حال ہو تو وہاں بھی یہ حکم ہے تاہم عام طور پر شہروں میں مردوں کے لیے اب جو حمام بنائے گئے ہیں ان میں پردہ کی حفاظت بھی ہے پانی بھی صاف ہوتا ہے اور بد نظری بھی نہیں ہوتی اس لیے وہاں غسل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اگر طبعی طور پر کسی شخص کا دل نہ مانے تو وہ بات جدا ہے۔

بَابُ فَرَكِ الْمَنِيِّ

(۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ نَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کپڑوں سے مادہ منویہ کو کھرچ دیا کرتی تھی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "افرك" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھرچنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: أخرجه البخاری: ۲۲۹، ومسلم: ۶۶۹ (۲۸۸)، وابوداؤد: ۳۷۲، والترمذی: ۱۱۶، والنسائی: ۲۹۷،

وابن ماجه: ۵۳۷۔

مَقْهُوْمٌ: نسل انسانی کی بقاء اور ترویج کے لیے اللہ نے انسانی جسم میں توالد و تناسل کے جو اسباب پیدا فرما رکھے ہیں ان میں سے ایک اہم سبب وہ مادہ حیات بھی ہے جو دنیا میں ایک نئے وجود کے آنے کا سبب بنتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت بہت سے نوجوان اس کی شدت اور حدت سے تنگ کر آ کر کبھی اپنی جنس مخالف کو اپنے جذبات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں کبھی اپنے ہم جنس کو آتش شوق میں جلا دیتے ہیں اور کبھی اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں انہی حقائق کو سامنے رکھ کر اسلام نے "نکاح" کی تجویز پیش کی ہے۔

فقہاء کرام کا اس بات میں اختلاف رہا ہے کہ یہ مادہ حیات پاک ہے یا ناپاک؟ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے اس کی طہارت کی ہے اور امام ابو حنیفہ و امام مالک اس کی نجاست کے قائل ہیں اول الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دارقطنی کی روایت کے مطابق حضرت ابن عباس سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کپڑے کو تھوک لگ جائے ظاہر ہے کہ تھوک ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرے گا۔

جبکہ مؤخر الذکر حضرات کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں نجاست (مادہ منویہ) لگے کپڑے دھونے یا کھرچنے کا ذکر ہے۔ یہاں آ کر ان دو حضرات کے درمیان معمولی سا اختلاف رائے رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ امام صاحب نجاست کے نشانات کپڑے پر لگ جانے کی صورت میں اسے کھرچ دینا بھی جائز سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ نجاست گاڑھی ہو اور اسے کھرچنا ممکن بھی ہو جبکہ امام مالک بہر حال اسے دھونا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ہم صرف ایک بات کہہ کر فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ فقہ کا یہ مسلمہ

اصول اور ضابطہ ہے کہ خروج نجاست سے طہارت زائل ہوتی ہے، خروج طاہر سے طہارت زائل ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں، پھر اگر مادہ حیات نجس نہیں ہے تو اس سے طہارت کیسے زائل ہوئی اور اس پر وجوب غسل چہ معنی دارد؟

(۷۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ أَنَّ رَجُلًا أَضَافَتْهُ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ بِمِلْحَفَةٍ فَالتَّحَفَ بِهَا اللَّيْلَ فَاصَابَتْهُ جَنَابَةٌ فَغَسَلَ الْمِلْحَفَةَ كُلَّهَا فَقَالَتْ مَا أَرَادَ بِغَسْلِ الْمِلْحَفَةِ إِنَّمَا كَانَ يُجْزِيهِ أَنْ يَفْرُكَهُ لَقَدْ كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ تَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ۔

ترجمہ: ہمام بن جارث کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عائشہ کے مہمان خانہ میں ٹھہرا، حضرت عائشہ نے سردی سے بچاؤ کے لیے اسے لحاف بھجوا دیا جسے اس نے رات کو اوڑھ لیا، اتفاقاً رات کو اسے خواب آ گیا جس کے نشانات اس لحاف پر بھی لگ گئے، اس شخص نے احتیاطاً سارا لحاف ہی دھو ڈالا، حضرت عائشہ صدیقہ کو پتہ چلا تو فرمایا لحاف دھونے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس کے نشان کھرچ کر صاف کر دیتا، میں بھی نبی ﷺ کے کپڑوں سے اس کے نشانات کھرچ کر مٹا دیا کرتی تھی اور نبی ﷺ اسی میں نماز پڑھ دیتے تھے۔

حَلَالٌ عِبَارَاتٌ: "اضافہ" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی مہمان نوازی کرنا۔ "ملحفة" اسم آلہ کا صیغہ واحد مؤنث ہے بمعنی اوڑھنے کا آلہ، مراد لحاف ہے "التحف" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لحاف اوڑھنا، "یجزیہ" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کافی ہونا۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: أخرجه مسلم: ۶۶۸ (۲۸۸) و ابوداؤد: ۳۷۱ و الترمذی: ۱۱۶ و النسائی: ۲۹۸ و ابن ماجه: ۵۳۸ و احمد: ۲۴۶۵۹ و الدارقطنی: ۱۲۵/۱ و الطحاوی: ۲۵۳ و ابن خزيمة: ۲۸۸۔

مَقَالَةٌ: اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث کے مضمون جیسا ہے، البتہ یہاں امام طحاویؒ کا ایک عمدہ عقلی استدلال ذکرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ امام طحاویؒ نے طہارت منی کے قائلین کے دلائل اور احادیث و آثار ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ عام طور پر آدمی رات کو کپڑے بدل کر سوتا ہے اور جب وہ گھر سے باہر جاتا ہے تو کپڑے بدل کر جاتا ہے یعنی سونے کے کپڑے علیحدہ ہوتے ہیں اور جاگنے کے علیحدہ، اگر کسی روایت میں نجاست لگے کپڑے دھونے کی نفی کی گئی ہے تو وہ رات کو سوتے وقت پہننے والے کپڑوں کے بارے میں ہے، اور ظاہر ہے کہ سونے کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری نہیں اور جن روایات میں نجاست لگے کپڑے دھونے یا کھرچنے کا حکم آتا ہے وہ نماز کے کپڑوں پر محمول ہیں۔

بَابُ أَيَّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهَرَ

(۷۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَيَّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ

جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی

ترجمتاً: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کھال کو دباغت دے دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: "أَهَابُ" كَمَا كُتِبَ فِيهَا "دَبِغٌ" بَابُ فَتْحٍ مِنْ فَعْلٍ مَاضٍ مَجْهُولٍ كَمَا صِيغَهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى دَبَاغَتٍ دِينَا "طَهْرٌ" بَابُ كَرَمٍ مِنْ فَعْلٍ مَاضٍ مَعْرُوفٍ كَمَا صِيغَهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى پَاكٍ هُوْنَا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ: ۸۱۲ (۳۶۶) وَابْنُ مَاجَهَ: ۳۶۰۹ وَالتَّرْمِذِيُّ: ۱۷۲۸ وَالنَّسَائِيُّ: ۴۲۴۶ وَالبُخَارِيُّ: ۱۴۹۲ وَاحْمَدٌ: ۱۸۹۵۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے دباغت کی تعریف ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے

"هِيَ اِزَالَةٌ مَا فِي الْجِلْدِ مِنَ النَّتْنِ وَالْفَسَادِ"

"کھال میں موجود بدبو اور گندگی کو دور کرنا۔"

دباغت کی فقہاء نے دو قسمیں لکھی ہیں۔ (۱) دباغت حقیقی (۲) دباغت حکمی۔ اور دونوں میں فرق یہ لکھا ہے کہ اگر کسی جانور کی کھال اور اس کے چمڑے کو دھوپ میں یا مٹی میں رکھ کر خشک کر لیا جائے تاکہ اس کی بدبو وغیرہ زائل ہو جائے تو اسے دباغت حقیقی کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کا غیر مصنوعی طریقہ ہے اور اگر دواؤں اور کیمیکلز کے ذریعے اس کی بدبو وغیرہ کو زائل کیا جائے تو اسے دباغت حکمی کہتے ہیں جیسا کہ آج کل کپڑے اور جوتے کی بڑی بڑی فیکٹریوں میں ہوتا ہے۔

دباغت کی ان دونوں صورتوں سے مردہ جانور کا چمڑا بھی قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ کتے کی کھال بھی اس کے ذریعے پاک کی جا سکتی ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی چیز کے پاک ہونے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پاک ہونے کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اگر وہ کھال انسان کے جسم یا کپڑوں کو لگ جائے تو انسان ناپاک نہیں ہوگا اور حلال کا مفہوم یہ ہے کہ اسے کھانا بھی جائز ہوئے کتے کی کھال دباغت سے پاک تو ہو جاتی ہے، حلال نہیں ہوتی، اور خنزیر کی کھال پاک ہوتی ہے اور نہ ہی حلال، کیونکہ اس کے نجس العین ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

(۸۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَيْتَةٍ لِسُودَةٍ فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا لَوْ انْتَفَعُوا بِهَا فَسَلَخُوا جِلْدَ الشَّاةِ فَجَعَلُوهُ سِقَاءً فِي الْبَيْتِ حَتَّى صَارَتْ شَاةً۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کا گزرا ایک مردہ بکری پر ہوا، جو حضرت سودہؓ کی ملکیت میں تھی، نبی ﷺ نے فرمایا اگر اس کے مالک اس سے فائدہ اٹھا لیتے تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ انہوں نے اس بکری کی کھال اتار کر گھر میں ایک مشکیزہ کے طور پر رکھ لیا تا آنکہ وہ پرانا ہو گیا۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: ”مر“ باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا ”لسودة“ کا تعلق ”شاة“ کے ساتھ ہے یعنی وہ بکری حضرت سودہؓ کی تھی ”انتفعوا“ باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فائدہ حاصل کرنا ”فسلخوه“ باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھینچ لینا ”سقاء“ مشکیزہ ”شنا“ پرانا ہو جانا۔

تَجْنِيحٌ حَدِيثٌ: اخرجہ البخاری: ۶۶۸۶، و مسلم: ۸۰۶ (۳۶۳)، والنسائی: ۴۲۴۵، واحمد: ۴۲۹/۶۔

مَقْلُوبٌ: گزشتہ تقریر سے اس حدیث کا مضمون بھی خوب واضح ہو گیا۔

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

(۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ صَلَّى صَلَوةً فَخَفَّفَهَا وَأَكْثَرَ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَوةَ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ أَلَمْ أَتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ بَلَى قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَجَدَ لِلَّهِ سَجْدَةً رَفَعَ بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ تُؤْتِي لِي دَرَجَاتٌ أَوْ تُكْتَبَ لِي دَرَجَاتٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَمَّنْ حَدَّثَهُ أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي ذَرٍّ بِالرَّبْدَةِ وَهُوَ يُصَلِّي صَلَوةً خَفِيفَةً يُكْثِرُ فِيهَا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا سَلَّمَ أَبُو ذَرٍّ قَالَ لَهُ الرَّجُلُ تُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَوةَ وَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَجَدَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَلِذَلِكَ أَكْثَرُ فِيهَا السُّجُودَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ ہلکی پھلکی نماز پڑھی اور کثرت سے رکوع اور سجدہ کیے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کہنے لگا کہ آپ صحابی رسول ﷺ ہو کر اتنی ہلکی پھلکی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا کیا میں نے رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کیا؟ اس نے کہا کیوں نہیں! فرمایا کہ پھر میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اللہ

کی رضا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے میری خواہش ہوئی کہ میرے لیے کئی درجات کا فیصلہ کیا جائے ایک روایت میں اس جگہ کا نام صراحتہ ربذہ بتایا گیا ہے جہاں حضرت ابو ذر غفاریؓ نماز پڑھ رہے تھے۔

حَلَّ عِبَارَتٍ: "فخففها" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تخفیف کرنا "اکثر" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کثرت کرنا "الم اتم" ہنمزۃ استفہامیہ ہے اور "لم اتم" باب افعال سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مکمل کرنا۔ "تؤتی" باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دینا "اکثر" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مذکورہ۔

تَجْرِيحُ حَلِّ عِبَارَتٍ: اخرج مسلم مثله: ۱۰۹۳ (۴۸۸) والترمذی: ۳۸۸ والنسائی: ۱۱۴۰ وابن ماجه: ۱۴۲۳، واحمد قریباً من هذا السياق: ۲۱۶۳۳۔

مَفْهُومٌ: ۱۔ کتاب الطہارۃ مکمل ہونے کے بعد یہاں سے "کتاب الصلوٰۃ" شروع ہو رہی ہے جس میں نماز کے متفرق احکام زیر بحث آئیں گے اور ان دونوں کا باہمی ربط واضح ہے کہ جب ایک شخص اپنے آپ کو جسمانی طور پر گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک کر چکا تو اب روحانی پاکیزگی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے اس لیے کتاب الطہارۃ کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو رکھا۔

۲۔ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہونا اور اس کی جملہ تفصیلات تو معلوم ہیں اس کے لیے دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور عالم آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ"

اور جسے قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے اسی طرح ترک نماز کی مذمت اور اس پر دی جانے والی وعیدیں بھی جو آیات قرآنی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں نماز کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح ذخیرۃ حدیث میں بھی اس نوعیت کی بے شمار احادیث بکھری پڑی ہیں چنانچہ کہیں فرمایا گیا

"اول ما افترض علی امتی الصلوٰۃ الخمس، واول ما یرفع اعمالہم الصلوٰۃ الخمس، واول ما یسئلون عن الصلوٰۃ الخمس" (رواہ الحاکم)

اور کہیں فرمایا گیا

"العہد الذی بیننا و بینہم الصلوٰۃ فمن ترکها فقد کفر" (رواہ احمد، والترمذی، والنسائی، وابن ماجه) اسی طرح طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے وقت اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اے اولادِ آدم! اس آگ کی طرف کھڑے ہو جاؤ جس سے تم اپنے نفسوں کو جلا چکے ہو اور اسے نماز کے ذریعے بجھاؤ۔

اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ فرضیت نماز کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے؛ البتہ تارک صلوٰۃ کو خواہ وہ متعمدا ہی کیوں نہ ہو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، ہاں اس کے گنہگار ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔

۳۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ذر غفاریؓ کا شمار ان درویش اور خدامست صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو اپنے پاس سونا چاندی اور روپیہ پیسہ رکھنا حرام سمجھتے تھے اور رات ہونے سے پہلے اسے خرچ کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو ایسا نہ کرتا اس سے ناراض ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل بہت سے لوگوں کو ناگوار گزرتا تھا، یوں بھی شریعت نے اس معاملے میں اتنی سختی نہیں کی، اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ہر شخص کے مال کو پاک قرار دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کا عمل بھی اسوۂ پیغمبر کے عین مطابق تھا۔

انہوں نے دیکھ رکھا تھا کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے، مصلیٰ پر کھڑے ہوئے، مؤذن اقامت کہہ چکا، لیکن آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہنے کی بجائے صفوں کو چیرتے ہوئے اپنے حجرہ مبارک کی طرف چلے گئے، لوگ حیران تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لیکن کسی میں بولنے کی جرأت نہیں تھی، تھوڑی دیر بعد نبی ﷺ خود ہی تشریف لے آئے اور نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ تم لوگ یقیناً حیران ہو رہے ہو گے، بات اصل میں اتنی تھی کہ گھر میں چاندی کا کچھ حصہ پڑا ہوا تھا، میں اسے خرچ کیے بغیر بارگاہ خداوندی میں کس طرح حاضر ہوتا؟ اس لیے پہلے جا کر اسے صدقہ کیا، پھر تمہیں نماز پڑھانے آیا۔

یہ اور اس قسم کے واقعات حضرت ابو ذر غفاریؓ کے دل دماغ پر نقش ہو چکے تھے، اس لیے وہ اپنے پاس بھی کچھ نہیں رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی کچھ نہیں رکھنے دیتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے ان کی شکایت کر دی، انہوں نے حضرت ابو ذرؓ کو مدینہ منورہ بلا لیا، لیکن یہاں بھی ان کی روش میں تبدیلی نہ آئی اور بالآخر انہیں مدینہ منورہ کے قریب ایک جنگل اور صحراء میں جس کا نام ”ربذہ“ تھا، رہائش اختیار کرنا پڑی اور نبی ﷺ اس حوالے سے پہلے ہی پیشین گوئی فرما چکے تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا اور یہیں تدفین ہوئی آپ کا اصل نام ”جندب بن جنادہ“ تھا۔

۴۔ فقہاء کرام نے اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط کیے ہیں، ایک تو ”تخفیف صلوٰۃ“ یعنی اگر کوئی شخص امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو صرف اپنے یا چند لوگوں کے شوق کو مد نظر رکھ کر نماز اتنی طویل نہ کر دے کہ مقتدیوں میں سے کمزور، بیمار اور ضرورت مند لوگ پریشان ہو جائیں، ظاہر ہے کہ کمزور اور بیمار تو طبعی طور پر زیادہ لمبی نماز کی سکت نہیں رکھتے اور جس شخص کو کوئی ضروری کام درپیش ہو اور وہ نماز کا وقت آجانے پر نماز میں شریک ہو جائے تو وہ نماز لمبی ہونے کی صورت میں دل ہی دل میں امام صاحب کو برا بھلا کہہ رہا ہوگا اور اس کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف ہی مرکوز ہوگی۔

بعض ائمہ کو دیکھا گیا ہے کہ ان کا رکوع اتنا طویل ہوتا ہے کہ تسبیحات رکوع تین مرتبہ نہیں، درمیانی رفتار سے تیرہ

مرتبہ بھی کہہ لی جائیں تب بھی ان کا رکوع ختم نہیں ہوتا، سجدہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ اچھے بھلے انسان کے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے اور جس کے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیے! امامت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ امام مقتدیوں کا خیال رکھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لمبی نماز پڑھانے پر تین مرتبہ فرمایا تھا ”افتان انت؟“ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کا خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض اوقات میں اپنی نماز صرف اس وجہ سے مختصر کر دیتا ہوں کہ میرے کانوں میں کسی بچے کے رونے کی آواز پڑتی ہے، میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ماں کا ذہن نماز کی بجائے اپنے بچے کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اس کا دل اسی میں اٹکا رہے گا، میں اس کی خاطر نماز مختصر کر دیتا ہوں، اس عملی حکم کے ساتھ ساتھ قوی حکم بھی ارشاد فرمایا ہے۔

من ام منکم فلیخفف، فان فیہم الضعیف والکبیر وذاالحاجة۔

اور دوسرا مسئلہ جو اس حدیث میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے یہ ہے کہ تطویل نماز افضل ہے یا تکثیر نماز؟ یعنی مثلاً آدھے گھنٹے میں دو رکعتیں لمبی لمبی پڑھنا زیادہ افضل ہے یا بیس مختصر مختصر رکعتیں پڑھنا زیادہ افضل ہے؟ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں کیت کے اعتبار سے کمی اور کیفیت کے اعتبار سے بڑھوتری ہوگی اور دوسری صورت میں مقدار زیادہ ہوگی اور اس کی کیفیت میں کمی آجائے گی۔

لیکن معتدل رائے یہ ہے کہ دن کے وقت میں تکثیر نماز زیادہ افضل ہے اور رات کے وقت میں تطویل نماز زیادہ افضل ہے، یہی وجہ ہے کہ ذخیرہ حدیث میں جتنی بھی روایات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز طویل ہونے کو ثابت کرتی ہیں، ان سب کا تعلق رات سے ہے، دن سے نہیں، رہی نماز کسوف کے لمبا ہونے کی بات تو وہ ایک حادثاتی اور اتفاقی واقعہ ہے، اسے عام حالات کا حکم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بَابُ مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةٌ

(۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةٌ۔

ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ستر ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ شرمگاہ ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”السرة“ ناف کو کہتے ہیں ”رکبة“ گھٹنے کو کہتے ہیں ”عورة“ چھپانے کی چیز۔

تخریج حنیف: اخرج البخاری تعلیقاً مثله فی باب ما یذکر فی الفخذ، وابوداؤد: ۴۰۱۴، والترمذی: ۲۷۹۶، والطیالسی: ۱۱۷۶، والحاکم: ۶۴۶۶۔

مفہوم: اسلام سراسر حیا اور پاکیزگی کا دین ہے اس نے بے حیائی کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکا ہے اور گندگی و غلاظت کو طہارت و پاکیزگی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ جس قوم نے لباس اور ستر کے معاملے میں اسلامی احکام کو دل و جان سے اپنایا ہے اس قوم کی پاکیزگی پر تاریخ کبھی انگلی نہیں اٹھا سکی اور جس قوم نے بھی اسے مستحکم خیز قرار دے کر پس پشت ڈالا وہ جنسی بے راہ روی کی گہری دلدل میں جا دھنسی۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی جسمانی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان دونوں کے لیے ستر کے احکام ایک جیسے ہونا ہدایت عقل کے بھی خلاف ہے اور کوئی بھی عقل مند اس نظریے کو اختیار نہیں کر سکتا، اسی جسمانی ساخت کے پیش نظر مرد کے لیے ستر یعنی جسم کا وہ حصہ جسے دوسروں کی نظروں سے چھپانا اور پوشیدہ رکھنا فرض ہے، ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے اور عورت کے لیے سوائے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے باقی پورا جسم چھپانا فرض ہے۔

اب یہ سوچنا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ننھے منے معصوم بچوں کو گرمی کے موسم میں اتنا چھوٹا نیکر پہنا کر سکول بھیجتے ہیں جس سے ان کا گھٹنا ہی نہیں، ران بھی جھلک رہی ہوتی ہے اور بچے تو رہے ایک طرف، بزعم خویش ہمارا پڑھا لکھا طبقہ ہاتھوں میں کتوں کی رسیاں پکڑ کر صبح باغ کی سیر کے لیے تشریف لے جاتا ہے تو اس کی کیفیت بھی بعینہ یہی ہوتی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ ترک فرض کے زمرے میں نہیں آتا؟ کیا یہ سرعام بے حیائی کو فروغ دینا اور اس کی دعوت کو عام کرنا نہیں ہے؟ اور کیا یہ معاشرے کو غلاظت اور گندگی کے مہیب سایوں میں دھکیل دینے والی بات نہیں ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِي جَوَازِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

(۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ أَمَّهُمْ فِي قَمِيصٍ وَاحِدٍ وَعِنْدَهُ فَضْلٌ ثِيَابٍ يُعَرِّفُنَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَبُو قُرَّةَ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يُصَلِّي الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ۔ قَالَ أَبُو قُرَّةَ فَسَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَذْكُرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ۔

ایک کپڑے میں نماز کے جواز کا بیان

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جابر نے ایک ہی قمیص میں انہیں نماز پڑھائی، حالانکہ ان کے

پاس زائد کپڑے موجود تھے درحقیقت وہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مسنونہ سکھانا چاہتے تھے۔

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آدی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے ہر شخص کو دو کپڑے مہیا ہو جاتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص کو دو کپڑے نہیں ملتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۸۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لِأَبِي الزُّبَيْرِ غَيُّو الْمَكْتُوبَةَ قَالَ الْمَكْتُوبَةُ وَغَيْرُ الْمَكْتُوبَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اسی طرح کہ اسے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا، کسی شخص نے راوی حدیث ابو الزبیر سے پوچھا کہ یہ حکم فرض نمازوں کے علاوہ کے لیے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ فرض اور غیر فرض سب کو شامل ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "امهم" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امامت کرنا "يعرفنا" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچان کرانا "يجد" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا۔ "متوشحاً" باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی لپیٹ لینا "المكتوبة" باب نصر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مؤنث ہے بمعنی لکھی ہوئی اور مراد فرض نماز ہے۔

تَجْنِيزُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۳۵۸، ومسلم: ۱۱۴۸ (۵۱۵) وابوداؤد: ۶۲۵، وابن ماجه: ۱۰۴۷ والنسائی: ۷۶۴۔

تَجْنِيزُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری: ۳۵۳، ومسلم: ۱۱۵۶ (۵۱۸) وابوداؤد: ۶۲۸، والترمذی: ۳۳۹، وابن ماجه: ۱۰۴۹، والنسائی: ۷۶۵۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں ایک قمیص یا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز منقول ہے جو بظاہر گزشتہ حدیث کے ضمن میں کی گئی ہماری تقریر کے خلاف محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ صرف قمیص پہن کر نماز پڑھنے سے جسم کے پوشیدہ اعضاء کا مستور رہنا ناممکن ہے بالخصوص رکوع اور سجدے کی حالت میں تو جسم کا مستور رہنا ممکن ہی نہیں؟

اس لیے محدثین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی بہت وافر مقدار لوگوں کے پاس نہیں ہوتی تھی ظاہر ہے کہ نماز تو فرض ہے اس لیے بیان جواز کے لیے ایک قمیص یا کپڑے میں اسے اچھی طرح جسم پر لپیٹ کر نماز پڑھی گئی۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کے

درمیان اس مسئلے پر اختلاف رائے ہو گیا، حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے کہ ہم نے خود نبی ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں کئی نمازیں پڑھی ہیں اور یہ سنت سے ثابت ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کے پاس کپڑوں کی قلت ہوتی تھی، جب اللہ نے وسعت اور کشادگی عطاء فرمائی ہے تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔

گویا ایک قمیص میں نماز پڑھنا ”بیان جواز“ کے لیے تھا، لیکن اصل مسئلہ اس توجیہ کی موجودگی میں بھی حل نہیں ہوتا کہ کیونکہ جب عورت غلیظہ دوران نماز مستور نہ رہے تو نماز کا فاسد ہو جانا ایک بدیہی بات ہے، پھر بیان جواز چہ معنی دارد؟ اس لیے ناکارہ کے ذہن میں اس کی صاف اور بے غبار صورت یہ آتی ہے کہ اہل عرب جو قمیص پہنتے ہیں، وہ ہندوستانی قمیصوں سے دو طرح مختلف ہوتی ہے، ایک تو وہ اس قدر لمبی ہوتی ہے کہ بعض اوقات ٹخنوں سے بھی نیچے جا رہی ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا گھیرا دونوں طرف سے سلا ہوا ہوتا ہے، آج بھی اہل عرب اسی طرح کی قمیص پہنتے ہیں اور اس صورت میں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ قمیص کا لفظ سن کر ہمارے ذہنوں میں ہندوستانی اور پاکستانی قمیص کا تصور آتا ہے لیکن اگر اسے عرب کے ماحول کے مطابق دیکھا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَوَاقِئِهَا

(۸۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ جَابِرِ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ فِي مَوَاقِئِهَا۔

نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا۔

حَدِيثُ جَابِرٍ: ”العمل“ پر الف لام جنسی ہے اور سوال کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی جنس میں سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ ”مواقیتہا“ میقات کی جمع ہے بمعنی وقت۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری: ۵۲۷، ومسلم: ۲۵۲ (۸۵)، والترمذی: ۱۷۳، والنسائی: ۶۱۱۔

مفہوم: اس حدیث کے مطابق ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا عمل کون سا ہے؟ نبی ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وقت مقررہ پر نماز ادا کرنا، لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز کو وقت مقررہ پر پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے جبکہ بعض احادیث میں غریب کو کھانا کھلانا سب سے افضل

عمل قرار دیا گیا ہے کہیں کسی چیز کو اور کہیں کسی چیز کو ظاہر بات ہے کہ ”سب سے افضل“ ہونا تو کسی ایک عمل کی خصوصیت ہو سکتی ہے مختلف اعمال سب سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟

شرح حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ آسان جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جس حکمت اور بصیرت و دانائی سے مالا مال فرما رکھا تھا اسے کام میں لا کر موقع محل کے مطابق جواب دینا آپ ﷺ کی خصوصیت بن چکا تھا اور آپ ﷺ سائل کے حالات کو مد نظر رکھ کر اس کے سوال کا جواب ارشاد فرماتے تھے۔

بلاشبہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس ایک ہی مرض کے دو یا زیادہ مریض آتے ہیں ان کا مرض بھی ایک ہوتا ہے اور عوارض بھی ایک جیسے لیکن ڈاکٹر ان میں سے ہر ایک کے لیے جدا نسخہ لکھتا ہے اور مختلف طریقوں سے علاج کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ان کی طبیعت اور حالات سے واقف ہوتا ہے اس لیے وہ اس بات کو بہتر طریقے سے سمجھتا ہے کہ کس کے لیے کون سا نسخہ زیادہ بہتر ہے؟

بس اسی طرح سمجھ لیجیے کہ نبی ﷺ بھی سائل کے حالات کو مد نظر رکھ کر جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ وقت مقررہ پر نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے اس کے لیے وقت مقررہ پر نماز پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت مال و دولت خرچ کرنے میں بے حد محتاط واقع ہوئی ہے اس کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا سب سے افضل عمل قرار دے دیا غرضیکہ جہاں جس نوعیت کے جواب کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں وہی جواب ارشاد فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْإِسْفَارِ بِالصُّبْحِ

(۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اسْفِرُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ الثَّوَابِ۔

اسفار کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صبح کی نماز خوب روشنی کر کے پڑھا کرو کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَمْرٍو: "اسفروا" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی روشنی کرنا۔

تصحیح حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۴۲۴، والترمذی: ۱۵۴، وابن ماجہ: ۶۷۳، والنسائی: ۵۵۰، واحمد: ۴۶۵/۳۔

مفہوم: بنیادی طور پر نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے اس وقت کے درمیان جب بھی نماز فجر ادا کر لیا جائے خواہ اول وقت میں یا درمیان وقت میں یا آخر میں وہ ادا ہو جائے گی لیکن طلوع آفتاب

کے بعد پڑھی جانے والی نماز فجر کو ادا نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے قضاء کہا جائے گا۔

گویا نماز فجر کے لیے وقت جواز تو طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے باقی رہا وقت مستحب سو وہ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسفار کی حالت میں نماز فجر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب روشنی چاروں طرف پھیل جائے تب نماز فجر شروع کی جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوا اور امام صاحب نے لمبی قراءت شروع کر دی تو سورج نکل آنے کا اندیشہ ہوگا۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا جو گہرا مہیب اور تاریک سایہ ہے وہ دور ہونا شروع ہو جائے اور اس کی جگہ روشنی نمودار ہونے لگے تو نماز فجر ادا کر لی جائے تاکہ جب نماز فجر ادا کر کے باہر نکلیں تو خوب اچھی طرح روشنی ہو چکی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ تَفُوْتُهُ صَلَوَةُ الْعَصْرِ

(۸۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَىٰ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَكِّرُوا بِصَلَوَةِ الْعَصْرِ۔
وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَكِّرُوا بِصَلَوَةِ الْعَصْرِ۔
وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَكِّرُوا بِصَلَوَةِ الْعَصْرِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ، فَإِنَّ مَنْ فَاتَهُ صَلَوَةُ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔

نماز عصر کے قضا ہو جانے پر وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز عصر جلدی ادا کر لیا کرو ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس دن ابر چھایا ہوا ہو اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے گویا اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس حدیث کے آخری جملے سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَىٰ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ فَاتَهُ صَلَوَةُ الْعَصْرِ، فَكَانَ مَاتًا وَتَرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے گویا اس سے اس کے اہل خانہ اور اس کا مال و دولت چھین لیا گیا۔

حاشیہ: ”بکروا“ باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جلدی کرنا ”غیم“ بادل کو کہتے ہیں ”فاتہ“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رہ جانا، فوت ہو جانا ”تغرب“ باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈوب جانا ”حبط“ باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد

مذکر غائب ہے بمعنی ضائع ہو جانا "وتر" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ہلاک ہو جانا۔

تجزیح حدیث اول: اخرجہ البخاری: ۵۵۳، والنسائی: ۴۷۳، وابن ماجہ: ۶۹۴، واحمد: ۳۶۱/۵، والاحادیث فی

معناہ کثیرہ۔

تجزیح حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۵۵۲، ومسلم: ۱۴۱۹ (۶۲۶)، وابوداؤد: ۴۱۴، والترمذی: ۱۷۵، والنسائی:

۵۱۳، وابن ماجہ: ۶۸۵۔

مفہوم: بنیادی طور پر ان دونوں حدیثوں میں نماز عصر کی اہمیت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کیونکہ اکثر علماء کرام کی رائے کے مطابق وہ "صلوٰۃ وسطی" جس پر خصوصیت کے ساتھ محافظت کا قرآن کریم میں حکم آیا ہے اس سے نماز عصر ہی مراد ہے اور پھر ویسے بھی کاروباری اعتبار سے یہ وقت بہت زیادہ مصروفیت کا ہوتا ہے اس لیے اس کی اہمیت جتانے کے لیے فرمایا کہ کاروبار میں منہمک ہو کر نماز عصر کی ادائیگی سے غافل نہ ہو جانا اس لیے کہ تم کاروبار کے ذریعے اپنے جس مال و دولت کو بڑھانا چاہتے ہو دس منٹ کے اس مختصر سے عرصے میں تمہارے مال میں اتنا اضافہ نہیں ہوگا جتنی برکت نماز عصر کو ترک کر دینے سے چھین لی جائے گی اس لیے اس میں غفلت مت کرنا خواہ تمہیں اس کی ادائیگی اول وقت میں ہی کرنا پڑے۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو اس کی وضاحت یہ ہے البتہ فقہاء کرام کے لیے یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز عصر کو جلدی پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں تاخیر کا حکم بھی دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ بیک وقت دونوں طرح کی روایات پر عمل نہیں ہو سکتا اس لیے جو فقہاء تعجیل عصر کے قائل ہیں وہ تاخیر پر دلالت کرنے والی روایات میں توجیہ کرتے ہیں اور جو فقہاء تاخیر عصر کے قائل ہیں وہ تعجیل پر دلالت کرنے والی روایات میں تاویل کرتے ہیں۔

لیکن اس کا بہترین حل ذخیرہ حدیث میں اس موضوع کی احادیث میں خود ہی مل جاتا ہے چنانچہ خود بخاری میں بھی جہاں تعجیل عصر کی روایت نقل کی گئی ہے وہاں "فی یوم غیم" کی قید موجود ہے جس سے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں کسی کی بھی دو رائیں نہیں ہیں کہ جس دن آسمان ابر آلود ہو اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لی جائے، گویا تعجیل عصر کا حکم "یوم غیم" کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں تاخیر عصر ہی مسنون ہے۔

لیکن یاد رہے کہ نماز عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ وقت مکروہ داخل ہو جائے اور سورج پیلا پڑنا شروع ہو جائے، ذخیرہ حدیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے منافقین کا طرز عمل قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّاعَاتِ الَّتِي نُهِيَ عَنْهَا الصَّلَاةُ فِيهَا

(۸۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْغَدْوَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ وَلَا يُصَامُ هَذَا الْيَوْمَانِ الْأَضْحَى وَالْفِطْرَ وَلَا تُشَدُّ الرَّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَإِلَى مَسْجِدِي هَذَا وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ۔

نماز کے اوقات ممنوعہ کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے اسی طرح عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے ان دو دنوں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ نہ رکھا جائے سوائے تین مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف خصوصیت کے ساتھ رخت سفر نہ باندھا جائے۔ (۱) مسجد حرام (۲) مسجد اقصیٰ (۳) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی ﷺ) اور کوئی عورت دو دن کی مسافت کسی محرم کے بغیر سفر طے نہ کرے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "لا یصام" باب نصر سے فعل مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روزہ رکھنا "لا تشد" باب نصر سے مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی باندھنا "لا تسافر" باب مفاعلہ سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سفر کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث له اربعة اجزاء، فالجزء الاول منه:

اخرجه ابن ماجه: ۱۲۴۹، ۳ النسائي: ۵۸۶، والترمذی: ۱۸۳، وابوداؤد: ۱۲۷۶، والبخاری: ۵۸۶، ومسلم: ۱۹۲۱ (۸۲۶)

والجزء الثاني منه:

اخرجه البخاری: ۱۹۹۰، ومسلم: ۲۶۷۴ (۸۲۷)، وابوداؤد: ۲۴۱۷، والترمذی: ۷۷۲، وابن ماجه: ۱۷۲۱۔

والجزء الثالث منه:

اخرجه البخاری: ۱۱۸۹، مسلم: ۳۲۶۱ (۸۲۷)، وابوداؤد: ۲۰۳۳، والترمذی: ۳۲۶، والنسائي: ۷۰۱، وابن ماجه:

۱۴۰۹، والطیالسی: ۱۳۴۸،

والجزء الرابع منه:

اخرجه البخاری: ۱۸۶۴، ومسلم: ۳۲۶۲ (۸۲۷)، وابوداؤد: ۱۷۲۳، والترمذی: ۱۱۷۰، وابن ماجه: ۲۸۹۹۔

والحدیث بمجموعه: اخرجہ البخاری: ۱۱۹۷، ومسلم: ۳۲۶۱۔

مَقْبُولٌ: بنیادی طور پر اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے چار اصول بیان فرمائے ہیں، اسی لیے ہم نے ہر جز کی الگ الگ تخریج کی ہے اور مجموعے کو سامنے رکھ کر صحیحین کا حوالہ بھی دیا ہے اور اسی بنا پر ہم چار نکات سے بحث کریں گے۔

۱۔ نبی ﷺ نے پہلا اصول تو یہ بیان فرمایا کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز نہیں پڑھنی چاہیے ظاہر ہے کہ یہ ممانعت نوافل سے متعلق ہی ہو سکتی ہے، فرائض کو یہ ممانعت شامل نہیں، خواہ وہ اسی دن کی فرض نماز ہو یا ماضی کی کسی نماز کو قضاء کیا جا رہا ہو۔

یہ دو وقت تو خاص طور پر نوافل کے ساتھ خاص ہیں، جن میں سے پہلے وقت میں دیگر احادیث صحیحہ کو سامنے رکھ کر تھوڑی توسیع کر لی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ فجر کی اذان کے بعد جو دو رکعتیں سنت مؤکدہ کے طور پر ادا کی جاتی ہیں ان کے بعد ہی سے نوافل میں مشغولیت سے انسان اپنے آپ کو روک لے۔

اس کے علاوہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں نوافل کے ساتھ ساتھ فرائض کی بھی ممانعت ہے۔

(۱) طلوع آفتاب کے وقت

(۲) زوال آفتاب کے وقت۔

(۳) غروب آفتاب کے وقت۔

اول الذکر اوقات میں نوافل کی ممانعت کی جو حکمتیں شرح نے بیان کی ہیں، وہ سب اپنی جگہ صحیح ہیں، لیکن ناکارہ کے ذہن میں یہ توجیہ آتی ہے کہ نماز فجر کے بعد عام طور پر لوگوں کے معمولات دو طرح کے ہوتے ہیں، بعض لوگ سو جاتے ہیں جیسا کہ گرمیوں میں اکثر ہوتا ہے اور بعض اپنے دفاتر، مدارس اور سکولز جانے کے لیے تیاری کرتے ہیں، اب اگر انسان نوافل میں مشغول ہو جائے تو معاملات زندگی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے جو شریعت کا منشاء کسی صورت نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد نوافل کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور نماز عصر کے بعد کاروباری مصروفیات کا لحاظ رکھ کر شریعت نے انسانی طبیعت اور اس کے تقاضوں کا لحاظ رکھا ہے، یقیناً ایسی باریک بینی جو عبادات سے لے کر زندگی کے ہر گوشے کو حاوی ہو، اسلام کے علاوہ کسی دین و مذہب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔

اور مؤخر الذکر اوقات میں چونکہ شمس پرستوں اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور اسلام کا یہ ایک غیر منسوخ اصول ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم

یہ اصول کبھی منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی کسی خاص چیز کے ساتھ اس کی تخصیص ہے، بلکہ یہ ایک عام حکم ہے اور ہر

اس صورت کو شامل ہے جس میں کسی بھی قوم کے ساتھ کسی بھی طرز کی مشابہت پائی جائے۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں دوسرا حکم روزہ سے متعلق دیا گیا ہے جس کی افادیت و اہمیت دنیا بھر کے تمام ادیان میں مسلم ہے اور بعض لوگ تو اس میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ چپ کا روزہ رکھ لیتے ہیں، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے اور اس میں بھی اسلام نے اعتدال کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اصول تو یہ مقرر کر دیا کہ روزانہ روزہ رکھنے کی ممانعت کر دی اور فرما دیا کہ جو روزانہ روزہ رکھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اس نے روزہ رکھا ہی نہیں، دوسرا اصول یہ مقرر کر دیا کہ بغیر کچھ کھائے پئے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھنے سے منع کر دیا، جیسا کہ پہلے بعض لوگ اسے بڑی عبادت سمجھ کر کئی کئی دن کھائے پئے بغیر روزہ رکھا کرتے تھے اور تیسرا یہ اصول مقرر کر دیا کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ روزے رکھنا چاہتا ہے تو پورے مہینے میں تین روزے رکھ لے ورنہ ہفتہ میں دو روزے رکھ لے ورنہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھ لے اور اس آخری صورت کی یہ فضیلت بیان فرمادی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ کار تھا۔

چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ عیدین اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے جائیں، اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا، بظاہر اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ توہم پرست اور عقیدے کے کمزور افراد کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جس دن کوئی بھی روزہ نہیں رکھتا، اگر ہم نے بھی نہ رکھا تو کون سا کمال کیا، اصل کمال تو اس صورت میں ہوگا کہ جب سب کھا پی رہے ہوں، ہم اس وقت روزے سے ہوں، اور عام طور پر پورے سال میں ایسے ایام یہی ہوتے ہیں، اس لیے وہ ان دنوں میں روزہ رکھنا باعث کمال سمجھتے ہیں۔

شریعت نے اس خیال کی نفی اور تردید کرنے کے لیے مختلف پیرایوں میں احکام جاری کیے ہیں، چنانچہ کہیں ان ایام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت کے ایام قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کی مہمان نوازی قبول کرو اور کہیں فرمایا کہ یہ تو کھانے پینے اور میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہونے کے دن ہیں۔

۳۔ مساجد اللہ کی تجلیات کا خصوصی مرکز ہوتی ہیں، اس میں مسجد کے چھوٹا بڑا ہونے یا دور اور قریب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جو اللہ بڑی مسجد میں ہوتا ہے وہی چھوٹی مسجد میں بھی ہوتا ہے، اور جو اللہ دور کی مسجد میں ہوتا ہے وہی اللہ قریب کی مسجد میں ہوتا ہے، اب یہ اپنے اپنے ذہن کی بات ہے کہ ہم اللہ کو ڈھونڈنے اور راضی کرنے کے لیے کسی بڑی اور دور کی مسجد کا انتخاب کرتے ہیں یا چھوٹی اور قریب کی مسجد سے اپنا گوہر مراد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اسی خیال کی اصلاح کے لیے یہ حکم ارشاد فرمایا گیا اور اس میں سے تین مسجدوں کا استثناء کیا گیا، مسجد حرام کا تو اس لیے کہ مسلمان وہاں جا کر طواف کرتے، سعی کرتے اور اپنے نفس امارہ پر چھریاں چلاتے ہیں اور یوں بھی وہ مسلمانوں کا قبلہ ہے، مسجد اقصیٰ کا اس لیے کہ وہ مسلمانوں کا قبلہ اول اور تمام ادیان و مذاہب میں یکساں اہمیت کا حامل

ہے اور مسجد نبوی کا اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کے جذبہ عشق و محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور مراد رسول ﷺ کی باریکیوں کو سمجھنے والے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ منشاء نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے ملاقات یا کسی تجارتی سلسلے میں کسی ایسی جگہ گیا ہوا ہو جہاں کوئی مشہور مسجد ہو اس کا اصل مقصد تو ملاقات یا تجارت ہو لیکن وہ اپنی آمد کا فائدہ اٹھا کر کسی تاریخی مسجد کی زیارت کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔ عورت کے وجود کو بالخصوص جبکہ وہ بیوی کے درجے میں ہو کر مرد کے انتہائی قریب اور اس کے روز و شب سے واقف ہو خود خالق کائنات نے آزمائش اور امتحان کا ذریعہ قرار دیا، اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس صنف نازک کی عفت و عصمت اور طہارت و پاکدامنی کو بچانے کے لیے بڑے دور رس اور اہم احکام صادر فرمائے۔

انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر پر نہ جائے، خواہ اس کا اکیلے ہی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ ہو یا کسی غیر محرم کے ساتھ، دونوں صورتوں میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی، اور یہ ممانعت کسی اندیشے کی بناء پر نہیں کی جاتی، بلکہ ان حالات اور واقعات کو مد نظر رکھ کر یہ حکم دیا گیا ہے جو اب بھی اس حکم کی پرواہ نہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ گزشتہ سالوں میں سفر حج کے دوران بھی ایک ایسا ہی ناگفتہ بہ واقعہ پیش آیا تھا، بعد میں سعودی حکومت نے اس پر پابندی لگا دی، لیکن سنا ہے کہ ابھی چند دن پہلے یہ پابندی پھر اٹھالی گئی ہے، اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو اور یہ ایک افواہ کی حد تک ہی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَدْءِ الْأَذَانِ

(۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرَأَاهُ حَزِينًا وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَعِمَ تَجَمَّعُ إِلَيْهِ فَاَنْطَلَقَ حَزِينًا بِمَا رَأَى مِنْ حُزْنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَرَكَ طَعَامَهُ وَمَا كَانَ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ وَدَخَلَ مَسْجِدَهُ يُصَلِّيُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا نَعَسَ فَاتَاهُ آتٍ فِي النَّوْمِ فَقَالَ هَلْ عَلِمْتَ مِمَّا حَزَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ فَهُوَ لِهَذَا التَّأْدِينِ فَاتَيْهِ فَمَرُّهُ أَنْ يَأْمُرَ بِاللَّأِ أَنْ يُؤْذَنَ فَعَلَّمَهُ الْأَذَانَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْإِقَامَةَ مِثْلَ ذَلِكَ وَقَالَ فِي آخِرِهِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَأَذَانِ النَّاسِ وَإِقَامَتِهِمْ فَاقْبَلَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَعَدَ عَلَى بَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ اسْتَأْذِنْ لِي وَقَدْ رَأَى مِثْلَ ذَلِكَ فَخَبَّرَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ لِلْأَنْصَارِيِّ فَدَخَلَ فَخَبَّرَ بِالَّذِي رَأَى فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ أَخْبَرْنَا أَبُو بَكْرٍ مِثْلَ ذَلِكَ فَامْرًا بِاللَّأِ يُؤْذَنُ بِذَلِكَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرَأَهُ حَزِينًا وَكَانَ الرَّجُلُ ذَا طَعَامٍ يُعْشَى مَعَهُ فَانصَرَفَ لَمَّا رَأَى مِنْ حُزْنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَرَكَ طَعَامَهُ فَدَخَلَ مَسْجِدَهُ يُصَلِّي فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ نَعَسَ فَاتَاهُ ابْنُ فِي النَّوْمِ فَقَالَ لَهُ أَتَدْرِي مَا أَحْزَنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ هُوَ النَّدَاءُ فَاتِهِ بِأَنَّ يَأْمُرُ بِبَلَاءٍ قَالَ الرَّجُلُ فَعَلَّمَهُ الْأَذَانَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْإِقَامَةَ كَذَلِكَ ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِهِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ كَأَذَانَ النَّاسِ وَإِقَامَتِهِمْ فَانْتَبَهَ الْأَنْصَارِيُّ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَجَلَسَ بِالْبَابِ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ اسْتَأْذِنُ لِي فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَأَخْبَرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ دَخَلَ الْأَنْصَارِيُّ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِالَّذِي رَأَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ أَخْبَرْنَا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ مُرْ بِبَلَاءٍ بِمِثْلِ ذَلِكَ۔

اذان کی ابتداء کیسے ہوئی؟

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کا نبی ﷺ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے نبی ﷺ کو غمگین دیکھا اس انصاری کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھتا تو اس کے پاس ایک مجمع لگ جاتا تھا، نبی ﷺ کو غمگین دیکھ کر وہ بھی غمگین ہو کر چلا گیا اور کھانا بھی چھوڑ دیا اور وہ مجمع بھی جو اس کے پاس لگا کرتا تھا اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا۔

وہ اسی حال میں تھا کہ اسے اونگھ آگئی خواب میں اس کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں نبی ﷺ کے غمگین ہونے کی وجہ معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! اس نے کہا کہ دراصل وہ اس اذان کے معاملے میں متفکر ہیں اس لیے ان کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ بلال کو اذان کا حکم دیں پھر اس نے خواب ہی میں اذان کے یہ کلمات سکھا دیے اللہ اکبر اللہ اکبر (دو مرتبہ) اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو مرتبہ) اشھد ان محمد رسول اللہ (دو مرتبہ) حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ) حی علی الفلاح (دو مرتبہ) اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

اس کے بعد اسے اقامت کے کلمات بھی اسی طرح سکھائے اور کہا کہ آخر میں یوں کہنا قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ یہ اذان و اقامت کے وہی کلمات ہیں جو لوگوں میں آج تک رائج ہیں بہر حال جب وہ انصاری اپنے خواب سے بیدار ہوا تو نبی ﷺ کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔

اتفاقاً وہاں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا گزر ہوا تو انصاری سے کہا کہ میرے لیے بھی اجازت لیجیے گا، خود حضرت

صدیق اکبرؓ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کو اس سے مطلع کر کے انصاری کے لیے اجازت مانگی، چنانچہ انصاری نے اندر آ کر خواب کا سارا واقعہ سنایا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر نے بھی ہمیں ایسی ہی بات بتائی ہے، پھر نبی ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اسی طرح اذان دینے کا حکم دیا اور ایک روایت میں ہے کہ بلال کو یہ الفاظ اسی طرح سکھا دو۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "حزینا" فاعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے غمگین "تجمع" باب فتح سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا "نعس" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اونگھ آنا "فاتہ" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا "فمرہ" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی حکم دینا "یؤذن" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اذان دینا، اطلاع دینا "اخبرنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خبر دینا۔

تَجَنَّبْ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری مختصراً: ۶۰۴، وابدؤد كذلك: ۴۹۹، والترمذی: ۱۸۹۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کرنے کے لیے اذان کے مروجہ طریقہ کی ابتداء بیان کی گئی ہے کہ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ سو اس سلسلے میں اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا، مکہ مکرمہ میں چونکہ کفار کا غلبہ تھا، اس لیے مسلمان چھپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اذان کہنا ممکن ہی نہیں تھا۔

لیکن مدینہ منورہ بھی آتے ہی فیصلہ نہیں ہو گیا بلکہ نبی ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ نماز کا وقت آنے پر اس کی اطلاع لوگوں تک کیسے پہنچائی جائے؟ مشورہ میں مختلف آراء سامنے آئیں لیکن ان میں سے ہر رائے یہودیوں، عیسائیوں، آتش پرستوں یا کسی بھی غیر مسلم قوم کے طرز عمل سے مشابہ تھی، جو ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کو کسی صورت قبول نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مجلس فی الحال "الصلوٰۃ جامعۃ" کے اعلان پر اتفاق رائے سے برخاست ہو گئی۔

اس کے بعد خواب کا وہ واقعہ پیش آیا جو زیر بحث حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ "جنہوں نے یہ عظیم خواب دیکھا تھا" نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب سنایا اب اس خواب کے مطابق جب حضرت بلالؓ نے پہلی اذان دی "جو نماز فجر کے لیے تھی" تو حضرت فاروق اعظمؓ بھی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بھی یہ خواب دیکھا ہے اور زیر بحث حدیث کے مطابق سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا، اس وقت سے لے کر اب تک اذان نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کے طور پر مشہور ہے۔

فقہاء کرام نے اس حدیث سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن میں انہیں مطولات کے سپرد کر کے سردست اس نکتے پر بحث کرنا چاہوں گا کہ ابتداء اذان سے متعلق جتنی بھی روایات ذخیرہ حدیث میں ملتی ہیں، ان سب

میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر ضرور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اذان کا آغاز ایک صحابی کے خواب سے ہوا ہے سوال یہ ہے کہ اس وقت تو خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا، پھر وحی کے ذریعے کلمات اذان کی تلقین کیوں نہیں کر دی گئی؟ یا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خواب میں کلمات اذان کیوں نہ سکھا دیے گئے؟ ایک صحابی اور وہ بھی غیر معروف وغیر مشہور کے ذریعے اس کی تلقین سمجھ میں نہیں آتی؟

اس سوال کے یوں تو بہت سے جواب دیے جاسکتے ہیں لیکن یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ عظمت صحابہ کی اس سے بڑی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شعائر اللہ میں سے ایک اہم شعار ان کے خواب کی بنیاد پر قائم کیا گیا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امام الانبیاء تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی پیشوائی و رہنمائی کے لیے تشریف لائے تھے اور پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے اذان کہی ہو، کیونکہ امام بہر حال امام ہوتا ہے البتہ صحابہ کرام چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں امامت کرنا خود بے ادبی سمجھتے تھے اس لیے اذان میں ان کا حصہ شامل ہونا ایک طبعی بات تھی اس لیے خواب اسی کو دکھایا گیا جو اذان دے سکے اور جس کے بارے میں ازل سے ہی یہ طے ہو کہ اس نے امامت ہی کرنی ہے اسے خواب بھی نہیں دکھایا گیا۔

پھر یہاں ایک اور اہم پہلو بھی ہے کہ اس موضوع کی روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ بھی نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

انہا لرؤیا حق

گویا محض صحابی کے خواب پر ہی اس کا دارومدار نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر اس کا دارومدار ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تصدیق نہ فرماتے تو کبھی بھی ان کلمات کو اذان کا درجہ نہ ملتا۔ واللہ اعلم

(۹۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَدَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ مؤذن جب اذان دیتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی جملے کہتے جو مؤذن کہتا تھا۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "إِذَا" حَرْفٌ شَرْطٌ هُوَ "إِذَا" شَرْطٌ أَوْ "قَالَ" جَزَاءٌ هُوَ۔

تصحیح حدیث: أخرجه البخاری: ۶۱۱، ومسلم: ۸۴۸ (۳۸۳)، وابوداؤد: ۵۲۲، والترمذی: ۲۰۸، وابن ماجہ: ۷۲۰، والنسائی: ۶۷۴، واحمد: ۶/۳

مفہوم: اس حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کلمات اذان سن کر مؤذن کے جواب میں اسی کے کہے ہوئے کلمات دہرایا کرتے تھے جبکہ اس مضمون کی دوسری احادیث میں پوری امت کے لیے حکم مذکور ہے کہ جب مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنا تو اس کے کہے ہوئے کلمات تم بھی دہرایا کرو۔

حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح سن کر ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے یوں بھی اگر عقلی طور پر غور کر کے دیکھا جائے تو مؤذن کا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر سننے والا بھی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنا شروع کر دے تو سوال یہ ہوگا کہ وہ کون سی نماز اور کونسی کامیابی کی طرف بلا رہا ہے جو مؤذن کی دعوت میں نہیں ہے اس لیے اس کے جواب میں ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہنا ہی قرین قیاس ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ پار الہا! آپ کا یہ منادی تو مجھے نماز اور کامیابی کی طرف بلا رہا ہے اور شیطان مجھے ان سے دور کر رہا ہے اب آپ ہی کی مدد اور طاقت میری دستگیری کر سکتی ہے کیونکہ میں تو بہت ہی عاجز اور بے بس ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا

(۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمِفْحَصٍ قَطَاةٍ بَنَى اللَّهُ تَعَالَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

اس شخص کے اجر کا بیان جو اللہ کے لیے مسجد بنائے

ترجمہ: امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص تعمیر مسجد میں حصہ لے اگرچہ قطا پرندہ کے گھونسے کے برابر ہی ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

حَالِ عِبَارَتٍ: ”بنی“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعمیر کرنا، بنانا، ”کمفحص“ اس کی جمع ”مفاحص“ آتی ہے اور اس کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں پرندہ اٹھ دیتا ہے عام طور پر ایسی جگہ چونکہ گھونسلا ہی ہوتی ہے اس لیے ہم نے اس کا حاصل ترجمہ گھونسلا کیا ہے، ”قطا“ ایک خاص قسم کا پرندہ جس کا اردو ترجمہ ”بھٹ تیر“ کیا جاتا ہے۔

تصحیح حدیث: انرجہ ابن ماجہ: ۷۲۸، والبخاری مثله: ۴۵۰، ومسلم: ۱۱۸۹ (۵۳۳)، والترمذی: ۳۱۸، والنسائی:

۶۸۹ واحمد: ۲۱۵۷۔

مفہوم: اس حدیث میں تعمیر مسجد میں حصہ لینے کی فضیلت کا بیان ہے لیکن اس کی وضاحت سے قبل اس حدیث کی سند کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مشہور کتب حدیث میں سند حدیث کے اعتبار سے اس سے زیادہ عالی سند روایت کا ملنا ناممکن ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ اور امام صاحب کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے یعنی حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ اور چونکہ امام صاحب نے سماع کی تصریح کی ہے اس لیے روایت اور روایت دونوں اکٹھے ہو جانے سے یہ امام صاحب کی تابعیت کی ایک اور دلیل ہے۔

باقی رہا مضمون حدیث سو وہ ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ جنت میں اپنے لیے محل اور کوٹھی تعمیر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا محل تعمیر کیا جائے اور اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ مسجد کی مکمل تعمیر اکیلا ایک شخص ہی کرے بلکہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس میں جو شخص جتنا حصہ بھی ڈال دے گا بارگاہ خداوندی سے اسی پر جنت کے ایک پورے محل کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جائے گا اب سوچا جا سکتا ہے کہ تھوڑا حصہ شامل کرنے پر یہ ثواب ہے تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر کتنا ثواب ہوگا اس لیے تعمیر مساجد میں حصہ لے کر اس ثواب کو حاصل کرنے کی ضرورت کوشش کیجیے خواہ ایک سچے ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ اِنْشَادِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

(۹۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يُنْشِدُ جَمَلًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ وَفِي رِوَايَةٍ سَمِعَ رَجُلًا يُنْشِدُ بَعِيْرًا فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ اِنَّ هَذِهِ الْبُيُوتَ بُنِيَتْ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ وَفِي رِوَايَةٍ اَنْ رَجُلًا اِطَّلَعَ رَأْسَهُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَنْ دَعَا اِلَى الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَقَالَ لَهُ ﷺ مَا وَجَدْتَّ اِنَّمَا بُنِيَتْ هَذِهِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ۔

مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو گمشدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ کرے تجھے تیرا اونٹ نہ ملے اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ گھر تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اپنا سر داخل کیا اور کہنے لگا کہ مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ کون بتائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کرے وہ تجھے نہ ملے یہ مسجدیں تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "ينشد" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا، شعر پڑھنا "بنيت لما بنيت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی بنانا، لام حرف جر موصولہ اور آگے پھر یہی صیغہ ہے۔

تَجْمِيْعُ حَدِيْثٍ: اخرج النسائي مثله: ۷۱۸، وابن ماجه: ۷۶۵، وابوداؤد: ۴۷۳، ومسلم: ۱۲۶۲ (۵۶۹)، واحمد: ۲۳۴۳۲، وابن خزيمة: ۱۳۰۱، وابن حبان: ۱۶۵۲، والطيالسي: ۸۰۴، وعبدالرزاق: ۱۷۲۱۔

مَقْلُوْبَةٌ: شہروں میں تو اس چیز کا رواج شہری تمدن نے ختم کر دیا ہے لیکن دیہی علاقوں میں یہ رواج اب بھی موجود ہے کہ جس کی کوئی گائے، بھینس، کٹا، بکری گم ہو جائے وہ مسجد میں آ کر لاؤڈ اسپیکر پر چیخ چیخ کر اپنے متعلقہ جانور کی

گمشدگی کا اطلاع نامہ جاری کرنا ہی اسے دوبارہ پانے کا سبب سے موثر ترین ذریعہ سمجھتا ہے اگر وہ جانور مل جائے تو امام مسجد یا مؤذن کو خوش کر دیا جاتا ہے اور اگر نہ ملے تو اس کے مرثیے پڑھے جاتے ہیں اور باقاعدہ نوحہ کی محفلیں قائم ہوتی ہیں۔

چونکہ مساجد کی بنیاد ہی ”اللہ کی عبادت“ کی مرکزی اینٹ پر اٹھائی گئی ہے اس لیے وہاں عبادت کی تو ہر شکل اختیار کر کے اسے آباد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اس قسم کے ادنی مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اس مقصد کے لیے اپنے اپنے ماحول کے مطابق بہت سے دوسرے طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس طریقے سے باز نہیں آتا تو پھر اسے ہر دم اپنے ذہن میں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ نبی ﷺ نے ایسے شخص کو بد عادی ہے کہ اللہ کرے! تجھے تیرا اونٹ نہ ملے۔

بَابُ إِلَى آيِنٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

(۹۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ۔

نماز کی ابتداء میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے ہاتھوں کو نماز شروع کرتے وقت اتنا بلند کرتے تھے کہ انہیں کانوں کی لو کے برابر کر لیتے تھے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”يرفع“ باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اٹھانا، بلند کرنا، ”يحاذي“ باب مفاعله سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی برابر کرنا ”شحمة“ کان کی لو کو کہتے ہیں۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاري تعليقا في: باب الی این یرفع یدیه؟ ومسلم: ۸۶۳ (۳۹۰) وابوداؤد: ۷۲۴ والنسائي: ۸۸۰ والطحاوی: ۱۱۳۲۔

مَقْبُولٌ: اب تک جو احادیث گزری ہیں ان سب کا تعلق متعلقات نماز سے تھا اور آئندہ جو احادیث آرہی ہیں ان کا تعلق کیفیت نماز سے ہے کہ نماز میں ہاتھ کس طرح اور کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے یا آہستہ رفع یدین اور قراءت خلف الامام کی کیا حیثیت ہے؟

زیر بحث حدیث میں تکبیر تحریمہ کہتے وقت جس رفع یدین کا ذکر کیا گیا ہے اس کی کیفیت الفاظ حدیث سے واضح ہے کہ نبی ﷺ اپنے مبارک ہاتھ کانوں کی لو تک بلند کیا کرتے تھے اس موقع پر ہاتھوں کی انگلیاں بھی سیدھی ہونی چاہئیں اور کانوں کو بھی نہیں پکڑنا چاہیے۔

اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس چیز میں کوتاہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت کسی کا ہاتھ چہرے کی طرف ہوتا ہے، کسی نے کانوں کو پکڑا ہوا ہوتا ہے، کسی نے اپنی انگلیاں انتہائی محنت و مشقت اور مجاہدہ سے پوری طرح کھول کر رکھی ہوتی ہیں اور کوئی یہی محنت انگلیاں بند کرنے میں صرف کر رہا ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ بھی سنت کے مطابق نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ ہاتھ کا رخ قبلہ کی طرف انگلیاں سیدھی نہ بہت زیادہ کشادہ اور نہ بہت زیادہ تنگ اور وہ کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ واللہ اعلم

(۹۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو تکبیر کہتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے اور اختتام نماز پر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "رَأَيْتُ" فَعَلٌ بِأَفَاعِلٍ هُوَ أَوْ "يَرْفَعُ يَدَيْهِ" سَعَى آخِرَتِكَ مَفْعُولٌ بِهِ كِي حَالَتِ كَابِيَانِ هُوَ۔

تخریج حدیث: أخرجه ابو داد: ۹۹۷، ومسلم: ۱۳۱۵ (۵۸۲) والنسائی: ۱۳۱۷، وابن ماجه: ۹۱۵، واحمد: ۱۸۰/۱

مفہوم: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک دوسرے کے مقارن ہونے چاہئیں یا کسی ایک کو مقدم ہونا چاہیے؟ اور اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ اختتام نماز پر سلام ایک مرتبہ پھیرنا چاہیے یا دو مرتبہ؟ لیکن ہم یہاں اس دوسرے مسئلے پر فقہی اعتبار سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ سوائے امام مالک کے تینوں ائمہ دونوں طرف ہی سلام پھیرنے کے قائل ہیں۔

البتہ اول الذکر مسئلے میں فقہاء احناف کے یہاں خود دو رائیں پائی جاتی ہیں، چنانچہ بعض مقارنت کے قائل ہیں اور طرفین کی رائے یہ ہے کہ پہلے رفع یدین کرے اس کے بعد تکبیر کہے اور ان کے پاس اس کی دلیل بڑی عجیب و غریب ہے جس سے ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس بندہ مسلم نے مسجد میں آ کر امام کی اقتداء کی نیت کی اور نماز میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس نے صرف ہاتھ اٹھائے ہیں بلکہ اس نے اللہ کے علاوہ ہر چیز سے ہاتھ اٹھا لیے ہیں اور وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ کبریائی اور عظمت کا حق دار کوئی غیر اللہ نہیں ہو سکتا اور جب اس نے تکبیر کہی تو اس کبریائی اور عظمت کو اللہ کے لیے ثابت کیا جس کی نفی رفع یدین کر کے وہ غیر اللہ سے کر چکا تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ رفع یدین میں نفی ہے اور تکبیر میں اثبات اور یہ اصول ہے کہ نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے، اس لیے رفع یدین پہلے ہونا چاہیے اور تکبیر تحریمہ بعد میں کہنی چاہیے۔

باقی رہا حدیث کا دوسرا جزو جس کے مطابق اختتام نماز پر دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے سو

اس کی حکمت یہ ہے کہ مسجد اللہ کا گھر اور فرشتوں کی محبوب جگہ ہے جسے فرشتے گھیرے رہتے ہیں اور جب مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو ان کے شوق میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے دائیں بائیں منتشر ہو جاتے ہیں جب مسلمان دائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تو فرشتے اس کا جواب دیتے ہیں اور جب بائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تب بھی وہ جواب دیتے ہیں اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم کی دعاء رد نہیں ہوتی لہذا ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا چاہیے اور اس کی صورت یہی ہے کہ ایک طرف سلام پھیرنے پر اکتفاء کی بجائے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور فرشتوں کی نیت بھی کر لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ

(۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَعْرَابِيٌّ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَلَاةً قَبْلَهَا قَطُّ أَهْوَأَ أَعْلَمُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ وَأَصْحَابِهِ حَفِظَ وَلَمْ يَحْفَظُوا يَعْنِي رَفْعَ الْيَدَيْنِ وَ فِي رِوَايَةٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ ذَكَرَ حَدِيثَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَا صَلَّى صَلَاةً قَبْلَهَا أَهْوَأَ أَعْلَمُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ ذَكَرَ عِنْدَهُ حَدِيثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ السُّجُودِ فَقَالَ هُوَ أَعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ الْإِسْلَامَ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ لَا أَحْصِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ فَقَطُّ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَ عَبْدِ اللَّهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَحُدُودِهِ مُتَّفَقٌ لِأَحْوَالِ النَّبِيِّ ﷺ مُلَازِمٌ لَهُ فِي إِقَامَتِهِ وَفِي أَسْفَارِهِ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَا لَا يُحْصَى۔

رفع یدین کا بیان

ترجمہ: حماد سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعی حضرت وائل بن حجر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دیہات میں رہنے والے صحابی تھے نبی ﷺ کے ساتھ انہیں اس سے پہلے کوئی نماز پڑھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا، کیا عبداللہ بن مسعود اور ان جیسے دوسرے صحابہ سے بڑے عالم ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے رفع یدین کا مسئلہ یاد کر لیا ہو اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ یاد نہ کر سکے ہوں؟ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابراہیم نخعی کے سامنے حدیث وائل بن حجر کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو فرمایا کہ وہ دیہات کے رہنے والے تھے، اسلام کے بارے میں مکمل معرفت نہ رکھتے تھے، نبی ﷺ کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھ سکے تھے اور مجھے اتنے راویوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ میں انہیں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت ابن مسعود صرف ابتداء نماز میں رفع

یدین کیا کرتے تھے اور اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود اسلام کے شرائع و حدود سے واقف تھے، نبی ﷺ کے احوال کی جستجو میں رہا کرتے تھے ان کے ساتھ سفر و حضر میں چمٹے رہا کرتے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھنے کا شرف رکھتے تھے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "اعرابی" دیہات میں رہنے والا "لم یصل" باب تفعیل سے نفی جمد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "حفظ" اس کی "هو" ضمیر کا مرجع وائل بن حجر ہیں "لا احصى" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی شمار کرنا "متفقدا" باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جستجو کرنا، تلاش کرنا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ابی شیبہ: ۲۳۶/۱، ومحمد فی المؤطا' والدارقطنی، وابو یعلیٰ، والطحاوی: ۱۳۱۸۔

۱۳۱۹۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں رفع یدین کا مشہور اور معرکتہ الآراء مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ گو کہ اس مسئلے پر قدیماً و حدیثاً اتنے مناظرے ہو چکے، اتنی تصنیفات منظر عام پر آچکیں اور اتنے مجادلے ہو چکے کہ جن کی کوئی انتہا نہیں، حالانکہ فقہاء کرام کا یہ اختلاف صرف اولیٰ اور عدم اولیٰ کی حد تک تھا، جواز اور عدم جواز تک اس کا دائرہ وسیع نہ ہوا تھا لیکن اس میں دو وجہ سے شدت پیدا ہوئی، ایک تو یہ کہ محدثین کا ایک اہم طبقہ اس میں کود پڑا اور اس نے اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑا احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور دوسرا عدم برداشت یعنی ایک دوسرے کی بات سننے کا حوصلہ ختم ہو گیا اور ہم نے اس مسئلے کو ایمان و کفر کا مسئلہ بنا لیا، رہی سہی سراب غیر مقلدین نے آ کر پوری کر دی۔

اس لیے میں اس مسئلے پر تو بحث نہیں کروں گا کیونکہ فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں اور مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم اسے بنا دیا گیا ہے، البتہ زیر بحث حدیث کے مضمون پر کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس حدیث کی ابتداء میں ابراہیم نخعی نے حضرت وائل بن حجر پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ان کی شان سے بعید ہے کہ وہ صرف عدم رفع یا ترک رفع کو ثابت کرنے کے لیے ایک صحابی کو اعرابی اور دیہاتی ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں؟

ہمیں اس بات سے اختلاف نہیں ہے کہ خود ابراہیم نخعی ایک جلیل القدر فقیہ اور بزرگ ہیں، ہمیں اس بات سے بھی اختلاف نہیں کہ ایک مرتبہ کے واقعہ کو پوری زندگی کے حالات کی دلیل نہیں سمجھا جاسکتا، ہم اس بات کو بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بارگاہ نبوت میں خصوصی تقرب حاصل تھا۔

لیکن کیا آپ اس بات سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ایک غیر صحابی کسی صحابی کو دیہاتی ہونے کا طعنہ دے اور اس کی

بات کو میٹھی گولی سمجھ کر ہضم کر لیا جائے؟ کیا آپ کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ آخر وہ ایک نماز جو حضرت وائل بن حجرؓ نے نبی ﷺ کی اقتداء میں اداء کی، نبی ﷺ نے صرف اسی میں کیوں رفع یدین کیا؟ اور کیا اس سے پہلے یا اس کے بعد نبی ﷺ نے کبھی رفع یدین نہیں کیا؟ کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ اس مسئلے کی روایت میں منفرد نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد اسی مضمون کی روایات نقل کرتی ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ ہم ترک رفع کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے بالخصوص جبکہ حضرت وائل بن حجرؓ کوئی عام آدمی نہ تھے بلکہ حضرموت کے بادشاہ کے بیٹے اور شہزادے تھے نبی ﷺ نے ان کی تشریف آوری پر ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو انہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ بھیجا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اجْتِمَاعِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْأَوْزَاعِيِّ

(۹۷) سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالْأَوْزَاعِيُّ فِي دَارِ الْحَنَاطِينِ بِمَكَّةَ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ لِأَبِي حَنِيفَةَ مَا بِالْكُمِّ لَا تَرْفَعُونَ أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لِأَجْلِ أَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيهِ شَيْءٌ قَالَ كَيْفَ لَا يَصِحُّ وَقَدْ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فَحَدَّثْنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَلَا يَعُودُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَحَدَيْتُكَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَتَقُولُ حَدَّثَنِي حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ كَانَ حَمَّادٌ أَفْقَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ أَفْقَهُ مِنْ سَالِمٍ وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُونَ ابْنِ عُمَرَ فِي الْفِقْهِ وَإِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ وَلَهُ فَضْلٌ صُحْبَةٌ فَالْأَسْوَدُ لَهُ فَضْلٌ كَثِيرٌ وَعَبْدُ اللَّهِ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ فَسَكَتَ۔

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے دارالحناطین میں امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ اکٹھے ہو گئے امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ لوگ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اس لیے کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھے خود امام زہریؒ نے سالم کے واسطے سے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام صاحب نے فرمایا کہ اس کے برعکس ہمارے پاس یہ حدیث اس سند سے موجود ہے ”حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود“ کہ جناب رسول اللہ ﷺ صرف ابتداء نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے امام اوزاعی یہ سن کر فرمانے لگے کہ میں آپ کے سامنے ”عن الزہری عن سالم عن ابیہ“ کہتا ہوں اور آپ ”حدثی حماد عن ابراهیم“ کہتے ہیں (آپ کی سند سے زیادہ میری سند قوی اور مشہور ہے) تو امام صاحب نے فرمایا کہ حماد زہری سے بڑے فقیہ تھے ابراهیم نخعی سالم سے بڑے فقیہ تھے علقمہ فقہ کے معاملے میں ابن عمر سے کم نہ تھے گو کہ حضرت ابن عمر کو نبی ﷺ کی صحابیت کا شرف حاصل ہے لیکن اسود کو بہت سے دوسرے فضائل حاصل ہیں اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہیں یہ سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: ”لم یصح“ باب ضرب سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صحیح ہونا ”لا یعود“ باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی لوٹنا ”احدثک“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حدیث بیان کرنا ”افقہ“ باب کرم سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی فقیہ ہونا ”فسکت“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خاموش ہونا۔

تَخْرِجُ حَدِيثٍ: نقل هذه الحکایة ابن الهمام فی فتح القدير، والشيخ ظفر احمد العثماني فی اعلاء السنن۔

مَقْلُوبٌ: اس واقعے میں بھی رفع یدین کا مسئلہ نقل کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے مزید تفصیلات کے لیے مطولات اور خاص اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۹۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ طَرِيفِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ
الْوُضُوءُ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ وَالتَّكْبِيرُ تَحْرِيمُهَا وَالتَّسْلِيمُ تَحْلِيلُهَا وَفِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ وَلَا تُجْزِئُ
صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنِ الْمُقْرِيِّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِثْلَهُ وَزَادَ فِي آخِرِهِ قُلْتُ لِأَبِي حَنِيفَةَ مَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ
فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ فَقَالَ يَعْنِي التَّشَهُدَ قَالَ الْمُقْرِيُّ صَدَقَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِي آخِرِهِ وَلَا يُجْزِئُ صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا شَيْءٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو نماز کی کنجی ہے، تکبیر کے ذریعے حلال چیزیں بھی نماز میں حرام ہو جاتی ہیں اور سلام کے ذریعے حلال ہو جاتی ہیں اور ہر دو رکعت پر سلام پڑھا کرو اور کوئی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت نہ ملا لی جائے اسی سند سے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا تشہد۔

حَلَّ عِبَارَتٌ: "مفتاح" اس کی جمع "مفاتیح" آتی ہے بمعنی کنجی چابی "فسلم" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سلام پھیرنا "لا تجزی" باب افعال سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کافی ہونا۔

تَجْنِجٌ حَلَّتْ: الحدیث مشتمل علی جزئین: فالاول منهما:

اخرجه الترمذی: ۳، و ابوداؤد: ۶۱، وابن ماجه: ۲۷۵، والطیالسی: ۲۴۳، وللثانی: انظر: ۹۹ (الحدیث الاتی)

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں وضو کو نماز کی کنجی قرار دیا گیا ہے، گویا وضو کے ذریعے انسان نماز کے تالے کو کھولتا ہے، اس کی نظیر وہ روایت ہے جس میں "لا اله الا اللہ" کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی جنت کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے پاس کلمہ توحید کی چابی کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ تالا نہیں کھول سکے گا۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح ہر چابی کے لیے دندانوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر وہ چابی کسی کام کی نہیں ہوتی، اسی طرح فرائض وضو کی حیثیت وضو کے دندانوں کی سی ہے جن کی تکمیل از بس ضروری ہے۔

۲۔ نماز شروع کرنے سے پہلے انسان کے لیے کسی حلال چیز کی ممانعت نہیں ہے خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو، پینے بولنے سے ہو، پڑھنے لکھنے سے ہو یا کسی اور کام سے، لیکن ادھر اس نے صف میں کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی کا اقرار کیا، ادھر اس کے لیے ہر حلال چیز ممنوع ہوئی، اب وہ کچھ کھا پی سکتا ہے اور نہ ہنس بول سکتا ہے، چل پھر سکتا ہے نہ کسی سے بات چیت کر سکتا ہے، لکھ پڑھ سکتا ہے اور نہ کسی کی بیمار پرسی کر سکتا ہے، اس لیے کہ اب وہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے جس نے تن تنہا نظام کائنات کو بکھیرا، خود ہی سنبھالا اور کسی کے تعاون کے بغیر خود ہی چلا رہا ہے، ایسی عظیم ہستی کے سامنے کھڑے ہو کر تو انسان کو دائیں بائیں کن انھیوں سے بھی دیکھنا اپنے لیے باعث جرم و شرم سمجھنا چاہیے۔

یہ کیفیت اس وقت تک رہے گی جب تک اس بارگاہ عالی میں حاضری رہے گی، جب رخصتی کا وقت آئے گا تو سلامتی کا پیغام لیے ہر نمازی اپنی اپنی جگہ لوٹ جائے گا اور سلامتی کا یہ پیغام ملتے ہی ساری پابندیاں ختم ہو جائیں گی، نماز کی حالت میں ممنوع قرار دی جانے والی چیزیں پھر سے حلال ہو جائیں گی اور نمازی کے لیے ان کا استعمال پھر سے جائز ہو جائے گا۔

۳۔ ہر دو رکعتوں پر سلام سے مراد تشہد ہے جو کہ قعدہ اولیٰ ہونے کی صورت میں واجب اور قعدہ اخیرہ ہونے کی صورت میں فرض ہے اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ "سلام پھیرنا" کی بجائے "سلام پڑھنا" کیا ہے اور سلام بول کر تشہد مراد لینا دلالت تفسیمی ہے کیونکہ سلام تشہد کا جزو ہے اور جزو معنی موضوع لہ پر لفظ کی دلالت تفسیمی کہلاتی ہے۔

بَابُ لَا صَلَوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَّلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

(۹۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ لَا صَلَوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَّلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، خواہ صرف سورہ فاتحہ ہی ہو

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اگرچہ وہ سورہ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "نادی" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آواز لگانا، منادی کرنا۔ تخریج حدیث: اخرجہ بهذا السياق ابوداؤد: ۸۱۹، ۸۲۰، والحاکم فی المستدرک: ۲۳۹، وابن ماجہ: ۸۳۹۔

واما نفس الحدیث فقد اخرجہ البخاری: ۷۵۶، ومسلم: ۸۷۴ (۳۹۴)، وابوداؤد: ۸۲۲، والترمذی: ۲۴۷، وابن ماجہ: ۸۳۷، والنسائی: ۹۱۲۔

مفہوم: یہ حدیث بھی نماز کے ایک ہم ترین مسئلہ قراءت خلف الامام سے متعلق ہے، جس میں فقہاء کرام کا اختلاف انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے، حالانکہ اس مسئلے میں بھی اتنی شدت کا پیدا ہو جانا اچھا نہیں تھا اور یہ بات خارج از مکان بھی نہیں تھی کہ اس موضوع کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ایک ایسا اصول وضع کر لیا جاتا جو ان سب کو شامل ہوتا جیسا کہ بعض فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مقتدی کے لیے قراءت فاتحہ کرنا ضروری ہے تو سری نمازوں میں، اور ضروری نہیں تو جہری نمازوں میں، یا جیسا کہ بعض حضرات نے یہ رائے پیش کی ہے کہ مقتدی تو امام کے پیچھے خاموش رہے، منفرد اور امام قراءت کریں۔

بہر حال! میں اس مسئلے کو طول دیے بغیر صرف ایک بات کہہ کر مسئلہ کی وضاحت کو مکمل کر دوں گا اور وہ یہ کہ قراءت خلف الامام کے قائلین کی سب سے مضبوط ترین دلیل زیر بحث حدیث ہی ہے، لیکن اس میں "ولو بفاتحہ" کی قید نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا ہی مذکور ہے۔

لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب

اس حدیث کے جتنے بھی طرق ذخیرہ حدیث سے مل سکتے ہیں، انہیں جمع کر لیجئے، ان میں سے کسی ایک میں بھی "خلف الامام" کی قید نہیں ملے گی، اس کے باوجود اسے "مقتدی" کے ساتھ مقید کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱۰۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھنی چاہیے

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو نماز میں اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ إِمَامٍ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِحْسُ عَنَّا نِعْمَتَكَ هَذِهِ فَإِنِّي صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْهُمْ يَجْهَرُونَ بِهَا وَهَذَا صَحَابِيٌّ قَالَ الْجَامِعُ وَرَوَتْ جَمَاعَةٌ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ يَزِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قِيلَ وَهُوَ الصَّوَابُ لِأَنَّ هَذَا الْخَبَرَ مَشْهُورٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ۔

ترجمہ: یزید بن عبد اللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ ان کے والد صاحب نے ایک مرتبہ امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھا نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبد اللہ کہنے لگے بندہ خدا! اپنی یہ آواز ہم سے دور ہی رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن کسی کو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا اور یہ عبد اللہ صحابی ہیں۔

جامع کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ایک بڑی جماعت نے یہ حدیث اس سند سے نقل کی ہے ”عن ابی سفیان عن یزید عن ابیہ عن النبی ﷺ“ اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مغفل سے مروی ہونا مشہور ہے۔
خَلْفَ عِبْرَاتٍ: ”لا یجھرون“ باب فتح سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی آواز بلند کرنا
 ”احبس“ باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۷۴۳، ومسلم: ۸۹ (۳۹۹)، وابوداؤد: ۷۸۲، والترمذی: ۲۴۶، والنسائی: ۹۰۸، وابن ماجہ: ۸۱۳، واحمد: ۱۷۹/۳، والطحاوی: ۱۱۶۳، والدارقطنی: ۳۱۵/۱، والبیہقی فی الکبری: ۵۱/۲۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ الترمذی: ۳۴۴، وابن ماجہ: ۸۱۵، والطحاوی: ۱۱۶۱۔

مَقْبُولٌ: اس بات پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ قراءت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ کے علاوہ بسم اللہ بھی پڑھنی

چاہیے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف رائے ہے چنانچہ بعض حضرات جہراً کے قائل ہیں اور بعض سرّاً کے یوں تو ہر ایک کے پاس دلائل ہیں تاہم اتنی بات سب کے یہاں مسلم ہے کہ جہراً بسم اللہ پر دلالت کرنے والی احادیث سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف ہیں اور امام دارقطنی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس سلسلے کی ایک بھی حدیث پایہ صحت تک نہیں پہنچتی، حتیٰ کہ خود امام ترمذی جو شوافع کے بڑے پر جوش وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں ان تک نے اس سلسلے کی ایک روایت نقل کر کے اسکی سند کو کمزور قرار دیا ہے اور سر تسمیہ پر دلالت کرنے والی حدیث پر وہ بھی ”حسن“ کا حکم لگائے بغیر نہیں رہ سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

(۱۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْعِشَاءَ وَقَرَأْتُ بِالزَّيْتُونِ۔

نماز عشاء میں پڑھی جانے والی سورت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں ”والزیتون“ کی تلاوت فرمائی۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری: ۷۶۹، ومسلم: ۱۰۳۸ (۴۶۴)، والترمذی: ۳۱۰، والنسائی: ۱۰۰۱، وابن ماجہ:

۸۳۴۔

مفہوم: اس حدیث میں نبی ﷺ کے نماز عشاء میں سورہ والتین پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے یہ نبی ﷺ کا دائمی معمول نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اس پر التزام فرمایا کرتے تھے بلکہ جہاں سے چاہتے وہیں سے تلاوت شروع فرمادیتے۔

اب یہ صحابہ کرام کا ذوق تھا کہ جب وہ نبی ﷺ کا ذکر کرتے تھے تو بہت سی ایسی چیزوں کو بھی ذکر کر دیتے تھے جو ہم جیسے سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں معمولی محسوس ہوتی ہیں، لیکن ایسی ہی چیزوں سے ان کے مقام عشق و محبت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ واضح اور اہم باتیں تو سب ہی یاد رکھتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی باتیں اکثر لوگ بھول جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ کرام کی مرویات کی تعداد دوسرے صحابہ کرام کی مرویات سے بڑھ جاتی تھی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ جو ۷۰ھ میں مسلمان ہوئے اور صرف چار سال تک نبی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف پایا لیکن ان کی مرویات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

(۱۰۳) أَبُو حَنِيفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي إِحْدَى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بِسِقْتِ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ۔

فجر میں قراءت کا بیان

تَرْجَمَةً: حضرت قطبہ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فجر کی دو میں سے ایک رکعت میں یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ۔

خَاتَمُ عِبَارَاتٍ: ”رکعتی الفجر“ اصل میں ”رکعتین“ تھا، نونِ تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه النسائي: ۹۵۱، وابن ماجه: ۸۱۶، والترمذی: ۳۰۶، ومسلم: ۱۰۲۵ (۴۵۷) واحمد: ۱۹۱۱۰،

والطیالسی: ۱۲۵۶، والحمیدی: ۸۲۵، والدارمی: ۱۳۰۱، والبخاری فی خلق افعال العباد: ۳۸، وابن خزيمة: ۵۲۷۔

مَقْبُولٌ: یہ آیت جس کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے سورہ ق کی ”جو چھبیسویں پارے کی سورت ہے“ آیت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی ﷺ نماز فجر کی ایک رکعت میں صرف یہی ایک آیت پڑھا کرتے تھے بلکہ یہاں جزو سے کل کی طرف اشارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اس سورت کی تلاوت فرماتے تھے جس میں مذکورہ آیت آتی ہے۔

اس حدیث میں دن کی تخصیص تو نہیں، البتہ بعض دوسری مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ پہلی رکعت میں سورہ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورہ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، بعض روایات سے اس کے علاوہ بھی کچھ اور مقامات کی تلاوت کا ذکر ملتا ہے۔

اس لیے فقہاء احناف نے اس موضوع کی تمام روایات کو اکٹھا کر کے مفصلات کے درمیان تین درجوں کی تطبیق کر دی۔

۱۔ طوال مفصل: سورہ حجرت سے سورہ بروج تک نماز فجر اور نماز عشاء۔

۲۔ اوساط مفصل: سورہ بروج سے سورہ زلزال تک نماز ظہر اور نماز عصر۔

۳۔ قصر مفصل: سورہ زلزال سے آخر قرآن تک نماز مغرب۔

بَابُ قِرَاءَةِ الْإِمَامِ قِرَاءَةً لِمَنْ خَلْفَهُ

(۱۰۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ

كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةٌ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا قَرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الظُّهْرِ أَوْ العَصْرِ

وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَفَنَهَاهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَتْنَهَانِي أَنْ أَقْرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَذَاكَرَا ذَلِكَ حَتَّى

سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ جَابِرٌ قَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَفَنَهَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ أَيُّكُمْ قَرَأَ

خَلْفِي تِلْكَ مَرَاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ

قِرَاءَةٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اِنْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ اَوْ الْعَصْرِ فَقَالَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى فَسَكَتَ الْقَوْمُ حَتَّى سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ مِرَارًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُكَ تُنَازِعُنِي اَوْ تُخَالِجُنِي الْقُرْآنَ۔

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت سے

تَرْجَمًا: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں نبی ﷺ کے پیچھے قراءت کی، ایک آدمی نے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے ایسا کرنے سے روکا (لیکن وہ نہ مانا) اور نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگا کہ کیا تم مجھے نبی ﷺ کے پیچھے قراءت کرنے سے روکتے ہو؟ یہ بحث ان دونوں کے درمیان اتنی بڑھ گئی کہ نبی ﷺ کے کانوں تک بھی اس کی آواز پہنچ گئی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو وہ سمجھ لے کہ امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے۔

ایک روایت میں خود نبی ﷺ کا قراءت سے منع کرنا مذکور ہے اور ایک روایت میں نماز کے بعد یہ سوال بھی مذکور ہے کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے کھڑے ہو کر قراءت کی ہے؟ ایک روایت میں یہ سوال ہے کہ تم میں سے کس نے ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ والی سورت پڑھی ہے؟ لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ نے بار بار اس سوال کو دہرایا، تو لوگوں میں سے ایک آدمی بولا یا رسول اللہ! میں نے پڑھی ہے، فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن کے معاملے میں مجھ سے جھگڑ رہے تھے۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: ”او ما“ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اشارہ کرنا ”اتنہانی“ ہمزہ برائے استفہام باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا ”فتذاکرا“ باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ثنئیہ مذکر غائب ہے بمعنی مذاکرہ کرنا، تکرار کرنا، ”تنازعنی“ باب مفاعله سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جھگڑا کرنا۔

تَجَنَّبِيحُ حَدِيثًا: الحدیث مشتمل علی اربعة اجزاء فالاول منها:

اخرجه الطحاوی: ۱۲۵۹، وابن ماجه: ۸۵۰، والدارقطنی: ۳۲۳/۱،

والجزء الثانی منه: اخرجہ الحاکم فی المستدرک بهذا السیاق۔

والجزء الثالث منه: اخرج ابوداؤد مثله: ۸۲۶، والترمذی: ۳۱۲، والنسائی: ۹۲۰۔

والجزء الرابع منه: اخرجہ البخاری فی جزء القراءۃ: ۹۱، ومسلم: ۸۸۷ (۳۹۸)، وابوداؤد: ۸۲۹، والنسائی: ۹۱۹۔

مَقْلُوبًا: اس حدیث میں قراءت خلف الامام کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکی ہے اس لیے یہاں اس کا تکرار کرنے سے اجتناب کروں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ التَّطْبِيقِ

(۱۰۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نَطْبِقُ ثُمَّ أَمَرْنَا بِالرُّكْبِ-

تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت سعد بن مالک فرماتے ہیں کہ ابتداء میں ہمیں تطبیق کا حکم دیا جاتا تھا، پھر ہمیں گھنٹوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ عَبَّاسٍ: "نطبق" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تطبیق کرنا (اس کا تفصیلی طریقہ مفہوم میں ملاحظہ فرمائیے) "امرنا" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی حکم دینا، "بالرکب" رکتہ کی جمع ہے بمعنی گھنٹا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه النسائي: ۱۰۳۴، والبخاري: ۷۹۰، ومسلم: ۱۱۹۶ (۵۳۵) وابدواؤد: ۸۶۷، والترمذي: ۲۵۹، وابن ماجه: ۸۷۳۔

مَقْلُوبًا: چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے لوگوں کو معلوم ہوتے تھے اس لیے احکامات خداوندی میں تبدیلی معلوم ہونے کا ذریعہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے احکامات اور ان میں تبدیلی بھی ہوتی رہی اور اس کا امکان بھی باقی رہا، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے وصال فرما گئے تو احکام الہیہ میں تبدیلی اور نسخ یا کمی بیشی ممکن نہ رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی حکم کو منسوخ قرار دینا موقوف ہو گیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک حکم تبدیل ہو جاتا، وہ تبدیلی کچھ لوگوں کے علم میں آجاتی اور کچھ لوگ اس سے ناواقف رہتے، جو لوگ ناواقف رہتے تھے بعض اوقات وہ اپنی معلومات ہی کو مستند سمجھتے تھے اور بعض حضرات دوسروں کی معلومات کو قبول کر لیا کرتے تھے۔

اس تمہید کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھئے کہ ابتداء میں رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ رکوع کرنے والا اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھنٹوں کے بیچ میں رکھ لیتا تھا، اور اسی کیفیت میں تسبیحات رکوع پڑھ کر کھڑا ہو جاتا، کچھ عرصہ تک یہ طریقہ اسی طرح چلتا رہا، بعد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے اس طریقے کو "جسے تطبیق کہا جاتا ہے" منسوخ قرار دے دیا اور فرمایا کہ آج کے بعد اس طرح رکوع کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ گھنٹوں پر رکھ کر رکوع کیا کرو۔

لیکن نسخ کا یہ حکم حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم میں نہیں آیا اور وہ آخر دم تک تطبیق ہی کے طریقے سے رکوع کرتے رہے اور اس سلسلے میں کسی کی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا، بعد میں اس سے بھی زیادہ عجیب ہوا اور وہ یہ کہ امت کے تمام مشہور اماموں نے نسخ کے قول کو ثابت سمجھتے ہوئے تطبیق کو منسوخ قرار دیا اور اب پوری امت میں رکوع کا ایک ہی طریقہ متفق علیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

(۱۰۶) ابْنُ أَبِي السَّبْعِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَسْأَلُ عَطَاءً عَنِ الْإِمَامِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ أَيْقُولُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قَالَ مَا عَلَيْهِ أَنْ يَقُولَ ذَلِكَ ثُمَّ رَوَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ صَلَّى بِنَا النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ مَنْ ذَا الْمُتَكَلِّمِ بِهِدِهِ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ فَوَ الَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ بَضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَدَرُونَ أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا لَكَ وَأَوَّلُ مَنْ يَرْفَعُهَا۔

جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟

ترجمہ: ابن ابی السبع بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو عطاء سے یہ سوال پوچھتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے تو اس کے بعد ربنا لک الحمد بھی کہے گا؟ فرمایا کہ امام پر یہ کہنا ضروری نہیں، پھر انہوں نے دلیل کے طور پر حضرت ابن عمر کی یہ روایت پیش کی کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ایک آدمی نے یہ جملہ کہا ”ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ۔“

جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا، نبی ﷺ نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا تب وہ آدمی بولا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے یہ جملہ کہا تھا، فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے تم سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا کہ کون اس کا ثواب پہلے لکھ لے اور کون اسے سب سے پہلے اوپر لے جائے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: ”رَوَى“ بَابُ ضَرْبٍ سَمِعَ مَضْرُوعٌ مَعْرُوفٌ كَمَا صَيَّغَهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى رَوَى كَرْنَا وَرَأَى فِي هُوَ ضَمِيرٌ كَا فَاعِلٌ ”عَطَاءٌ“ هِيَ ”يَتَدَرُونَ“ بَابُ اقْتِعَالٍ سَمِعَ مَضْرُوعٌ مَعْرُوفٌ كَمَا صَيَّغَهُ جَمْعٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى سَبَقَتْ لِي جَانَا آگے بڑھنا۔

تَجْمِيعٌ حَدِيثٌ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۷۹۹، وَابْنُ دَاوُدَ: ۷۷۰، وَالنَّسَائِيُّ: ۱۰۶۳۔

مَقْلُوْبٌ: دراصل امام ابو حنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع سے اٹھتے وقت امام صرف تسمیح پر اکتفاء کرے، تحمید نہ کہے اس لیے انہوں نے اس روایت کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، دیگر ائمہ کی اس سلسلے میں مختلف آراء مشہور ہیں، لیکن ہمیں جو بات ذکر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس چھوٹے سے جملے پر اللہ نے کتنا عظیم اور کتنا زیادہ ثواب مقرر فرما رکھا ہے کہ تیس سے زائد فرشتے آپس میں ایک دوسرے پر اس ثواب کے لکھنے میں مسابقت کرتے ہیں، جملہ چھوٹا ہے، یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، ہر نماز میں رکوع کے بعد ”ربنا لک الحمد“ تو کہا ہی جاتا ہے، اس کے ساتھ ”حمدا کثیرا طیبا مبارکاً فیہ“ کا اضافہ کر لیا جائے تو نور علی نور اور سونے پر سہاگہ والی بات ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الرَّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُودِ

(۱۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَايِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔

سجدے میں ہاتھ رکھنے سے پہلے گھٹنے رکھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؒ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھتے تھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۲۶۸، وابن ماجه: ۸۸۲، والنسائی: ۱۰۹۰، وابدواؤد: ۷۳۸، والطحاوی: ۱۴۸۱۔

مَقْلُوْبٌ: اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کے سجدہ کرنے کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے گھٹنے نکاتے اور پھر ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے ہاتھوں کو اور پھر گھٹنوں کو اٹھایا کرتے تھے اس لیے کہ یہ ترتیب فطرت کے بھی عین مطابق ہے اور اس میں سہولت بھی زیادہ ہے۔

چنانچہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین پر جھکتے وقت جو عضو زمین کے جتنا قریب ہو، پہلے اسی کو زمین پر ٹکایا جائے اور اس کے بعد قرب کے دوسرے درجات کا خیال رکھا جائے، ظاہر ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ زمین سے بہت دور ہوتے ہیں اور گھٹنے اس کی نسبت زیادہ نزدیک ہوتے ہیں اس لیے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ رکھے، بھاری وجود کے لوگ خاص طور پر اور درمیانی جسم کے لوگ عام طور پر اگر اس ترتیب کو بدل دیں تو اس میں پیدا ہونے والی دشواری کا انہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔

اسی طرح فطرت کا تقاضا ہے کہ زمین سے سر اٹھاتے وقت چہرہ زمین سے الگ کرنے کے بعد پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں، پھر گھٹنے، کیونکہ اگر گھٹنے پہلے اٹھالے گئے تو انسان کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا اور وہ گر جائے گا، نیز سہولت بھی حدیث میں ذکر کردہ طریقے میں ہی ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ

(۱۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوْحَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی جیسا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِنْسَانُ يَسْجُدُ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ جَبْهَتِهِ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَمُقَدَّمِ قَدَمَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ كُلَّ عَضْوٍ مَوْضِعَهُ وَإِذَا رَكَعَ فَلَا يُدْبِحْ تَدْبِيحَ الْبَحْمَارِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ ارشاد فرمایا انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے (۱) پیشانی (۳۲) دونوں ہاتھ (۵۴) دونوں گھٹنے (۶) دونوں پاؤں کے اگلے حصے اور جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے ہر عضو کو اس کی جگہ پر رکھ دے اور جب رکوع کرے تو گدھے کی طرح حد سے زیادہ سر نہ جھکائے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدُّ رِجْلَيْهِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ يَسْجُدُ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ جَبْهَتِهِ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَرِجْلَيْهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدُّ صُلْبَهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمُدَّ الرَّجُلُ صُلْبَهُ فِي سُجُودِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابونضرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے پاؤں نہ پھیلائے کیونکہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سجدے میں اپنی کمر کو پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا تَوْبًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور نماز میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ لپیٹوں۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اوحى" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وحی بھیجنا "اعظم" جمع ہے عظم کی بمعنی ہڈی "فلیضع" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رکھنا "فلا یدبح" باب تفعیل سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گردن کو بہت زیادہ جھکا لینا "لا یمد" باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھینچنا "لا اکف" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی لیٹنا۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ وَرَابِعٍ: اخرجہما ابن ماجہ: ۸۸۳، والنسائی: ۱۰۹۴، والترمذی: ۲۷۳، وابوداؤد: ۸۸۹، والطحاوی: ۱۴۱۸، ومسلم: ۱۰۹۷ (۴۹۰)، والبخاری: ۸۰۹۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری، ۸۱۲، ومسلم: ۱۰۹۸ (۴۹۰)، والنسائی: ۱۰۹۸، وابن ماجہ: ۸۸۴۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ثَالِث: اخرجہ الحارثی فی مسنده: ۳۲۳۔

مَقْبُولٌ: ان تمام احادیث میں سات اعضاء کی ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم آیا ہے اور عام طور پر سجدہ میں زمین پر یہی اعضاء لگتے ہیں اس لیے یہ بات تو کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے البتہ ایک الجھن ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ان سات اعضاء میں ناک کا ذکر نہیں آیا حالانکہ وہ ایک اہم عضو ہے اور پھر بعض لوگ سجدے کی حالت میں جتکف اپنی ناک کو زمین پر لگانے سے بچاتے بھی ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ سو اس سلسلے میں تلاش بسیار کے بعد مسلم شریف کی ایک روایت میں اسی مضمون کی احادیث میں جبہ کے ساتھ "انف" کا ذکر بھی مل ہی گیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ راویوں کا اختصار ہے جس سے ذہن میں خلجان پیدا ہوا، مسلم شریف کا یہ حوالہ ملنے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا قابل قبول حل صرف یہی تھا کہ پیشانی کے ذکر پر اکتفا کر کے ناک کا ذکر نہیں کیا یا یہ کہ ناک کا وہ حصہ جو سجدہ میں زمین پر لگتا ہے اسے ہڈی کم اور ناک کا بانسہ زیادہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نرم اور لچکدار ہوتا ہے اس لیے اسے ہڈی میں شمار نہیں کیا لیکن اس پر سجدہ کرنے کی ضرورت دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔

بَابٌ لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعِيهِ فِي السُّجُودِ

(۱۱۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سَحِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى فَلَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعِيهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ۔

سجدہ میں اپنے بازوؤں کو نہ بچھائیں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز پڑھے (تو سجدہ میں) اپنے بازو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "فلا يفترش" باب اتعال سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچھانا "افتراش" اسے

کے لیے مفعول مطلق ہے۔

تحریج حدیث: انحرجه البخاری: ۸۲۲، و مسلم: ۱۱۰۲ (۴۹۳) و ابوداؤد: ۸۹۷، و الترمذی: ۲۷۶، و النسائی: ۱۱۰۴، و ابن ماجہ: ۸۹۲، و احمد: ۱۱۵/۳۔

مفہوم: انسان جس وقت سجدہ کرتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے سجدہ کے علاوہ کسی دوسری کیفیت میں قرب الہی کی وہ لذت نہیں اٹھائی جاسکتی جو سجدہ میں حاصل ہوتی ہے اسی لیے سجدہ کے آداب بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

چنانچہ ایک ادب تو ابھی گزرا کہ جسم کی سات ہڈیوں کو زمین پر اچھی طرح ٹکا دیں سجدہ کے دوران اپنے بالوں یا کپڑوں سے نہ کھیلیں اور ایک ادب یہاں ذکر فرما دیا کہ سجدہ کی حالت میں زمین پر اپنے بازو نہ بچھائے اس لیے کہ سجدے کی حالت میں جب انسان اوندھے منہ زمین پر پڑا ہو اور وہ اپنے بازو زمین پر بچھالے تو گویا اس نے کتوں جیسی حرکت کی۔

ظاہر ہے کہ اس تشبیہ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کیفیت کی مذمت کی جائے کیونکہ یہ کیفیت سستی کی علامت ہے اور سستی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور غافل اللہ کو پسند نہیں اس لیے سجدہ کی حالت میں اپنے بازو زمین سے اٹھا کر رکھے انہیں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور سنت کے مطابق نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْقُنُوتِ فِي الْفَجْرِ

(۱۱۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْفَجْرِ قَطُّ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَرْقُبْ ذَلِكَ وَلَا بَعْدَهُ يَدْعُو عَلَى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی نماز میں سوائے ایک مہینے کے کبھی قنوت نہیں پڑھی نہ آپ ﷺ کو اس سے پہلے قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد اور مذکورہ مہینے میں آپ ﷺ مشرکین کے کچھ لوگوں پر بددعا کرتے رہے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ إِلَّا أَرْبَعِينَ يَوْمًا يَدْعُو عَلَى عُصِيَّةٍ وَذُكُوَانٍ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ إِلَى أَنْ مَاتَ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صرف چالیس دن قنوت پڑھی ہے جس میں عصیہ اور ذکوان

نامی قبائل پر بددعاء فرماتے تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی وفات تک قنوت نہیں پڑھی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لم يقنت" باب نصر سے نفی جہد بلغم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دعائے قنوت پڑھنا "لم ير" باب فتح سے نفی جہد بلغم مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی دیکھنا "يدعو" اگر "دعا يدعو" کے صلے میں علی آجائے تو اس کا معنی بددعاء ہوتا ہے اور اگر لام آجائے تو دعائے خیر کرنا مراد ہوتا ہے۔

تَجْنِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ الطحاوی: ۱۴۳۰، والطبرانی فی الکبیر: ۸۳/۱۰، والاحادیث فی هذا الباب کثیرة تدل علیہ مثلا اخرجہ البخاری: ۱۰۰۳، ومسلم: ۱۵۵۴ (۶۷۷) والنسائی: ۱۰۸۰، وابن ماجہ: ۱۲۴۳۔

تَجْنِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: ما رایت احدا خرج هذا الحدیث باستثناء اربعین یوماً من الجماعة الا ان احمد اخرجہ فی حدیث طویل ولفظہ: فدعا النبی ﷺ علیہم اربعین صباحاً علی رعل، وذکوان، وبنی لحيان وعصية.. [مسند: ۱۳۲۲۷] واما بهذا السياق فقد اخرجہ الحارثی: ۲۶۵۔

مَقْلُوبٌ: کسی مصیبت یا ناگہانی آفت پر نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے کھڑے اس سے بچاؤ کے لیے دعا مانگنا "قنوت نازلہ" کہلاتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے اور جائز ہے الحمد للہ! ہم اسے عام دنوں میں بھی نہیں پڑھتے اور پڑھنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں ہے اور خاص دنوں میں بھی نہیں پڑھتے کیونکہ طبیعت سے ثابت نہیں جبکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم ہر موقع پر اپنے مظلوم و بے بس اور بے کس مسلمان بھائیوں کو کم از کم اپنی دعاؤں میں تو ضرور یاد رکھیں۔

رہی یہ بات کہ وہ دعاء کون سی ہے جو قنوت نازلہ کے حوالے سے پڑھنی چاہئے تو اس میں حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر جو دعاء بھی مناسب ہو، وہ کر لی جائے، خود نبی ﷺ نے ایک مرتبہ جب پورا مہینہ قنوت نازلہ پڑھی تھی تو اس میں اس وقت کے رؤساء و مشرکین مکہ کے نام لے کر آپ ﷺ نے ان کی پکڑ کی دعاء فرمائی تھی۔

نیز اس حوالے سے مسند احمد میں موجود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جو ان سے قنوت وتر کے حوالے سے منقول ہے، اور وہ روایات صحیحہ جو مشرکین پر قنوت نازلہ کی پکڑ کے حوالے سے امہات الکتاب میں موجود ہیں، سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

رہی وہ مخصوص دعائیں جو بعض کتابوں میں "دعائے قنوت نازلہ" کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں، ان ہی کا پڑھنا فرض یہ واجب نہیں، بلکہ ان کے ماسوا کوئی بھی دعاء مانگی جاسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دعاء عربی ہی میں ہو کیونکہ قنوت نازلہ دوران نماز پڑھی جاتی ہے، اور دوران نماز کسی اور زبان کا کوئی اور لفظ زبان سے نکلنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

(واللہ اعلم)

بَابُ صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُدِ

(۱۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ أَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى۔

تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "جلس" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "اضجع" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی لٹا لینا، بچھا لینا "قعد" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیٹھنا "نصب" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کھڑا کرنا، نصب کرنا۔

تخریج حدیث: أخرجه احمد: ۳۱۶/۴، وابوداؤد: ۷۲۶، والنسائی: ۱۱۶۰۔

مفہوم: اس موضوع کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو ہمیں دو قسم کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات میں افتراش کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں تورک کا بیان آتا ہے، افتراش کا معنی یہ ہے کہ قعدہ کی حالت میں انسان دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور تورک کا معنی یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھ جائے، ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینے کے لیے فقہاء کرام نے مختلف راستے اختیار کیے ہیں چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قعدہ اولیٰ میں افتراش اور قعدہ اخیرہ میں تورک کیا جائے، امام مالک دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس نماز میں ایک قعدہ ہو، اس میں تو افتراش کیا جائے اور جس میں دو قعدے ہوں، اس نماز کے پہلے قعدے میں افتراش اور دوسرے میں تورک کیا جائے، گویا ان تینوں حضرات نے افتراش اور تورک کے لیے قعدہ کو معیار بنایا ہے، گو کہ اس سلسلے میں حنفیہ کا موقف افتراش ہی ہے لیکن ان کی طرف سے ان روایات میں تطبیق کا معیار قعدہ کی بجائے جنس مصلیٰ کو بنایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر نمازی مرد ہو تو وہ بہر حال افتراش والی حدیث پر عمل کرے گا اور اگر نمازی خاتون ہو تو وہ بہر حال تورک والی حدیث پر عمل کرے گی کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے ستر پوشی زیادہ آسان ہوتی ہے۔

یوں بھی اگر دیکھا جائے تو افتراش والی کیفیت مرد کی مردانگی پر دلالت کرتی ہے اور تورک والی کیفیت مرد کے معذور ہونے یا کم از کم کابل اور سست ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے، نیز افتراش کی کیفیت میں انسان پر نشاط اور چستی کے آثار واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں، جبکہ تورک والی کیفیت میں ایسا نہیں ہوتا۔

بَابُ كَيْفَ تَجْلِسُ الْمَرْأَةُ فِي التَّشَهُدِ

(۱۱۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سُئِلَ كَيْفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ أُمِرْنَ أَنْ يَحْتَفِزْنَ.

عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے؟

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے سوال پوچھا کہ دور نبوت میں خواتین کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے وہ چوڑی مارتی تھیں پھر انہیں سمٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔
حَدِيثُ غِبَارَاتٍ: "النساء" ضمیر جمع "کن" سے بدل واقع ہو رہا ہے "یصلین" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "یتربعن" باب تفاعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چوڑی مارنا "امرن" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی حکم دینا "یحتفزن" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سمٹ لینا۔

تصحیح حدیث: أخرجه الحارثی فی مسنده: ۷۹

مفہوم: آج کل بعض خواتین مردوں کی طرح نماز پڑھنے کو ایک فیشن کے طور پر اختیار کرتی ہیں، وہ مردوں ہی کی طرح ہاتھ اٹھانا اور باندھنا، انہی کی طرح رکوع و سجود کرنا اور انہی کی طرح تشہد میں بیٹھنا اسلام کا عطاء کردہ حق مساوات سمجھتی ہیں، نہ معلوم کس بیوقوف نے ان کے دماغ میں مساوات کا مفہوم یہ راسخ کر دیا ہے کہ مرد کے جو حقوق ہیں وہی عورت کے حقوق ہیں، حالانکہ اگر کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی اپنے ذہن پر معمولی سا زور دے تو باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہو ہی نہیں سکتے، اور ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

رہی مساوات کی بات تو اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس کا جو حق شریعت نے مقرر کیا ہے اسے اس کا وہ حق مل جائے یعنی حقدار کو اس کا حق مل جانا ہی حقیقی مساوات ہے ورنہ افسر اور ملازم، حاکم اور محکوم، مالک اور نوکر سب کی تنخواہ یکساں ہونی چاہیے اور تاریخ گواہ ہے کہ جن ممالک میں یہ قانون رائج ہوا، ان ممالک میں باہمت، باصلاحیت، ذہانت و فطانت کے حامل افراد پیدا ہونا بند ہو گئے اور وہ ممالک بانجھ ہو گئے اور بالآخر یہ نظام بری طرح ناکامی کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مر گیا۔

خلاصہ یہ کہ مرد و عورت میں برابری تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے رات اور دن میں برابری تلاش کرنا، ہاں! ہر ایک کو اس کے مقررہ حقوق مہیا کرنا اسلام کا عظیم ترین کارنامہ ہے، اس لیے مرد و عورت کے طریقہ نماز میں فرق ہونا ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی تقاضا ہے اور مساوات کے حقیقی مفہوم پر اس سے کوئی زد بھی نہیں پڑتی۔

بَابُ التَّشْهَدِ

(۱۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُنَا التَّشْهَدَ كَمَا يُعَلِّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

تشہد کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

حَالِ عِبَارَاتٍ: "یعلمنا" باب تفعیل سے فعل مضارع معزوف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سکھانا اور "نا" ضمیر مفعول اول ہے اور تشہد مفعول ثانی اس اعتبار سے یہ متعدی بدو مفعول ہوا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم: ۹۰۳ (۴۰۳) و ابو داؤد: ۹۷۴، والترمذی: ۲۹۰، وابن ماجہ: ۹۰۰، والنسائی: ۱۱۷۶، واحمد: ۲۹۲/۱، وابن ابی شیبہ: ۲۹۴/۱، والدارقطنی: ۳۵۰/۱، والطحاوی: ۱۵۲۹۔

مَفْهُومٌ: یہ ایک ایسی کائناتی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی متعصب سے متعصب ترین انسان بھی نہیں کر سکتا کہ زندگی کے ہر موڑ پر ایک ایک جزئی مسئلہ کا شرعی حکم نامہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مہیا کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اور دھرم نہیں پیش کر سکتا۔

دوسری تمام چیزوں کو چھوڑ کر اگر صرف اسی ایک نماز کو لے لیا جائے جس کی دائیگی میں عام طور پر زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگتے ہیں تو اس کی ایک ایک کیفیت پر ہمیں مہربوت کی تصدیق نظر آتی ہے، کہیں قول پیمبر سے اس کی وضاحت ہوتی ہے اور کہیں عمل مصطفیٰ اس کی دلیل بنتا ہے۔

زیر بحث حدیث سے اس دعویٰ کی دلیل بھی نکلتی ہے اور تشہد کی اہمیت بھی اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ جس اہمیت اور اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی کسی آیت اور سورت کو سکھایا جاتا تھا، اسی اہمیت اور اہتمام کے ساتھ نماز میں تشہد کے کلمات کو بھی سکھایا جاتا تھا، اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب تشہد کی یہ حالت ہے تو باقی دوسرے ارکان اور طریقہ نماز سکھانے میں کیا کچھ اہتمام کیا جاتا ہوگا۔

(۱۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ أَبِيهِ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خُطْبَةَ الصَّلَاةِ يَعْنِي التَّشْهَدَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ نماز یعنی تشہد کی تعلیم دی ہے۔

حَالِ عِبَارَاتٍ: "علمنا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سکھانا "یعنی" باب

ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مراد لینا اور اس کے بعد آنے والا لفظ ہمیشہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔

تجلیح حدیث: أخرجه الطحاوی: ۱۰۲۸۔

مفہوم: اس حدیث کے نفس مضمون پر تو گزشتہ حدیث میں بحث ہو چکی البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث مجمل ہے اور اگلی حدیث میں اسی اجمال کی تفصیل مذکور ہے۔

بَابُ كَيْفَ عَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ التَّشَهُدَ؟

(۱۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقُولُ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ وَفِي رِوَايَةٍ زِيَادَةٌ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ وَلَكِنْ قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ إِلَى آخِرِ التَّشَهُدِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُمُ التَّحِيَّاتُ إِلَى آخِرِ التَّشَهُدِ وَفِي رِوَايَةٍ عَلَّمَنَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقُولُ إِذَا جَلَسْنَا فِي آخِرِ الصَّلَاةِ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى مَلَائِكَتِهِ نُسَمِّيهِمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولُوا كَذَا وَقُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو تشہد کی تعلیم کس طرح دی؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو (التحیات میں یوں) کہہ دیتے السلام علی اللہ (بعض روایات میں من عبادہ کا اضافہ بھی ہے) السلام علی جبریل و میکائیل ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس پر سلام چہ معنی دارد؟) اس لیے جب تم میں سے کوئی تشہد کی حالت میں بیٹھے تو یوں کہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود

نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تجلیح خانہ: أخرجه البخاری: ۸۳۱، ومسلم: ۸۹۷ (۴۰۲)، وابوداؤد: ۹۶۸، والنسائی: ۱۱۷۰، وابن ماجہ:

۸۹۹، والطحاوی: ۱۵۱۷۔

مفہوم: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے کلمات تشہد کا ذکر کیا گیا ہے اس سلسلے کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو چوبیس صحابہ کرام کی روایات اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہیں جن میں کلمات تشہد کا ذکر ملتا ہے، بعض سے بعض کی تائید ہوتی ہے اور بعض میں دوسرے الفاظ مذکور ہیں، ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

- | | | |
|---------------------------|-------------------------------|----------------------------|
| ۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود | ۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس | ۳۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری |
| ۴۔ حضرت جابر | ۵۔ حضرت عمر فاروق | ۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر |
| ۷۔ حضرت عائشہ صدیقہ | ۸۔ حضرت سمرہ | ۹۔ حضرت علی مرتضیٰ |
| ۱۰۔ حضرت عبداللہ بن زبیر | ۱۱۔ حضرت امیر معاویہ | ۱۲۔ حضرت سلمان فارسی |
| ۱۳۔ حضرت ابو حمید الساعدی | ۱۴۔ حضرت ابو بکر صدیق | ۱۵۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ |
| ۱۶۔ حضرت ابو سعید الخدری | ۱۷۔ حضرت انس | ۱۸۔ حضرت ابو ہریرہ |
| ۱۹۔ حضرت فضل بن عباس | ۲۰۔ حضرت ام سلمہ | ۲۱۔ حضرت حذیفہ |
| ۲۲۔ حضرت مطلب بن ربیعہ | ۲۳۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ | ۲۴۔ حضرت امام حسین |

ان تمام حضرات کے نقل کردہ کلمات تشہد پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور اس ترجیح کی ۲۲ وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر یہاں تفصیل و تطویل کے زمرے میں داخل ہو جائے گا اس لیے ہم ان وجوہ ترجیح کے بیان کو بڑی کتابوں پر چھوڑتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمَتَيْنِ

(۱۳۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يُرَى شِقُّ وَجْهِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذَلِكَ. وَفِي رِوَايَةٍ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ شِمَالِهِ مِثْلَ ذَلِكَ.

دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت جب ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہتے تو آپ ﷺ کا رخ انور دکھائی دیتا، اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت اور ایک روایت میں رخسار مبارک کا

ذکر ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ أَبِيهِ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ تَسْلِيمَتَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ دائیں اور بائیں دو سلام پھیرتے تھے۔
حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”بری“ باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا ”شق“ بمعنی جانب‘ طرف ”خد“ اس کی جمع خدود آتی ہے بمعنی رخسار ”تسلیمتین“ ما قبل ”یسلم“ کے لیے مفعول مطلق ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابن ماجہ: ۹۱۶، والنسائی، ۱۳۱۷، والترمذی: ۲۹۵، وابوداؤد: ۹۹۶، ومسلم: ۱۳۱۵ (۵۸۲) والطحاوی: ۱۵۴۶، ۱۵۵۱۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الطحاوی: ۱۵۶۳، ۱۵۶۶، وابن ابی شیبہ: ۲۹۹/۱۔

مفہوم: سلام کے حوالے سے یہ بات غالباً پہلے کہیں گزر چکی ہے کہ امام مالکؒ ایک طرف سلام پھیرنے کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور دیگر فقہاء کرام دونوں طرف سلام پھیرنا سنت سے ثابت کرتے ہیں اور مؤخر الذکر قول ہی اکثر فقہاء کا ہے اور اسی پر امت کا تعامل جاری ہے اس کے ساتھ ساتھ زیر بحث حدیث میں ایک پہلو اور بھی قابل ذکر ہے جس سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خوش نصیبی و بخت آوری سامنے آتی ہے کہ جب وہ دائیں طرف سلام پھیرتے تو رخ مصطفیٰ کا دیدار کر لیا کرتے اور جب بائیں طرف سلام پھیرتے تو دیدار محبوب سے اپنے آپ کو شاد کام کر لیا کرتے اور اب صورت حال یہ ہے کہ ہر طرف ایک سے بڑھ کر ایک جغادری، شاطر، عیار اور مکار بیٹھا مگر چھ کے آنسو بہاتا دکھائی دیتا ہے جو یقیناً اس کے ضمیر کی دستک پر کبھی نہیں بہتے ورنہ یہ ٹسوے بہانے والا ایک مختلف زندگی لے کر باہر نکلتا۔

بَابُ الْأَمْرِ بِالتَّخْفِيفِ فِي الصَّلَاةِ

(۱۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَحَدِيفَةُ وَأَبُو مُوسَى وَغَيْرُهُمْ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اجْتَمَعُوا فِي مَنْزِلٍ فَأَقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَجَعَلُوا يَقُولُونَ تَقَدَّمُ يَا فَلَانُ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ فَأَبَى فَقَالَ تَقَدَّمُ أَنْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً وَجِزَّةً أَتَمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ الْقَوْمُ لَقَدْ حَفِظَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نماز کو ہلکی پڑھانے کا حکم

ترجمتاً: ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی گھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ وغیرہ صحابہ کرام اکٹھے ہوئے نماز کا وقت ہوا تو یہ مالک مکان سے کہنے لگے کہ آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے! اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا اے ابو عبدالرحمن! آپ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ہلکی پھلکی اور مختصر سی نماز پڑھا دی جس میں انہوں نے رکوع سجدہ مکمل کیا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کہنے لگے کہ ابو عبدالرحمن نے نبی ﷺ کی نماز کو خوب یاد رکھا ہے۔

خَلَّ عِبَارَتٌ: "اجتمعوا" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا۔ "فاقیمت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کھڑا کرنا، اقامت کہنا، "تقدم" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آگے بڑھنا "فابی" فعل ماضی معروف کا باب فتح سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا۔

تَجَنَّبَ عِبَارَتٌ: اخرجہ الحارثی: ۵۱۸، وابن ابی شیبہ: ۴۱۷/۲، والطیالسی: ۳۹۵، واحمد مختصراً: ۴۳۹۷، وابن ماجہ: ۱۰۳۹۔

اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت صحابہ میں ہر فرد بہت کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا اور دوسرے کا احترام اور عزت و توقیر اپنے فرائض میں سمجھتا تھا، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امامت کا حقدار جموئی طور پر افضل آدمی ہے اس فضل و کمال میں تقویٰ و للہیت، قراءت و تجوید اور علم و عمل کے علاوہ دیگر شرائط بھی شامل ہیں۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت حذیفہ بن الیمان کوئی معمولی درجے کے یا غیر معروف صحابی نہیں بلکہ صاحب سرا لنبی ﷺ کے معزز لقب کے تن تہا وارث ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی جلیل القدر صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں، لیکن یہ حضرات مکمل دیانتداری کے ساتھ سمجھتے تھے کہ امامت کا حق ہم سے زیادہ ابن مسعود کو پہنچتا ہے اس لیے خواہ مخواہ امامت کے شوق میں آ کر مصلی امامت پر سوار نہیں ہو گئے جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ امام مسجد کی موجودگی کے باوجود وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مصلی امامت پر سوار ہونا اپنی کامیابی کی علامت سمجھتے ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ امامت کی ذمہ داریوں کو اتنا ہلکا سمجھنے والے اور اس کے شوق میں غلطاں و سرگرداں رہنے والے کون سا قلعہ سر کرنا چاہتے ہیں جو اس کے بغیر فتح کرنا ممکن نہیں رہتا، اور وہ اسوۂ صحابہ کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں؟

پھر سونے پر سہاگہ ان کی وہ عظیم الشان طویل قراءت ہوتی ہے جسے سن کر آدمی اپنے آپ کو نماز میں کم اور محفل قراءت میں زیادہ محسوس کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کا طرز عمل اس کی بھی پر زور نفی کرتا ہے کیونکہ زیر بحث

حدیث میں تصریح ہے کہ انہوں نے اپنے معاصرین کو اپنے پیچھے مقتدی بن کر کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی ساری تجوید و قراءت کا نزلہ ان پر جھاڑنے کی بجائے مختصر اور ہلکی پھلکی نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا، امت کے تمام ائمہ کے نام یہی ہے حضرت ابن مسعود کا پیام اب دیکھئے اس پر عمل کون کرتا ہے تمام؟

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ

(۱۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَوَجَدَهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ.

بورے پر نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ کو ایک چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس پر آپ سجدہ کر رہے تھے۔

حَلَّ عِبَارَتًا: "دخل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی داخل ہونا "یصلی" یہ ہضمیر مفعول کی حالت ہے "حصیر" چٹائی کو کہتے ہیں "یسجد" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سجدہ کرنا۔

تجربہ: صحیح بخاری: ۱۱۵۹ (۵۱۹) والترمذی: ۳۳۲ وابن ماجہ: ۱۰۲۹۔

مَقْلُوبًا: دور حاضر کے نرم گرم قالینوں پر سجدہ کرنے والے اب سے صرف پندرہ بیس سال پہلے کی تنکوں والی وہ صفیں بھول گئے ہیں جو کبھی پیشانی پر چبھتی تھیں اور کبھی ان پر گھٹنے ٹکانا مشکل ہوتا تھا، گاؤں دیہاتوں کی بعض مساجد میں اب بھی اس کا لطف اٹھایا جاسکتا ہے، گو کہ قالین اور کارپٹ پر نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں کی جاسکتی بالخصوص اس زمانے میں جب کہ طبیعتیں ذرا سی مشقت بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہیں اور ہمتیں پست ہو کر رہ گئی ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ مشقت برداشت کر کے جو عبادت کی جائے اس کا لطف اور مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ

(۱۳۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى قَاعِدًا وَقَائِمًا وَمُحْتَبِنًا.

مریض کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی ہے اور کھڑے ہو کر بھی اور احتباء کی حالت میں بھی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى مُحْتَبًا مِنْ رَمَدٍ كَانَ بِعَيْنِهِ۔
ترجمہ: خواجہ حسن بصریؒ سے مرسلہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی گھٹنے میں تکلیف کی وجہ سے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "محتبنا" باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی احتباء کرنا، اس کی مکمل وضاحت "مفہوم" میں ملاحظہ فرمائیے۔ "رمد" تکلیف کو کہتے ہیں "بعینہ" یوں تو عین کا معنی آنکھ ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق و سباق کے پیش نظر یہ معنی یہاں پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتا اس لیے یہاں اس کا ترجمہ گھٹنا کیا گیا ہے کیونکہ لفظ عین کا ایک معنی یہ بھی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الحارثی: ۱۱۔

تخریج حدیث دوم: اخرجہ الحارثی: ۳۳۷۔

مفہوم: احتباء کا معنی یہ ہے کہ انسان سرین کے بل بیٹھ جائے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھڑا کر لے اور کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے حلقہ بنا لے عام حالات میں اس کیفیت کے ساتھ بیٹھنا بالخصوص جبکہ تہبند یا دھوتی پہن رکھی ہو ممنوع ہے کیونکہ اس میں بے پردگی اور کشف ستر کا غالب امکان ہے البتہ عذر کی حالت مستثنیٰ ہے اور اس عذر کی حالت میں نماز بھی اس طرح پڑھ لینا جائز ہے۔

عام طور پر اس کیفیت میں نماز پڑھنے کا سب سے بڑا عذر گھٹنے کی تکلیف ہی ہو سکتی ہے، آنکھ کی تکلیف کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا کہ تکلیف آنکھ میں ہو اور کھڑے کر لیے جائیں گھٹنے اس لیے زیر بحث حدیث میں عین کا ترجمہ آنکھ کی بجائے گھٹنا کیا گیا ہے۔

اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی عذر کی حالت پر محمول ہے یا پھر اسے نوافل پر محمول کیا جائے گا کہ نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھے جاسکتے ہیں، لیکن بہر حال! اتنی بات ضرور طے ہے کہ نبی ﷺ نے بغیر عذر کے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے اور نہ ہی بیٹھ کر اس لیے عام حالات میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا

(۱۲۶) مُحَمَّدُ بْنُ بُكَيْرٍ قَاضِي الدَّامِغَانَ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمَرِيضِ إِذَا ذَهَبَ عَقْلُهُ كَيْفَ يُعْمَلُ بِهِ فِي وَقْتِ الصَّلَاةِ فَكَتَبَ إِلَيَّ يُخْبِرُنِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَرَضْتُ فَعَادَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فِي مَرَضِي وَجَاءَتْ الصَّلَاةُ

فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا جَابِرُ ثُمَّ قَالَ صَلَّى مَا اسْتَطَعْتَ وَلَوْ أَنَّ تُؤْمِيَّ-

اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: محمد بن بکیر قاضی دامغان کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ اگر کسی مریض کی عقل کام کرنا چھوڑ دے تو اس کے ساتھ نماز کے وقت کیا کیا جائے؟ تو امام صاحبؒ نے جواب میں یہ حدیث لکھ بھیجی کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بیمار ہو گیا، نبی ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر و عمرؓ بھی تھے، مجھ پر بیماری کی وجہ سے بیہوشی طاری تھی، نماز کا وقت ہو چکا تھا، نبی ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا، مجھے اسی وقت آفاقہ ہو گیا، نبی ﷺ نے پوچھا جابر! کیسے ہو؟ پھر فرمایا جب تک استطاعت ہو نماز پڑھتے رہو اگرچہ اشارے سے ہی پڑھنا پڑے۔

حَدِيثُ عِبَادَاتٍ: "الدامغان" خراسان کا ایک شہر ہے "ذہب" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چلا جانا "ینخبرنی" یہ کتب کے فاعل کی حالت کا بیان ہے "مرضت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بیمار ہونا "فعادنی" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیادت کرنا "اغمی" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیہوشی طاری ہونا "فأفقت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی آفاقہ ہونا "تومی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی اشارہ کرنا۔

تصحیح بخاری: أخرجه البخاری مختصراً: ۵۶۵۱، ومسلم ۴۱۴۵ (۱۶۱۶) و ابوداؤد: ۲۸۸۶، والترمذی، ۲۰۹۷

وابن ماجہ: ۲۷۲۸-

مفہوم: اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا جاسکتا ہے مثلاً:

۱۔ عالم اور فقیہ کو بھی سوال کرنے میں عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ قاضی محمد بن بکیر کے طریقے سے معلوم ہوا۔

۲۔ عالم کو جواب مدلل دینا چاہیے جیسا کہ امام صاحبؒ نے اپنا جواب حدیث سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیا اور سند بھی بیان کی۔

۳۔ بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے جو بد قسمتی سے ہمارے معاشرے سے مٹتی جا رہی ہے، گھر کی دیوار کے ساتھ دیوار ملے ہوئے گھر میں ہمسایہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے اور ساتھ والے گھر میں گل چہرے اڑائے جا رہے ہوتے ہیں

ہمسایہ بھوکا پیاسا سو جاتا ہے اور ساتھ والے گھر سے توئے بریانی اور مرغن غذاؤں کی خوشبوئیں اٹھتی ہیں، ہمسایہ دس دس دن تک بستر کے ساتھ دوستی نبھاتا ہے لیکن ساتھ والے خبر لینے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتے۔ فالی اللہ المشتکی۔

۴۔ نماز کی اہمیت واضح ہوئی کہ اگر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی ہمت ختم ہوگئی ہے تو اشارے سے ہی نماز پڑھ لے لیکن اسے چھوڑے نہیں، صد حیف! کہ ہم تو عین اذان کے وقت ہاتھ میں گیند بلا پکڑ کر کے اپنی اور قوم کی قسمت سنوارنے کے لیے اور ملک و ملت کا نام روشن کرنے کے لیے فاتحانہ انداز میں نکلتے ہیں، فجر کی نماز کے وقت لیلولہ اور ظہر کی نماز کے وقت قیلولہ، عصر اور مغرب میں کرکٹ کے دوران ہوا لولا اور عشاء کے وقت کھانے کی خواہش میں بے حد تڑپ کر ہوا بسولا اور منہ بسورتا ہوا بستر میں گھس گیا، یوں ہی صبح و شام تمام ہوتے رہتے ہیں اور زندگی کے معمولات میں فرق نہیں دکھاتی دیتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

بَابُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

(۱۲۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ لَمَّا أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيلَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ بِنَفْسِهِ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ مَقَامَكَ قَالَ أَفَعَلُوا مَا أَمَرَكُم بِهِ۔

اہل علم و فضل حضرات امامت کے زیادہ حقدار ہیں

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ پر بیہوشی طاری ہوئی تو فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، کسی نے کہا کہ ابو بکر رقیق القلب ہیں اور وہ خود بھی آپ کی جگہ کھڑا ہونا اچھا نہیں سمجھتے، نبی ﷺ نے فرمایا جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ لَمَّا أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ مَقَامَكَ فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ يَا صُوبِيحِبَاتِ يُوْسُفَ وَكَرَّرَ۔

ترجمہ: اس روایت کے آخر میں یہ لفظ زائد ہے اے یوسف کی عورتوں کی طرح بہانے بنانے والیو! اور نبی ﷺ نے اپنی بات کا تکرار کیا۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی تفصیل ہے۔

(۱۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرَضَ الْمَرَضَ الَّذِي

قُبِضَ فِيهِ خَفٌّ مِنَ الْوَجَعِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لِعَائِشَةَ مَرِي أبا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ
فَارْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا أَنِّي شَيْخٌ كَبِيرٌ
رَقِيقٌ وَإِنِّي مَتَى لَا أَرَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي مَقَامِهِ أَرِقٌ لِذَلِكَ فَاجْتَمِعِي أَنِّي وَحَفْصَةُ عِنْدَ
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيُرْسِلُ إِلَى عُمَرَ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ فَفَعَلْتُ بِهِمْ فَفَعَلْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْتَن صَوَاحِبُ
يُوسُفَ مَرِي أبا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ الْمُوَذِّنَ وَهُوَ يَقُولُ
حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِرْفَعُونِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ أَمَرْتُ أبا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ
بِالنَّاسِ وَأَنْتَ فِي عُدْرٍ قَالَ اِرْفَعُونِي فَإِنَّهُ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَرَفَعْتُ بَيْنَ
اِثْنَيْنِ وَقَدَمَاهُ تَخُذَّانِ الْأَرْضَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ لِحَسَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ حِذَاءَهُ يُكَبِّرُ وَيُكَبِّرُ
أَبُو بَكْرٍ بِتَكْبِيرِ النَّبِيِّ ﷺ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ غَيْرَ تِلْكَ
الصَّلَاةِ حَتَّى قُبِضَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ الْإِمَامَ وَالنَّبِيُّ ﷺ وَجِعَ حَتَّى قُبِضَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ایک دن درد کی شدت میں کمی محسوس کی
جب نماز کا وقت آیا تو حضرت عائشہ سے فرمایا ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہ نے حضرت ابو بکر
صدیق کی طرف ایک قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھیج دیا کہ نبی ﷺ آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے
جو ابنا کہلا بھیجا کہ میں بہت بوڑھا اور دل کا کمزور ہوں، جب میں نبی ﷺ کو ان کی جگہ پر نہ دیکھوں گا تو مجھ پر اور رقت
طاری ہو جائے گی اس لیے تم اور حفصہ اکٹھے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ وہ عمر کے پاس لوگوں کو نماز پڑھانے کا
پیغام بھیج دیں، جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا تو فرمایا تم تو یوسف کی عورتوں کی طرح ہو، ابو بکر کو حکم دو
کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا میں۔

جب اذان شروع ہوئی اور نبی ﷺ نے موذن کو ”حی علی الصلوة“ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا مجھے اٹھاؤ، حضرت عائشہ نے
عرض کیا کہ میں ابو بکر کو نماز پڑھانے کا کہہ چکی ہوں اور آپ حالت عذر میں ہیں، فرمایا مجھے اٹھاؤ، کیونکہ میری آنکھوں کی
ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دو آدمیوں کے درمیان آپ کو اٹھایا، آپ کے قدم مبارک
زمین پر گھستے جاتے تھے۔

جب حضرت ابو بکر کو نبی ﷺ کے مبارک قدموں کی آہٹ کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، نبی ﷺ نے انہیں اشارہ
کیا اور ان کی بائیں جانب آکر بیٹھ گئے، اب نبی ﷺ تکبیر کہتے تھے اور نبی ﷺ کی تکبیر پر حضرت ابو بکر تکبیر کہتے تھے اور

حضرت ابو بکرؓ کی تکبیر پر لوگ تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ نماز مکمل ہو گئی پھر اس نماز کے علاوہ اپنی وفات تک آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کوئی نماز نہ پڑھائی بلکہ حضرت ابو بکرؓ ہی امام رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار رہے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "مروا" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی حکم دینا اور جواب امر "فليصل بالناس" ہے "حصر" بمعنی رقيق القلب "صويحبات" صويحبة کی جمع ہے اور وہ صاحبہ کی تصغیر ہے "ارق" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رقت طاری ہو جانا "ارفعونى" باب فتح سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھانا۔ "تخدان" اور ایک روایت میں "تخطان" بھی وارد ہوا ہے دونوں باب نصر سے فعل مضارع معروف کے صیغہ تثنیہ مؤنث غائب ہیں بمعنی کھینچنا لکیر بنانا۔

تَجْمِيعُ حَدِيثٍ اَوَّلٍ وَ ثَانِي: اخرجهما البخارى، ٦٧٨، ومسلم: ٩٨٤ (٤٢٠) والترمذى: ٣٦٧٢ والنسائى: ٨٣٤ وابن ماجه: ١٢٣٢۔

تَجْمِيعُ حَدِيثٍ ثَالِثٍ: اخرج البخارى: ٦٨٧، ومسلم: ٩٣٦ (٤١٨) والترمذى مختصراً: ٣٦٢ والنسائى: ٨٣٥ وابن ماجه: ١٢٣٤۔

مَقَالَةٌ: اس حدیث سے فقہاء و محدثین کرام نے بہت سے مسائل مستبط کیے ہیں مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ان کی فضیلت کا اظہار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی امامت پر اصرار وغیرہ ان تمام استنباطات کی صحت کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے مجھے ان کی تفصیلات میں نہیں جانا بلکہ مجھے یہاں اس نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے جس پر حدیث کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے اور وہ ہے نماز کی اہمیت۔

غور طلب بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفا میں مبتلا ہیں بخار کی شدت حدت سے بھی آگے بڑھ چکی نقاہت اپنی انتہا کو پہلا ننگ چکی اور بنو ہاشم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے بشرے کو دیکھ کر اپنی خاندانی روایات کے مطابق یہ سمجھ گئے کہ سرکار اب ہمارے درمیان بہت زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے، لیکن ان سب کے باوجود نماز کا وقت ہو جانے پر سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟

اس سے کچھ اور آگے بڑھیں تو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خود مسجد میں تشریف آوری مشکل ہو گئی تو امام مقرر کر دیا لیکن لوگوں کو نماز کی چھٹی نہیں دی اور خود بھی نہیں چھوڑی، حالانکہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اپنے پیغمبر کی بیماری کا بڑا غم ہے اس غم میں کچھ بھی کرنے حتیٰ کہ نماز پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر قدم اٹھائیں تو کتب حدیث و سیر گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنی امت کے لیے دو چیزوں کی وصیت سب سے آخری کلام کے طور پر جاری ہوئی، ایک نماز کی پابندی اور دوسرے ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک۔

زندہ قومیں اپنے بڑوں کی کم از کم آخری وصیت کو تو انتہائی اہمیت کا مقام دیتی ہیں اور ان پر دل و جان سے عمل کرتی ہیں لیکن ہم نجانے کیسی زندہ قوم ہیں کہ اس آخری وصیت کو دل و جان سے بھلا بیٹھے ہیں، ہم فراموش کر چکے ہیں کہ ہمارے پیغمبر نے چلتے چلتے آخر دم تک کس چیز کی وصیت اور تلقین کی تھی؟ ہمارے پاس اس نکتے پر سوچنے کے لیے فرصت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ ہم بہت مصروف ہو چکے ہیں، اسی لیے ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامَةِ وَلَدِ الزَّانَا وَالْعَبْدِ وَالْأَعْرَابِيِّ

(۱۳۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ يَوْمُ الْقَوْمِ وَلَدُ الزَّانَا وَالْعَبْدِ وَالْأَعْرَابِيِّ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ۔

ولد الزنا، غلام اور دیہاتیوں کی امامت کا بیان

ترجمہ: ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ولد الزنا، دیہاتی اور غلام لوگوں کی امامت کر سکتے ہیں جبکہ قرآن پڑھ سکتے ہوں۔
حَدِيثٌ غَبَّارِيٌّ: "يَوْمُ" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امامت کرنا، یہ دال بالجزاء مقدم ہے اور اس کی شرط "اذا قرأ القرآن" مؤخر ہے۔

ترجمہ: حَدِيثٌ غَبَّارِيٌّ: ہو قول تابعی، بدل علیہ الاحادیث وقد اخرجہ محمد بن الحسن الشیبانی فی کتاب الآثار۔

مَفْهُومٌ: قانون اسلام کو دیکھتے ہوئے دیہاتی اور غلام کی امامت پر تو کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ اگر سروے کروایا جائے تو پورے پاکستان میں مثلاً اگر ہزار مساجد ہوں تو ان میں سے نو سو مساجد کے ائمہ کا تعلق کسی گاؤں پنڈ اور دیہات سے ہوگا، اور غلاموں کا دور اگرچہ ختم ہو چکا ہے لیکن ابتداء میں طبقہ موالی میں بڑے بڑے جلیل القدر فقہاء، محدثین، قاضی اور ائمہ گزرے ہیں جن کی جلالت قدر ہر زمانے میں متفقہ رہی ہے اس لیے اس پر تو حرف اعتراض نہیں اٹھایا جاسکتا۔

البتہ ولد الزنا کے بارے ذہن امامت کے تصور کو قبول نہیں کرتا اور دلیل یہ دیتا ہے کہ جس کی نیو اور بنیاد ہی گندگی پر اٹھائی گئی ہو اس سے بھلائی کی توقع رکھنا ایسے ہی ہے جیسے ایلوا کے درخت سے کھجور اگنے کی توقع رکھنا، اور یوں بھی معاشرے میں اس کی حیثیت ایک پھنکار زدہ دھتکارے ہوئے شخص کی ہوتی ہے اس لیے فطری طور پر لوگ اسے مصلی امامت پر کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس گندگی اور غلاظت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس بچے کا کیا قصور ہے؟ کیا اس بچے نے کسی نوجوان لڑکے اور لڑکی کو اپنے گناہ پر مہر تصدیق مثبت کرنے کے لیے مجبور کیا تھا؟ یا عالم ارواح میں اس بچے سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا جس کی سزا عالم اجساد میں اسے اس طرح بھگتنا پڑی؟ یقیناً ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

پھر اگر وہ بچہ اپنی پیشانی سے گندگی کے اس داغ کو مٹانے کے لیے اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کرتا ہے قرآن کریم پڑھنا سیکھتا ہے اس کے معانی و مفاہیم پر دسترس حاصل کرتا ہے اور دینی رہنمائی سے اپنی زندگی کو آشنا کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں طنز و تشبیح کے تیر اپنے سینے پر جھیلنا پڑیں۔

والد الزنا کی امامت سے اگر ہمارے ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ گناہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو یوں ہی مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دینا جائز ہے تو یہ تصور غلط ہے والد الزنا کی امامت کا جواز بھی انہی شرائط پر موقوف ہے جن شرائط پر ایک عام آدمی کی امامت موقوف ہوتی ہے۔

بَابُ الْإِثْنَيْنِ جَمَاعَةً

(۱۳۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِرَجُلٍ فَصَلَّى خَلْفَهُ وَامْرَأَةً خَلْفَ ذَلِكَ صَلَّى بِهِمْ جَمَاعَةً۔

دو آدمی بھی جماعت کے حکم میں ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھی وہ آدمی نبی ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت اس کے پیچھے کھڑی ہوئی اور نبی ﷺ نے ان سب کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی۔

حَدِيثُ عِبَارَتٍ: "صلى" کے صلے میں اگر باء یا لام آجائے تو اس کا معنی نماز پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ نماز پڑھانا ہوتا ہے۔ تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرج البخارى مافى معناه: ۷۲۷ والنسائى: ۸۷۰ وابن ماجه: ۹۷۵

مَفْهُومٌ: کتب حدیث کے تتبع و استقراء سے اس نوعیت کے تین واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں۔

۱۔ اس قسم کے ایک واقعہ میں نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کا نام حضرت علی مرتضیٰ آتا ہے اور خاتون کا نام حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آتا ہے۔

۲۔ دوسرے واقعے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا ذکر آتا ہے۔

۳۔ تیسرے واقعے میں حضرت انسؓ اور ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ کا نام آتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں ان تینوں میں سے جو واقعہ بھی مراد ہو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مقتدی اکیلا ہونے کی صورت میں چھلی صف میں کھڑا ہونے کی بجائے امام کے ساتھ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ حکم بھی یہی ہے تو پھر یہاں ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو میں سے ایک خرابی تو بہر حال لازم آنا ہی تھی یا تو وہ خرابی جس کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے یا پھر خاتون کو بھی مرد کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا اس صورت میں محاذاة مرآة لازم آتی پہلی

خرابی سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور دوسری خرابی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لیے اہون البلیغین کے طور پر کراہت والی صورت کو گوارا کر لیا گیا تاکہ فساد نماز والی صورت سے بچا جاسکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَصِلُ الصُّفُوْفَ

(۱۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصِلُونَ الصُّفُوْفَ۔

صفوں کے ملانے والوں کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "يُصَلُّونَ" اور "يَصِلُونَ" میں فرق ہے اول الذکر باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دعاء رحمت کرنا، نزول رحمت کرنا اور ثانی الذکر باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ملانا "الصفوف" صف کی جمع ہے۔

تصحیح حدیث: أخرجه ابن ماجه: ۹۹۵ و ابوداؤد: ۶۷۶۔

مفہوم: صفوں کی درستگی نماز کے لیے بہت ضروری ہے خود جناب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نمازیوں کی صفیں تیر کی طرح سیدھی ہو جاتی تھیں اور ان میں ایسا سیدھا پن ہوتا تھا کہ اگر کوئی آدمی اس سے تیر کو سیدھا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اس قدر بلوغ اہتمام کے بعد ایک دن نبی ﷺ نے حجت تمام کر دی اور فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا فرمادے گا۔

سردی کے موسم میں یہ منظر بکثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد کا ہال مکمل طور پر خالی ہوتا ہے اور صحن دھوپ سے بھرا ہونے کی وجہ سے لوگوں سے بھی بھرا ہوتا ہے دھوپ کی سکائی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے ٹلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، ائمہ و خطباء مساجد مائیک پر اپنا گلا پھاڑ پھاڑ کر ان سے اندر کا حصہ پورا کرنے کی درخواست کر رہے ہوتے ہیں لیکن نمازی حضرات زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کا مصداق بن کر اپنی جگہ جمے ہوتے ہیں، کچھ لوگوں کو بیچارے امام پر ترس آ جاتا ہے تو وہ مریلوں کی طرح ریگ ریگ کر آگے بڑھتے ہیں اور خالی جگہ پر کرنے کی بجائے اپنے ساتھ ڈیڑھ آدمی کی ایک نئی صف بنا لیتے ہیں۔

یقیناً ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاء مغفرت سے محروم رہتے ہیں، سوچنے والی بات ہے کہ نماز پڑھ کر

بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمتوں اور فرشتوں کی دعاؤں سے محروم رہے تو اس سے بڑھ کر محروم کون ہو سکتا ہے؟

بَابُ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ

(۱۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ تَنْبَرُّ بِهَا مِنَ الْبِرِّ وَالنِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔

فجر وعشاء کی جماعتوں میں شرکت کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز میں جماعت کے ساتھ شریک ہوا، اس کے لیے دو قسم کی براءت لکھی جائے گی، ایک نفاق سے براءت اور ایک شرک سے براءت۔

(۱۳۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَاوَمَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا عَلَى صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَالْعِشَاءِ فِي جَمَاعَةٍ كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ الْبِرِّ وَالنِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔

ترجمہ: اس روایت میں فجر اور عشاء پر چالیس دن مداومت کا ذکر ہے، باقی مضمون وہی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "براءة تان" مبدل منہ ہے اور "براءة" اس سے بدل واقع ہو رہا ہے "داوم" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہمیشگی کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البیہقی فی الشعب: ۲۸۷۵ والہندی: ۲۶۰۰ و عبد الرزاق: ۲۰۱۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن ماجہ: ۷۹۸۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں فجر اور عشاء کی تخصیص کی بہت سی وجوہات شراح اور فقہاء کرام نے بیان فرمائی ہیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ آسان اور قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عشاء کے وقت انسان دن بھر کا تھکا ہارا اپنے گھر کو لوٹتا ہے اس لیے اس کی ہمت اس کا ساتھ نہیں دیتی پھر شیطان کی تھکی اور ڈرامہ کی دلچسپی اس پر مستزاد ہوتی ہے اور فجر کے وقت انسان خواب غفلت میں مدہوش ہوتا ہے اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب مؤذن نے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا نعرہ لگایا اور کب سورج نکل کر سر پر چڑھ آیا، پھر اسے یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ اگر میں فجر کے وقت اٹھ گیا تو نیند پوری نہیں ہوگی دفتر میں جا کر نیند کے جھونکے آئیں گے، اگر فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو گیا تو آنکھ وقت مقررہ پر نہیں کھلے گی۔

یہ اور اس طرح کے بہانے اس کے نزدیک ایسے قطعی اور موثر دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سے ایک ایک بہانہ ہزاروں دلائل پر غالب ہے، ظاہر ہے کہ ایسے مواقع پر نفس اور شیطان کی ناراضگی اور دشمنی مول لے کر جو شخص نماز پڑھنے کے لیے متوجہ ہوا، اسے اضافی انعام بھی ضرور ملنا چاہیے، چنانچہ اس حدیث میں دو انعام ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۔ نفاق سے براءت یعنی اتنی محنت برداشت کرنے والا شخص حقیقی منافق نہیں ہو سکتا۔

۲۔ شرک سے براءت یعنی اتنی محنت برداشت کرنے والا شخص حقیقی مشرک کبھی نہیں ہو سکتا۔

اور بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصیت کے ساتھ ان دونوں نمازوں اور عمومیت کے ساتھ تمام نمازوں پر مداومت کی توفیق عطاء فرمائے اور اس پر کیے گئے اجر و ثواب کے وعدے کو ہمارے حق میں بھی قبول فرمائے۔ آمین۔

بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

(۱۳۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي الْخُرُوجِ لِمَنْ لَصَلَاةِ الْعَدَاوَةِ وَالْعِشَاءِ لِلنِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ إِذَا يَتَّخِذُونَهُ دَغْلًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَخْبِرْكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَقُولُ هَذَا۔

خواتین کے مساجد میں آنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو بھی نماز فجر اور عشاء میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی، ایک آدمی نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ اس زمانے کی عورتیں تو اسے اپنے لیے دلیل بنا لیں گی؟ تو فرمایا کہ میں تمہیں نبی ﷺ کے حوالے سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں اپنی بات کہہ رہے ہو۔

حَدِيثُ خَبَرَاتٍ: "رخص" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رخصت دینا "يتخذونه" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی پکڑنا، اور ایک روایت میں جمع مؤنث کا صیغہ بھی آیا ہے "دغلا"، بمعنی مکر و فریب، دلیل حیلہ بہانہ۔

تَجْرِيحُ خَبَرَاتٍ: اخرجہ مسلم: ۹۹۲ (۴۴۲) والبخاری مختصراً: ۸۶۵ و ابوداؤد: ۵۶۸ والترمذی: ۵۷۰ وابن ماجہ: ۱۶۔

مَقْلُوبٌ: بنیادی طور پر خواتین کو چند قیودات کی پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آنے کی اجازت ہے لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اس اجازت پر پابندی لگائی جائے گی۔ چنانچہ ان شرائط میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مسجد میں بے حجابانہ مت آئیں۔

۲۔ چمکیے اور بھڑکیے لباس پہن کر اور عطر کی خوشبو میں اپنے آپ کو بسا کر مت آئیں۔

۳۔ کھنکھتے ہوئے زیورات نہ پہن کر آئیں۔

۴۔ مردوں کے ساتھ گھلنے ملنے نہ پائیں۔

۵۔ راستے میں کسی اوباش کے تنگ کرنے کا خطرہ ہو تو گھر ہی میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔

یہ اور اس جیسی دیگر شرائط کی موجودگی میں خواتین مسجد میں آ سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے بلال نے اس معاملے میں ان سے تکرار کی کوشش کی تو انہوں نے اسے حدیث سے معارضہ تصور کیا اور کتب حدیث کے مطابق انہوں نے اسی موقع پر قسم کھالی کہ میں آئندہ تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا کیونکہ تو حدیث کا مقابلہ کرتا ہے اور یہ بات میری غیرت ایمانی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ پھر اس کے بعد انہوں نے زندگی بھر اپنے بیٹے سے بات نہیں کی، معلوم ہوا کہ حدیث کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رائے کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ إِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعِشَاءُ

(۱۳۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا نُودِيَ بِالْعِشَاءِ وَآذَانَ الْمُؤَدِّ فَابْدِءْ وَالْعِشَاءِ۔

جب رات کا کھانا اور نماز عشاء اکٹھے ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر عشاء کی اذان ہو چکی ہو اور مؤذن اقامت کہہ چکا ہو (بھوک شدید لگی ہوئی ہو اور کھانا آجائے) تو پہلے کھانا کھا لو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "العشاء" عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا نماز عشاء اور عین کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا رات کا کھانا "فابدء وا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ابتداء کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه النسائي: ۸۵۴، والترمذي: ۳۵۳، والبخاري: ۵۴۶۵، ومسلم: ۱۲۴۱ (۵۵۷) وابن ماجه:

-۹۳۳

مَقَالَةٌ: یہ مسئلہ جسے بھی معلوم ہوتا ہے وہ اپنی زندگی میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کر کے اپنے تئیں مطمئن ہو جاتا ہے اور مزیداری کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث بھی پورے ذخیرہ حدیث کا انکار کر دینے پر تلا ہوا ہونے کے باوجود اس حدیث کا انکار نہیں کرتے کیونکہ اس حدیث سے ان کے ذاتی مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ الٹا حفاظت ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو اس حدیث کو بیان جواز اور بیان رخصت کے پہلو سے کسی صورت آگے نہیں بڑھایا جاسکتا اور امر کا صیغہ دکھا کر اس کے وجوب پر استدلال کرنے کا دھوکہ بھی نہیں دیا جاسکتا چنانچہ فقہاء و

محدثین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم شدت جوع پر محمول ہے کہ اگر بھوک اتنی زیادہ لگی ہوئی ہو کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہو اور اس حالت میں کوئی بھی کام صحیح طور پر ہونے کا امکان نہ ہو تو نماز کھڑی ہونے کے باوجود اتنے لقمے کھانا لینا جائز ہے جو کسی نہ کسی حد تک گزارے کا کام دے دیں اور انسان کی بھوک کسی حد تک کم ہو جائے اس کے بعد وہ نماز پڑھ لے اور بعد ازاں اپنی بھوک کو مٹالے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ

(۱۳۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ الْأَسْوَدِ أَوْ الْأَسْوَدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّى الظُّهْرَ فِي بُيُوتِهِمَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمَا يَرِيَانُ أَنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوا ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الصَّلَاةِ فَقَعَدَا نَاجِيَةً مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُمَا يَرِيَانُ أَنَّ الصَّلَاةَ لَا تَحِلُّ لَهُمَا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَرَأَاهُمَا أَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَجِئَ بِهِمَا وَفَرَأَيْتُهُمَا تَرْتَعِدُ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ قَدْ حَدَثَ فِي أَمْرِهِمَا شَيْءٌ فَسَالَهُمَا فَأَخْبَرَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ إِذَا فَعَلْتُمَا ذَلِكَ فَصَلِّيَا مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلَا الْأُولَى هِيَ الْفَرَضُ۔

وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ جَمَاعَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ فَقَالُوا عَنِ الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

اگر کوئی شخص تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر جماعت پالے تو وہ کیا کرے؟

ترجمہ: مروی ہے کہ دو آدمیوں نے دور نبوت میں ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لی، ان کا گمان یہ تھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، پھر وہ دونوں مسجد میں آئے تو نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے وہ دونوں مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اب دوبارہ نماز پڑھنا ان کے لیے جائز نہیں، جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں بلوایا، جب ان دونوں کو لایا گیا تو ان کے اعضاء جسم تھر تھر کانپ رہے تھے اس خوف سے کہ ان دونوں کے معاملے میں کوئی نیا حکم نہ آ گیا ہو، نبی ﷺ نے ان سے حقیقت حال پوچھی تو ان دونوں نے ساری بات بتادی، نبی ﷺ نے فرمایا جب ایسا ہو جائے تو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرو اور پہلی نماز کو ہی فرض سمجھا کرو۔

یہ حدیث ایک جماعت نے امام صاحب سے پشم سے بھی مرفوعاً نقل کی ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "صَلَاةٌ" بَابُ تَفْعِيلٍ مِنْ فَعَّلَ مَضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَالصِّيغَةِ تَشْبِيهُ مَذْكَرٍ غَائِبٍ هِيَ بِمَعْنَى نَمَازٍ يُرْهَنُ "يَرِيَانُ" بَابُ فَتْحٍ مِنْ فَعَّلَ مَضَارِعٍ مَعْرُوفٍ كَالْمَذْكَورِ صِيغَةً هِيَ بِمَعْنَى دَيْكُنَا مُرَادُ خِيَالٍ كَرْنَا هِيَ "فَجِئَءُ" بَابُ ضَرْبٍ مِنْ فَعَّلَ مَضِيٍّ مَجْهُولٍ كَالصِّيغَةِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هِيَ بِمَعْنَى آتَى، لِأَنَّهَا مِنْ فَعَّلَ مَضَارِعٍ مَعْرُوفٍ كَالْمَذْكَورِ صِيغَةً وَاحِدَةٌ مَوْثِقَةٌ غَائِبَةٌ هِيَ

بمعنی کانپنا۔ ”فصلیا“ یہ باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہے۔

تَجْتَجِبُ حَدِيثًا: اخرجہ النسائی: ۸۵۹، والترمذی: ۲۱۹، واحمد: ۱۷۶۱۳، والطیالسی: ۱۲۴۷، وابوداؤد: ۵۷۵، والدارمی: ۱۳۷۴، وابن خزیمہ: ۱۲۷۹۔

مَقْفُورًا: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ ایک ہی دن کی ایک ہی فرض نماز دو مرتبہ نہیں پڑھی جا سکتی، جب بھی وہ نماز پہلی مرتبہ مخصوص نیت کے ساتھ پڑھی جائے گی خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر وہ ادا ہو جائے گی اس کے بعد اگر اسی دن کی وہی نماز دوبارہ پڑھی جائے تو اس پر فرائض کا ثواب کسی صورت نہیں مل سکتا بلکہ اس نماز کو نفل شمار کیا جائے گا اور اس پر نوافل کا ہی ثواب مرتب ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کے لیے بیک وقت دو مسجدوں میں امامت کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز مثلاً ایک مسجد میں پڑھائے پھر وہی ظہر کی نماز جا کر دوسری مسجد میں پڑھا دے، کیونکہ اس صورت میں پہلی مسجد کے مقتدیوں کی تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن دوسری مسجد کے مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ یہ ”اقتداء المفترض بالمتنفل“ ہے اور یہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۱۳۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يَرُوحُونَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَقَدْ عَرَقُوا وَتَلَطَّخُوا بِالطِّينِ فَقِيلَ لَهُمْ مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ النَّاسُ عُمَارَ أَرْضِهِمْ وَكَانُوا يَرُوحُونَ يُخَالِطُهُمُ الْعَرَقُ وَالتَّرَابُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا حَضَرْتُمْ الْجُمُعَةَ فَاغْتَسِلُوا۔

جمعہ کے دن غسل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ دوسرے پہر جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تھے مٹی میں لتھڑنے کی وجہ سے وہ پسینہ پسینہ ہوتے تھے اس لیے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص جمعہ کے لیے روانہ ہو اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے آئے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگ اپنی زمینوں کو (کھیتی باڑی کے ذریعے) خود ہی آباد رکھتے تھے اور جب جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تو پسینہ اور مٹی میں ڈوبے ہوتے تھے اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ کے لیے آیا کرو تو غسل کر کے آیا کرو۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۳۹) أَبُو حَنِيفَةَ وَالْمَنْصُورُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى مَنْ آتَى الْجُمُعَةَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا اس شخص پر واجب

ہے جو جمعہ کے لیے آئے۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "یرو حون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دوپہر کو چلنا "عرقوا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی پسینہ آنا "تلطخوا" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی آلودہ ہونا "عمار" عامر کی جمع ہے بمعنی آباد کار "اتی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۹۰۳، ومسلم: ۱۹۵۸ (۸۴۷) وابوداؤد: ۳۵۲، والنسائی: ۱۳۸۰، والطحاوی، ۶۸۴۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرج البخاری مثله: ۸۷۷، وابوداؤد: ۳۴۰، والترمذی: ۴۹۲، والنسائی: ۱۳۷۷، وابن ماجه: ۱۰۸۸۔

مَقْلُوبٌ: جمعہ کا دن سید الایام اور فضائل و برکات سے بھرپور ہونے کے سبب اپنے اندر عید کا سا احساس رکھتا ہے اس لیے نماز جمعہ سے قبل غسل کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگا کر خوب تیار ہو کر مسجد میں جانا اس کا تقاضا بھی بنتا ہے بالخصوص جبکہ صورت حال وہ ہو جس کا ترجمہ حدیث میں ذکر کیا گیا۔

دیگر محدثین کی روش سے ہٹ کر یہ تشریح اس لیے کی گئی تاکہ مؤخر الذکر حدیث کو منسوخ ماننے کی یا اس میں تاویل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ جب بھی نمازیوں کے اجتماع اور ان کے پسینے کی وجہ سے مسجد میں گھٹن کا ماحول پیدا ہو اور ایسی کیفیت کا احساس ہو جس سے مسجد میں موجود ملائکہ کو اذیت پہنچنے کا امکان ہو، اس وقت یہ حکم دوبارہ متوجہ ہو جائے گا اور غسل جمعہ واجب قرار پائے گا اور جب ایسی کیفیت ختم ہو جائے تو کچھ عرصہ کے لیے اس پر حکم ملتوی ہو جائے گا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے قانون کی کتابوں میں بے شمار قوانین اور آئینی جزئیات موجود ہوتی ہیں لیکن ہر وقت ہر قانون پر عملدرآمد ہوتا ہے اور نہ ہی ہر وقت وہ حالات موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ آئینی حکم لاگو کیا جاسکے، البتہ آئین میں ان کی موجودگی اس لیے ضروری ہوتی ہے کہ جب کبھی وہ حالات پیدا ہوں تو اس کا آئینی حکم موجود ہو، زیر بحث قانون کو اگر اس مثال پر منطبق کر لیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَلْسَةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

(۱۴۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جَلَسَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ جَلْسَةً خَفِيفَةً۔

خطبہ سے پہلے بیٹھنے کا بیان

تَرْجَمَنَا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو خطبہ سے قبل تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَلْ رَجُلًا حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ عَنْ خُطْبَةِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ لَهُ أَمَا تَقْرَأُ سُورَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لَا أَعْلَمُ قَالَ فَقَرَأَ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا أَنْفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔

تَرْجَمَنَا: حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جمعہ کے دن نبی ﷺ کے خطبہ کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورہ جمعہ نہیں پڑھ رکھی؟ اس نے کہا کیوں نہیں! لیکن میں سمجھ نہیں سکا راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ جب وہ تجارت یا لہو و لعب کی کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ اٹھتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "صعد" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چڑھنا "جلسة خفيفة" موصوف صفت مل کر "جلس" کے لیے مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ اَوَّلٍ: اخرجہ ابوداؤد: ۱۰۹۲۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ ثَانِيٍّ: اخرجہ ابن ماجہ: ۱۱۰۸۔

مَفْهُومٌ: ۱۔ خطبہ سے قبل تھوڑی دیر بیٹھنا اذان کی وجہ سے ہونے کا بھی امکان ہے جیسا کہ آج کل حرین شریفین میں یہی طریقہ مروج ہے۔

۲۔ سورہ جمعہ کی آیت میں لفظ "قائما" سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۳۔ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو سلام کرتے تھے جیسا

کہ حرین شریفین میں اب تک یہی طریقہ رائج ہے اور اس کی تائید مسند احمد میں حضرت براء بن عازبؓ کی اس حدیث سے

بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر ہم لوگ عید گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی ﷺ آ گئے،

اور نبی ﷺ نے لوگوں کو سلام کیا۔ (مسند احمد: ۱۸۶۸۲)

۴۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ کی مناسبت اور اہمیت سے لوگوں کا ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے جسے دیکھ کر عید کا احساس ہوتا ہے اسی

مناسبت سے "خطبہ جمعہ" مشروع کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس تک دین کی ضروری اور اہم تعلیمات سادہ اور سہل انداز میں

پہنچائی جا سکیں، عقائد کی اصلاح، مالی معاملات میں امانت و دیانتداری کی اہمیت، معاشرتی و اخلاقی رہنمائی اور آداب عبادت

لوگوں پر واضح کیے جا سکیں۔

لیکن آہستہ آہستہ خطباء نے اس نہج سے ہٹنا شروع کر دیا اور اب ہندو پاک میں خصوصاً اور دوسرے بہت سے ممالک میں عموماً ہر خطیب نے اپنی پسند کا ایک عربی خطبہ منتخب کر لیا ہے اور وہ ہر جمعہ کو اپنے رٹے ہوئے الفاظ لوگوں کو آ کر سنا دیتا ہے اور مندرجہ بالا ضروریات کی تکمیل کے لیے اردو کی تقریر کا اضافہ کر لیا گیا ہے لیکن اس اضافے کے باوجود بہت سے خطباء اپنے اصل مقاصد کی تکمیل سے محروم رہے اور انہوں نے اپنی اڑان چند مشہور خطباء اور واعظین کی کیسٹوں، خطبات اور اسلامی صحافت کے چند علمبردار اخبارات و رسائل تک ہی محدود رکھی، حالانکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کی ذہن سازی کرنا کچھ مشکل نہ تھا، البتہ اس کے لیے مشنری جذبہ اور لگن مہیا کرنا یقیناً کارے دارد۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

(۱۴۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَحْمَدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْكُوفِيِّ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ يُونُسَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي جَنَادَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ۔

جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ آتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عیدین کے موقع پر اور جمعہ کے دن ”سبح اسم ربك الاعلى“ اور ”هل اتاك حديث الغاشية“ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”في العیدین و یوم الجمعة“ معطوف اور معطوف علیہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو کر ”یقرأ“ فعل بافاعل کے متعلق ہوں گے اور ضابطہ کے مطابق یہ استمرار تجدیدی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ مسلم: ۲۰۲۶ (۸۷۷) و ابوداؤد: ۱۱۲۴، والترمذی: ۵۱۹، والنسائی: ۱۴۲۲، وابن ماجہ: ۱۱۱۸، واحمد: ۴۲۹/۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ مسلم: ۲۰۲۸ (۸۷۸) و ابوداؤد: ۱۱۲۵، والنسائی: ۱۴۲۳، وابن ماجہ: ۱۱۲۰۔

مفہوم: ان دونوں حدیثوں کا تعلق یوم جمعہ کی نماز فجر سے نہیں بلکہ نماز جمعہ کے ساتھ ہے کیونکہ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر کی تلاوت سنت سے ثابت ہونے کا ذکر کتب حدیث میں مکمل سند کے ساتھ ملتا ہے اس لیے ان سورتوں کا ”جن کا ذکر زیر بحث حدیثوں میں آیا ہے“ تعلق نماز جمعہ کے ساتھ ہی ہے۔

اول الذکر دو سورتوں میں سے پہلی سورت کے انتخاب کی وجہ تو اس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا نام ہی سورہ جمعہ ہے اور دوسری سورت کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے اجتماع میں مخلص اور منافق دونوں طرح کے لوگ ہوتے تھے اس سے مخلصین کو یہ پیغام مل جاتا کہ منافقین مار آستین ہیں ان سے بچ کر رہنا اور منافقین کو یہ پیغام مل جاتا کہ تمہارے دلوں میں آنے والے خیالات اور زبانوں پر چلنے والے الفاظ سے ہم بذریعہ وحی مطلع ہو جاتے ہیں اس لیے ہمیں لاعلم مت سمجھنا۔

اور مؤخر الذکر دو سورتوں میں سے سورہ اعلیٰ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کائنات رنگ و بو میں بسنے والے ہر عاقل کے لیے کامیابی اور فوز و فلاح کا ایک دستور اور اصول متعین طور پر بتا دیا گیا ہے انسان اس دستور کو فراموش نہ کر بیٹھے اس لیے اکثر اس سورت کو منتخب کیا جاتا اور سورہ غاشیہ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قیامت کے دن اہل جنت اور اہل جہنم کے دو گروہ اپنی اپنی علامتوں اور چہرے بشرے سے ہی شناخت کیے جاسکیں گے اسکے بعد عذاب و ثواب کا امتیاز الگ ہوگا اب تم یہ سوچ لو کہ ان دونوں میں سے کس گروہ کے ساتھ شامل ہونا تمہیں پسند ہے؟ نیز یہ کہ تمہیں کس قسم کا انجام پسند ہے؟ ہر جمعہ اس سورت کی تلاوت سے اپنے انجام کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ مَاتَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ

(۱۴۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ لَيْلَةٍ جُمُعَةٍ إِلَّا وَيَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى خَلْقِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَغْفِرُ اللَّهُ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔

شب جمعہ میں فوت ہونے والے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شب جمعہ کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تین مرتبہ نظر کرم فرماتے ہیں اور ہر اس آدمی کی بخشش فرمادیتے ہیں جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(۱۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا اسے عذاب قبر سے بچا لیا جائے گا۔

حَرْفُ عِبَارَاتٍ: "ما" نافیہ ہے اور "لا" برائے استثناء اس سے کلام میں حصر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے "ینظر" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "یغفر" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بخش دینا "مات" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مرجانا "وقی" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بچانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الحارثی: ص ۲۳۶ واما الحدیث الثانی فقد اخرجہ الترمذی: ۱۰۷۴ و ابو یعلیٰ:

۴۰۵۳ و ابن عدی: ۸۵۴۳، و عبدالرزاق: ۵۵۹۶، و احمد: ۶۵۸۲۔

مفہوم: بنیادی طور پر پہلی حدیث میں شب جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری حدیث میں یوم جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن ضمنی طور پر شرک کی مذمت پر بھی یہیں سے روشنی پڑ جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی بھی نوعیت میں کسی بھی شخص یا چیز کو شریک سمجھتا ہے وہ اللہ کی اس نظر کرم سے محروم رہتا ہے جس سے باقی ساری خلق خدا مستفید ہوتی ہے اور یہیں سے عذاب قبر کا ثبوت بھی مل گیا جس کا بعض لوگ نادانی سے انکار کر دیتے ہیں۔

شب جمعہ اور یوم جمعہ کے فضائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہاں اس سوال کو حل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر ان کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کسی اور دن ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا ایک جواب تو سیدھا سادھا ہے کہ اگر کسی اور دن کی یہ فضیلت ہوتی تب بھی سائل کا سوال برقرار رہتا کہ اس حکم کی اس دن کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے ایک اعتبار سے یہ سوال ہی بے موقع ہے۔

اور دوسرا جواب "جو ذرا لچھے دار ہے اور اسے عام طور پر "تحقیقی جواب" کے شاندار خطاب سے نوازا جاتا ہے" یہ ہے کہ جمعہ کے دن اللہ کے حکم سے جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور آتش جہنم کو بھڑکانا موقوف کر دیا جاتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پروردگار کا دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے اسی کا مظاہرہ ان دو صورتوں میں ہوتا ہے کہ ایک تو ہر مؤمن کی بخشش کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور دوسرا ہر مرنے والے کو عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے کیونکہ عذاب قبر عذاب جہنم کا نمونہ ہے اور عذاب جہنم کو موقوف کر دیا گیا ہے لہذا عذاب قبر کو بھی موقوف کر دیا جائے گا لیکن اگر ایک دن اور رات گزرنے کے بعد عذاب قبر کو شروع کر دیا جائے تو اس سے بندے کو زیادہ تکلیف ہوگی اور وہ ذہنی طور پر بھی اذیت محسوس کرے گا اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ جو ابتداء عذاب قبر سے محفوظ رہا وہ بعد میں بھی اس میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، گویا اس دن فوت ہونا انسان کی سعادت و نجات اور کامیابی کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّخْصَةِ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْخَيْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِينَ

(۱۴۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَمَّنْ سَمِعَ أُمَّ عَطِيَّةَ تَقُولُ رُخِصَ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْعِيدَيْنِ حَتَّى لَقَدْ كَانَتْ الْبِكْرَانِ تَخْرُجَانِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ حَتَّى لَقَدْ كَانَتْ الْحَائِضُ تَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِي عُرْضِ النَّاسِ يَدْعُونَ وَلَا يُصَلِّينَ۔

خواتین کے لیے نیکی اور دعاء میں نکلنے کی رخصت ہے

ترجمہ: حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ دو لڑکیاں ایک کپڑے میں (ایک چادر اوڑھ کر) بھی چلی جاتی تھیں حتیٰ کہ حائضہ عورت بھی نکلتی تھی اور لوگوں کے آخر میں جا کر بیٹھ جاتی، ایسی عورتیں دعاء میں شریک ہوتی تھیں، نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ أُمَّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كَانَ يُرَخِّصُ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْعِيدَيْنِ مِنَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ إِنْ كَانَ الطَّامِثُ لَتَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِي عُرْضِ النِّسَاءِ فَتَدْعُو فِي الْعِيدَيْنِ۔
وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نُخْرِجَ يَوْمَ النَّحْرِ وَ يَوْمَ الْفِطْرِ ذَوَاتِ الْخُدُورِ وَالْحَيْضَ فَأَمَّا الْحَيْضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلَاةَ وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كَانَتْ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتَلْبِسْهَا أُخْتَهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن پردہ میں رہنے والی اور حائضہ عورتوں کو بھی عید گاہ میں لے جایا کریں، البتہ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں لیکن خیر کے اس موقع پر اور مسلمانوں کی دعاء میں موجود رہیں، ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا اس کی بہن اسے اپنے ساتھ اپنی چادر اوڑھالے۔

حَلِجْ عِبَارَاتٌ: ”رخص“ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رخصت دینا ”البکران“ بکر کی تشبیہ ہے بمعنی کنواری لڑکی، ”عرض“ عین کے ضمہ کے ساتھ کنارہ کے معنی میں ہے ”یدعون“ باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی دعا کرنا ”الطامث“ بمعنی الحائض ”ذوات الخدور“ پردہ نشین خواتین ”الحیض“ حائض کی جمع مکسر ہے۔ ”یعتزلن“ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی جدا رہنا ”لتلبسها“ باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پہنانا ”جلباب“ بڑی چادر کو کہتے

ہیں جس سے جسم اچھی طرح ڈھانپا جاسکے۔

تخریج: اخرجہ البخاری: ۹۸۱، مسلم: ۲۰۵۶ (۸۹۰) و ابوداؤد: ۱۱۳۶، الترمذی: ۵۳۹، والنسائی: ۱۵۵۹، وابن ماجہ: ۱۲۰۷۔

مَفْهُومٌ: ہر قوم میں خوشی اور تہوار کے مخصوص ایام ہوتے ہیں جن میں چاروں طرف مسرت و شادمانی کا قص دکھائی دیتا ہے، ہر شخص کسی نہ کسی طریقے سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور ہر شخص مہمان نوازی کے لیے اپنے مہمانوں کے سامنے بچھا جاتا ہے، اس موقع پر بچوں اور بڑوں کی خوشی کا پیمانہ بھی مختلف ہوتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی خوشی کے دو تہوار رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کا نام عید الفطر اور دوسرے کا نام عید الاضحیٰ ہے۔

لیکن اسلام اور دوسرے مذاہب کے تہواروں میں یہ فرق ہے کہ دیگر مذاہب کے پیروکار تو اپنے تہوار کے موقع پر بڑے خوش دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے معبود کے خوش ہونے کا وہ بھی اعتقاد نہیں رکھتے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ایسا تہوار عطاء کیا ہے جس میں بندے بھی خوش ہوتے ہیں اور بندوں کو پیدا کرنے والا بھی خوش ہوتا ہے اور وہ اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اپنے بندوں کے نامہ اعمال کو صاف کر دیتا ہے، ان کی قربانیوں اور محنتوں کو قبول کر لیتا ہے اور وہ اس سے جو بھی دعاء کرتے ہیں، وہ انہیں شرف قبولیت عطاء فرماتا ہے، پھر ایسے مبارک موقع سے خواتین کیوں پیچھے رہیں؟ اور انہیں کیوں محروم رکھا جائے؟ اس لیے آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز عید میں ان کی حاضری کو انتہائی اہم قرار دیا گیا ہے۔

يَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الْعِيدِ وَلَا بَعْدَهَا

(۱۴۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ سَعِيدٍ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ إِلَى الْمُصَلَّى فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَهَا شَيْئًا۔

نماز عید سے پہلے یا بعد میں نوافل نہ پڑھنے کا بیان

تَرْجَمًا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ نے نہ تو عید سے پہلے نوافل پڑھے اور نہ عید کے بعد۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”المصلی“ عید گاہ ”لم یصل“ باب تفعیل سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا، ”الصلوة“ پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اور مراد نماز عید ہے۔

تخریج: اخرجہ البخاری: ۹۸۹، مسلم: ۲۰۵۷ (۸۸۴) و ابوداؤد: ۱۱۵۹، الترمذی: ۵۳۸، والنسائی:

۱۵۸۸، وابن ماجہ: ۱۲۹۱۔

مَفْهُومًا: انسان نماز کی صورت میں پروردگار عالم کی عبادت کے جس الہامی طریقے کو اختیار کرتا ہے بنیادی طور پر اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں فرائض آتے ہیں اور دوسرے میں نوافل، فرائض کی ادائیگی ذر حقیقت ذات الہی کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نوافل کے ذریعے انسان اپنے پروردگار کا قرب حاصل کرتا ہے اس لیے انہیں عظمت الہی کے حقوق میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ نوافل حق محبت کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جسے اپنے محبوب کے ساتھ جس درجہ کی محبت ہوتی ہے وہ اس قدر اپنے محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہے اور اس کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ کو اپنی خاطر میں نہیں لاتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں کثرت نوافل کا جو تذکرہ ملتا ہے اس کی اس سے زیادہ واضح اور عاشقانہ توجیہ نہیں ہو سکتی اب اسے سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل نہیں پڑھتے تو بعد میں نیکی اور تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی ریاکاری کا واضح ثبوت پیش کرنے کے لیے کسی کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

رہی یہ بات کہ اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کی انفرادیت کو برقرار رکھنا مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے اذان ہے نہ اقامت، نیز خطبہ عید بھی نماز کے بعد ہے نماز سے پہلے نہیں، اسی مناسبت سے نماز عید سے قبل یا بعد میں نوافل پڑھنا مسنون قرار نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ

(۱۴۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى نَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِدِي الْحُلَيْفَةِ رَكَعَتَيْنِ۔

سفر میں نماز کو مختصر کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ظہر کی چار اور عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادِ بْنِ إِبرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي فِي السَّفَرِ رَكَعَتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَزِيدُونَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین سفر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ أَتَى فُقَيْلَ صَلَّى عُثْمَانُ بِمَنَى أَرْبَعًا فَقَالَ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ صَلَّىتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ جَازَى الصَّلَاةَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلَّى مَعَهُ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ، فَقِيلَ لَهُ: اسْتَرْجَعْتَ وَقُلْتَ مَا قُلْتَ، ثُمَّ صَلَّىتُ أَرْبَعًا؟ قَالَ: الْخِلَافَةُ، ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ أَتَمَّهَا أَرْبَعًا بِمَنَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایام حج میں حضرت عثمان غنیؓ نے منیٰ کے میدان میں چار رکعتیں پڑھائی ہیں، یہ سن کر حضرت ابن مسعود کی زبان سے نکلا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھی ہیں اور حضرات شیخین کے ساتھ بھی یہاں دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ میں موجود تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ چار رکعتیں ہی پڑھیں، کسی نے ان سے کہا کہ اس سے پہلے تو آپ نے اس پر ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا تھا اور اس پر اعتراض کیا تھا اور اب خود ہی چار رکعتیں پڑھ لیں؟ فرمایا خلافت کے ادب کی خاطر میں نے ایسا کیا، پھر فرمایا کہ منیٰ میں سب سے پہلے چار رکعتیں مکمل پڑھنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”الظہر والعصر“ معطوف اور معطوف علیہ بن کر ”صلیا“ کے لیے مفعول بہ ہے ”اربعاً“ اور ”رکعتین“ تیز واقع ہو رہے ہیں، ”لا یزیدون“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اضافہ کرنا ”حضر الصلوٰۃ“ میں فاعل ”هو“ ضمیر ہے جس کا مرجع حضرت ابن مسعودؓ ہیں ”استرجعت“ باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ أَوَّلٍ: أخرجه البخاری: ۱۰۸۹، ومسلم: ۱۵۸۲ (۶۹۰)، وابدواؤد: ۱۲۰۲، والترمذی: ۵۴۶، والنسائی: ۴۷۰۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: أخرجه النسائی: ۱۴۴۰، وابن ماجه: ۱۰۶۷، والترمذی: ۵۴۴، والبخاری: ۱۱۰۲۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَالِث: أخرجه البخاری: ۱۸۰۴، وابدواؤد: ۱۹۶۰، ومسلم: ۱۵۹۶ (۶۹۵)۔

مَقْهُوْبَةٌ: ان احادیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع کی مناسبت سے جو اصول اور قوانین انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بنائے ہیں، ان میں انسانوں کی سہولت اور راحت کا خیال اولین ترجیح کے طور پر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ مقیم کے لیے اتمام نماز عزیمت ہے اور مسافر کے لیے قصر عزیمت ہے کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر مہربانی ہے جسے قبول کرنا ہر شخص کی خواہش ہونی چاہیے، لہذا مسافر اتمام نہیں کر سکتا اور مقیم قصر نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص آٹھ ذی الحجہ سے پہلے ایام حج میں پندرہ دن مکہ مکرمہ میں

اقامت گزیر رہتا ہے تو وہ منیٰ عرفات اور مزدلفہ سب جگہ مقیم ہی شمار ہوگا ورنہ مسافر ان دو اصولوں کو مد نظر رکھ کر زیر بحث حدیثوں کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سفر پر روانہ ہوئے ظہر کی نماز تو مدینہ منورہ میں ہی پڑھی اور سب سے پہلی وہ نماز جو دوران سفر پڑھی گئی عصر کی نماز تھی جو ذوالحلیفہ میں ادا کی گئی کہ وہ اہل مدینہ کی میقات بھی ہے اور مدینہ منورہ سے صرف چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن یہاں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ چھ میل کا فاصلہ تو کوئی ایسا فاصلہ نہیں ہے جس کا سفر کسی بھی امام کے قول کے مطابق کسی شخص کو مسافر قرار دے سکے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذوالحلیفہ میں نماز عصر کو قصر کرنا چہ معنی دارد؟ سو صراحۃً تو اس کا جواب کہیں بھی نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی یہ سوال کہیں پڑھنے میں آیا البتہ اس کا ایک جواب امام بخاری کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے اور ایک جواب حافظ ابن حجر کی عبارت سے کشید ہو سکتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی تخریج جس باب کے تحت کی ہے وہ ہے ”باب یقصر اذا خرج من موضعه“ گویا امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قصر کا تعلق مسافت سے نہیں بلکہ ارادۂ سفر کے ساتھ اپنے علاقے سے نکل آنے پر ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے تعلقاً حضرت علیؓ کا ایک قول بھی پیش کیا ہے جس کے مطابق کوئی شخص کسی علاقے میں اس وقت تک مقیم نہیں ہو سکتا جب تک وہ شہر کے اس حصے میں نہ پہنچ جائے جہاں سے لوگوں کے مکانات نظر آتے ہوں جب اقامت کا یہ حکم ہے تو سفر کا حکم بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ جب سفر شروع ہو جائے تو قصر کا حکم متوجہ ہو جائے گا اور جب اقامت شروع ہو جائے تو اتمام کا حکم متوجہ ہو جائے گا، زیر بحث حدیث اسی کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چھ میل کی مسافت پر قصر نماز ادا کی۔ واللہ اعلم۔

۲۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے واقعے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

(الف) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین اور خود حضرت عثمان غنیؓ اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں دوران حج قصر نماز پڑھاتے رہے تو پھر یکا یک انہوں نے چار رکعتیں کیوں پڑھانا شروع کر دیں؟ گو کہ علماء کرام نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں لیکن راقم نے جس اصول کی طرف تمہید میں اشارہ کیا ہے اگر اسے مد نظر رکھ لیا جائے تو یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ آٹھ ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچ کر اقامت گزیر ہو گئے ہوں اس مناسبت سے انہیں منیٰ وغیرہ میں بھی مقیم ہی سمجھا جائے گا، اس لیے ان کا اتمام کرنا کسی طرح قابل اعتراض نہیں رہتا۔

(ب) حضرت ابن مسعودؓ کا رویہ بھی بظاہر الجھا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عمل پر نکیر اور اس پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ان کے پیچھے منیٰ کے میدان میں مکمل نماز بھی پڑھ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک رخ کو بھی عمل کے لیے متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو

واضح ہوتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ان کا رد عمل ان کی فراست کی دلیل بن کر سامنے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے موقع پر انہوں نے اپنے شاگردوں کو ایک صحیح رخ بتا دیا اور دوسرے موقع پر امت مرحومہ کو انتشار و افتراق سے بچالیا، اس لیے کہ اگر حج کے اس موقع پر ”جبکہ پوری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں“ حضرت ابن مسعودؓ، سیدنا عثمان غنیؓ کے عمل پر نکیر کرتے اور اپنی رائے کا اور نبی ﷺ اور حضرات شیخین کے عمل کا اظہار کرتے تو لوگوں پر اس اختلاف رائے کا بہت برا اثر پڑتا اور ان کے ذہن انتشار کا شکار ہو جاتے، پھر لوگوں کے ذہن میں خلیفہ وقت کا کوئی ادب اور پاس لحاظ باقی نہ بچتا اس لیے موقع شناسی اور فراست ایمانی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھا اور امت مرحومہ کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے کہ ہر موقع پر بولنا اچھا نہیں ہوتا، کبھی خاموش رہنے کا لطف بھی اٹھانا چاہیے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ

(۱۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ صَحِبَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى رَاحِلَتِهِ قَبْلَ الْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ إِيْمَاءً إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ وَالْوِتْرَ فَإِنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ لَهُمَا عَنْ دَابَّتِهِ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ صَلَاتِهِ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَوَجْهَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ لِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ تَطَوُّعًا حَيْثُ كَانَ وَجْهَهُ يَوْمَئِذٍ إِيْمَاءً۔

سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

تَرْجَمَةً: مجاہد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کے سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا، اس دوران فرض نمازوں اور وتر کے علاوہ تمام نوافل حضرت ابن عمرؓ نے سواری پر ہی بیٹھے بیٹھے اشارہ سے پڑھ لیے، جبکہ آپ کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا، البتہ فرائض اور وتر کے لیے آپ اپنی سواری سے اتر جاتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے سواری پر بیٹھے بیٹھے کس طرح نماز پڑھ لیتے ہیں؟ تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ نبی ﷺ نفل نماز سواری پر ہی اشارہ سے پڑھ لیا کرتے تھے، خواہ سواری کا رخ کسی طرف بھی ہو۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ أَبِي عَرَابَةَ: ”صحب“ باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہم نشین بننا، ”ینزل“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اترنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اخرج مسلم مثله: ۱۶۱۲، والبخاری: ۱۰۹۸، وابوداؤد: ۱۲۲۴، والنسائی: ۴۹۱، ۴۹۲۔

مَقَالَةٌ: جماعت صحابہؓ میں ہر صحابی کے ایک خاص رنگ میں رنگا ہوا ہونے کا احساس اس وقت شدید تر ہو جاتا ہے جب احوال صحابہؓ کا ایک تجزیہ سامنے آتا ہے آپ دور نہ جائیے، حضرت ابن عمرؓ ہی کو لے لیجئے، تاریخ صحابہؓ میں آپ کو

حضرت ابن عمرؓ کا اتباع سنت کے حوالے سے ایک خاص مقام نظر آئے گا، بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس نوعیت کے بے شمار واقعات موجود ہیں، خود اسی کتاب میں یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی ﷺ اپنے مخصوص اصحاب کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابن عمرؓ اندر کی کیفیت جاننے کے لیے بے تابی سے باہر کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہے اور جوں ہی نبی ﷺ باہر تشریف لائے تو یہ لپک کر حضرت بلالؓ کے پاس پہنچے اور ان سے اس جگہ کے متعلق دریافت کیا جہاں کھڑے ہو کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی تاکہ آئندہ جب بھی موقع ملے تو اسی جگہ پر نماز پڑھیں۔

اس سلسلے میں ان کا یہ جذبہ عشق کے درجے تک پہنچا ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر انہیں کسی مستند ذریعہ سے بھی کسی سنت کا علم ہو جاتا، خواہ ان کا اپنا علم اس کے برخلاف ہوتا، وہ اس سنت پر عمل پیرا ہو جاتے، چنانچہ اسی کتاب میں مسیح علیٰ خفین کی بحث میں اس نوعیت کا ایک واقعہ گزر چکا ہے، اور زیر بحث واقعہ کی نوعیت بھی یہی ہے کیونکہ ابتداءً حضرت ابن عمرؓ نہ صرف یہ کہ خود وتر سواری کے اوپر ہی پڑھ لیا کرتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور اس کا خلاف کرنے پر ناراض ہوتے تھے لیکن جب انہیں مستند ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ نے آخر میں سواری پر وتر پڑھنا چھوڑ دیے تھے اور اس کے لیے خصوصی اہتمام کے ساتھ سواری سے اتر کر قبلہ کا تعین فرماتے تھے تو انہوں نے یہ سوچے بغیر کہ لوگ کیا کہیں گے نبی ﷺ کی اس سنت کو بلا جھجک اختیار کر لیا اور اسی کے مطابق عمل کرنے لگے۔

نیز اسی حدیث سے نوافل کے بارے گنجائش بھی واضح ہو گئی کہ اس میں استقبال قبلہ کی شرط اگر کسی وجہ سے پوری نہ ہو سکے تو اس کے لیے اپنے سفر کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے اور اپنی جگہ اور سواری پر بیٹھے بیٹھے بھی نوافل پڑھنا جائز ہے۔
واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوِتْرِ

(۱۵۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَعْقُوبَ الْعَبْدِيِّ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَاةً وَهِيَ الْوِتْرُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ وَزَادَكُمْ الْوِتْرُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَاةَ الْوِتْرِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَاةً وَهِيَ الْوِتْرُ فَحَافِظُوا عَلَيْهَا۔

وتر کی ترغیب کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کا

اضافہ فرمایا ہے اور وہ وتر ہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱۵۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا رضي الله عنه عَنِ الْوَتْرِ أَحَقُّ هُوَ قَالَ أَمَّا كَحَقِّ الصَّلَاةِ فَلَا وَلَكِنْ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرُكَهُ۔

ترجمہ: عاصم بن ضمیرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وتر برحق ہے؟ فرمایا کہ فرض نماز کی طرح تو اس کی حقیقت نہیں ہے البتہ یہ جناب رسول اللہ صلى الله عليه وسلم کی سنت ہے اس لیے کسی کو اس کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "زادکم" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی زائد ہونا، اضافہ کرنا "فحافظوا" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پابندی کرنا "احق" ہمزہ برائے استفہام ہے نفس کلمہ کا نہیں۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرج ابو داؤد مثله: ۱۴۱۸، والترمذی: ۴۵۲، وابن ماجه: ۱۱۶۸، وبهذا السياق اخرج ابن ابی شيبه واحمد، كما ذكره الشوكاني في النيل۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرج الترمذی: ۴۵۴، والنسائی: ۱۶۷۷، وابن ماجه: ۱۱۶۹۔

مَقَالَةٌ: وتر کے واجب اور سنت ہونے میں فقہاء کرام کا جو اختلاف کتب فقہ میں مذکور ہے وہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل اور تفصیل کا مقتضی ہے جسے مطولات کے حوالہ کر کے میں یہاں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ شبِ معراج کے موقع پر اللہ کی طرف سے حضور نبی مکرم سرور دو عالم صلى الله عليه وسلم پر ابتداء پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں جو بالآخر پانچ پر آ کر رک گئی تھیں اور یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ بظاہر تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھ لے گا میں یہ سمجھ لوں گا کہ اس نے پچاس نمازیں پڑھی ہیں اور اس پر پچاس ہی کا اجر و ثواب عطاء کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ اس حقیقت کی موجودگی میں نماز وتر کو فرائض کے برابر تو درجہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس طرح فرائض کی تعداد پانچ سے بڑھ کر چھ ہو جائے گی جو خلاف حقیقت ہے اور یہی مطلب ہے حضرت علی مرتضیٰ کے اس قول کا "اما حق الصلوٰۃ فلا" البتہ چونکہ اسکی اہمیت اور نبی صلى الله عليه وسلم کی اس پر مواظبت بھی کتب حدیث سے ثابت ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے، اگر اس کا وجوب کسی آیت قرآنی سے ثابت ہوتا تو اس کا درجہ فرائض کے برابر ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْوُتْرِ؟

(۱۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يُقْرَأُ فِي الْأُولَى سَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّلَاثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنَ الْوُتْرِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَسَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّلَاثَةِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ۔

وتر میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلى“ کی تلاوت فرماتے دوسری میں ”قل يا ايها الكافرون“ اور تیسری میں ”قل هو الله احد“ پڑھتے تھے۔

(۱۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْيَامِيِّ عَنْ أَبِي عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِزَى قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُقْرَأُ فِي وَتْرِهِ سَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فِي الثَّانِيَةِ، وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي الثَّلَاثَةِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقْرَأُ فِي الْوُتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا يَعْنِي قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، فَهَكَذَا فِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَفِي الثَّلَاثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ كَانَ يُقْرَأُ فِي الْوُتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّلَاثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ يُقْرَأُ فِيهَا سَبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حَلَّ عِبَارَتٍ: ”یوتر“ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وتر پڑھنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہما ابن ماجہ: ۱۱۷۳، والنسائی: ۱۷۰۰، والترمذی: ۴۶۳، وابوداؤد: ۱۴۲۳، ۱۴۲۴۔

مَقْهُوْمٌ: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ رکعات وتر میں نبی ﷺ کون سی سورتیں تلاوت فرماتے تھے؟ یاد رہے کہ زیر بحث حدیث میں جن تین سورتوں کا ذکر ہے نبی ﷺ کا معمول مبارک اکثر انہی تین سورتوں کو پڑھنے کا تھا اور اسی کی نقل میں آج تک ائمہ حرمین شریفین ماہ مقدس رمضان میں تراویح کے بعد جب وتر پڑھاتے ہیں تو اکثر انہی سورتوں کو پڑھتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان

کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا جائز ہی نہیں۔

۲۔ رکعات وتر کی تعداد پر بھی اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر حنفیہ اور حنابلہ دونوں کا اتفاق ہے، البتہ یہاں آ کر دونوں میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے کہ حنفیہ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھتے ہیں اور حنابلہ دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد پھر الگ سے ایک رکعت پڑھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہر فقہیہ اپنی فقہی رائے کی بنیاد کسی نہ کسی مرفوع یا موقوف روایت پر ہی رکھتا ہے اس لیے ہم اس باب میں کسی کو مطعون کیے بغیر ایک بات تو یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں حریم شریفین حاضری کی سعادت عطاء فرمادیں تو محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے وہاں کے باجماعت وتروں سے اپنے آپ کو محروم رکھنا بڑی حرماں نصیبی کی بات ہوگی، اسی طرح ائمہ حریم کے پیچھے ادا کیے جانے والے وتروں کو یہاں آ کر قضاء کرنے کا خیال بھی لانا عتاب الہی کا سبب بن سکتا ہے اور دوسری بات یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اصل مقصد نماز پڑھنا ہے، نماز سے دور کرنا نہیں اور اس قسم کے اختلافات وسعت کی دلیل ہوتے ہیں نہ کہ تنگی کا سبب، اس لیے ان میں تنگ ذہنی کا رویہ رکھنا کسی کے لیے بھی کسی طور پر مناسب نہیں ہے۔

بَابٌ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ

(۱۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ۔

وتر میں فصل نہ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وتر میں فصل نہیں ہے۔

تجلیح حقائق: اخرج الطحاوی مثله: ۱۶۸۸، والطبرانی فی الکبیر: ۳۷۸/۲۳، والنسائی: ۱۷۱۵، وابن ماجہ: ۱۱۹۲۔

فائدہ: اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیلی بحث گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے، تکرار سے بچنے کے لیے دوبارہ اسے تحریر نہیں کیا جا رہا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ

(۱۵۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْوِتْرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ سَخَطَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَأَكْلُ السُّحُورِ مِرْضَاةُ الرَّحْمَنِ۔

رات کے ابتدائی درمیانے اور آخری حصہ میں وتر کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں وتر پڑھ لینا شیطان کو ناراض کرنے کا سبب ہے اور سحری کھانا رحمان کو راضی کرنے کا سبب ہے۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ لِكَيْ يَكُونَ وَاسِعًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَيَّ ذَلِكَ أَخَذُوا بِهِ كَانَ صَوَابًا غَيْرَ أَنَّهُ مَنْ طَمِعَ لِقِيَامِ اللَّيْلِ فَلْيَجْعَلْ وَتْرَهُ فِي آخِرِ اللَّيْلِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُمَا قَالَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُوتِرُ أَحْيَانًا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ لِيَكُونَ سَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے رات کے ابتدائی حصے میں بھی وتر پڑھے ہیں اور درمیان اور آخر میں بھی تاکہ مسلمانوں پر وسعت رہے اور جس پر بھی وہ عمل کریں وہ صحیح ہو البتہ جو شخص قیام اللیل کی خواہش رکھتا ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ وتر رات کے آخری حصے میں پڑھے کہ یہ زیادہ افضل ہے۔

حَلَّتْ عِبْرَاتُ: "مسخطة" بضم المیم وکسرھا اگر میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم فاعل کا صیغہ ہوگا اور اگر کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم آلہ کا صیغہ ہوگا دونوں طرح پڑھنا جائز ہے "ای" منصوب ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اور فعل مؤخر ہے "اخذوا" طمع باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امید رکھنا۔

تَجَنَّبَ حَدِيثًا: اما الحدیث الثانی فقد اخرجہ النسائی: ۱۶۸۲، وابن ماجه: ۱۱۸۷، واما الاول فقد اخرجہ الحارثی:

۱۴۲، واحمد مختصرا: ۱۷۱۹۹، والطبرانی فی المعجم الكبير: ۲۴۴/۱۷ (۶۷۹ و ۶۸۰، ۶۸۲)۔

مَفْهُومًا: جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے آپ کی عبادت کے دورخ سامنے آتے ہیں۔

۱۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ کی عبادت اتنی طویل ہوتی تھی کہ قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۷۲ میں آتا ہے۔

۲۔ بعض مواقع پر نبی ﷺ کی عبادت مختصر اور مختلف اوقات میں پھیل جاتی تھی۔

پہلی صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں نبی ﷺ کا عمل اپنی ذات کے لیے ہوتا تھا، امت کو اس میں اجتماعی طور پر تاکید کے ساتھ شامل کرنا آپ کا مقصد نہیں ہوتا تھا اور دوسری صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں آپ ﷺ اجتماعی طور پر امت کو تاکید کے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے اس اجتماعیت کے پہلو کو برقرار رکھنے کے لیے آپ

ﷺ اس میں تخفیف بھی فرمادیتے تھے اور اگر گنجائش ہوتی تو اسے مختلف اوقات میں ادا کر کے اس کی وسعت کو بھی واضح فرمادیتے جیسے عشاء کی نماز کا وقت ہے کہ بعض اوقات جلدی پڑھ لی، بعض اوقات ذرا تاخیر سے اور بعض اوقات اتنی تاخیر سے کہ لوگوں پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔

نماز وتر کے اوقات میں بھی اسی شفقت کا پہلو کار فرما ہے کہ جس شخص کو جس وقت سہولت ہو وہ اس وقت اسے ادا کر لے اور اس الجھن میں نہ رہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں پڑھے یا درمیانی حصے میں یا آخری حصے میں رات کے جس حصے میں بھی یہ ادا کر لیے جائیں ان پر مرتب ہونے والا اجر و ثواب کسی کسی کے بغیر اس کے نامہ اعمال میں درج ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ نَقَصَ صَلَوَتَهُ أَوْ زَادَ

(۱۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى صَلَوَةٌ إِمَّا الظُّهْرَ وَإِمَّا العَصْرَ فَزَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا فَرَغَ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ أَحَدٌ فِي الصَّلَاةِ أَمْ نَسِيتَ قَالَ أُنْسِي كَمَا تُنْسُونَ فَإِذَا أُنْسِيْتُ فَذَكِّرُونِي ثُمَّ حَوَّلَ وَجْهَهُ إِلَى الْقِبْلَةِ وَسَجَدَ سَجْدَتِي السَّهْوِ وَتَشَهَّدَ فِيهَا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ۔

نماز میں کمی بیشی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز پڑھائی یا تو وہ ظہر کی نماز تھی یا عصر کی اور اس میں آپ ﷺ سے کچھ کمی بیشی ہو گئی جب نبی ﷺ نے فارغ ہو کر سلام پھیرا تو کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا نماز کے احکام میں کوئی تبدیلی آگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو پھر آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف اپنا چہرہ پھیرا سجدہ سہو کیا اور تشہد پڑھ کر دائیں اور بائیں طرف سلام پھیر دیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ: "أما الظهر واما العصر" شك من الراوى "نقص" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کمی کرنا، "احدث" ہمزہ برائے استفہام اور "حدث" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیش آنا، نوپید ہونا "نسیت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بھول جانا "فذكروني" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی یاد دہانی کرانا "حول" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پھیرنا، گھمانا۔

تصحیح بخاری: أخرجه البخاری: ۴۰۱، ومسلم: ۱۲۷۴ (۵۷۲)، وابوداؤد: ۱۰۲۰، والترمذی: ۳۹۲، والنسائی:

۱۲۴۴، وابن ماجہ: ۱۲۱۱۔

مفہوم: کتب حدیث میں یہ واقعہ ”قصہ ذوالیدین“ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جن صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو کے اس واقعے پر متوجہ کیا، ان کا مشہور نام ذوالیدین ہی تھا، گو کہ اصل نام میں مختلف اقوال ملتے ہیں، زیر بحث حدیث سے متعلق درج ذیل مسائل قابل توجہ ہیں۔

۱۔ کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں دوران نماز سہو کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا، ظاہر ہے کہ نہ تو یہ مقدار بہت بڑی ہے اور نہ ہی سہو کا لاحق ہونا منافی رسالت ہے بلکہ انسان ہونے کے ناطے ایسا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو دوران نماز کی بات ہے، ایک مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سے یہی بات نکل گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں نماز پڑھی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب پڑھ کر خیال آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ میں نے عصر کی نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے بتایا نہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھی، اس کے بعد نماز مغرب دوبارہ لوٹائی۔ (مسند احمد: ۱۷۱۰۰)

بہر حال! دوران نماز سہو کے پانچ واقعات حسب ذیل ہیں:

(الف) ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ب) ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ج) ایک مرتبہ قعدہ اولیٰ چھوڑ دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (د) ایک مرتبہ قراءت میں سہو لاحق ہوا۔ (ہ) ایک مرتبہ نماز مغرب میں قعدہ اولیٰ پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔

زیر بحث واقعہ کا تعلق پہلی صورت کے ساتھ ہے۔

۲۔ واقعے کی حد تک تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے لیکن فقہی اعتبار سے اس میں فقہاء کے لیے یہ الجھن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندازے کے مطابق نماز مکمل کرنے کے بعد جب سلام پھیرا تو ایک صحابی نے کلام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور دیگر روایات کے مطابق دوسرے صحابہ کرام سے بھی سائل کی تصدیق کی، اس کے بعد اسی نماز کو سجدہ سہو کر کے مکمل بھی کر لیا، دوران نماز اتنی طویل گفتگو سے کیا کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوئی؟ تو اس الجھن کا واضح حل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جس طرح سلام کا جواب دینا دوران نماز جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آتا ہے، اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی اور جو بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آتا ہے، اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی جو بعد میں ختم کر دی گئی، یہ واقعہ اجازت ختم ہونے سے پہلے پیش آیا تھا اس لیے اس پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ صَ

(۱۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكِ عَنْ عِيَّاضِ الْأَشْعَرِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سَجَدَ فِي صَ۔

سورہ ص میں سجدہ کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص میں سجدہ تلاوت کیا ہے۔

تجلیح حدیث: أخرجه البخاری: ۱۰۶۹، والترمذی: ۵۷۴، وابوداؤد: ۱۴۰۹، والنسائی: ۹۵۸۔

مَقْبُولٌ: پورے قرآن کریم میں چودہ آیات مبارکہ ایسی ہیں کہ جب کوئی شخص ان کی تلاوت کرے یا ان کی تلاوت سے تو اس پر فوراً یا موقع ملنے پر سجدہ کرنا شرعاً واجب ہے، اس سجدہ کو ”سجدہ تلاوت“ کہتے ہیں، یہاں ہم ان آیات کو تو بیان نہیں کریں گے تاکہ وجوب سجدہ نہ ہو، نیز یہ کہ وہ آیات سب ہی کو معلوم ہیں، البتہ ایک مختصر سا تجزیہ ضرور پیش کریں گے۔

سجدہ تلاوت کی آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان آیات میں یا تو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی تعمیل میں بندہ اس آیت کو پڑھتے ہی یا موقع ملتے ہی فوراً بارگاہ ایزدی میں سر بسجود ہو جاتا ہے، یا اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں، معصوم فرشتوں اور زمین و آسمان کی عظیم مخلوقات کے توبہ یا شکراً سر بسجود ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے جسے پڑھ اور سن کر بندہ ان کی پیروی کرتے ہوئے خود بھی اپنی جبین نیاز کو جھکا دیتا ہے، یا پھر متکبرین کے انکار سجدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے زمرے میں داخل ہونے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے بندہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

سورہ ص میں جو آیت سجدہ آتی ہے، اس میں خلیفۃ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے توبہ سجدہ ریز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ اللہ کے مخلص اور برگزیدہ بندے تھے، چونکہ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا تھا اس لیے ہمارے لیے یہی از بس ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ ”سورہ ص کا سجدہ ضروری نہیں“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی روشنی میں واجب التقليد نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

(۱۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ لَمَّا قَدِمَ مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ سَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ سُخْطِ نِعْمَةِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ قَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا قَالَ فَلَمْ تَرُدَّ السَّلَامَ عَلَيَّ أَحَدٍ مِنْ يَوْمِئِذٍ۔

نماز میں بات چیت کے نسخ کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود جب سرزمین حبش سے واپس آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ) کو سلام کیا، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اس لیے سلام کا جواب نہیں دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود کہنے لگے کہ میں نعمت خداوی کی ناراضگی پر اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مطلب؟ عرض کیا کہ میں نے آپ کو سلام کیا، لیکن آپ نے جواب نہیں دیا (میں سمجھا کہ شاید آپ کسی بات پر ناراض ہیں) فرمایا دراصل نماز

میں مصروفیت ہوتی ہے (ورنہ تم سے کوئی ناراضگی نہیں) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے ہم میں سے کوئی بھی دوران نماز سلام کا جواب نہیں دیتا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "قدم" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا "لم يرد" باب نصر سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی لوٹانا، مراد جواب دینا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۱۱۹۹، و مسلم: ۱۲۰۱ (۵۳۸)، و ابوداؤد: ۹۲۳، والنسائی: ۱۲۲۲، و احمد: ۳۸۸۵

مَفْهُومٌ: سرزمین حبش کی طرف مسلمانوں نے دو مرتبہ ہجرت کی، پہلی مرتبہ ماہ رجب ۵ نبوت میں چند مرد و عورت وہاں پہنچے اور اسی سال شوال یا رمضان کے مہینے میں یہ افواہ سن کر واپس آ گئے کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے لیکن جب حقیقت حال وہاں پہنچ کر معلوم ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود تو ایک دن بعد ہی دوبارہ حبشہ چلے گئے اور باقی صحابہ بھی آہستہ آہستہ پہلے کی نسبت زیادہ تعداد میں ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے اور ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر ان کی واپسی ہوئی، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعود غزوہ بدر سے پہلے ہی مدینہ منورہ واپس پہنچ چکے تھے اور مستند ترین روایات سے غزوہ بدر میں ان کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے ہماری تحقیق کے مطابق اس کا تعلق حبشہ سے پہلی واپسی کے ساتھ نہیں ہے جو مکہ مکرمہ کو ہوئی تھی بلکہ اس کا تعلق حبشہ سے دوسری واپسی کے ساتھ ہے جو مدینہ منورہ کو ہوئی تھی اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

گوکہ اس پر بے شمار دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک دلیل تو انتہائی واضح ہے اور وہ یہ کہ دوران نماز سلام و کلام کی ممانعت قرآن کریم کے اس حکم سے کی گئی تھی۔

وقوموا لله قانتين۔

اور تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن مسعود کی دوسری واپسی بھی مدینہ منورہ کی طرف ہی ہوئی تھی لہذا ثابت ہوا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کی طرف پہلی مرتبہ واپسی کے وقت پیش نہیں آیا تھا، جبکہ شواہد اسے مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ صَلَّى وَفِي جَنْبِهِ امْرَأَةٌ

(۱۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ وَجَانِبُ الثُّوبِ وَقَعَ عَلَيَّ۔

اس شخص کا بیان جو نماز پڑھے اور اس کے پہلو میں عورت ہو

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے، میں آپ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حَدِيثُ عَائِشَةَ: "وَأَنَا نَائِمَةٌ" میں واؤ حالیہ ہے جو متکلم کی حالت کو بیان کر رہا ہے، فاعل یا مفعول کی حالت یہاں بیان نہیں کی جا رہی۔

مَجْتَمِعٌ حَدِيثٌ: اخرج البخاری مثلہ: ۳۸۳، ۵۱۲۰، 'ومسلم: ۱۱۴۷ (۵۱۴)' و ابو داؤد: ۷۱۱، وابن ماجہ: ۹۵۸ والنسائی: ۷۶۰۔

مَقْبُولٌ: فقہاء کرام کے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے اگر کوئی عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس حدیث سے وہ روایات منسوخ قرار پاتی ہیں کیونکہ یہاں تو حضرت عائشہ کا گزرنا مذکور نہیں جو صرف ایک لمحہ میں ہی ہو جاتا ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں استراحت کا ذکر ہے جس کا عرصہ طویل ہوتا ہے، جب اس صورت میں نماز نہیں ٹوٹی تو پہلی صورت میں صرف مرور سے ہی کیوں ٹوٹ جائے گی؟

لیکن ہمارے لیے اس میں دلچسپی کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا خود شب بیداری کرنا اور اپنی اہلیہ محترمہ کو اس کے لیے مجبور نہ کرنا دینداری کا لبادہ اوڑھنے والے ان تمام افراد کو اس طرز زندگی پر نظر ثانی کی دعوت دے رہا ہے جو وہ نقلی عبادات کے سلسلے میں اپنے اہل خانہ پر سختی کے ساتھ روا رکھتے ہیں اور اسے بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر عسرت کا ایسا دور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن صبر پر کبھی حملہ نہیں کیا اور آپ کے جذبات شکر کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا کہ میاں بیوی کے پاس اوڑھنے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی تھی جس کا ایک حصہ اہلیہ محترمہ پر ہوتا اور ایک حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر پر ہوتا، اس پر بھی دل جذبات شکر سے لبریز اور زبان اظہار شکوہ سے محفوظ ہوا کرتی تھی۔

پھر اہل خانہ کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا اس پر مستزاد تھا، یہی وجہ ہے کہ اہلیہ محترمہ کی ضرورت کا احساس کر کے چادر کا ایک حصہ ان پر بھی ڈال دیتے تھے، خود ہی ساری چادر اپنے جسم پر لپیٹ کر اہلیہ محترمہ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کرتے تھے، وائے افسوس! کہ آج ہم اپنے اہل خانہ کو سب کچھ دینے کے باوجود وقت اور شفقت ہی نہیں دے پارہے اور احساس ذمہ داری کو اپنے قریب بھی بھٹکنے کی اجازت دینا جرم سمجھنے لگے ہیں۔

بَابُ إِذَا نَابَ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ

(۱۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَنَّ فِي الصَّلَاةِ إِذَا نَابَهُمْ فِيهِ شَيْءٌ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔

اگر نماز میں کوئی امر نادر پیش آجائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نماز میں کوئی امر نادر پیش آنے پر امام کو مطلع کرنے کے لیے نبی ﷺ نے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں مخصوص انداز میں تالی بجائیں۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "سَنَ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ فِعْلِ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَغَهُ وَاحِدٌ مُذَكَّرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى طَرِيقَةٍ مُقَرَّرَةٍ كَرْنَا "نَابَهُمْ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ فِعْلِ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَغَهُ وَاحِدٌ مُذَكَّرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى حَادِثَةٍ پَرِيشِ اَنَّا "اَلنَّصْفِيقُ" تَالِي بَجَانِے كَا اِيكٍ مُخْصُوصٍ اِنْدَاز۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۶۸۴، وَمُسْلِمٌ: ۹۵۴ (۴۲۲) وَاَبُو دَاوُدَ: ۹۴۰، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۳۶۷، وَابْنُ مَاجَهَ: ۱۰۳۵، وَالنَّسَائِيُّ: ۱۲۰۸۔

مَقْبُولٌ: چونکہ نماز میں کسی بھی قسم کی گفتگو کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور اس مسئلے کی حیثیت ایک فقہی اصول کی سی ہو چکی ہے اس لیے ایک عامی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا بجا طور پر ممکن ہے کہ اگر دوران نماز امام صاحب سے کوئی غلطی ہو جائے مثلاً وہ ایک رکعت پڑھا کر بیٹھ جائیں یا دو رکعتیں پڑھانے کے بعد کھڑے ہو جائیں یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کی کوشش کریں یا کوئی اور صورت پیدا ہو جائے تو امام کو کیسے مطلع کریں؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا حل یہ بتایا کہ اگر مردوں کو امام صاحب کی کسی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ "سبحان اللہ" کہہ کر اسے غلطی کا احساس دلا سکتے ہیں اور امام ان کے اس لقمے کو قبول کر کے اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے تاہم نماز کے آخر میں اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا اور اگر مردوں کو اس کا احساس نہ ہو سکے اور جماعت میں خواتین بھی شامل ہوں تو وہ بھی امام کو اس غلطی کا احساس دلا سکتی ہیں لیکن "سبحان اللہ" کہہ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو الٹے ہاتھ کی پشت پر ماریں جس سے سننے والے کے کانوں تک آواز پہنچ جائے، یا ہلکی آواز میں تالی بجا دیں اسے "تصفیق" کہا جاتا ہے اور اس کی مشروعیت صرف خواتین کے لیے ہے مردوں کے لیے نہیں۔

اگر امام نے مردوں کی تسبیح یا عورتوں کی تصفیق سن کر دوران نماز ہی اپنی غلطی کی اصلاح کر لی اور بعد میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور یہ ایک ایسی بے ضرر صورت ہوگی جس میں زبان سے کلام بھی نہیں کرنا پڑے گا، امام کو اس کی غلطی کا احساس بھی دلایا جاسکے گا اور کسی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ

(۱۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَتْ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ تَزْعُمُونَ أَنَّ الْحِمَارَ وَالْكَلْبَ وَالسِّنَّورَ يَقْطَعُونَ الصَّلَاةَ قَرَنْتُمُونَا بِهِمْ إِدْرَأُ مَا اسْتَطَعْتَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ عَلَيْهِ ثَوْبٌ جَانِبُهُ عَلَيَّ۔

کونسی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کونسی نہیں

ترجمہ: حضرت عائشہ سے ایک مرتبہ اسود بن یزید نے سوال پوچھا کہ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا اے اہل عراق! تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا، کتا اور بلی (نمازی کے آگے سے گزر کر اس کی) نماز کو توڑ دیتے ہیں اور تم ہم عورتوں کو بھی ان کے ساتھ ملاتے ہو جہاں تک ممکن ہو آگے سے گزرنے والے کو روکو، حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں آپ ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور آپ ﷺ پر جو کپڑا ہوتا تھا اس کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حَدِيثٌ غَبَارِيٌّ: "تزعمون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گمان کرنا "يقطعون" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "قرنتمونا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملانا "ادرا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ٹالنا، دور کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه مسلم: ۱۱۴۳ (۵۱۲، ۵۱۴) والبخاری: ۵۱۴، ۵۱۵۔

مَقْلُوبٌ: نمازی کے آگے سے گزرنے کو احادیث کی روشنی میں بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں تو یہاں تک وارد ہوا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ اس پر کتنا گناہ ہوگا تو وہ چالیس..... تک کھڑا رہنے اور انتظار کو نمازی کے آگے سے گزرنے پر ترجیح دے گا، راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ نبی ﷺ نے "چالیس" کے بعد دن، مہینے یا سال میں سے کون سا لفظ استعمال کیا تھا؟

لیکن یہ بھی ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ اس سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ بغیر کسی خرابی کے صحیح ہو جاتی ہے خواہ نمازی کے آگے سے کوئی انسان گزرے یا کوئی جانور اور وہ مرد ہو یا عورت، کتا ہو یا گدھا، بہر صورت نماز ہو جاتی ہے۔

اصل میں جسمانی طور پر بعض لوگ بہت کمزور ہوتے ہیں اور عورت کا وجود ہی نہیں، صرف لفظ عورت بھی ان کے لیے آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس کیفیت کے بہت سے لوگوں پر کسی بھی عورت کا تصور آتے ہی یا اسے دیکھتے ہی ایسا نشہ طاری ہو جاتا ہے جس سے بالآخر ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز کا برقرار رہنا

کیسے ممکن ہے؟

اس لیے جن روایات میں نمازی کے آگے سے کسی عورت کے گزرنے پر نمازی کی نماز ٹوٹ جانے کا ذکر ملتا ہے ان کا بے غبار اور صاف ستھرا محمل یہی ہے اور جن روایات میں اس سے صحت نماز پر کوئی اثر بھی پڑنے کا ذکر نہیں ہے اس کا صحیح محمل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کمزوری کا شکار نہ ہوں۔

ہماری اس توجیہ کے بعد بعض محدثین کی طرف سے کیے گئے دعویٰ نسخ کی کوئی ضرورت باقی نہیں بچتی اور دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی واضح صورت نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ

(۱۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا وَاحْمَدُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوهُ وَسَبِّحُوهُ حَتَّى يَنْجَلِيَ أَيُّهُمَا انْكَسَفَ ثُمَّ نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ۔

سورج کو گہن لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جس دن نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا، اسی دن سورج گرہن ہو گیا، نبی ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا شمس و قمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے، اس لیے جب تم یہ کیفیت دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو اور اللہ کی تمہید اور تکبیر و تسبیح بیان کیا کرو یہاں تک کہ گہن ختم ہو جائے، یہ کہہ کر نبی ﷺ منبر سے اتر آئے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ قِيَامًا طَوِيلًا حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَرُكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ قَدْرَ قِيَامِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ قَدْرَ رُكُوعِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ قِيَامِهِ ثُمَّ جَلَسَ فَكَانَ جُلُوسُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَدْرَ سُجُودِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ جُلُوسِهِ ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ مِنْهَا بَكِي فَاشْتَدَّ بُكَاءُهُ فَسَمِعْنَاهُ وَهُوَ يَقُولُ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ ثُمَّ جَلَسَ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ ثُمَّ

قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِمَا عِبَادَهُ لَا يَكْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيْتُ مِنَ الْجَنَّةِ حَتَّى لَوْ شِئْتُ أَنْ أَتَنَاوَلَ عُصْنًا مِنْ أَغْصَانِ شَجَرِهَا فَعَلْتُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيْتُ مِنَ النَّارِ حَتَّى جَعَلْتُ أَتَقِيَّ وَلَقَدْ رَأَيْتُ سَارِقَ رَسُولِ اللَّهِ - وَفِي رِوَايَةٍ سَارِقَ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ - يُعَذِّبُ بِالنَّارِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا عَبْدَ بَنٍ دَعْدَعِ سَارِقِ الْحُجَّاجِ بِمُحَجِّنِهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً أَدْمَاءَ حِمَيْرِيَّةٍ تُعَذِّبُ فِي هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتُهَا فَلَمْ تَطْعِمْهُمَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَأْكُلْ مِنْ حُشَّاشِ الْأَرْضِ وَحَشْرَاتِهَا -

وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَفِيهِ لَقَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ بَنٍ دَعْدَعِ سَارِقِ الْحُجَّاجِ بِمُحَجِّنِهِ فَكَانَ إِذَا خَفِيَ ذَهَبَ وَإِذَا رَأَهُ أَحَدٌ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمُحَجِّنِي -

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا خَفِيَ لَهُ شَيْءٌ ذَهَبَ بِهِ وَإِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمُحَجِّنِي -

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا، اسی دن سورج گرہن ہو گیا، لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگ گیا، اس موقع پر نبی ﷺ نے نماز کسوف پڑھاتے ہوئے اتنا طویل قیام کیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ نبی ﷺ رکوع نہیں کریں گے، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا جو بقدر قیام تھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو قوم بقدر رکوع تھا، پھر سجدہ کیا جو بقدر قومہ تھا، پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے جو بقدر سجدہ تھا، پھر دوسرا سجدہ کیا جو بقدر جلسہ تھا۔

پھر دوسری رکعت پڑھائی اور اس میں بھی اسی طرح کیا، یہاں تک کہ جب دوسری رکعت کے سجدے میں پہنچے تو رو پڑے اور یہ آہ و بکاء بہت شدید ہو گئی، ہم نے کان لگا کر سنا تو نبی ﷺ یہ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری موجودگی میں تو انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا، اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھ گئے، تشہد پڑھا اور نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ شمس و قمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے، اس لیے جب ایسی صورت حال پیش آیا کرے تو نماز کا اہتمام کیا کرو۔

اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھے اسی نماز کے دوران جنت کے اتنا قریب کر دیا گیا کہ اگر میں اس کے درختوں کی ٹہنیوں میں سے کوئی ٹہنی توڑنا چاہتا تو توڑ سکتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو جہنم کے بھی اتنا قریب دیکھا کہ میں ڈرنے لگا، اور میں نے پیغمبر خدا کے گھر میں چوری کرنے والے کو جہنم میں مبتلاء عذاب دیکھا اور میں نے جہنم میں عبد بن دعدع کو بھی دیکھا جو اپنی لاشی کے ذریعے حجاج کرام کا سامان چوری کرتا تھا، نیز میں نے اس میں قبیلہ حمیر سے تعلق رکھنے والی گندمی

رنگ کی ایک عورت کو بھی دیکھا جسے اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا جسے اس نے باندھ رکھا تھا نہ خود اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود ہی زمین کے کپڑے مکوڑے کھالے۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح کا مضمون آیا ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب عبد بن دعدع کو کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس کا ساز و سامان اٹھا کر لے جاتا اور اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو وہ یہ بہانہ بنا دیتا کہ یہ سامان میری لاشی سے چپک کر آ گیا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "انکسفت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گھن لگ جانا "ینجلی" مذکورہ باب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روشن ہو جانا "اشتد" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ڈرانا خوفزدہ کرنا "ادنیت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قریب کرنا "ادماء" فعلاء کے وزن پر مؤنث ہے بمعنی گندی رنگ "ربطتها" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی باندھنا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۱۰۴۳، و مسلم: ۲۱۲۲ (۹۱۵)، و ابوداؤد: ۱۱۹۱، و النسائی: ۱۵۰۳، و ابن

ماجہ: ۱۲۶۲۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری مختصراً: ۱۰۵۲، و مسلم: ۲۱۰۲ (۹۰۴)، و ابوداؤد: ۱۱۹۴، و النسائی: ۱۴۸۳،

و ابن ماجہ: ۱۲۶۵، و احمد بهذا السياق: ۶۴۸۳، و عبدالرزاق: ۴۹۳۸، و ابن ابی شیبہ: ۴۶۷/۲، و ابن خزيمة: ۹۰۱۔

مَقَالَةٌ: نماز کسوف کے حوالے سے فقہاء کرام نے ان حدیثوں سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند امور کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

۱۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے یہاں یہ بات بہت مشہور تھی کہ سورج گرہن اور چاند گرہن ہونا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا فوت ہو گیا ہے، اسی خیال کا اظہار انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے انتقال پر کیا جن کی والدہ نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے بطور ہدیہ کے آنے والی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس خیال کی تردید فرمائی۔

۲۔ سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں اور نظام کائنات کے دو اہم ترین پرزے ہیں، مظاہر پرست لوگ ان کی پوجا بھی کرتے ہیں اور ان کی عظیم جسامت تو ویسے ہی واضح ہے، روشنی کے ان دو میناروں کو کلی یا جزوی طور پر بے نور کر کے بندوں کو یہ سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ بے جان شمس و قمر مستحق عبادت اور معبود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ یہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے آپ کو بے نور ہونے سے بچا نہیں سکتے اور وہ ذات کس قدر طاقتور اور قادر ہوگی جو ایسی عظیم چیزوں کی روشنی چھین لینے میں کسی ہچکچاہٹ اور پریشانی کا شکار نہیں ہوتی، پھر اس ذات کو چھوڑ کر ان مظاہر کی عبادت کرنا انصاف کے

منافی ہو گا یا نہیں؟

۳۔ دنیا میں آج تک سورج اور چاند گرہن ہوتا چلا آ رہا ہے، لیکن اب یہ فیشن بن چکا ہے کہ سائنسدان اس کے ذریعے نئی سائنسی معلومات حاصل کریں اور عام آدمی ”اگر اس کے پاس فرصت ہو“ تو دور بین وغیرہ کے ذریعے اس کا نظارہ کر لے اور اس پر اپنی حیرت کا اظہار کر کے متعجب ہو جائے، اس حقیقت کو فراموش کر کے طاق نسیاں میں رکھا جا چکا کہ چاند اور سورج کا بے نور ہونا قیامت کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ اسی وجہ سے نبی ﷺ اس موقع پر گھبرا جاتے تھے اور فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، آلات جدیدہ کی ایجاد کے بعد کئی دن قبل سورج اور چاند گرہن کی تاریخ اور وقت معلوم ہونے کے باوجود مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی صلوٰۃ کسوف یا خسوف کی جماعت ہوتے ہوئے دیکھی ہو، اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ عرب میں ایک شخص ”سارق الحجاج“ کے نام سے مشہور گزرا ہے، اس کا اصل نام ”عبد بن دعدع“ تھا، اس کے پاس ایک لاٹھی ہوتی تھی جس کے سرے پر اس نے دھاری دار لوہا لگا رکھا تھا، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جب وہ زمین پر اپنی لاٹھی گھسیٹتے ہوئے چلتا تھا تو بہت سی چیزیں اس کی لاٹھی کے ساتھ ہی گھستی ہوئی چلی آتی تھیں، اگر کوئی آدمی شور مچاتا تو وہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتا کہ مجھے پتہ نہیں چل سکا، یہ میری لاٹھی کے ساتھ گھستی ہوئی آگئی ہے اور یہ کہہ کر وہ چیز اس کے مالک کو لوٹا دیتا اور اگر کوئی آدمی کسی طرف سے بھی نہ بولتا تو وہ اس طرح کرتے کرتے اس چیز کو اپنے گھر لے جاتا۔

وہ شخص ان کاموں میں اتنا دلیر ہو چکا تھا کہ اللہ کے مہمان حجاج کرام کو بھی نہیں بخشتا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ایام حج ہی تو اس کی اصل کمائی اور محنت کے دن ہوتے تھے تو کچھ بے جا نہیں ہوگا، اللہ نے اس عمل کی پاداش میں اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا نوالہ بنا دیا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو دکھا بھی دیا کہ وہ جہنم میں جل رہا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کرنے والے ہر شخص کا یہی انجام ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْإِسْتِخَارَةِ

(۱۶۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

استخارہ کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ کی تعلیم اسی طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی وضاحت ہے۔

(۱۶۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأَمْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا الْأَمْرُ خَيْرًا لِي فِي مَعِيشَتِي وَخَيْرًا لِي فِي عَاقِبَةِ أَمْرِي فَيَسِّرْهُ لِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ۔

وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ وَإِنْ كَانَ غَيْرُهُ فَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہر معاملہ میں ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور فرائض کے علاوہ دو رکعتیں (نقلی طور پر) پڑھ کر یہ دعاء کرے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے علم کے ذریعے خیر کا طلب گار ہوں اور آپ کی قدرت سے اس کام پر قدرت کا خواستگار ہوں اور آپ سے آپ کا فضل چاہتا ہوں کیونکہ آپ سب کچھ جانتے ہیں میں کچھ بھی نہیں جانتا آپ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور مجھے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں اور آپ تو علام الغیوب ہیں۔

اے اللہ! اگر یہ کام میرے لیے معاشی طور پر اور انجام کار کے اعتبار سے اچھا ہے تو اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے مبارک فرما اور اگر نہیں تو پھر میرے لیے خیر مقدر فرما جہاں بھی ہو اور پھر اس پر مجھے راضی بھی فرما۔

حَلَّابٌ عِبَارَاتٌ: "استخیرك" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خیر طلب کرنا "استقدرك" بھی یہی صیغہ ہے بمعنی قدرت طلب کرنا "فاقدر" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مقدر کرنا "رضنی" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی راضی کرنا۔

تَجْنِیْحٌ حَدِيثٌ: اخرجهما البخاری: ۱۱۶۲، وابوداؤد: ۱۵۳۸، والترمذی: ۴۸۰، وابن ماجه: ۱۳۸۳، والنسائی:

۳۲۵۵۔

مَقْهُوْمٌ: اس حدیث کا تعلق نماز استخارہ سے ہے جس سے فقہاء کرام نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند باتیں ذکر کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔

۱۔ استخارہ کے ذریعے بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا اصل مقصد ہے۔

۲۔ استخارہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی کام کے بارے انسان کشمکش کا شکار ہو اور اسے کچھ سمجھ نہ آرہا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیے اگر کوئی ایک رخ متعین ہو تو وہاں استخارہ کے بجائے دعاء کرنی چاہیے۔

۳۔ کسی سے اپنے لیے استخارہ کروانا بھی جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ صاحب معاملہ خود مذکورہ طریقے سے استخارہ کرے اور اس کے بعد جب ذہن کسی ایک رخ پر مطمئن ہو جائے تو اسی میں اللہ کی طرف سے خیر اور بھلائی کو مضمحل سمجھے۔

۴۔ استخارہ کا مطلب ہے ”طلب خیر“ لہذا استخارہ وہیں کیا جاسکتا ہے جہاں کسی کام میں خیر اور شردونوں کے پہلو ہوں جہاں صرف شر کا پہلو ہو اسے ترک کرنے میں استخارہ کی ضرورت نہیں اور جہاں صرف خیر کا پہلو ہو اسے اختیار کرنے میں استخارہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الضُّحَى

(۱۷۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَضَعَ لَامَتَهُ وَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ وَاحِدٍ فَصَلَّى فِيهِ وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ مُتَوَشِّحًا۔
وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ لَامَتَهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَأَتَى بِهِ فِي جَفْنَةٍ فِيهَا خُبْزُ الْعَجِينِ فَاسْتَرَّ بِثَوْبٍ فَاعْتَسَلَ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ فَتَوَشَّحَ بِهِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَهِيَ الضُّحَى وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَامَتَهُ وَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتَى بِهِ فِي جَفْنَةٍ فِيهَا أُرْ عَجِينٍ فَاعْتَسَلَ وَصَلَّى أَرْبَعًا أَوْ رَكْعَتَيْنِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا۔

چاشت کی نماز کا بیان

تَرْجَمَتًا: حضرت ام ہانیٰ سے مروی ہے کہ جس دن نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو اپنی زرہ اتار دی اور پانی منگوا کر اپنے جسم پر بہایا پھر ایک کپڑا منگوا کر اس میں نماز پڑھی ایک روایت میں اسے لپیٹنے کی وضاحت بھی آئی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کے پاس پانی کا ایک بڑا سا پیالہ لایا گیا جس پر آٹے کے کچھ اثرات باقی تھے نبی ﷺ نے کپڑے سے پردہ کر کے اس پانی سے غسل کیا پھر ایک کپڑا منگوا کر جسم پر اچھی طرح لپیٹ کر دو رکعت نماز پڑھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔

حَلَّتْ عِبَارَتٌ: ”لَامَتَهُ“ یہ لفظ لام کے فتح، ہمزہ کے سکون، میم اور تاء کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی اسلحہ زرہ اس لفظ کو ”لَامَتَهُ“ پڑھنا غلط ہے ”دعا“ کے صلے میں اگر ”ب“ آجائے تو اس کا معنی منگوانا ہوتا ہے ”جفنة“ پانی کا ٹب یا بڑی پرات ”استتر“ باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا، ستر ڈھانپنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرج البخاری مثله: ۱۱۷۶، ومسلم: ۱۶۷۰ (۳۳۶)، وابوداؤد: ۱۲۹۰، والترمذی: ۴۷۴، واحمد:

۲۷۴۲۵، وابن خزيمة: ۳۳۷۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث کے تحت ہمیں صرف دو باتیں ذکر کرنا ہیں۔

۱۔ فتح مکہ کا عظیم الشان تاریخی واقعہ تاریخ عالم میں ایک انوکھی انفرادیت کا مقام رکھتا ہے کیونکہ دنیا نے اس سے پہلے دارا سکندر اور رستم و سہراب کے قصے پڑھے تھے اور ان کی سفاکی و بربریت کو پچھتم خود دیکھا تھا، فتح کا یہ انوکھا واقعہ تھا کہ جس میں فاتح مفتوحوں سے زیادہ عاجز دکھائی دیتا تھا، جس میں فاتح نے دنیا کے سامنے جنگ کی ایک نئی اور قابل تقلید طرح ڈالی اور جس میں فاتح نے اپنے مفتوحوں کو بھیڑ بکریوں کے درجے پر لے جانے کی بجائے انہیں انسانیت ہی کے مرتبے پر اپنے جیسا انسان سمجھا اور اسی کے مطابق برتاؤ کیا۔

۲۔ سنت سے ثبوت کے لیے کسی عمل کی نسبت اگر صحیح سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فقط ایک مرتبہ بھی ثابت ہو جائے تو اسے کافی سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا ہے کہ یہ عمل سنت سے ثابت ہے گو کہ فقہاء کرام درجہ بندی میں اسے مستحب یا جائز ہی قرار دیں اس لیے کہ وہ ان کی اصطلاح ہے۔

نماز چاشت کا تعلق بھی اسی نوعیت کے ساتھ ہے کہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ چاشت کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صرف حضرت ام ہانیؓ نے نقل کی ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ ہی یہ نماز پڑھی ہے، گو کہ تتبع اور استقراء سے اس مضمون کی بہت سی روایات جمع کی جاسکتی ہیں اور مذکورہ تابعین کے قول کو ان کے علم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے لیکن سردست اگر ان ہی کی بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ چاشت کی نماز سنت سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

(۱۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا دَخَلَ شَهْرَ رَمَضَانَ قَامَ وَنَامَ وَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرَ شَدَّ الْمِيزَرَ وَآحَى اللَّيْلَ۔

رمضان کے عشرہ اخیرہ میں محنت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام بھی کرتے اور نیند بھی کرتے اور جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور رات جگا کرتے۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی قیام اللیل سے ہی متعلق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِيَامِ عَامَّةَ اللَّيْلِ

(۱۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُومُ عَامَّةَ اللَّيْلِ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ أَلَيْسَ قَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

رات کے اکثر حصے میں قیام کا بیان

تَرْجَمَنَا: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رات کو اکثر حصہ قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے، ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف نہیں فرمادیا؟ (یعنی اتنی محنت کا فائدہ کیا ہے جبکہ آپ کے تو سارے گناہ معاف ہو چکے؟) فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

خَاتَمُ عِبَادَاتٍ: "شد" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی باندھنا "المیزر" تہ بند کناۃ عبادت میں محنت مراد ہے "احی" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی زندہ کرنا "تورمت" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ورم آلود ہو جانا، سوج جانا۔

تَجْنِیْحُ خَلَاتِیْفٍ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۲۰۲۴، ومسلم: ۲۷۸۷ (۱۱۷۴)، وابوداؤد: ۱۳۷۶، والترمذی: ۷۹۵، والنسائی ۱۶۴۰، وابن ماجہ: ۱۷۶۸، واحمد: ۲۴۶۳۲، وابن خزيمة: ۲۲۱۴۔

تَجْنِیْحُ خَلَاتِیْفٍ ثَانِیٍ: اخرجہ البخاری، ۱۱۳۰، ومسلم: ۷۱۲۴ (۲۸۱۹)، والترمذی: ۴۱۲، وابن ماجہ: ۱۴۱۹، والنسائی، ۱۶۴۵۔

مَقْبُوْلٌ: ماہ مقدس رمضان سعادتوں اور برکتوں سے بھرپور اللہ کا عظیم مہمان ہے جس کی مہمان نوازی کرنا ہر اس شخص کے ذمے ضروری ہے جو اس نعمت کو پائے، اس عظیم مہینے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے معمولات یکسر بدل جاتے تھے چنانچہ قرآن کریم کا دور اسی مہینے کے معمولات میں سے تھا، حضرت ابن عباسؓ کے بقول ماہ مقدس میں آپ ﷺ کی سخاوت تیز آندھی سے بھی زیادہ تیزی سے لوگوں پر ہوتی تھی، رات رات بھر عبادت میں مشغول رہنا اور دن تک تو مخلوق سے مکمل ناطہ توڑ کر اعتکاف کی حالت میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا رمضان کے اہم معمولات میں سے تھا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ امت مرحومہ کے رمضان اور غیر رمضان میں امتیاز صرف سحری اور افطاری کے دسترخوان پر بھانت بھانت کی اشیائے خورد و نوش سے ہی ہوتا ہے، ورنہ زندگی کی ڈگر میں کوئی فرق اور تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔

بلکہ اگر رمضان کی بات بھی ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو عام دنوں میں بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کی جہد مسلسل ایک پیغام انقلاب محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ حقیقت تھی کہ اللہ نے آپ کو گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا کیا تھا، اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی معمولی سی لغزش سرزد ہو بھی گئی ہو تو اس کے لیے "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" کا اعلان فرمادیا تھا اور دوسری طرف آپ کے قلب مطہر میں جذبات شکر کا وہ بحر بیکراں موجزن تھا جو آپ ﷺ کو ہر وقت اپنے پروردگار کے حضور حاضر رکھتا تھا، گویا عبادت الہی میں اس قدر استغراق اور بارگاہ الہی میں اس قدر حاضری کے باوجود آپ ﷺ اپنی عبادت پر کبھی فخر نہ فرماتے تھے اور

ہماری صورت حال یہ ہے کہ کسی دن نفلی روزہ رکھنے یا رات کو تہجد کی چار رکعتیں پڑھ لینے کی توفیق مل جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے معاذ اللہ خدا پر کوئی احسان کر دیا۔ شتان بینہما

بَابُ كَمْ كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ؟

(۱۷۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ كَانَتْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً مِنْهُنَّ ثَلَاثُ رُكْعَاتٍ الْوُتْرِ وَرُكْعَتَا الْفَجْرِ۔

نبی ﷺ کی رات کی نماز کتنی رکعتوں پر مشتمل ہوتی تھی؟

ترجمہ: حضرت امام ابو جعفر باقرؑ سے مرسل مروی ہے کہ نبی ﷺ کی رات کی نماز تیرہ رکعت پر مشتمل ہوتی تھی جن میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "رُكْعَتَا الْفَجْرِ" اصل میں "رُكْعَتَانِ الْفَجْرِ" تھا، لیکن اضافت کی وجہ سے نونِ تشنیہ گر گیا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرج البخاری مثله: ۱۱۴۰، ومسلم: ۱۷۲۶ (۷۳۸)، وابوداؤد: ۱۳۳۴، والترمذی: ۴۴۲، والنسائی:

-۱۷۲۸

مَفْهُومٌ: ذخیرہ حدیث پر نظر رکھنے والا اس حدیث کو پڑھ کر بعض اوقات اس الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آیا نبی ﷺ رات کے وقت گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ کتب صحاح میں ہے یا تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ اس روایت میں تصریح ہے؟ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کبھی گیارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے اور کبھی تیرہ، جس صحابی کو گیارہ کا علم ہوا، ان کی روایت میں گیارہ کا عدد آ گیا اور جس صحابی کو تیرہ کا علم ہوا ان کی روایت میں تیرہ کا عدد آ گیا۔

اور دوسرا حل یہ ہے کہ جن روایات میں گیارہ کا عدد مذکور ہے ان میں آٹھ رکعتیں نماز تہجد کی اور تین رکعتیں نماز وتر کی شمار کی گئی ہیں اور جن روایات میں تیرہ کا عدد مذکور ہے ان میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، گو کہ فجر کی سنتیں طلوع صبح صادق کے بعد ادا کی جاتی ہیں لیکن رات کے ساتھ انتہائی قرب کی وجہ سے ان دو رکعتوں کو بھی رات کی نمازوں میں شامل کر لیا گیا۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں، ان سے کم نہیں تو یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے کیونکہ اس موضوع پر قدرے گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكْعَتِي الْفَجْرِ

(۱۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ حُمْرَانَ قَالَ مَا لَقِيَ ابْنَ عُمَرَ قَطُّ إِلَّا وَأَقْرَبُ النَّاسِ مَجْلِسًا حُمْرَانُ فَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا حُمْرَانُ لَا أُرَاكَ تُوَاظِبُنَا إِلَّا وَأَنْتَ تُرِيدُ لِنَفْسِكَ خَيْرًا فَقَالَ أَجَلُ

يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ اَمَّا اِنتَانِ فَاِنِّي اَنْهَاكَ عَنْهُمَا وَاَمَّا وَاِحِدَةٌ فَاِنِّي اَمُرُّكَ بِهَا فَاِنِّي سَمِعْتُ
رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِهَا قَالَ مَا هِيَ تِلْكَ الْخِصَالُ الثَّلَاثُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ لَا تَمُوتَنَّ
وَعَلَيْكَ دَيْنٌ اِلَّا دَيْنًا تَدْعُ بِهِ وَفَاءٌ وَلَا تُسَمِعَنَّ مِنْ تِلَاوَةِ آيَةٍ فَاِنَّهُ يُسَمِعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا
سَمِعْتَ بِهِ قِصَاصًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا وَاَمَّا الَّذِي اَمُرُّكَ بِهِ كَمَا اَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَارْكَعْتَا
الْفَجْرَ فَلَا تَدْعُهُمَا فَاِنَّ فِيهِمَا الرَّغَائِبَ۔

سنت فجر کا بیان

ترجمہ: ابن اقر سے حمران کے متعلق منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو مجلس میں ان کے
سب سے زیادہ قریب حمران ہی ہوتے ایک دن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حمران! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے اس دوام اور
مداومت کا مقصد ہی اپنے لیے بھلائی کا حصول ہے؟ عرض کیا جی حضرت! فرمایا یاد رکھو! میں تمہیں دو عادتوں سے روکتا ہوں
اور ایک کام کے کرنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے حمران نے عرض کیا کہ اے
ابو عبدالرحمن! وہ تین عادتیں کون سی ہیں؟ فرمایا تمہیں اس حال میں موت نہ آئے کہ تم پر کسی قسم کا کوئی قرض ہو الا یہ کہ اس
کی ادائیگی کا انتظام موجود ہو کسی آیت کی تلاوت سے اپنی شہرت کے متلاشی نہ رہنا ورنہ قیامت کے دن قصاص کے طور پر
تمہاری بھی اسی طرح تشہیر کی جائے گی اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، نبی ﷺ نے
مجھے بھی اس کا حکم دیا تھا اور وہ ہے فجر کی دو رکعتیں، کہ انہیں کبھی نہ چھوڑیں کیونکہ اس میں رغبت کے بہت سے اسباب
موجود ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت میں اسی مضمون کے ایک جزء کی وضاحت ہے۔

(۱۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِّنَ
النَّوَافِلِ اَشَدَّ مُعَاهِدَةً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نوافل میں فجر کی دو سنتوں سے زیادہ کسی کی رعایت اور خیال
نہیں کرتے تھے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "مالقی" باب سمع سے فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملاقات کرنا "انهاك"
باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی روکنا "تدع" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد
مذکر حاضر ہے بمعنی چھوڑنا "لا تسمعن" باب تفعیل سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی شہرت کے
لیے کوئی کام کرنا "اشد" کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا استعمال "من" کے

ساتھ ہوا ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الثانی فقد اخرجہ البخاری: ۱۱۶۹، ومسلم: ۱۶۸۶ (۷۲۴) وابوداؤد: ۱۲۵۴ والنسائی: ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، واحمد: ۲۴۶۶۸، وابن خزيمة: ۱۱۰۸، واما الحدیث الاول فقد اخرجہ الحارثی: ۵۹۹۔
مفہوم: بنیادی طور پر تو اس حدیث میں فجر کی سنتوں کی تاکید بیان کرنا مقصود ہے لیکن حضرت ابن عمر کی نصیحتیں آج بھی زندگی کو کامیاب اور خوشحال بنانے کا ایک نسخہ کیما ہیں، کیونکہ ظاہر ہے اگر مقروض جلد از جلد قرض کی ادائیگی کر دے گا تو عوام کی نظروں میں بھی قابل تعریف ٹھہرے گا اور اللہ کی خوشنودی بھی اسے حاصل ہوگی اور اگر وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے گا تو ظالم کہلائے گا اور اسی حال میں مرجانے کی صورت میں وہ اپنے اہل خانہ کے لیے بھی مصائب کا ایک پہاڑ کھڑا کر جائے گا اور خود بھی اس حق العباد کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اس معاملہ میں پکڑ کا شکار ہوگا۔

اسی طرح وہ قاری جو لوگوں میں اپنی واہ واہ کروانے اور شہرت حاصل کرنے کا گھٹیا مقصد پانے کے لیے آیات قرآنیہ کا استعمال کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کی تشہیر کی جائے گی کہ یہ ہیں وہ قاری صاحب جو لوگوں میں اپنی شہرت چاہتے تھے سو آج ہم انہیں مشہور کیے دیتے ہیں بنیادی طور پر یہ حدیث ہمارے قراء و مجودین کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے جو جلسوں اور محفلوں میں صرف شہرت اور پیسہ کمانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا چکر کاٹتے رہتے ہیں۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتِي الْفَجْرِ

(۱۷۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا فَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتِي الْفَجْرِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں چالیس دن یا ایک مہینے تک مسلسل اس بات پر غور کرتا رہا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کو فجر کی سنتوں میں قل هو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: ”رماقت“ باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا، غور کرنا ”یوما او شہرا“ شک من الراوی۔

تخریج حدیث: اخرجہ الترمذی: ۴۱۷، وابن ماجہ: ۱۱۴۹، والنسائی: ۹۴۶، وابوداؤد: ۱۲۵۶، ومسلم: ۱۶۹۰ (۷۲۶) واحمد: ۴۹۰۹، والطیالسی: ۱۸۹۳، وابن ابی شیبہ: ۲۴۲/۲۔

مفہوم: بعض دوسری روایات کو ملا کر اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس گہرے تجزیے کا دورانہ ایک مہینے پر محیط تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چالیس دن یا ایک مہینے کی تعیین میں کسی راوی کو شک ہو

گیا ہے، حضرت ابن عمرؓ کی طرف اس شک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا عام معمول مبارک فجر کی سنتیں مختصر پڑھنے کا تھا کیونکہ سورہ کافرون اور سورہ اخلاص کوئی لمبی سورتیں نہیں ہیں جنہیں پڑھنے میں کوئی زیادہ وقت لگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستنون ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سنن و نوافل کی ادائیگی انفرادی طور پر ہوتی ہے اور اس میں بلند آواز سے قراءت بھی نہیں کی جاتی، پھر حضرت ابن عمرؓ کو یہ کیونکر پتہ چلا کہ نبی ﷺ ایک مہینے تک یہی دو سورتیں فجر کی سنتوں میں پڑھتے رہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم و تعلم کے نظریے سے نبی ﷺ کا ساری فرض نمازوں میں ایک دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا روایات صحیحہ سے ثابت ہے تو پھر سنن و نوافل میں اس کے ثبوت میں کیا قباحت ہو سکتی ہے اور ایک آدھ آیت سے بھی سورت اور پارے کا تعین کرنا ممکن ہے بالخصوص جبکہ وہ آخری پارے کی سورتیں ہوں، اس لیے یہ امکان نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت ابن عمرؓ نے قرب نبوی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا ہو اور اس کے لیے انہیں سورت کی ایک آدھ آیت کا اشارہ ہی کافی ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَجَلَسَ فِي مَكَانِهِ

(۱۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَيْمَاقٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ لَمْ يَبْرَحْ عَنْ مَكَانِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ.

نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سورج نکلنے اور اس کی روشنی پھیل جانے تک اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لم يبرح" یوں تو یہ باب فتح سے نفی حجبہم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے لیکن افعال ناقصہ میں جو "ما براح" آتا ہے وہ اسی سے ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ رہنا "تبیض" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی سفید ہونا، روشن ہونا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم: ۱۵۲۶ (۶۷۰) والترمذی: ۵۸۵ وهو من الثنائيات لابی حنیفہ۔

مَفْهُومٌ: نماز اشراق جو طلوع آفتاب کے پندرہ بیس منٹ بعد ادا کی جاتی ہے، کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جس کا اہتمام کرنے والے افراد کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اور اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ بہت سے لوگوں کو نماز اشراق کا پتہ ہی نہیں اور جنہیں پتہ ہے وہ عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اپنی زبان کو تالا لگا کر رکھیں اور اس عمل سے اپنے

آپ کو دور رکھنے کے لیے اپنے اعضاء و جوارح پر بھی مضبوط پہرہ بٹھا دیں، حالانکہ اس روایت سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ کا معمول ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔

اب فقہاء کرام کی درجہ بندی میں آپ سے سنت کہیے یا مستحب قرار دیجیے میں تو اس غرض سے بالاتر ہو کر صرف ایک ہی درخواست کرنا چاہوں گا کہ اگر نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا مشکل معلوم ہو تو اپنے گھر جانے میں اور وہیں پر وقت مقررہ میں نماز اشراق کی نیت سے دو رکعت ہی پڑھ لینے میں پروردگار عالم سے اسی ثواب کی امید رکھنی چاہیے جو مسجد میں پڑھنے پر ملتا۔ واللہ اعلم عند اللہ

بَابُ مَنْ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ

(۱۷۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَدَلَنَ مِثْلَهُنَّ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

بعد عشاء چار رکعات نفل پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے چار رکعت نفل پڑھ لے تو وہ اس کے لیے شب قدر میں پڑھنے کے برابر ہو جائیں گے۔

(۱۷۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى أَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْعَلُ مِثْلَ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيمٍ يقرأ في الأولى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَنْزِيلِ السَّجْدَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحَمِ الدُّخَانَ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيَسُ وَفِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمَلِكُ كُتِبَ لَهُ كَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَشَفَّعَ لَهُ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ مِمَّنْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ وَأَجِيرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَرَوَى مَوْقُوفًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان سلام نہ پھیرے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ سجدہ کی تلاوت کرے دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ دخان پڑھے، تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ یس پڑھے اور آخری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملک کی تلاوت کرے تو اس کے لیے شب قدر میں قیام کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کے اہل خانہ میں سے جس جس کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، ان کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی اور اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا۔

حَلَّ عِبَارَتًا: "عدلن" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا "شفع"۔

باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سفارش قبول کر لینا "وجبت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی واجب ہونا ثابت ہونا "اجبر" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پناہ لینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الہیثمی فی المجمع: ۲۳۱/۲، والطبرانی، وابن کثیر، والشوکانی فی النیل: ۸۹۸۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الہیثمی: ۲۳۰/۲، والطبرانی فی الکبیر: ۱۲۲۴۰، والبیہقی: ۴۳۸۹۔

مفہوم: ان دونوں روایتوں کا تعلق سلسلہ فضائل سے ہے اور ان میں نماز عشاء کے بعد چار رکعت نوافل کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ میں جب نماز عشاء کے فرائض اور واجبات و سنن کی تعداد پر غور کرتا ہوں تو ہمیں بچپن ہی سے یہ پڑھایا گیا ہے کہ نماز عشاء کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں ان میں فرائض اور وتر کی سات رکعتوں کے علاوہ دس رکعتیں بطور سنت اور نفل کے پڑھی جاتی ہیں چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد اسی طرح دو نفل و تروں سے پہلے اور دو و تروں کے بعد بعض اوقات میں یہ سوچتا تھا کہ نوافل کی تعداد چار مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس حدیث پر مطلع ہونے کے بعد یہ حقیقت تو آشکارا ہو گئی کہ بنیادی طور پر شب قدر کی عبادت کے برابر ثواب کا حصول ہے۔

لیکن دوسری روایت سے "جس میں اس کا مکمل تفصیلی طریقہ مذکور ہے" یہ الجھن پیدا ہو گئی کہ اس میں تو چاروں رکعتیں اکٹھی پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ ہم ان نوافل کو دو دو کر کے پڑھتے ہیں؟ اسی لمحے اللہ نے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ دوسری حدیث میں اس تفصیلی طریقے پر عمل کرنے کے تین فائدے مذکور ہیں اور پہلی حدیث میں ایک فائدہ ہم عامیوں جیسا دوسری حدیث پر عمل کرتے ہوئے چار رکعتوں میں سورہ سجدہ، سورہ دخان، سورہ یس اور سورہ ملک تو روزانہ نہیں پڑھ سکتا البتہ چار رکعتیں ضرور پڑھ سکتا ہے اور اس حدیث میں اکٹھے یا الگ الگ پڑھنے کی کوئی قید نہیں اس لیے عوام کے لیے پہلی حدیث پر عمل کر لینا ہی بہت بڑی بات ہے اور خواص میں سے بھی جو خواص ہیں وہ دوسری حدیث پر عمل کر کے اپنی سعادت مندی کا مظاہرہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

(۱۸۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي بَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ۔

نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

تخریج حدیث: اخرج الترمذی مثلہ: ۴۳۶، و ابوداؤد: ۹۵۵، و مسلم: ۱۶۹۸ (۷۲۹)، و البخاری: ۱۱۸۰۔

مَفْهُومٌ: روایات سے نماز ظہر کے بعد پڑھی جانے والی دو سنتوں پر نبی ﷺ کی مواظبت ثابت ہے بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی وجہ سے نبی ﷺ یہ دو سنتیں نماز ظہر کے بعد نہ پڑھ سکے تو نماز عصر کے بعد انہیں قضاء فرمایا، چونکہ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لیے بعض لوگوں کو اس سے اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے نماز عصر کے بعد بھی نوافل ادا کرنے لگے، حالانکہ اس کی حقیقت وہ تھی جو ابھی مذکور ہوئی، اور اس واقعے کے ذریعے نماز عصر کے بعد نوافل کی اجازت دینا مقصود نہیں تھا بلکہ نماز ظہر کے بعد والی دو سنتوں کی اہمیت جتاننا مقصود تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوتِ

(۱۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوهَا قُبُورًا۔

گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ۔

تخریج حاکم: أخرجه البخاری، ۴۳۲؛ ومسلم، ۱۸۲۱ (۷۷۷) وابدوداؤد: ۱۰۴۳، والترمذی: ۴۵۱، والنسائی: ۱۵۹۹ وابن ماجہ: ۱۳۷۷۔

مَفْهُومٌ: قدیم آسمانی مذاہب میں عبادت کے جو بھی طریقے مقرر تھے انہیں بروئے کار لانے اور ان پر عمل کرنے کے لیے جو مخصوص عبادت گاہیں قائم کی جاتی تھیں، صرف انہی میں عبادت کرنا جائز تھا، اپنے گھریا کسی اور جگہ پر عبادت کا فریضہ ادا نہیں کیا جاسکتا تھا جیسے گرجا، صومعہ، کلیسا اور مندر وغیرہ لیکن اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عبادت کی ادائیگی کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، انسان جہاں بھی ہوساری زمین اس کے لیے مسجد اور طہور ہے، وہ اس کی مٹی سے تیمم اور اس کی سطح پر سجدہ کر سکتا ہے چنانچہ خود نبی ﷺ نے دیگر انبیاء کرام ﷺ کے اعتبار سے اپنی جن خصوصیات کا خود اظہار فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے

و جعلت لی الارض مسجدا و طهورا۔

اسی مناسبت سے گھروں میں بھی عبادت کا جواز ثابت ہو گیا جس کا ایک فائدہ اگر خواتین کو ہوا تو دو فائدے مردوں کو ہوئے ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو جائے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب عبادت سے بھی اس کی چھٹی ہو گئی بلکہ اپنے گھر میں ہی وہ اپنی سہولت کے مطابق نماز پڑھ لے اور دوسرا یہ کہ نوافل، سنن اور نماز تہجد وغیرہ کا اہتمام ہر شخص اپنے گھر میں اپنی منشاء کے مطابق کر سکتا ہے۔

اور اگر ذرا سی باریک بینی کے ساتھ اس حدیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک اعتبار سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مسلمانوں کو ایک عالمی پیغام ہے کہ اپنی نماز اور عبادت کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود کرنے کی بجائے اس کا دائرہ اپنے گھروں تک وسیع کر دو تا کہ نئی نسل جب اپنے گھر میں اس کثرت سے ایک عمل کو ہوتے ہوئے دیکھے تو وہ اس کے ذہن میں نقش ہو جائے اور اس کے معمولات کا اٹوٹ حصہ بن جائے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

(۱۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ بِلَالَ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْكَعْبَةِ وَكَمْ صَلَّى قَالَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ مِمَّا يَلِي الْعُمُودَيْنِ اللَّتَيْنِ تَلِيَانِ بَابِ الْكَعْبَةِ وَالْبَيْتِ إِذْ ذَاكَ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ۔

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر کہاں نماز پڑھی تھی اور کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو ستونوں کے درمیان جو باب کعبہ کے قریب ہیں، کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھی تھیں اور بیت اللہ ان دنوں چھ ستونوں پر استوار تھا۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْكَعْبَةِ يَوْمَ دَخَلَهَا فَقَالَ صَلَّى فِي الْكَعْبَةِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فَقَالَ لَهُ أَرِنِي الْمَكَانَ الَّذِي صَلَّى فِيهِ فَقَالَ فَبَعَثَ مَعَهُ ابْنَهُ ثُمَّ ذَهَبَ تَحْتَ الْأُسْطُوَانَةِ بِحِيَالِ الْجَدْعَةِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْكَعْبَةِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قُلْتُ لَهُ أَرِنِي الْمَكَانَ الَّذِي صَلَّى فِيهِ فَبَعَثَ مَعِيَ ابْنَهُ فَأَرَانِي الْأُسْطُوَانَةَ الْوُسْطَى تَحْتَ الْجَدْعَةِ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے تو کیا وہاں نماز پڑھی تھی؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں چار رکعتیں پڑھی تھیں اس شخص نے اور ایک روایت کے مطابق سعید بن جبیر نے عرض کیا کہ مجھے وہ جگہ دکھا دیجیے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی تو حضرت ابن عمر نے ان کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھیج دیا وہ انہیں کھجور کے درخت کی جڑ کے سامنے والے ستون کے نیچے لے گئے۔

خَلَّتْ عِبَارَتُ: ”یلی“ باب حسب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب ہونا ”اعمدۃ“ عماد کی جمع ہے بمعنی ستون ”الجدعة“ کھجور کے درخت کی جڑ۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری مفصلاً: ۵۰۵، وابدوؤد: ۲۰۲۳، و مسلم: ۳۲۳۰ (۱۳۲۹)، والنسائی: ۶۹۳، وابن ماجہ: ۳۰۶۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن حبان مختصراً، واحمد، والدارقطنی، والطبرانی والحرثی: ۴۷۵، ۴۷۶۔
مفہوم: خانہ کعبہ مرکز توحید ہی نہیں، مرکز عالم بھی ہے، وہ منبع جلال ہی نہیں، سرچشمہ جمال بھی ہے، وہ کیا عجب وقت ہو گا جب کعبہ میں کعبہ کا کعبہ داخل ہوا ہوگا، جب سرچشمہ جلال و جمال میں پیغمبر جلال و جمال نے نزول اجلال فرمایا ہوگا، اس روز کعبہ کی مراد پوری ہوگئی ہوگی اور اس کا تعلق کسی افسانے سے نہیں، ان حقائق سے ہے جو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں کہ کس طرح اہل مکہ نے مرکز توحید کو مرکز شرک و بت پرستی بنا رکھا تھا، اس کی ضیاء پاشیوں کو بت پرستی کے اندھیرے نے ماند کر رکھا تھا اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویریں بنا کر ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر پکڑا کر انہوں نے کعبہ کے قلب و جگر پر چھریاں چلائی تھیں، اس لیے جب بلالؓ کے نعرہ توحید کی صدا کعبہ نے اپنے اوپر سے سنی اور اپنے بیچوں بیچ وجہ تخلیق عالم کو پایا تو اسے دوبارہ ملت ابراہیمی پر لوٹنے کا موقع ملا اور اس کے چہرے کی وہ پرانی تازگی عود کر آئی جو عرصہ دراز سے مفقود ہو چکی تھی۔

اب رہی یہ بات کہ خانہ کعبہ میں داخل ہو کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ سو اس سلسلے میں دونوں ہی پہلو ہیں، فتح مکہ کے موقع پر نماز پڑھنا رنج ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ سے مروی ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر صرف تکبیر و تہلیل پر اکتفاء کرنا رنج ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا اصرار ہے اس توجیہ کی موجودگی میں کسی ایک حدیث کو بھی چھوڑنا نہیں پڑتا اور خلاف واقعہ بات تسلیم کرنا بھی لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ مَاتَ وَلَهُ وَلَدَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ

(۱۸۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَالِدِ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ أَوْ اثْنَانِ فَقَالَ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ اثْنَانِ۔

اگر کسی شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہو جائیں

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے تین بیٹے فوت ہو جائیں (اور وہ ان پر صبر کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر دو ہوں تو پھر؟ فرمایا دو ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۸۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّكَ لَتَرَى السَّقَطَ مُحْبِنًا يُقَالُ لَهُ أُذْخِلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ لَهُ لَا حَتَّى يَدْخُلَ أَبُوَاى۔

ترجمہ: ایک شامی صحابی کے حوالے سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ بیشک تم قبل از وقت پیدا ہو کر مر جانے والے بچے کو ہکا بکا کسی کو تلاش کرتے ہوئے دیکھو گے اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے والدین جنت میں نہ چلے جائیں۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "السقط" نا تمام بچہ یا قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ "محبنتنا" بمعنی جھگڑالو پریشان ہو کر تلاش کرنے والا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ أَوَّلٍ: أخرجه البخاری: ۱۲۴۹، ومسلم: ۶۶۹۸ (۲۶۳۲) والترمذی: ۱۰۶۰، والنسائی: ۱۸۷۴، وابن ماجه: ۱۶۰۶۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ثَانِيٍ: أخرجه ابن ماجه مثله: ۱۶۰۸۔

مَفْهُومٌ: رحمت الہیہ کے موجیں مارتے سمندر کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جسے ہر دم وہ لوگ ضرور ملحوظ رکھیں جن کا کوئی بچہ ننھی سی عمر میں ہی اللہ کے پاس چلا گیا ہو اور وہ اس پر صابر رہے ہوں، تقدیر خداوندی پر اعتراض کرنے سے بچتے رہے ہوں اور اس بات کی خوب احتیاط کی ہو کہ ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلنے پائے جو ان کے رب کو پسند نہ ہو۔ یوں تو اس مضمون کی روایات کو اگر اکٹھا کیا جائے تو تیس سے زیادہ روایات جمع ہو سکتی ہیں جن کا مضمون اسی کے قریب قریب ہے، لیکن ان میں سے ایک روایت کو یہاں ذکر کرنا میرے جذبات کی ترجمانی کے لیے ضروری ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں سے جس شخص نے دو ذخیرے (بچے) آگے بھیجے ہوں اللہ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اگر کوئی شخص ایک ہی ذخیرہ بھیج سکا ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے، حضرت عائشہؓ نے پھر عرض کیا اگر کسی کے پاس کوئی ذخیرہ ہی نہ ہو (وہ بے اولاد ہو) تو کیا حکم ہے؟ فرمایا پھر اپنی امت کا ذخیرہ میں خود ہوں گا، اور انہیں مجھ جیسا کوئی نہ ملے گا۔ (مسند احمد، ترمذی، شعب الایمان)

یقیناً ہمیں ان جیسا کوئی نہیں ملے گا جس کی شفقت امت پر اتنی زیادہ ہو کہ ایک سگی ماں اپنی سگی اولاد پر وہ شفقت نہ کر سکے، جس کی رأفت و رحمت کا اظہار خالق کائنات خود کرتا ہو اور جو اپنی امت کو ہر موقع پر یاد رکھے، افسوس صد افسوس! کہ امت ہر موقع پر انہیں فراموش کر دیتی ہے، ان کے احکام کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بعض اوقات ان کے طریقوں کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتی، ان کی شفقت اور ہماری شقاوت میں زمین آسمان کا یہ تفاوت اور فاصلہ کیا ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کرے گا؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَقُوْلُ النَّاسُ فِي حَقِّهِ خَيْرًا

(۱۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّمِشْقِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التُّسْتَرِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مِنْهُ شَرًّا وَيَقُوْلُ النَّاسُ فِي حَقِّهِ خَيْرًا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ قَدْ قَبِلْتُ شَهَادَاتِ عِبَادِي عَلَى عَبْدِي وَغَفَرْتُ عِلْمِي۔

اس شخص کا بیان جس کے متعلق لوگوں کی رائے اچھی ہو

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی ایسا شخص فوت ہوتا ہے جس کے شریر ہونے کا اللہ کو علم ہوتا ہے لیکن لوگ اس کے حق میں اچھی بات کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس بندے کے متعلق اپنے بندوں کی گواہی کو قبول کر لیا اور اپنے علم کو چھپا لیا۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی قنوطیت کو توڑتا ہے۔

(۱۸۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عِلِمَ أَنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُورٌ لَهُ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیٰ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ اس کی بخشش فرمادے گا تو واقعی اللہ اس کی بخشش فرمادے گا۔
خَلِّ عِبَارَتٍ: "قبلت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قبول کرنا "غفرت" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بخشش، لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں، بلکہ یہاں چھپانا مراد ہے "علم" باب سمع سے مذکورہ فعل کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جاننا، لیکن مراد یقین کرنا ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الأول فلم اجده واما الثانی فقد اخرجہ الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ: ۱۴۴۰۔

مفہوم: اس مضمون کی آیات و روایات انسانیت کی ذہنی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لیے موجیں مارتے گناہوں کے سمندر کے طوفانی تپھیڑوں سے گناہگار کے تار تار جسم کی حفاظت کے لیے اور اسے قنوطیت و ناامیدی کے دریا سے نکالنے کے لیے انتہائی اہم ہیں جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بڑے سے بڑا گناہگار بھی رحمت الہیہ سے مایوس نہ ہو جب بھی اپنے پروردگار کے دربار پر حاضر ہو کر اشک ندامت سے وضو کرے گا، اس کا پروردگار آگے بڑھ کر اسے تھامنے میں دیر نہیں لگائے گا اور دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے پروردگار سے حسن ظن اور بڑی امید رکھے اس لیے کہ بارگاہ ایزدی کا یہ اصول ہے کہ وہ بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے، بندہ جیسی امید اور گمان اس سے قائم کرتا ہے، اللہ اس

سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

لیکن ہمیں اس بات کا بھی فراخ دلی سے اعتراف کرنا چاہیے کہ ان آیات و روایات کے اصل مقصد کو ”جس کی طرف کچھ اشارہ ابھی گزرا“ پس پشت ڈال کر اہل اسلام نے انہیں اپنے گناہوں اور جرائم پر جبری ہونے کا بہانہ بنا لیا اور اپنے گناہوں پر ان آیات و روایات کا پردہ ڈالنے لگے جو یقیناً ایک خطرناک طرز عمل ہے اس لیے کہ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونا کچھ اور چیز ہے اور گناہوں پر جبری ہونا چیزے دیگر است۔

اول کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی گناہگار اپنے گناہوں کے پہاڑ کو نہ دیکھے اللہ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے اور دوسرے کا مقصد یہ ہے کہ ہم جو مرضی کرتے پھریں، ہمیں اللہ کی رحمت سے بخشش کی امید ہاتھ سے نہیں چھوڑنی چاہیے شتان بینہما۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَمْلِ الْجَنَائِزِ

(۱۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ عُيَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ
مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تُحْمَلَ بِجَوَائِبِ السَّرِيرِ فَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ۔

جنازے کو کس طرح اٹھایا جائے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو چار پائی کے کناروں سے اٹھائیں (جب چاروں طرف سے کندھا دے چکیں تو) اس پر جو زائد ہوگا وہ نفل عمل ہوگا۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: ”تحمل“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھانا۔
تجزیح حدیث: أخرجه ابن ماجه: ۱۴۷۸۔

مفہوم: سند کے اعتبار سے تو یہ روایت موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ ضابطہ متفق علیہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی بات کو بیان کرتے وقت ”من السنة“ یا اس سے ملتا جلتا کوئی لفظ کہیں تو اسے مرفوع سمجھا جائے گا گو کہ بظاہر وہ موقوف ہی ہو۔

اور متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت واضح ہے کہ جس چار پائی پر میت کو رکھا گیا ہو اگر کوئی آدمی اسے کندھا دینا چاہے تو اس کا سنت طریقہ یہی ہے کہ اس کے چاروں پایوں سے کندھا دیا جائے درمیان سے نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی شخص نے درمیان سے کندھا دیا تو اس نے غلط کیا یا اس کا یہ عمل ناجائز تھا، بلکہ اصل مقصد سنت طریقے کی نشاندہی ہے۔

اس سلسلے میں ایک روایت نظر سے گزری ہے جس کی سند پر تحقیق کرنے کا موقع مل نہیں سکا، لیکن اگر اس کی سند

صحیح ہو تو اس کا مضمون بڑی عظیم فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ جو شخص جنازے کو اس کے چاروں کناروں سے کندھا دے تو اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کیے جائیں گے۔

البتہ یہ روایت سند کے اعتبار سے بڑی مضبوط ہے کہ جو شخص نماز جنازہ میں شرکت کرتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو شخص دفن کے وقت تک موجود رہتا ہے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے جن میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔

(۱۸۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ بْنِ الْوَدَاعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَى امْرَأَةً فَأَمَرَبَهَا فَطَرِدَتْ فَلَمْ يُكَبِّرْ حَتَّى لَمْ يَرَهَا۔

ترجمہ: ابو عطیہ بن الوداعی سے مرسل مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے لیے نکلے۔ راستے میں آپ ﷺ نے ایک عورت کو بھی جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ کے حکم پر اسے وہاں سے بھگا دیا گیا اور آپ ﷺ نے جنازہ کی تکبیر اس وقت تک نہ کہی جب تک وہ عورت نظر آنا بند نہ ہو گئی۔

خَلَّ عِبَارَتٌ: "خرج" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نکلنا "فطردت" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دھتکار دینا۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثله: ۱۲۷۸، و مسلم: ۲۱۶۷ (۹۳۸) و ابوداؤد: ۳۱۶۷ و ابن ماجہ: ۱۵۷۸۔

مفہوم: عورت خواہ دنیا کے کسی خطے میں رہتی ہو کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتی ہو کسی دین و مذہب کی پیروکار ہو اور کوئی بھی زبان بولتی ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے خاص طور پر اپنے کسی عزیز کے انتقال کے موقع پر اس کے انداز آہ و بکا، نوحہ و مرثیہ اور سینہ کو بی عورت کی خاص پہچان بن چکی ہے۔

اس حقیقت سے چونکہ صرف نظر کرنا ممکن نہیں اس لیے جنازہ کی تجہیز و تکفین اور اس کی تدفین میں تاخیر کرنے کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ میت جب تک ان کی نگاہوں کے سامنے رہے گی ان کا زخم ہر ارہے گا اور اسی بناء پر خواتین کو نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ اس موقع پر کوئی عورت جذباتی نہ ہو جائے اور میت کو سنبھالنے کی بجائے اسے سنبھالنا نہ پڑ جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَائِزِ كَمْ هُوَ؟

(۱۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ غَيْرٍ وَاحِدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَمَعَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُمْ عَنِ التَّكْبِيرِ قَالُوا لَمْ يَنْظُرُوا إِحْرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدُوهُ قَدْ كَبَّرَ

أَرْبَعًا حَتَّى قُبِضَ قَالَ عُمَرُ فَكَبَّرُوا أَرْبَعًا۔

نماز جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں؟

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم نے صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے تکبیرات جنازہ کے عدد کے بارے سوال کیا اور فرمایا یہ دیکھو کہ نبی ﷺ نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس پر کتنی تکبیریں کہی تھیں؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہی تھیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس پھر اب چار تکبیریں ہی کہا کرو۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: "جمع" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع ہونا، مراد یہاں جمع کرنا ہے "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی فوت ہو جانا، روح قبض ہو جانا "فکبروا" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی تکبیر کہنا۔

تَجْنِيزٌ بِحَدِيثِ: اخرجہ الطحاوی مفصلاً: ۲۷۷۴ والبیہقی، وابن عبدالبر کما فی النیل تحت الحدیث: ۱۴۲۳۔

مفہوم: گو کہ محدثین نے اس حدیث کو کتاب الجنائز کی روایات میں جگہ دی ہے لیکن راقم الحروف کا ذوق اسے مناقب فاروق اعظم میں شمار کرنے پر مصر ہے اور اسے فقہاء کے علی الرغم اس حدیث کو فراست فاروقی میں سرفہرست رکھنے پر اصرار ہے جس پر اس کے پاس کوئی لفظی دلیل نہیں البتہ جذباتی تعلق و قلبی وارفتگی اس کی مجبوری ہے اور تبویب حدیث میں ہر شخص آزاد ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا ہے۔

ذرا ٹھنڈے دل سے اس نکتے پر غور فرمائیے کہ فاروق اعظم مستقبل میں جہانک کر اس کے مسائل سمجھنے کی کس عظیم فراست کے امین تھے آخر یہ ان کی فراست ہی تھی کہ قرآن کریم حضرت صدیق اکبر کے حکم پر یکجا جمع کیا گیا، آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جس نے دنیا کی سپر پاور روم و ایران کی حکومتوں کو ان کے قدموں میں لا ڈالتا، آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جو مستقبل کا ادراک کر کے ارکان شوری کو اختلافی مسائل میں ایک رائے قائم کرنے اور اس پر متفق ہونے میں مدد کرتی تھی، زیر بحث واقعہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے اور کتب حدیث و سیرت فاروقی اس نوعیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ

(۱۹۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ إِذَا صَلَّى

عَلَى الْمَيِّتِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنثَانَا۔

نماز جنازہ کی دعاء کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ! ہمارے زندہ اور فوت شدہ موجود اور غیر موجود چھوٹے اور بڑے مرد و عورت کی مغفرت فرمادے۔

تصحیح بخاری: أخرجه الترمذی: ۱۰۲۴، و ابوداؤد: ۳۲۰۱، وابن ماجہ: ۱۴۹۸، والنسائی: ۱۹۸۸، واحمد: ۳۶۸/۲

مفہوم: مذاہب عالم پر اگر غور کیا جائے تو ہر مذہب میں مرنے والے کے ساتھ جدا معاملہ کیا جاتا ہے کوئی مرنے والے کو آگ لگاتا ہے کوئی اس کی لاش کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی سمندر کے پانی میں میت کی لاش کو بہا دیتا ہے جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو میت کی لاش کا بھی احترام سکھاتا ہے اور اسے عزت و آبرو کے ساتھ اگلے جہان رخصت کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے ظاہر ہے کہ میت کو غسل دینا، کفن کی چادروں میں لپیٹنا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا، اس کی چارپائی کو کندھوں پر اٹھا کر لیجانا، قبرستان پہنچ کر قبر میں اسے اتارنا، قبلہ رخ کرنا اور ”بسم اللہ علی ملۃ رسول اللہ“ کہہ کر اسے سپرد خاک کرنا وغیرہ یہ سب طریقے اسے ایک شان اعزازی دیتے ہیں جو کسی اور مذہب کے پیروکار کو میسر نہیں۔

پھر نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی اس دعاء کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے ”جسے نماز جنازہ پڑھتے وقت اکثر جدید تعلیم یافتہ ان پڑھ بورڈ پر لکھا ہوا دیکھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں“ تو حیرت ہوتی ہے کہ اس مختصر دعاء میں طلب بخشش کے لیے کسے شامل کیا گیا ہے اور کسے چھوڑا گیا ہے پھر اگر اس کے ساتھ ترمذی، ابوداؤد اور مسند احمد کا وہ اضافہ بھی ملا لیا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔

”اللہم من احييته منا فاحيه على الاسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الايمان۔“

تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس دعاء میں زندہ اور مردہ نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے اور کسی وجہ سے اس میں شرکت سے رہ جانے والے چھوٹے اور بڑے مرد و عورت سب ہی تو شامل ہیں اور سب ہی کے لیے اسلام پر زندگی اور ایمان پر موت کی درخواست کی گئی ہے۔

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعاء میں زندوں کا ذکر پہلے آیا ہے اور مرنے والوں کا ذکر بعد میں، حالانکہ یہ دعاء نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور جنازہ مردے کا ہوتا ہے لہذا دعاء میں پہلے اسے ذکر کرنا چاہیے؟ لیکن ایسا نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت بارگاہ خداوندی میں مردے کی سفارش ہے اور سفارش کرنے والے آدمی کا منظور نظر ہونا ضروری ہے اور منظور نظر ہونے کے لیے اس کے دامن کو تمام عیوب سے پاک ہونا چاہیے اس لیے نماز جنازہ پڑھنے والا پہلے اپنے آپ کو منظور نظر بنانے کے لیے خود اپنے گناہوں کی معافی

مانگتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کے حق میں سفارش کرتا ہے جس سے سفارش میں ایک قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور قبولیت کی صورت میں اس سے میت کا بھلا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّحْدِ

(۱۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَلْحَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَنُصِبَ عَلَيْهِ اللَّبْنُ نَصْبًا۔

لحد کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی تھی اور قبلہ رخ کر کے آپ ﷺ کو لٹایا گیا اور اس کے بعد قبر مبارک پر کچی اینٹیں نصب کر دی گئیں۔

حَدِّ عِبْرَاتٍ: "الحد" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لحد بنانا "نصب" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی نصب کرنا "اللبن" باء کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی کچی اینٹ نہ کہ باء کے فتح کے ساتھ جس کا معنی دودھ ہوتا ہے۔

تَجْنِجُ حَدِيثًا: أخرجه ابن ماجه: ۱۵۵۶، ومسلم: ۲۲۴۰ (۹۶۶) والنسائي: ۲۰۰۹ وابن حبان: ۶۶۳۵۔

مَقْبُورًا: امام الانبياء سرور کون و مکان نبی آخر الزماں شفیع امم تاجدار حرم صاحب حوض کوثر حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے جس دن اس عالم فانی سے پردہ فرمایا جانثاران نبوت کو اس دن قیامت صغریٰ کا منظر دکھائی دے رہا تھا مدینہ کے در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے ہر کوئی اپنی ذات سے بیگانہ اور بے خود ہو چکا تھا ہر شخص شدت جذبات سے مغلوب دکھائی دیتا تھا اس حسرت و مغلوبیت میں مردوں کے ساتھ بچے بھی شامل تھے پردہ نشین خواتین بھی خون کے آنسو بہا رہی تھی بوڑھوں پر سراسیمگی طاری تھی اور جوان اپنے آپ کو سنبھالنے سے عاجز تھے لیکن یہ ایک حکم الہی تھا جس نے بہر حال پورا ہو کر رہنا تھا اس لیے صدیق اکبر اس اعلان میں حق بجانب تھے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آج وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ آج بھی حی قیوم موجود ہے۔

مدینہ منورہ میں دو صحابی قبریں کھودنے کے لیے مشہور تھے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بلغلی قبر بنانے میں بہت مشہور تھے جسے لحد بھی کہا جاتا ہے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ایک دوسری طرح قبر کھودنے میں ماہر تھے جس شق کہا جاتا ہے اختلاف رائے پر طے پایا کہ ان دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے وہ اپنے طریقے کے مطابق حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں قبر بنا دے یہ سعادت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں لکھی تھی اور نبی ﷺ کا یہ فرمان پورا ہونا مقدر تھا "اللحد لنا

والشوق لغيرنا“ اس لیے وہ پہلے آگئے اور انہیں قبر مبارک بنانے کی سعادت حاصل ہوگئی۔

قبر تیار ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو سر کی طرف سے لحد میں داخل کیا گیا، اور بغل کو بند کرنے کے لیے نو عدد کچی اینٹیں استعمال کی گئیں اور پھر مٹی ڈال کر قبر مبارک کو برابر کیا گیا۔

اللهم صل عليه وآته الوسيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعده و ارزقنا شفاعته۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ

(۱۹۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عَبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا وُضِعَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ آتَاهُ الْمَلَكُ فَاجْلَسَهُ فَقَالَ مَنْ رَبُّكَ فَقَالَ اللَّهُ قَالَ وَمَنْ نَبِيُّكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَمَا دِينُكَ قَالَ الْإِسْلَامُ قَالَ فَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَإِذَا كَانَ كَافِرًا اجْلَسَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ مَنْ رَبُّكَ فَقَالَ هَاهُ لَا أَدْرِي كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيَقُولُ مَنْ نَبِيُّكَ فَيَقُولُ هَاهُ لَا أَدْرِي كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيَقَالَ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ هَاهُ لَا أَدْرِي كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيَضِيقُ عَلَيْهِ قَبْرَهُ وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ فَيَضْرِبُهُ ضَرْبَةً يَسْمَعُهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَثْبُتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ۔

قبر میں سوال و جواب کا بیان

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کسی مومن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اسے اٹھا کر بٹھاتا ہے اور اس سے سوال کرتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اللہ! وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرے نبی کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اسلام! اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا کافر ہو تب بھی فرشتہ آ کر اسے اٹھاتا ہے اور اس سے یہی سوال پوچھتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس! مجھے کچھ پتہ نہیں، اس کے جواب سے ایسا محسوس ہوگا گویا اس سے کوئی چیز گم ہوگئی ہے، پھر اگلے دونوں سوال جواب بھی اسی طرح ہوتے ہیں، اس کے بعد اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے اور اسے جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور اسے فرشتہ ایک ضرب اتنی زور سے لگاتا ہے کہ اس کی آواز جن وانس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے، یہ فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت شدہ قول (کلمہ توحید) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا

ہے۔

فائدہ: اگلی روایت میں بھی سوال و جوابِ قبر ہی کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَبْرِ ثَلَاثُ أُمُورٍ

(۱۹۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فِي الْقَبْرِ ثَلَاثُ سُؤَالٍ عَنْ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَدَرَجَاتٍ فِي الْجَنَانِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ رَأْسِكَ۔

قبر میں تین چیزیں ہوں گی

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر میں پیش آنے والی تین چیزوں کی وضاحت یوں فرمائی کہ ایک تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے متعلق سوال ہوگا، دوسری چیز درجاتِ جنت کے حوالے سے ہوگی اور تیسری چیز تمہارے سر کے پاس تلاوتِ قرآن ہوگی۔

حَدِيثٌ غَبَارِيٌّ: "فاجلسه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بٹھانا "فیفسح" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کشادہ کرنا "فی القبر ثلاث" میں "ثلاث" مبتدا مؤخر ہے اور "فی القبر" اپنے متعلق سے مل کر خبر مقدم ہے اصل عبارت "ثلاث فی القبر" ہے "سوال" کا اس جملے سے صرف وضاحت کا تعلق ہے۔

تَجْنِيحٌ حَدِيثٌ: اِمَّا الْحَدِيثُ الْاَوَّلُ فَقَدْ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ مُخْتَصِرًا: ۱۳۳۸، وَمُسْلِمٌ: ۷۲۱۶ (۲۸۷۰) وَاِبُو دَاوُدَ:

۳۲۳۱، وَالنَّسَائِيُّ: ۲۰۵۳، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۱۰۷۱، وَاِمَّا الثَّانِي فَقَدْ اَخْرَجَهُ الْحَارِثِيُّ: ۷۵۳، ۷۵۴۔

مَقْهُوْمٌ: قبر کی زندگی کیسی ہوگی اور انسان اس میں کیسے گزارہ کرے گا؟ اس کی مکمل تفصیلات تو قرآن و سنت میں نہیں ملتی ہیں، البتہ مذکورہ بالا تفصیلات سے اس پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے، باقی جس کی آنکھ بند ہوگی اسے ساری تفصیلات کا حق الیقین حاصل ہو جائے گا اور میں تو صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ ہم اپنے درمیان موجودہ زندہ و متحرک ایک ننھے معصوم بچے کے خیالات کو نہیں جان سکتے، ہم اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے کہ ایک دم بیٹھے بیٹھے وہ کس بات پر مسکرانا شروع کر دیتا ہے؟ کس بات پر اپنے ہاتھوں کو ہلانا شروع کر دیتا ہے اور سب کی موجودگی میں بلاوجہ یکدم کیوں رونا شروع کر دیتا ہے؟ تو جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے ہم اس کی مکمل حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟

ہماری معلومات کا حال تو اتنا پتلا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سو رہا ہوتا ہے، سوتے سوتے بعض اوقات وہ زور زور سے ہنسا شروع کر دیتا ہے اور بعض اوقات چیخیں مارنا شروع کر دیتا ہے، کبھی روتا ہے اور کبھی ہاتھ پاؤں چلاتا ہے، ہم اپنے سامنے موجود اپنے عزیز کے ان افعال کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے، تو حیات بزرخ کی حقیقت ہماری

ناتواں سمجھ میں کیسے آسکتی ہے، سوائے اس کے کہ جس طرح اس کی آنکھیں بند ہوئیں تو اس نے وہ سب دیکھ لیا جو ہم نے نہیں دیکھا، اسی طرح جب ہماری آنکھ بند ہوگی تو ہم بھی وہ سب کچھ دیکھ لیں گے جو زندہ لوگ نہیں دیکھ سکے۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرِ أُمِّهِ

(۱۹۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ فَائِي قَبْرِ أُمِّهِ فَجَاءَ وَهُوَ يَبْكِي أَشَدَّ الْبُكَاءِ حَتَّى كَادَتْ نَفْسُهُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ جَنَبَيْهِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يُبْكِيكَ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الشَّفَاعَةِ فَأَبَى عَلَيَّ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَأَذِنَ لَهُ فَاَنْطَلَقَ وَأَنْطَلَقَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى انْتَهَوْا إِلَى قَرِيبٍ مِنَ الْقَبْرِ فَمَكَثَ الْمُسْلِمُونَ وَمَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَكَثَ طَوِيلًا ثُمَّ اشْتَدَّ بُكَاءُهُ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا يَسْكُنُ فَأَقْبَلَ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا أَبْكَاكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ يَا أَبِي أُمَّتِ وَأُمِّي؟ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي فَأَذِنَ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الشَّفَاعَةِ فَأَبَى فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهَا وَبَكَى الْمُسْلِمُونَ رَحْمَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نبی ﷺ کا اپنی والدہ کی قبر پر آنے کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازے کے لیے نکلے وہاں سے فارغ ہو کر نبی ﷺ اپنی والدہ کی قبر کے پاس تشریف لائے وہاں پہنچ کر آپ ﷺ پر شدید گریہ طاری ہو گیا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کا دل دونوں پہلوؤں کی طرف سے باہر نکل آئے گا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی، اس نے اجازت دی، پھر میں نے اپنی والدہ کی سفارش کی اجازت مانگی لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حَدَّثَنَا حَرْثُ بْنُ سَبْرَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا لَيْلَى لَوْنِي رَوَى بَعْضُ النَّاسِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَى فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَقَالَ مَا أَبْكَاكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ يَا أَبِي أُمَّتِ وَأُمِّي؟ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي فَأَذِنَ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الشَّفَاعَةِ فَأَبَى فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهَا وَبَكَى الْمُسْلِمُونَ رَحْمَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

تجلیح حدیث: أخرجه النسائي: ۲۰۳۶، ومسلم: ۲۲۵۹، (۹۷۶)، وابوداؤد: ۳۲۳۴، وابن ماجه: ۱۵۷۳۔

مقلدوں: علماء کرام نے نبی ﷺ کے والدین کے ایمان لانے یا نہ لانے میں بڑا تفصیلی کلام کیا ہے، بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں اور ان میں ہر طرح کی روایات جمع فرمادی ہیں لیکن میں کسی تفصیل میں جائے بغیر اپنا موقف بے لچک پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی

اس مسئلے پر کوئی حتمی اور فیصلہ کن رائے دین کا مدار ہے جس کے بغیر دین نامکمل رہے، قیامت کے دن ہم سے ہمارے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے گا اس لیے ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔

البتہ دل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو عدم ایمان سے موصوف کیا جائے اور اس پر عدم نجات و دخول جہنم کی بنیاد رکھی جائے اور میں اپنے ان قلبی جذبات کو کسی دلیل کا پابند سمجھتا ہوں اور نہ ہی اس پر استدلال کی حاجت محسوس کرتا ہوں، باقی اگر کسی صاحب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے حوالے سے اعتراض ہو تو اس کا جواب واضح ہے کہ ان دونوں کے درمیان تو کوئی قدر مشترک ہے ہی نہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں تو یہ نص صریح ہے کہ وہ مشرک تھا اور صرف بت پرست ہی نہیں، بت ساز بھی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سخت مخالف بھی تھا جبکہ یہاں دور دور تک کسی شرک و بت پرستی میں ملوث ہونے کا کوئی حوالہ نہیں ملتا، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ

(۱۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَادٍ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقُبُورِ أَنْ تَزُورُوهَا فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا هُجْرًا۔

قبرستان میں جانے کی اجازت کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں پہلے قبرستان جانے سے منع کیا تھا، لیکن اب اجازت دیتا ہوں اس لیے قبرستان میں جایا کرو البتہ کوئی بیہودہ بات نہ کہنا۔
حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "تزورہا" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی زیارت کرنا "ہجرا" بضم الہاء بمعنی بیہودہ بیکار اور لایعنی بات۔

تَجْنِيسُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابو داؤد: ۳۲۳۵، والترمذی: ۱۰۵۴، وابن ماجہ: ۱۵۷۱، والنسائی: ۲۰۳۵، ومسلم: ۲۲۶۰۔
 (۹۷۷)۔

مَقْبُورَاتٌ: قبرستان ایک ایسے شہر خموشاں کا نام ہے جہاں بڑے بڑے بولنے والے آباد ہیں، یہاں ایسی مجالس جمتی ہیں جن میں بڑے بڑے کروفر اور رعب و دبدبے والے آکر خاموشی سے کسی کونے کھدڑے میں بیٹھ جاتے ہیں، یہاں کرسیوں پر مرنے مارنے والے مٹی کی ڈھیریوں پر چپ چاپ بیٹھ جاتے ہیں، یہاں اقتدار کے بھوکے اور ہوس کے ننگے ایک ایک گز زمین پر قناعت پسند دکھائی دیتے ہیں، یہاں مغروروں کا غرور، متکبروں کا تکبر، حکمرانوں کی سلطنت، مالداروں کا مال و دولت، طاقتوروں کی طاقت، رعب و دبدبے والوں کی شان و شوکت، فوجیوں کی کھال نما وردی، عالموں کا علم، جاہلوں کی جہالت،

زمینداروں کی زمین، کاشتکاروں کی کھیتی باڑی، سائنسدانوں کی ایجادات اور دانشوروں کی عقل کسی ان دیکھی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے اور دیدہٴ عبرت رکھنے والا اس شہر خموشاں میں آ کر اپنی زندگی کے زیروہم کا جائزہ لیتا ہے، اپنا موازنہ اس شہر کے مکینوں کے ساتھ کرتا ہے اور اپنے مستقبل کے زاویے کا تعین کرتا ہے، یاد آخرت اور فکر آخرت کو اپنے دماغ پر سوار کر کے دوسرے تمام تفکرات کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا یقین اپنے قلب و جگر میں راسخ کرتا ہے، اسی لیے ہنگامہ آرائیوں کے شہر سے نکل کر سناٹے اور ویرانے کے اس شہر میں آمد و رفت کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیا گیا بلکہ ترغیب بھی دی گئی۔

لیکن ہم نے قبرستان کے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں اور بالآخر ہم اس مقصد کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے جس کی خاطر یہاں آنے کی ترغیب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اب یہ جگہ شہر خموشاں نہیں رہی، اب یہاں بھی طلبے کی تھاپ، قوالوں کی آواز، گھنگروں کی جھنکار اور سازندوں کے ساز اپنا رنگ جمار ہے ہیں، اب یہاں رہنے والوں کو بھی موسیقی کی صورت میں ”روح کی غذا“ فراہم کی جا رہی ہے کیونکہ یہ لوگ اب ”جسم کی غذا“ تو استعمال نہیں کر سکتے۔ فیما اسفی علی تلک الاحوال۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ

(۱۹۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَآحِقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ۔

قبرستان جا کر کیا دعاء کرے؟

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبرستان جاتے تو وہاں جا کر یہ کہتے اے شہر خموشاں کے مسلمانو! تم پر سلام ہو انشاء اللہ ہم بھی تم سے آ کر ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: "المقابر" مقبرة کی جمع ہے بمعنی قبرستان "لاحقون" باب سماع سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے بمعنی ملنا، ملحق ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۲۲۵۷ (۹۷۵) و ابوداؤد: ۳۲۳۷ والنسائی: ۲۰۴۲ وابن ماجہ: ۱۵۴۷۔

مقبورہ: محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت "سماع موتی" کی بحث چھیڑی ہے اور اس کے تحت دلائل اور جواب دلائل کا ایک طولانی سلسلہ انہوں نے اختیار کیا ہے، میں اس موضوع پر اختصار کے ساتھ اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس

طرح اس حیات فانی میں انسان زبردستی کسی کو کوئی بات سنانا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب بھی ہو جائے یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی آدمی کو زبردست بولنے یا چلنے پر مجبور کیا جائے، گویا کسی کو سنانا سننے والے کا اختیاری فعل نہیں بلکہ سنانے والے کا اختیاری فعل ہے جبکہ سننا سامع کا اختیاری فعل ہے۔

دنیا کا یہی اصول ہے اور ہر انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے اسی طرح حیات برزخی میں بھی یہی اصول ہے کہ کسی کے سنانے سے مردے سننے پر مجبور ہو جائیں، ایسی بات نہیں، البتہ خود سننے کا انہیں اختیار ہے جس طرح دیکھنے کا اختیار رہے اور ہاتھ پاؤں ہلانے کا اختیار ہے، بالفاظ دیگر مردوں کو سماع، رویت اور تکلم وغیرہ جو ”لازمی“ چیزیں ہیں وہ تو حاصل ہیں لیکن زندوں کو سماع و آراء وغیرہ ”متعدی“ چیزوں پر قدرت نہیں ہے۔

اگر اس تقریر کو سامنے رکھ لیا جائے تو آیات قرآنیہ بھی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں اور اس موضوع کی احادیث میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ اور آیات قرآنیہ کے ساتھ بھی کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكَازِ

(۱۹۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّكَازُ مَا رَكَزَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْمَعَادِنِ الَّتِي يَنْبُتُ فِي الْأَرْضِ -

رکاز کا حکم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”رکاز“ اس خزانے کو کہتے ہیں جو اللہ نے کانوں میں چھپا رکھا ہو اور جن زمین کی نشوونما سے بڑھتا ہو۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: ”رَكَزَ“ بَابُ نَصْرٍ مِنْ فَعَلَ مَا ضَمَّ مَعْرُوفٌ كَمَا صَيَغَهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى كَاؤُنَا ”الْمَعَادِنِ“ مَعْدِنٌ كِي جَمْعٌ بِمَعْنَى كَانٍ -

تَرْجُمَةُ حَدِيثِهِ: أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ: ۷۴۲۸ وَالْهَنْدِيُّ: ۵۰۹۶۱ وَأَبُو يَعْلَى: ۶۶۰۹ -

مَقْبُولٌ: ”کتاب الصلوٰۃ“ کے بعد ”کتاب الزکوٰۃ“ کا عنوان قائم کرنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ بے شمار مرتبہ کیا گیا ہے اس لیے اس ”ساتھ“ کو یہاں بھی برقرار رکھنا مناسب معلوم ہوا اور

دوسری وجہ سمجھنے کے لیے ایک تمہید کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں جو شخص کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں یا تو حاکمیت یا پھر محبوبیت یہی وجہ ہے کہ نچلا طبقہ اپنے سے اوپر والے طبقے کی اور ملازم اپنے آقا کی اطاعت اس کی حاکمیت کی وجہ سے کرتا ہے اور محبت اپنے محبوب کی ہر بات آنکھیں بند کر کے اس کی محبوبیت کی وجہ سے مان لیتا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مظہر ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مظہر ہے کیونکہ محبوبیت کے لیے جو اوصاف و کمالات ضروری ہیں وہ بھی اس میں علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں اور حاکمیت کی تمام شرائط بھی اس میں علی وجہ الاتم موجود ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے نماز کو مشروع کیا گیا اور اپنی محکومیت اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرنے کے لیے زکوٰۃ کا نظام متعارف کروایا گیا۔

اظہار محبوبیت کے لیے مال کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بدن ہی کافی ہے جبکہ اظہار محکومیت کے لیے مال بھی ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو دوسرے کا محکوم اسی صورت میں سمجھے گا جبکہ وہ مال و دولت میں اس سے کم تر ہو بصورت دیگر وہ محکومیت کا اقرار نہیں کر سکتا اور ظاہر ہے کہ بدن مقدم ہے مال سے لہذا جس میں فقط بدن کا استعمال ہو اسے مقدم ہونا چاہیے اور جس میں فقط مال کا استعمال ہو اسے مؤخر ہونا چاہیے۔

اس تقریر سے کتاب الصلوٰۃ کی وجہ تقدیم اور کتاب الزکوٰۃ کی وجہ تاخیر بھی ظاہر ہو گئی اور ان دونوں کے درمیان ربط بھی واضح ہو گیا کہ دونوں اطاعت الہی کے ذرائع ہیں پہلا محبوبیت کی صورت میں اور دوسرا محکومیت کی صورت میں اس لیے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا۔

انسان کو بغیر کسی محنت و مشقت اور تجارت کے یوں ہی کسی گڑھے یا غار سے بیٹھے بٹھائے مفت کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو اسے ”رکاز“ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس بے محنت کے مال میں دوسرے غریبوں کو بھی شامل کیا جائے اور کل مال کے پانچ حصے کر کے چار حصے اپنے پاس رکھ کر صرف ایک حصہ اللہ کے نام پر دے دیا جائے مثلاً اگر ایک سو تو لے سونے کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو صرف ۲۰ تو لے سونا غریبوں میں تقسیم کر کے باقی ۸۰ تو لے سونا اپنی ضروریات میں خرچ کرنے یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے ”وفی الركاز الخمس“

بَابُ مَا جَاءَ فِي كُلِّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ

(۱۹۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ مَعْرُوفٍ فَعَلْتَهُ إِلَىٰ غَنِيِّ وَفَقِيرٍ صَدَقَةٌ۔

بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے

تَرْجَمًا: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نیکی جو تم کسی غنی یا فقیر کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "کل معروف" مبتداء ہے اور "صدقہ" اس کی خبر درمیان کا جملہ "معروف" کی صفت کے طور پر آیا ہے "فعلتہ" ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی کرنا۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری: ۶۰۲۱، ومسلم: ۲۳۲۸ (۱۰۰۵)

مَفْهُومٌ: قرآن و حدیث میں فرض زکوٰۃ کے علاوہ نفعی طور پر صدقات و خیرات کی بھی خوب ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کے فضائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ راہ خدا میں ایک خرچ کرنے پر سات سو کا ثواب ملتا ہے اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے مصائب ٹلتے ہیں اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں، یہ اور اس طرح کے فضائل پڑھ اور سن کر ایک غریب آدمی بڑی دل شکستگی کا شکار ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے کے لیے میرے پاس تو کچھ ہے نہیں لہذا میں اس ثواب سے محروم رہوں گا اور یہ سمجھنے میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے غرباء کو بھی ایک ایسا طریقہ بتا دیا جسے اختیار کر کے وہ روپے پیسے راہ خدا میں لٹانے کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں اور اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مال و دولت کے ذریعے جو صدقہ کیا جاتا ہے وہ کسی غریب آدمی کو دیا جاتا ہے اور اس طریقے میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ایک غریب آدمی ایک امیر آدمی کے ذریعے بھی صدقہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور وہ طریقہ ہے بھلائی کرنا، نیکی کرنا۔

انسان جس کے ساتھ بھی کوئی نیکی کرتا ہے مثلاً سڑک پار کرانا، گھر سے کھانا لا کر دینا، میڈیکل سٹور سے دوا لا کر دینا، کوئی سنت یا دین کی بات بتانا، شریعت نے اس نوعیت کی تمام چیزوں کو صدقہ شمار کیا ہے یعنی ان کاموں پر بھی وہی ثواب ملے گا جو کسی کو روپے پیسے خرچ کرنے پر ملتا ہے ظاہر ہے کہ ان کاموں میں جس طرح ایک غریب آدمی کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے ایک امیر آدمی کو بھی اسی طرح ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھئے! کوئی نیکی چھوٹ نہ جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِمَّنْ تُصَدِّقُ عَلَيْهِ

(۲۰۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُصَدِّقُ عَلَيَّ بَرِيرَةَ بِلَحْمٍ فَرَأَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

اگر کسی کو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو تو اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا بیان

تَرْجَمَتًا: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ بریرہ کے پاس صدقہ کا گوشت آیا، نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حَدِيثُ عَائِشَةَ: "تصدق" باب تفضل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صدقہ کرنا "بریرہ" حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ باندی کا نام ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۲۵۷۷، و مسلم: ۳۷۸۲ (۱۵۰۴)

مَفْهُومٌ: فقہاء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ تبدیل ملک سے حکم بدل جاتا ہے اسی وجہ سے گو کہ صدقہ کی چیز نبی ﷺ نہیں کھایا کرتے تھے لیکن جب پہلے وہ کسی کی ملک میں آجاتی اور وہ اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے پیش کرتا تو نبی ﷺ اسے تناول فرمایا کرتے تھے۔

لیکن ہماری نظر میں اس موقع پر حضرت بریرہؓ کے ذاتی احوال سے متعلق کچھ عرض کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ حدیث کا پس منظر مکمل طور پر واضح ہو جائے، سوائی بات تو واضح ہے کہ حضرت بریرہؓ ایک باندی تھیں، ان کے آقائے ایک مرتبہ انہیں بیچنا چاہا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت بریرہؓ کو خریدنے کا ارادہ کر لیا، لیکن اس موقع پر ان کے آقائے یہ شرط لگا دی کہ میں اسے بیچ دوں گا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کا جو کچھ ہوگا وہ سب مجھے ملے گا، چونکہ قانونی طور پر یہ چیز اس کے حق میں نہیں جاتی تھی اس لیے اس نے پہلے سے اس معاملے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، حضرت عائشہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے خرید لو اور ان لوگوں کو اس کی "ولاء" نہیں مل سکتی کیونکہ یہ اس شخص کا حق ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کر دے، چونکہ وہ لوگ اسے آزاد نہیں کر رہے اس لیے وہ اس کے حقدار بھی نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس مناسبت سے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے انہیں خرید لیا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا نکاح حضرت مغیثؓ سے کر دیا گیا، لیکن یہ نکاح پائیدار نہ رہ سکا کیونکہ حضرت بریرہؓ شکل و صورت میں بہت زیادہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیثؓ قبول صورت نہ تھے، اس لیے جب حضرت عائشہؓ نے انہیں آزاد کیا تو انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں مغیثؓ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی باندی آزاد ہوتے وقت اپنا یہ اختیار استعمال کر لے تو خاوند اسے چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے، لہذا ان دونوں کے درمیان جدائی ہو گئی۔

حضرت بریرہؓ تو غلامی اور شوہر سے آزادی حاصل کر کے دوہری خوشی سے سرشار ہو گئیں، لیکن ان کے خاوند ان کی جدائی کے غم میں بے قرار ہو گئے اور مدینہ کے گلی کوچوں میں ان کے پیچھے پیچھے یہ درخواست لے کر پھرنے لگے کہ

مجھ سے اپنا تعلق نہ توڑو لیکن انہوں نے ایک نہ سنی حتیٰ کہ صحابہ کرام اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی سفارش کو بھی قبول نہیں کیا، زیر بحث واقعہ کا تعلق انہی سے ہے۔

یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے حضرت مغیث کے حق میں سفارش کی تھی، حکم نہیں دیا تھا کیونکہ اگر حکم دیا ہوتا تو پھر انہیں انکار کی مجال نہ ہوتی جیسا کہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

کتاب الصوم روزہ کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنْ كُلَّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصَّوْمَ

(۲۰۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ الزِّيَّاتِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ۔

انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزے کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔
فائدہ: اگلی حدیث بھی روزے کی فضیلت سے متعلق ہے۔

(۲۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ جَاعَ يَوْمًا فَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ وَلَمْ يَأْكُلْ مَالَ الْمُسْلِمِينَ بَاطِلًا إِلَّا أَطْعَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مسلمان روزہ رکھ کر بھوکا رہتا ہے محرمات سے بچتا ہے اور مسلمانوں کا مال ناحق طریقے سے نہیں کھاتا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: ”اجزی“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف یا مجهول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بدلہ دینا، ”جاع“ بمعنی بھوکا، ”اجتنب“ باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچنا، ”اطعمه“ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھلانا۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الاول فقد اخرجہ البخاری: ۱۸۹۴، ومسلم: ۲۷۰۷ (۱۱۵۱)، والترمذی: ۷۶۴، والنسائی: ۲۲۲۱، وابن ماجہ: ۱۶۳۸، واما الثانی فقد اخرجہ الحارثی: ۷۵۶۔

مفہوم: کتاب الزکوٰۃ کے بعد یہاں سے کتاب الصوم شروع ہو رہی ہے جس میں روزے کے فضائل و احکام اور اس کے آداب و مسائل ذکر کیے جائیں گے اس سلسلے میں سب سے پہلے روزے کی فضیلت سے متعلق دو حدیثیں لائے ہیں جن میں سے پہلی حدیث تو بہت ہی مشہور ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے لیکن روزہ میرے لیے ہے اس حدیث کو پڑھتے ہی میرے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ کیا صرف روزہ اللہ کے لیے ہے؟ نماز اور زکوٰۃ وحج وغیرہ دیگر عبادات سب بندے کے لیے ہیں؟ کیا انسان کا کوئی عمل غیر اللہ کے لیے بھی ہونا چاہیے؟ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ الفاظ حدیث میں لام برائے انتفاع ہے تو میں سوال کروں گا کہ بندے کو اس کے اعمال کا فائدہ ہونا تو سمجھ میں آ گیا کہ اسے آخرت میں ثواب ملے گا اور وہ جنت میں داخل ہو گا لیکن روزے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے جو اسے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا؟

محدثین کرام نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں، صرف حافظ ابن حجر عسقلانی نے مختلف حضرات سے اس کے دس معانی نقل کیے ہیں لیکن ہماری نظر میں امام قرطبی کا بیان کردہ معنی حدیث کے مفہوم کو خوب واضح کر دیتا ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ عبادات خواہ کسی بھی نوعیت کی ہوں، سب اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں اور ان کا بنیادی مقصد رضائے الہی کا حصول ہوتا ہے، زیر بحث حدیث میں جو روزہ اور غیر روزہ کی تقسیم کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر عبادات خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو، بندوں کے احوال کے مناسب ہیں اور روزہ اللہ کی صفات سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ کھانے پینے وغیرہ سے بے نیازی اللہ کی صفت ہے، روزہ رکھنے والا اس کی نقالی کرتا ہے تو پروردگار اس نقالی کی قدر دانی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تو میرا کام ہے اور یہ تو میری صفت ہے، اسے اختیار کرنے پر میں اپنے بندے کو گنتی اور شمار کے تمام اعداد کو پس پشت ڈال کر عطاء فرماؤں گا، جبکہ زکوٰۃ، نماز اور حج بندوں کی صفات کے مناسب ہیں اس لیے انہیں بندوں کی طرف منسوب کر کے عبادات کے ثواب کا جو معیار ہے کہ ایک نیکی پر کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سات سو پر محمول کر لیا گیا گویا تقدیری عبارت اس طرح ہوئی ”کل عمل ابن آدم مناسب له الا الصوم فانہ مناسب لی فانما اجزی بہ“۔

۲۔ اس تقریر کے مطابق ”فانما اجزی بہ“ مضارع معروف کا صیغہ ہو گا اور اگر اسے مجہول پڑھا جائے تو معنی ہو گا کہ روزہ دار کو روزہ کا ثواب حور و غلمان اور جنت کی نہروں اور کوٹھیوں کی صورت میں نہیں دیا جائے گا اس کا بدلہ یہ ہو گا کہ میں اللہ اس کا ہو جاؤں گا اور اللہ جس کا ہو جائے پوری کائنات اس کی ہو جاتی ہے، اس دوسری صورت میں روزے کی عظمت اور فضیلت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

(۲۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحَمِيرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ مَرَّقَوْمَكَ فَلْيَصُومُوا هَذَا الْيَوْمَ قَالَ إِنَّهُمْ طَعَمُوا قَالَ وَإِنْ كَانُوا قَدْ طَعَمُوا۔

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمن حمیری سے مرسل منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دس محرم کے دن اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دے دو کہ آج کے دن کا روزہ رکھیں انہوں نے عرض کیا کہ لوگ تو کھاپی چکے؟ فرمایا اگرچہ کھاپی چکے ہوں تب بھی بقیہ دن روزہ داروں کی طرح گزاریں۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: "مَرَّ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ فِعْلِ امْرٍ مَعْرُوفٍ كَالصِّيغَةِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ حَاضِرٌ بِمَعْنَى حَكْمٍ دِينًا "طَعَمُوا" بَابُ سَمْعٍ مِنْ فِعْلِ مَاضٍ مَعْرُوفٍ كَالصِّيغَةِ جَمْعٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ بِمَعْنَى كَهَانًا۔

تَجْنِيسٌ بِحَدِيثِ: أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَفِي الْبُخَارِيِّ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ: ۲۰۰۷، وَمُسْلِمٌ: ۲۶۶۹ (۱۳۶) (۱) وَابْنُ مَاجَهٍ:

-۱۷۳۵

مَقْبُولٌ: ۱۔ اس حدیث میں "ایک صحابی" کا ذکر آیا ہے اس مضمون کی دوسری روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ تھے جنہیں یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے لیے منادی کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم اور ترغیب دیتے تھے جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو فرمایا کہ جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔

۳۔ دس محرم کا روزہ واقعہ کربلا کی وجہ سے رکھنا مسنون و مشروع نہیں ہوا کیونکہ واقعہ کربلا تو جناب رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً نصف صدی بعد واقع ہوا ہے نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہی نہیں سیدنا علی مرتضیٰؓ کی زندگی میں بھی اس کا دور دور تک کوئی تصور موجود نہ تھا اس لیے اس مناسبت سے روزہ کے مسنون ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی البتہ یہ واقعہ اس دن پیش آنے والے اہم ترین واقعات میں ضرور شمار کیا جائے گا۔

دس محرم کا روزہ مشروع ہونے کی ایک وجہ تو صراحتاً احادیث میں آتی ہے کہ اس دن حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی اور دشمن خدا ملعون فرعون غرقاب ہوا تھا اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم نے روزہ رکھا حضرت موسیٰؑ کی اس خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملانے کی ترغیب بھی دی۔

اور دوسری وجہ اس حدیث کی صحت پر موقوف ہے جو عام طور پر بیان کی جاتی ہے اور فوری طور پر میرے سامنے اس کا کوئی مستند حوالہ بھی موجود نہیں ہے جس کے مطابق قیامت دس محرم کو آئے گی، اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس دن کا روزہ رکھنے کی حکمت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی سال دس محرم کو قیامت قائم ہو بھی جائے تو انسان روزے سے ہوتا کہ افطاری کے لیے کوثر کے پانی اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ جب پیغام بر نے عرض کیا کہ سرکار اس وقت تک تو لوگ کھا پی چکے ہوں گے اس لیے روزہ نہیں رکھ سکیں گے؟ تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا مغرب کے وقت تک کے لیے اب کھانا پینا بند کر دیں اور روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لیں تاکہ اپنی استطاعت کے مطابق روزہ داروں میں شامل ضرور ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ أَيَّامِ الْبَيْضِ

(۲۰۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ الْحَوْتِكِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَارَنِبَ فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَقَالَ لِلَّذِي جَاءَ بِهَا مَالِكٌ لَا تَأْكُلْ مِنْهَا قَالَ إِنِّي صَائِمٌ قَالَ وَمَا صَوْمُكَ قَالَ تَطَوُّعٌ قَالَ فَهَلَّا الْبَيْضُ۔

ایام بیض کے روزوں کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خرگوش لایا گیا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا اور انہوں نے اسے کھالیا، نبی ﷺ نے خرگوش لانے والے سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں کھا رہے؟ اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں، نبی ﷺ نے پوچھا کیسا روزہ؟ عرض کیا نفلی! فرمایا اگر نفلی روزہ رکھنا تھا تو ایام بیض میں کیوں نہ رکھا؟

حَدِيثُ عِبَارَتُهُ: "اتى" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا، لیکن چونکہ اس کے صلے میں باء آ رہا ہے اس لیے اس کا معنی "لانا" ہوگا، "مالک" ما حرف استفہام ہے اور "لک" ضمیر مجرور متصل ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه النسائي: ۲۴۲۳، ۲۴۲۹، ۲۴۳۰، ۲۴۳۱، واحمد: ۱۸۴۱۵۔

مفہوم: اس حدیث میں ایام بیض میں روزہ رکھنے کی ترغیب کا واضح ثبوت موجود ہے اور اس مضمون کی دوسری بہت سی روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، یہ بات کہ ایام بیض سے کیا مراد ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے مراد چاند کے اعتبار سے ہر مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ ہوتی ہے اور ان ایام کو ایام بیض کہتے ہیں۔

ان ایام میں روزہ رکھنا فقہاء کی درجہ بندی کے اعتبار سے مستحب اور احادیث کی رو سے سنت سے ثابت ہے اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ تو بالکل ظاہر باہر ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم از

کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں ہر روزہ دس دن کی کفایت کرتا ہے اور صرف تین روزے رکھنے سے پورے مہینے روزے رکھنے کا ثواب بندے کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

بَابُ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ

(۲۰۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ بِلَالَ يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ يُؤَدِّنُ وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلَاةُ۔

بلال کی اذان تمہیں سحری سے نہ روک دے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بلال رات کو سحری کی اذان دیتے ہیں اس لیے تم ان کی اذان کے بعد بھی کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے دیں کیونکہ وہ نماز کا وقت ہونے کے بعد اذان دیتے ہیں۔

حَدِيثٌ غَبَارِيٌّ: ”ینادی“ باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آواز لگانا، مراد اذان دینا ہے ”حلت“ باب نصر یا ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی وقت داخل ہو جانا، یا حلال ہو جانا۔

مَنْحَرِجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، والنسائی: ۶۳۸، والترمذی: ۷۰۶، ومسلم: ۲۰۳۶ (۱۰۹۲)

مَقْبُولٌ: جس شخص کو حرین شریفین کے سفر کا اتفاق ہوا ہو اسے معلوم ہوگا کہ وہاں عام دنوں میں بھی اور رمضان میں بھی ایک اذان تہجد کے لیے ہوتی ہے اور ایک نماز فجر کے لیے پہلی اذان کے وقت طلوع صبح صادق کا پایا جانا کسی صورت ممکن نہیں اور دوسری اذان طلوع صبح صادق ہی کی اطلاع دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے دور باسعادت میں بھی ماہ رمضان میں دو اذانیں ہوتی تھیں جن میں سے دوسری اذان تو اسی مقصد کے لیے ہوتی تھی جس کا ابھی ذکر ہوا لیکن پہلی اذان تہجد کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ تہجد میں مشغول رہنے والوں کو سحری کے لیے متوجہ کرنے کی خاطر ہوتی تھی تاکہ وہ تہجد میں مشغول رہ کر سحری کھانے سے نہ رہ جائیں اور پھر سارا دن گزارنا ان کے لیے مشکل ہو جائے یا اگر کوئی سو رہا ہو تو وہ جاگ کر اپنے لیے سحری وغیرہ کا انتظام کر لے۔

حرین شریفین میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں ان میں سے اگر پہلی اذان کو ”اذان تہجد“ کی بجائے ”اذان سحر“ قرار دے دیا جائے تو احادیث سے مطابقت بھی ہو جائے گی اور یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا کہ اذان تو صرف پنج وقتہ فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے، صلوة الکسوف، صلوة الاستقاء، صلوة الجنائزہ اور صلوة العیدین میں سے کسی کے

لیے بھی مشروع نہیں تو کیا نماز تہجد کا درجہ ان نمازوں سے بڑھ کر ہے ظاہر ہے کہ ایسا نہیں اس لیے پہلی اذان کے لیے تہجد کی بجائے سحر کی قید لگا کر تبدیلی پیدا کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ

(۲۰۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي السَّوَّارِ وَيُقَالُ لَهُ أَبُو السَّوْرَاءِ وَهُوَ السَّلْمِيُّ عَنِ ابْنِ حَاضِرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ۔
وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحِجَامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ خَبِيثًا مَا أَعْطَاهُ۔

روزے دار کے لیے سینگی لگوانے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے روزے کی حالت میں ”قاحہ“ نامی جگہ میں سینگی لگوائی، ایک روایت میں حالت احرام کا بھی ذکر ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سینگی لگانے والے کو اس کی مزدوری بھی دی، اگر یہ حرام ہوتی تو نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسے کبھی مزدوری نہ دیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا قَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ فرمانے کے بعد ”کہ سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا“ خود سینگی لگوائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شَهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَسًا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی، ایک دوسری سند سے یہ روایت مرسل بھی مروی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”احتجم“ باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سینگی لگوانا، ”القاحہ“ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ”خبیثا“ بمعنی حرام، اردو والا خبیث مراد نہیں ہے ”افطر“ باب

افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی افطار کر لینا۔

تَجَنَّبَ حَدِيثٌ اَوَّلٌ وَ ثَالِثٌ: اَخْرَجَهُمَا الْبُخَارِيُّ: ۱۹۳۸، وَ ابُو دَاوُدَ: ۲۳۷۳، وَ التِّرْمِذِيُّ: ۷۷۷، وَ ابْنُ مَاجَهَ: ۱۶۸۲،

وَ ابْنُ حِبَانَ: ۳۵۳۱، ۳۵۳۶، وَ اَحْمَدُ: ۱۸۴۹۔

تَجَنَّبَ حَدِيثٌ ثَانِيٌ: اَخْرَجَهُ الدَّارِقُطْنِيُّ: ۱۸۲/۲، كَمَا فِي النَّيْلِ تَحْتَ حَدِيثٍ: ۱۶۴۸۔

مَفْهُومًا: انسان کے جسم میں جو خون گردش کرتا ہے اس کی گردش انسان کو متحرک و توانا رکھتی ہے جس کے لیے خون کی صفائی ضروری ہے ماضی میں جسم سے گندہ خون نکالنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا تھا جسے ”حجامت“ کہا جاتا تھا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کندھوں کے درمیان ایک خاص قسم کی رگ ہوتی ہے جس کی شناخت اس پیشے سے تعلق رکھنے والے ماہر لوگوں کو ہی ہوتی تھی وہ اس رگ کو نشتر یا چاقو سے چاک کرتے اور اس کے اوپر جانور کا کوئی سینگ رکھ کر اس حصے سے نکلنے والے خون کو منہ سے چوستے سینگ کے ایک طرف سے خون اس میں داخل ہوتا اور دوسرے سو راخ سے منہ کے ذریعے خون کھینچا جاتا اس طریقے سے جسم میں موجود جتنا بھی گندہ خون ہوتا تھا نکال لیا جاتا تھا اس کی اجرت بھی دی جاتی تھی اور جسمانی صحت برقرار رکھنے کے لیے اس کا رواج بھی تھا۔

ظاہر ہے کہ اس طریقے میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں خون چوسنے والے کے منہ میں خون نہ چلا جائے یا جس کا خون نکالا جا رہا ہے زیادہ مقدار میں خون نکلنے کی وجہ سے کہیں وہ ضعف اور کمزوری کا شکار نہ ہو جائے اس لیے ابتداء میں روزے کی حالت میں یہ عمل کرنے اور کروانے والے کا روزہ فاسد سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس حکم میں نرمی کر دی گئی کیونکہ اس عمل کے ذریعے جسم سے خون نکلتا ہے اور جسم سے کوئی چیز نکلنے پر روزہ نہیں ٹوٹتا، داخل ہونے پر روزہ ٹوٹتا ہے باقی اگر مذکورہ اندیشہ وقوع پذیر ہو جائے تو اس صورت میں روزے کا فساد محتاج دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنْبًا أَوْ يُقْبَلُ نِسَاءً

(۲۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يُصْبِحُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جُنْبًا مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يُتِمُّ صَوْمَهُ۔

روزہ دار اگر صبح کو ناپاکی کی حالت میں اٹھے یا اپنی بیوی کو بوسہ دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں بعض اوقات صبح کو اٹھتے تو بغیر خواب دیکھے آپ ﷺ کو غسل کی ضرورت ہوتی، پھر آپ ﷺ اپنا روزہ مکمل کر لیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ

ﷺ يَخْرُجُ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً مِنْ غُسْلِ جَنَابَةِ وَجَمَاعٍ ثُمَّ يَظَلُّ صَائِمًا۔
 ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے مباشرت کے سبب غسل جنابت کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوتے تھے پھر آپ ﷺ دن بھر روزہ سے رہتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ إِلَى الْفَجْرِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ وَيَظَلُّ صَائِمًا۔
 وَبِإِسْنَادِهِ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقْبَلُ نِسَاءً فِي رَمَضَانَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ گزشتہ روایت والا ہے البتہ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اس آخری حدیث سے مطابقت رکھتا ہے۔

(۲۱۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصِيبُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ تَعْنِي الْقُبْلَةَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کے چہرے کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

(۲۱۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقْبَلُ وَهُوَ صَائِمٌ۔
 ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ گزشتہ روایت والا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "يَصْبِحُ" بَابُ أَعْمَالٍ مِنْ فَعَّلَ مَضَارِعَ مَعْرُوفٍ كَالصِّيغَةِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هِيَ بِمَعْنَى صَبْحٍ كَرْنَا "يَتِمُّ" مَذْكَورُهُ بَابٌ مِنْ مَذْكَورِهِ صِيغَةٌ هِيَ بِمَعْنَى كَمَلٍ كَرْنَا "يَقْطُرُ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ مَذْكَورِهِ صِيغَةٌ هِيَ بِمَعْنَى قَطْرَةٍ تُكْنَى "يُقْبَلُ" بَابُ تَفْعِيلٍ مِنْ مَذْكَورِهِ صِيغَةٌ هِيَ بِمَعْنَى بَوْسٍ لَيْنًا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ أَوَّلٍ: أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، ۱۹۲۵، وَمُسْلِمٌ، ۲۵۹۲ (۱۱۰۹)، وَأَبُو دَاوُدَ، ۲۳۸۸، وَابْنُ حِبَانَ، ۳۴۸۹۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِيٍ وَثَالِثٍ: أَخْرَجَهُمَا الطَّحَاوِيُّ، ۳۳۸۰، وَابْنُ مَاجَةَ مَثْلَهُمَا، ۱۷۰۳، وَابْنُ حِبَانَ، ۳۴۹۰۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ رَابِعٍ وَخَامِسٍ: أَخْرَجَهُمَا الْبُخَارِيُّ، ۱۹۲۹، وَمُسْلِمٌ، ۲۵۸۵ (۱۱۰۶)، وَأَبُو دَاوُدَ، ۲۳۸۲،

وَالْتِّرْمِذِيُّ، ۷۲۹، وَابْنُ مَاجَةَ، ۱۶۸۷۔

مَقْبُولٌ: أَنْ يَخْرُجَ فِي حَدِيثٍ فِي جُودِ مَسْئَلَةٍ بَيَانٌ كَيْفَ كُنْهُ هِيَ وَتَوَاضَعٌ هِيَ أَنْ يَكُونَ الْإِنْسَانُ فِي حَالَتِهِ جَنَابَتٍ فِي سَحْرِ كَمَا

کر یا سحری کھائے بغیر روزے کی نیت کر لے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا کیونکہ روزے کی نیت کے لیے طہارت شرط نہیں ہے اور حدیث میں صبح سے مراد سحری ہی کا وقت ہے دن کے نو دس بجے کا وقت مراد نہیں اور دوسرا یہ کہ روزے کی حالت میں اگر شوہر اپنی بیوی کا یا والدین اپنے بچے کا بوسہ لیں تو اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ بوسہ بوسہ ہی رہے سموسہ نہ بن جائے۔

لیکن مجھے جس نکتہ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء اور خصوصاً سید الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شیطان اور اس کے حملوں سے حفاظت کا غیر معمولی نظام ہے کہ جس طرح شیطان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و صورت اختیار کر کے کسی کو دھوکہ دینے پر دسترس نہیں دی گئی اسی طرح اس بات پر بھی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کوئی ایسی کیفیت دکھا سکے جس کے بعد انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے بھلا جس ذات کی حفاظت اس درجے احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہو اس کی تعلیمات و افکار اور اس کے احکام کی حفاظت کے لیے کس درجے احتیاط کی گئی ہوگی، لیکن جسے ”انکارِ حدیث“ کا روگ لگ گیا ہو اس کے مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُخْصَةِ الْإِفْطَارِ فِي السَّفَرِ

(۲۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ ابْنِ حَبِيبٍ الصِّرَفِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِلَّيْلَتَيْنِ خَلْتَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتَّى آتَى قُدَيْدًا فَشَكَا النَّاسُ إِلَيْهِ الْجُهْدَ فَأَفْطَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى آتَى مَكَّةَ۔

سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت کا بیان

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی دو راتیں گزرنے کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے راستے میں بھی روزہ رکھا لیکن جب مقام قدید میں پہنچے تو کچھ لوگوں نے مشقت کی شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ پہنچنے تک مستقل افطار فرماتے رہے۔

(۲۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ أَنَسِ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي رَمَضَانَ يُرِيدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ۔

وَفِي رِوَايَةٍ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى بَعْضِ الطَّرِيقِ فَشَكَا النَّاسُ إِلَيْهِ الْجُهْدَ فَأَفْطَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى آتَى مَكَّةَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ سَافَرَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي رَمَضَانَ يُرِيدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ شَكَا بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ الْجُهْدَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَفْطَرَ وَأَفْطَرَ الْمُسْلِمُونَ۔

تَرْجَمًا: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے البتہ اس کے آخر میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اسے پی لیا اور یوں روزہ توڑ دیا اور مسلمانوں نے بھی اپنا روزہ توڑ دیا۔

حَلِّ عِبَارَتٍ: ”خلتا“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تشنیہ مؤنث غائب ہے بمعنی خالی ہونا، مراد گزر جانا ہے ”قدیدا“ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اسی سے ملتا جلتا لفظ ”کدید“ ہے یہ ایک دوسری جگہ کا نام ہے ”الجهد“ بمعنی مشقت۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرج البخاری مثلہما: ۴۲۷۶، ومسلم: ۲۶۰۸ (۱۱۱۳)، والترمذی: ۷۱۰، والنسائی: ۲۲۶۵۔

مَنْهُومٌ: دوران سفر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں رکھنے سے ثواب میں اضافہ نہیں ہو جائے گا بلکہ ایک روایت کے مطابق تو اسے کوئی خاص نیکی شمار ہی نہیں کیا گیا اور نہ رکھنے سے آدمی گناہگار نہیں ہو جائے گا کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ملنے والی ایک سہولت ہے اور سہولت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی بلکہ امام ابو حاتم ابن حبان نے تو اپنی سند سے یہ روایت بھی نقل کی ہے۔

”ان الله ان يحب ان تؤتى رخصه كما يحب ان تؤتى عزائمه“ (ابن حبان: ۳۵۶۸)

دراصل یہی وہ نکتہ تھا جو فتح مکہ کے اس سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ذہن نشین کرانا چاہتے تھے اور یہی وہ حقیقت پسندی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفا میں تقریباً سترہ نمازیں اپنے گھر میں ادا فرمائیں اور اسی بناء پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں موزوں پر ہی مسح بھی فرمایا کرتے تھے تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ رخصت پر عمل کرنا کوئی گناہ نہیں، اللہ کی طرف سے ملنے والی سہولت کا صحیح استعمال ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات رخصت پر عمل کرنا گناہ سمجھتے ہیں اور عزیمت کو چھوڑنا ان پر بارگراں بنتا ہے انسان کو کسی عمل اور اس کے عام طریقے سے لگاؤ ہونا ایک فطری بات ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن رخصت پر عمل کرنے کو اچھا نہ سمجھنا چیزے دیگر است۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَالْوِصَالِ

(۲۱۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي الشَّعَثَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ صَوْمِ الْوِصَالِ وَصَوْمِ الصَّمْتِ۔

صوم وصال اور خاموشی کا روزہ ممنوع ہے

تَرْجَمًا: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال اور چپ کے روزے سے منع فرمایا

ہے۔

(۲۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَىٰ عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَصَوْمِ الْوَصَالِ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

ترجمہ: اخرجہما البخاری من غیر زیادة صوم الصمت: ۱۹۶۲، مسلم: ۲۵۷۲ (۱۱۰۵) و ابوداؤد: ۲۳۶۰، الترمذی ۷۷۸۔

مفہوم: شریعت اسلامیہ نے ہر اس عمل کی حوصلہ شکنی کی ہے جو انسان کو دوسروں سے اچھوت اور ایک عجیب و غریب مخلوق ثابت کرنے اسی وجہ سے گو کہ دوسری شریعتوں میں چپ کا روزہ جائز تھا، شریعت نے اس کی حوصلہ شکنی کی، اس سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوا، وہیں یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ چپ کا روزہ رکھنا کوئی عبادت نہیں ہے، اگر کوئی آدمی چپ کا روزہ رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ عام لوگ تو کھانے پینے وغیرہ سے رکتے ہیں، میں نے ایسا روزہ رکھا ہے کہ میں بولنے تک سے باز آ گیا ہوں اور ایسا کر کے میں نے کوئی تیر مار لیا ہے تو اس کی یہ خام خیالی اور کج فہمی ہے، اس لیے کہ اگر گوزگا بننا نیکی کا کام ہے تو پھر آدمی کو بہرا، اندھا، لولا، لنگڑا اور اپانچ بھی بننا چاہیے تاکہ نیکی کا کامل درجہ تو حاصل ہو۔

اسی طرح شریعت نے ”صوم وصال“ سے بھی منع فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل کئی دن اسل طرح روزہ رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ کرے مثلاً کوئی شخص مہینے کی پہلی تاریخ کو نفلی روزے کی نیت کرے، غروب آفتاب ہونے پر افطار نہ کرے، رات بھی کھائے پئے بغیر گزار دے اور اگلے دن پھر روزے کی نیت کر لے اور کئی دن تک اسی طرح کرتا چلا جائے، شریعت نے اس کی بھی حوصلہ شکنی کی ہے اس لیے کہ شریعت کے احکام ایسے ہیں جن پر ہر آدمی آسانی سے عمل کر سکتا ہے، جبکہ اس عمل پر ہر آدمی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ناممکن ہے، نیز یہ عمل مسلمانوں کو ان ہندو جوگیوں اور ان عیسائیوں راہبوں سے مشابہت دے دیتا ہے جو کئی کئی دن تک ایک ہی کیفیت میں عبادت کرتے رہتے ہیں یا اس طرح تسلسل کے ساتھ روزے رکھتے ہیں، اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں۔

امت کو صوم وصال سے منع کیا گیا ہے تاہم رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرنے کی اللہ کی طرف سے خصوصی اجازت تھی جس کا صحابہ کرام کے استفسار پر نبی ﷺ نے ایک مرتبہ اظہار بھی فرمایا تھا کہ مجھے میرا پروردگار خود ہی سیراب کھد دیتا ہے اور مجھے بھوک پیاس محسوس ہی نہیں ہوتی اس لیے میں خود تو تسلسل کے ساتھ روزے رکھ لیتا ہوں لیکن چونکہ تم میری طرح نہیں ہو اور تمہارا معاملہ اس سے جدا ہے اس لیے تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو بات یہاں آ کر مکمل ہو گئی لیکن اس تفصیل سے میرا ذہن ایک نکتے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا اشارہ مجھے امام ابن حبان کی ایک عبارت سے ملا، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار اور ان کے لیے دعا گو ہوں، وہ نکتہ یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کئی کئی دن تک کھائے پئے بغیر گزار لیتے

تھے کیونکہ ان کا رب انہیں غیبی طور پر خود ہی سیراب کر دیتا تھا، پھر غزوہ خندق کے حوالے سے جو یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بھوک کی شدت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے یہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ آخر جو اللہ اپنے محبوب کو صوم وصال کی صورت میں سیرابی دیتا تھا، معاذ اللہ غزوہ خندق کے موقع پر وہ کہیں چلا گیا تھا؟ اس موقع پر پتھر باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

گوکہ محدثین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن امام ابن حبان کی رائے یہ ہے ”جس کی حیثیت صرف ایک نکتہ کی ہے“ کہ اصل بات یہ ہے کہ غزوہ خندق کا واقعہ نقل کرنے والوں سے تصحیف ہو گئی ہے اور انہوں نے لفظ ”حجر“ کو لفظ ”حجر“ بنا کر آگے نقل کر دیا جس سے پتھر باندھنے کا مفہوم پیدا ہو گیا، حالانکہ صحیح لفظ ”حجر“ تھا جس کا معنی ازار بند ہے، اس کے باندھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

(۲۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ التَّشْرِيقِ وَبِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ۔

ایام تشریق کا روزہ رکھنا منع ہے

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (عیدین کے علاوہ) ایام تشریق کے (باقی) تین دنوں کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اسی سند سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم شک کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔
حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”ایام التشریق“ وہ ایام ہیں جن میں تکبیرات تشریق پڑھی جاتی ہیں یعنی ۹ ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ”یشک“ باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شک ہونا۔
تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: الحدیث مشتمل علی جزئین۔

اما الاول: فقد اخرج مثله مسلم: ۲۶۷۷۔

واما الثاني: فقد اخرج ابو داؤد: ۱۳۳۴، وابن ماجه: ۱۶۴۵، والترمذی: ۶۸۶، والنسائی: ۲۱۹۰، وهو

للبخاری فی کتاب الصوم، باب: ۱۱، تعليقا

مفہوم: اس حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت تو گزشتہ حدیث کے ذیل میں کی گئی تھی، اب اس کے ابتدائی پیرے سے ہی ہو جاتی ہے، تاہم دوسرا جزو قابل وضاحت محسوس ہوتا ہے جس میں ”یوم الشک“ کا روزہ رکھنے سے ممانعت کا حکم آیا ہے، دراصل یوم الشک سے مراد ماہ شعبان کی تیس تاریخ ہے جس کے بارے بعض اوقات ذہن میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید آج شعبان کی تیس تاریخ نہ ہو بلکہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو، لیکن چونکہ پورے ملک میں کہیں سے چاند نظر آنے کی اطلاع

نہیں آئی اور رمضان کا اعلان بھی نہیں ہوا اس لیے ہو سکتا ہے کہ آج شعبان کی تیس تاریخ ہی ہو۔

بعض لوگ اس موقع پر یہ نیت کر کے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ آج اگر رمضان کی یکم تاریخ ہو گئی ہے تو یہ ہمارا رمضان کا روزہ ہے ورنہ نقلی روزہ ہے یہ سب باتیں غلط ہیں اور صاحب شریعت ﷺ نے ان کی تردید کی ہے اس لیے اس کا سب سے بہترین حل یہ ہے کہ شریعت کی اس ہدایت پر عمل کیا جائے جو اس نے اس موقع کے لیے دی ہے اور اس دن کا روزہ نہ رکھا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ

(۲۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نَذَرْتُ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا أَسْلَمْتُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی شخص اعتکاف کی منت مان لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں میں نے زمانہ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا فرمایا اپنی منت پوری کرو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "نذرت" باب نصر اور ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی منت ماننا "اعتکف" باب اتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اعتکاف کرنا "أوف" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پورا کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۲۰۳۲، ومسلم: ۴۲۹۲ (۱۶۵۶)، واحمد: ۲۰/۲، وابوداؤد: ۳۳۲۵، والترمذی:

۱۵۳۹، والنسائی: ۳۸۵۲، وابن ماجه: ۲۱۲۹، وابن حبان: ۴۳۸۰۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث کی بنیاد ایک اصول پر ہے جو اسی کتاب میں عنقریب "کتاب الایمان والنذور" میں انشاء اللہ آئے گا۔ مختصراً یہ کہ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا کرنا ضروری ہے اور جس نے معصیت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا نہ کرنا واجب ہے۔

اس اصول کے مطابق چونکہ سیدنا فاروق اعظم نے مسجد حرام میں اعتکاف کی منت مانی تھی گو کہ اس کا وقت زمانہ جاہلیت کا تھا لیکن چونکہ اس سے کسی حکم خداوندی کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عظیم عبادت کی منت تھی اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے پورا نہ کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: کتاب الصوم کی یہ آخری حدیث تھی جس کا تعلق بظاہر "کتاب النذور" سے بنتا ہے لیکن چونکہ اس نذر کی بنیاد

اعتکاف پر تھی اس لیے کتاب الصوم کا اختتام ”اعتکاف“ کی حدیث پر کیا، یوں محدثین کے اس طریقے کی بھی رعایت ہوگئی جس کا خیال رکھتے ہوئے وہ کتاب الصوم کے بعد کتاب الاعتکاف لاتے ہیں۔

کتاب الحج

حج کے احکام

بَابُ التَّعَجُّيلِ فِي الْحَجِّ

(۲۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔

اداء حج میں جلدی کرنا

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اس ارادہ کی تکمیل میں جلدی کرے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: ”من“ حرف شرط ہے ”اراد الحج“ اس کی شرط ہے ”ف“ جزائیہ اور ”لیعجل“ جزاء ہے ”اراد“ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا ”فلیعجل“ اسے باب تفعیل کے بجائے باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب مراد لینا زیادہ بہتر ہے بمعنی جلدی کرنا۔

تَجْرِيحُ حَلِّ عِبَارَاتٍ: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۸۸۳، و ابو داؤد: ۱۷۳۲، و احمد: ۱۹۷۴۔

مَفْهُومٌ: کتاب الصوم سے فراغت کے بعد کتاب الحج شروع ہو رہی ہے، کتاب الصوم اور کتاب الحج میں جو عمیق ترین مناسبت پائی جاتی ہے، اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ان دونوں کو پے در پے لانا ہی مناسب تھا، چنانچہ قرآن کریم پارہ نمبر دو میں ”یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام“ کے ذریعے سے روزہ اور احکام روزہ کا جو سلسلہ بیان شروع کیا گیا، اس کے متصل بعد ہی ”قل ہی مواقیت للناس والحج“ کے ذریعے احکام حج کا بیان لایا گیا ہے، ویسے بھی نفس الامر اور خارج میں جوں ہی روزے کے ایام ختم ہوتے ہیں، ساتھ ہی اشہر حج شروع ہو جاتے ہیں، ترتیب مذکور میں نفس الامر کی مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔

اور وہ عمیق ترین وجہ جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ گزرا اور جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے ذکر فرمائی ہے یہ ہے کہ روزے میں کچھ کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور حج میں کچھ کاموں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے

روزے کے ذریعے انسان کو اپنی نفسانی و جسمانی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کروائی جاتی ہے اور حج میں جذبہ عشق کی تکمیل کروائی جاتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے محبوب سے ملنے کی خاطر اپنے کھانے پینے اور آرام و راحت تک کوچ دیتا ہے اس کی تمنا صرف وصالِ محبوب ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزے میں تخلیہ ہوتا ہے یعنی بہت سی چیزوں سے اپنے آپ کو خالی کرنا پڑتا ہے اور حج میں تخلیہ ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو بہت سی چیزوں سے آراستہ کرنا ہوتا ہے ایک دنیوی عاشق اپنے محبوب کے وصال سے تخلیہ حاصل کرنے کے لیے اپنی جسمانی ضروریات سے تخلیہ کر کے اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر سکتا ہے تو ایک حقیقی عاشق اپنے محبوب حقیقی کو کیوں حاصل نہیں کر سکتا؟ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ تخلیہ کے بعد جذبہ محبت و عشق میں اور سرشاری پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ تخلیہ کی صورت میں نکلتا ہے اور تخلیہ و تخلیہ کی تقدیم و تاخیر ایک فطری چیز ہے لہذا کتاب الصوم اور کتاب الحج کی تقدیم و تاخیر بھی فطری چیز ہوئی۔

اسی وجہ سے حج کا ارادہ رکھنے والے کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے ارادے کی تکمیل میں تاخیر نہ کرے اور جوں ہی اسباب مہیا ہوں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنا دے اور اس فریضے کو ”جو پوری زندگی میں انسان پر صرف ایک مرتبہ عائد ہوتا ہے“ جلد از جلد ادا کر لے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ارادے ہی کرتا رہے اور فرشتہ اجل اسے لینے کے لیے آ پہنچے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان وسائل کے باوجود اپنے جذب عشق کی حقیقی تکمیل سے محروم رہ جائے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کے لیے زبان نبوی سے بڑی سخت وعید بیان ہوئی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ حج کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گیا تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَفْضَلِ الْحَجِّ وَفَضْلِ الْحَاجِّ

(۲۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْحَاجُّ مَغْفُورٌ لَهُ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَهُ إِلَى انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ۔

افضل حج اور حاجی کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت علقمہ سے مرسل مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حاجی کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس شخص کے بھی جس کے لیے حاجی بخشش کی دعاء کرے محرم کے اختتام تک۔
فائدہ: اگلی روایت بھی فضیلت حج سے متعلق ہے۔

(۲۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالنَّجُّ فَأَمَّا الْعَجُّ فَالْعَجِيبُ وَأَمَّا النَّجُّ فَتَجُّ الْبَدَنِ قَالَ فَتَجُّ الدَّمِ وَفِي رِوَايَةٍ فَمَّا النَّجُّ فَتَجُّ الْهَدْيِ۔

تَرْجُمَانًا: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افضل ترین حج وہ ہے جو حج اور حج ہو حج کا لفظ توحج سے ہے اور حج کا معنی قربانی کرنا ہے۔

حَجَّ عِبَارَتٌ: ”انسلاخ“ باب انفعال کا مصدر ہے بمعنی ختم ہونا ”عج“ حج سے نکلا ہے بمعنی آواز کی بلندی ”حج“ بمعنی خون بہانا۔

تَجْوِجٌ حَدِيثٌ اَوَّلٌ: اخرج البيهقي نحوه، وابن ماجه: ۲۸۹۲، واحمد مثله: ۵۳۷۱۔

تَجْوِجٌ حَدِيثٌ ثَانِيٌ: اخرج ابن ماجه: ۲۹۲۴، والترمذی: ۸۲۷، وابن ابی شيبه: ۳۳۰، وابو يعلى: ۵۰۱۶، والبيهقي: ۷۰۳۹۔

مَفْهُومٌ: ایام حج میں تلبیہ اور تکبیر و تہلیل کے پر کیف نعروں سے جس طرح منیٰ مزدلفہ اور عرفات کے میدان گونجتے ہیں ان نعروں اور زمزموں کو صرف سن کر ہی انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی اور ایمان کو کیف و سرور مل جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب سننے والوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مرغِ بکل کی طرف تڑپتے ہیں تو یہ نعرے بلند کرنے والے کن جذبات و احساسات سے دوچار ہوں گے انہی جذبات و احساسات کو انسان کے تحت الشعور میں اچھی طرح راسخ کرنے، اپنی عاجزی اور اللہ کی کبریائی، اپنے گناہوں اور اللہ کی مغفرت کے اقرار پر پوری کائنات کو گواہ بنانے کے لیے حج کی افضلیت کو ہی اس بات میں پوشیدہ کر دیا گیا کہ بارگاہِ خداوندی میں اپنی حاضری اور ہر قسم کے شریک سے براءت کا اعلان بباگِ دہل کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ اصول تو یہ بنتا ہے کہ دعویٰ عشق و محبت رکھنے والا اپنی جان تک اپنے محبوب پر نچھاور کر دے لیکن یہ محبوب حقیقی کی کرم نوازی ہے کہ وہ انسان کے بدلے میں بکری، گائے اور اونٹ کو قبول کر لیتا ہے اور انسان کو وہی ثواب عطا کرتا ہے جو اپنی جان نچھاور کرنے پر عطاء ہوتا، اسی لیے قربانی کے جانور کا خون بہانا حج کی افضلیت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

جب حاجی اپنی زبان سے اپنے محبوب کی کبریائی کا اقرار اور اپنے عمل سے اپنی جان کا نذرانہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کر چکا تو اس کا صلہ دنیا میں اسے یہ عطاء کیا گیا کہ نہ صرف یہ کہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا گیا بلکہ ان لوگوں کے حق میں بھی اس کی سفارش کو قبول کر لیا گیا جو اس سے اس سفارش کی درخواست کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الْحَجِّ

(۲۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى ابْنَ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْنَ الْمُهَلُّ قَالَ يُهَلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَيُهَلُّ أَهْلُ الْعِرَاقِ مِنَ الْعَقِيقِ وَيُهَلُّ أَهْلُ الشَّامِ

مِنَ الْجُحْفَةِ وَيَهْلُ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ۔

احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی

ترجمتاً: حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا یا رسول اللہ! میقاتِ احرام کہاں ہے؟ فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے، اہل عراق عقیق سے، اہل شام حجفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی مواقت سے متعلق ہے۔

(۲۲۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ الْحَجَّ فَلَا يُحْرِمَنَّ إِلَّا مِنَ الْمِيقَاتِ وَالْمَوَاقِيتِ الَّتِي وَقَّتَهَا نَبِيُّكُمْ ﷺ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ مَرَّبَهَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا ذُو الْحَلِيفَةِ وَلَا أَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ مَرَّبَهَا الْجُحْفَةَ وَلَا أَهْلِ نَجْدٍ وَمَنْ مَرَّبَهَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا قَرْنٌ وَلَا أَهْلِ الْيَمَنِ وَمَنْ مَرَّبَهَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا يَلْمَلُمٌ وَلَا أَهْلِ الْعِرَاقِ وَلِسَائِرِ النَّاسِ ذَاتُ عِرْقٍ۔

ترجمتاً: حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص حج کرنا چاہے وہ صرف میقات ہی سے احرام باندھے اور مواقت ان جگہوں کو کہتے ہیں جن کی تعیین احرام باندھنے کے لیے نبی ﷺ نے کی تھی، یعنی اہل مدینہ کے لیے یا مدینہ منورہ سے ہو کر گزرنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو مقرر فرمایا تھا، اہل شام اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے جحفہ کو، اہل نجد اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے قرن، اہل یمن اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے یلملم اور اہل عراق اور باقی تمام لوگوں کے لیے ذات عرق کو متعین فرمایا تھا۔

حَلَّتْ عِبَارَتٌ: ”المهل“ اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی تہلیل کہنے کی جگہ مراد میقات ہے جہاں پر تلبیہ پڑھ کر احرام باندھا جاتا ہے اور بغیر احرام کے وہاں سے گزرنے پر دم لازم آتا ہے ”یهل“ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مذکورہ ”فلا یحرم من“ باب افعال سے نہیں معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی احرام باندھنا ”وقتها“ باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ مذکور ہے بمعنی میقات بنانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ مسلم: ۲۸۱۰ (۱۱۸۳) والبخاری: ۱۵۲۵، وابوداؤد: ۱۷۳۷، ۱۷۴۰، والترمذی: ۸۳۱، ۸۳۲، والنسائی: ۲۶۵۳، وابن ماجہ: ۲۹۱۴۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج البخاری ما یدل علی معناه: ۱۵۳۱۔

مفہوم: میقات کا معنی ہے وہ جگہ جہاں سے گزر کر اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو اس کے لیے احرام باندھے

بغیر وہاں سے گزرنا منع ہو اور بغیر احرام باندھے وہاں سے گزر جانے پر دم لازم ہو حرم شریف کی طرف آنے والے راستوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جگہوں کی خود نشاندہی فرمادی ہے اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے ایک مخصوص جگہ مقرر فرمادی ہے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر اس کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب دینے کے لیے کسی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر ملک میں کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے چنانچہ ایک عام آدمی کبھی ایوان صدر میں داخل نہیں ہو پاتا، وہ کبھی اپنی ایٹمی تنصیبات نہیں دیکھ سکتا اور اسی طرح بہت سی جگہوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، اسی طرح پوری دنیا میں شہر مکہ کو ایسی خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں داخل ہونے کے لیے ہر کس و ناکس کو اجازت نہیں دی جاسکتی، ایک ہی قسم کا فقیرانہ و مجذوبانہ لباس اختیار کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے شرائط متعین کی گئی ہیں۔

اس موضوع کی فقہی جزئیات تو کتب فقہ میں تلاش کرنی چاہئیں تاہم یہاں اتنی بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ان تمام جگہوں کی تعین جنہیں میقات کہا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی، اس میں کسی صحابی کے اجتہاد کا عمل دخل نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَلْبَسُهُ الْمُحْرِمُ

(۲۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْقَبَاءَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرُنْسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ وِرْسٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

محرم کا لباس

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! محرم کس طرح کے کپڑے پہن سکتا ہے؟ فرمایا نہ قمیص پہن سکتا ہے اور نہ عمامہ، قباء، شلوار، ٹوپی اور نہ ہی کوئی ایسا کپڑا جسے ورس یا زعفران لگی ہوئی ہو اور جس شخص کے پاس جوتیاں نہ ہوں اسے موزے پہننے کی اجازت ہے لیکن اسے چاہیے کہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِزَارٌ فَلْيَلْبَسِ سَرَاوِيلَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ خُفَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے اور جس شخص کے پاس جوتی نہ ہو وہ موزے پہن لے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "یلبس" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "البرنس" بڑی ٹوپی سر کو ڈھانپنے والی ہر چیز "مسہ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ورس" ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۱۳۴، ومسلم: ۲۷۹۲ (۱۱۷۷) وابدواؤد: ۱۸۲۴، والترمذی: ۸۳۳، وابن ماجہ: ۲۹۲۹، والنسائی: ۲۶۶۸، وابن حبان: ۳۷۸۴، والدارمی: ۳۱/۲

تَجْرِیحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری: ۱۸۴۱، ومسلم: ۲۷۹۷ (۱۱۷۹) وابدواؤد: ۱۸۲۹، والترمذی: ۸۳۴، والنسائی: ۲۶۷۳، وابن ماجہ: ۲۹۳۱، وابن حبان: ۳۷۸۵۔

مَقْهُومٌ: حج کی یہ پابندی بھی ظاہر بینوں کو بڑی عجیب اور مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ذرا سطحی نظر سے ہی جائزہ لے لیا جائے تو اس پابندی کی حیثیت پابندی کی نہیں رہتی چنانچہ اس کیفیت میں ایک تو انسان کے عجز کا اقرار بخوبی ہو جاتا ہے اور دوسرے اس کے دماغ سے غرور و تکبر کا خناس نکل جاتا ہے ایک طرف انسان اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کر لیتا ہے اور دوسری طرف ہر لمحے اسے قبر کی زندگی یاد رہتی ہے کیونکہ میت کو بھی دو سفید چادروں میں لپیٹ کر قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور حاجی کو بھی کفن کی دو سفید چادریں لپیٹ کر رخصت کر دیا جاتا ہے میت سے قبر میں سوال و جواب ہوتے ہیں اور حاجی سے ایئر پورٹ پر تفتیش کی جاتی ہے غرض کفن کی ان چادروں کو پہننا ہر احرام باندھنے والے مرد پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ اسے اپنی دوسری زندگی بھول نہ جائے۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ جوتی یا موزے پہننے کی جو اجازت دی گئی ہے وہ محض ہماری سہولت اور آسانی کی وجہ سے دی گئی ہے تاکہ عرب کی جھلسا دینے والی گرمی سے ہمارے پاؤں نہ جھلس جائیں، اے کاش! اس سر زمین پر جوتی پہن کر چلنے والوں نے کبھی سوچا ہوتا کہ بلال پر اس وقت کیا گزرتی ہوگی جب اسے ننگے پاؤں کھڑے رہنے کی سزا نہیں دی جاتی تھی، ننگے جسم اس تپتی ہوئی زمین پر جلتے ہوئے کونکے بچھا کر اس پر لٹایا جاتا تھا اور اے کاش! کبھی بلال کے جلتے ہوئے جسم کا تصور کر کے ہی کوئی عاشق زار کچھ دیر کے لیے اس گرم ریگ زار پر اپنے پاؤں رکھ کر اپنے عشق و محبت کا ثبوت پیش کرتا۔

بَابُ هَلْ يَتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ؟

(۲۲۷): أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اَيْتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ قَالَ لَا اِنَّ اَصْبَحَ اَنْضَحَ قَطْرَانَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصْبَحَ اَنْضَحَ طَيِّبًا فَاتَيْتُ عَائِشَةَ فَذَكَرْتُ لَهَا فَقَالَتْ اَنَا طَيِّبَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَطَافَ فِيْ اَزْوَاجِهِ ثُمَّ اَصْبَحَ تَعْنِيْ مُحْرِمًا۔

کیا محرم کے لیے خوشبو کا استعمال جائز ہے؟

ترجمہ: منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کیا محرم خوشبو لگا سکتا ہے؟ فرمایا مجھے اس حال میں صبح کرنا زیادہ پسند ہے کہ مجھ سے تارکول کی بھسک آرہی ہو بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آرہی ہو میں اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دوران گفتگو یہ بات بھی ذکر کر دی، فرمایا کہ میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی ہے اس کے بعد آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے اور صبح کو اسی خوشبو کے ساتھ احرام کی نیت کر لی۔

حَدِيثُ عَائِشَةَ: "اَيْطِيبُ" ہمزہ برائے استفہام اور صیغہ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوشبو لگانا "انضح" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چھڑکنا، مراد مہکنا ہے "طیبت" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خوشبو لگانا۔

تَجْنِيزُ حَدِيثِ: اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ: ۲۸۴۲ (۱۱۹۲) وَالنَّسَائِيُّ: ۲۷۰۵۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ محرم کے خوشبو لگانے کی ذمہ داریوں ہیں۔

۱۔ احرام کی نیت کرنے سے پہلے احرام کی چادروں پر خوشبو لگالی جائے پھر انہی چادروں کو اوڑھ کر حج یا عمرہ کیا جائے۔

۲۔ احرام کی نیت کرنے کے بعد اپنے جسم پر یا چادروں پر خوشبو لگائی جائے۔

پہلی صورت میں کوئی حرج نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہی ہے اور دوسری صورت اختیار کرنے سے دم واجب ہوگا اور حضرت ابن عمرؓ کی بھی یہی مراد ہے اس تقریر کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے۔

اور حالت احرام میں خوشبو لگانے کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ انسان پر فقیروں اور بھکاریوں والی صورت دکھائی دے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اس در پر بھیک اور خیرات ہی مانگنے کے لیے گیا ہے، پک بک منانے کے لیے نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ احرام کسے کہتے ہیں؟ ہمارے یہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ احرام سے مراد وہ دو سفید چادریں ہوتی ہیں جو ہم اپنے جسم پر لپیٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، احرام ان چادروں کو نہیں کہتے بلکہ اس نیت اور تلبیہ کو کہتے ہیں جس کا استحضار و اظہار کرنے کے بعد انسان پر احرام کی پابندیاں متوجہ ہو جاتی ہیں۔

اگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو حالت احرام کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں مثلاً

احرام کی چادر گندی ہو جانے کی صورت میں اسے تبدیل کرنا، کسی وجہ سے ایک یا دونوں چادروں کا جسم پر نہ رہنا۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

(۲۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُحِلُّوا مِنْ إِحْرَامِهِمْ بِالْحَجِّ وَيَجْعَلُوا عُمْرَةً۔

حج تمتع کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ احرام حج کھول لیں اور اسے عمرہ کا احرام بنا لیں۔

فائدہ: اگلی روایت ضمنی طور پر اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۲۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَا أَمَرَ بِهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنَا أَلَا نَحَاصَةٌ أَمْ لِلْأَبَدِ قَالَ هِيَ لِلْأَبَدِ۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب وہ حکم دیا جو دیا تو سراقہ بن مالک نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کیا یہ حکم ہمارے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ فرمایا ہمیشہ کے لیے ہے۔

حَلَّتْ عِبَارَتٌ: "يَحِلُّوا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی حلال ہونا، مراد احرام سے نکل جانا۔

تَجْنِجٌ حَدِيثٌ أَوَّلٌ: اخرج ابن ماجه مثله في ضمن حديث طويل: ۲۹۸۲، والنسائي: ۲۸۰۷، ومسلم: ۲۹۴۵ (۱۲۱۶)

تَجْنِجٌ حَدِيثٌ ثَانِي: اخرج مسلم في نهاية حديث طويل: ۲۹۴۳ (۱۲۱۶)، وابوداؤد: ۱۷۸۷، والنسائي: ۲۸۰۸، وابن ماجه: ۲۹۸۰۔

مَقْبُحٌ: پہلی حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس کا مختصر پس منظر حدیث نمبر ۲۳۹ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں اور اس کی کچھ مناسبت دوسری حدیث کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ان دونوں کو اکٹھا بھی کیا گیا ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے یہ فرق ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ دوسری حدیث کا تعلق واقعہ حجۃ الوداع سے ہے اور پہلی حدیث کا تعلق عمرہ القضاء سے ہے۔

کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ظاہر ہے کہ اس خیال کے پیچھے ان کے پاس دلائل کی قوت نہیں تھی بلکہ صرف مفروضات اور توہمات ہی ان کے اس نظریے کی بنیاد

تھے اس لیے نبی ﷺ اس خیال کی اصلاح فرمانا چاہتے تھے جس کا ایک طریقہ تو زبانی طور پر سمجھا دینا تھا اور دوسرا طریقہ عملی طور پر اور موقع پر بات کو ذہن نشین کرانا تھا، نبی ﷺ نے اس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔

یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک حج کیا ہے لہذا اشہر حج میں احرام باندھنے کا موقع بھی آپ ﷺ کو پوری زندگی میں ایک مرتبہ ملا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ حج کے لیے جب جاتے تھے تو قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے جیسا کہ اس نوع کی روایات آگے بھی آئیں گی۔

سفر حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے حرم مکہ پہنچنے سے پہلے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لایا ہوتا تو میں اپنے حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کے احرام کی نیت کر لیتا، اب میں تو ایسا نہیں کر سکتا لیکن تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لایا، وہ حج کا احرام ختم کر کے عمرہ کی نیت کر لے، ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں ہمیشہ ایسا کرنا چاہیے یا یہ حکم اس سال کے ساتھ خاص ہے؟ یعنی کیا ہم دوبارہ اشہر حج میں عمرہ کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت تو نہیں ہوئی؟ فرمایا کوئی ممانعت نہیں ہوگی اور تم ہمیشہ اشہر حج میں بھی عمرہ کر سکو گے۔

بَابُ مَنْ قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ فِي أَيَّامِهَا

(۲۳۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِيَ مُتَمَتِّعَةٌ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمَرَتَهَا۔

اگر عورت حج تمتع کی نیت سے آئے اور وہ ”ایام“ میں ہو تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں اتفاق سے انہیں پھول آگئے، نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے عمرہ کو چھوڑ دیا۔

(۲۳۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ حَائِضٌ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمَرَتَهَا۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

(۲۳۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِيَ حَائِضٌ فَأَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرَفَضَتْ عُمَرَتَهَا وَاسْتَأْنَفَتِ الْحَجَّ حَتَّى إِذَا فَرَعَتْ مِنْ حَجِّهَا أَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تَصُدَّرَ إِلَى التَّنْعِيمِ مَعَ أَخِيهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے از سر نوج حج کا احرام باندھ لیا، جب حج سے فراغت ہو گئی تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم سے احرام باندھ آئیں (اور عمرہ

کی قضاء کر لیں)

(۲۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ذَبَحَ لِرَفِضِهَا الْعُمْرَةَ بَقْرَةً۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے ایک گائے ذبح کی۔

(۲۳۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَبِيعِ بْنِ جِرَاشٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِرَفِضِهَا الْعُمْرَةَ دَمًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم دینے کا حکم دیا۔

(۲۳۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهُ يُصَدِّرُ النَّاسَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَأَصْدُرُ بِحَجَّةٍ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ انْطَلِقْ بِهَا إِلَى التَّعِيمِ فَلْتَهَلِّ ثُمَّ لِتَفْرَغْ مِنْهَا ثُمَّ لِتَعَجَلْ عَلَيَّ فَإِنِّي أَنْتَظِرُهَا بِبَطْنِ الْعَقْبَةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! لوگ حج اور عمرہ کے ساتھ واپس جائیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ؟ اس پر نبی ﷺ نے (ان کے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ان کیساتھ تعیم چلے جائیں تاکہ وہ وہاں سے احرام باندھ لیں پھر جب عمرہ سے فارغ ہو جائیں تو جلدی سے لوٹ آئیں کیونکہ میں بطن عقبہ میں ان کا انتظار کروں گا۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "قدمت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی آنا "فرفضت" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چھوڑنا "استانفت" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی از سر نو کرنا۔

تَجْنِيسُ حَدِيثِ خَالِيفِ اَوَّلِ وَ ثَانِي وَ ثَالِثٍ: اَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ مَا فِي مَعْنَاهُ: ١٥٥٦، وَمُسْلِمٌ: ٢٩١١ (١٢١١) وَابُو دَاوُدَ: ١٧٨٢، وَالتِّرْمِذِيُّ: ٩٤٥، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٧٤٢، وَابْنُ مَاجَةَ: ٣٠٠٠۔

تَجْنِيسُ حَدِيثِ رَابِعٍ وَخَامِسٍ: اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي آخِرِ: ٢٩٤، وَمُسْلِمٌ: ٢٩١٨ (١٢١١)

تَجْنِيسُ حَدِيثِ سَادِسٍ: اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ١٧٨٧، وَمُسْلِمٌ: ٢٩٢٧ (١٢١١)

مَقْهُوْمٌ: اللَّهُ تَعَالَى نَعَى مَرْدٌ وَعَوْرَتٌ كِي جَو تَقْسِيمِ فَرْمَائِي هَيْ اس تَقْسِيمِ كِي مَطَابِقِ جِسْمَانِي طُورِ پَرَانِ مِیْنِ سِیْ هِرَايِكِ كِي سَاتْه كِچْھِ عَوَارِضِ رَكْھِ هِیْنِ اَوْرِ یِهْ عَوَارِضِ بْھِیْ اِسی طَرْحِ فَطْرِي هِیْنِ جِس طَرْحِ مَرْدِ وَعَوْرَتِ كِي طَرْفِ اِنْسَانِ كِي تَقْسِيمِ فَطْرِي هِیْ اِن عَوَارِضِ كِي وَجْهِ سِیْ كِی كُو طَعْنِ نِہِیْنِ دِیَا جَا سَكْتَا اَوْرِ نِہِیْ اِن عَوَارِضِ كِي وَجْهِ سِیْ اِنْسَانِ اِنْسَانِيَّتِ كِي دَاوْرِیْ سِیْ خَارِجِ هُو۔ جاتا ہے۔

انہی عوارض میں سے ایک کا ذکر مندرجہ بالا احادیث میں ہوا ہے جس کے لیے ہم نے "پھول آنے" کی تعبیر اختیار کی ہے اور یہ تشبیہ صرف رنگ میں ہے خوشبو میں نہیں کیونکہ خون کا رنگ تو سرخ ہوتا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں

ہوتی۔

زیر بحث احادیث سے جو فقہی مسئلہ مستنبط ہوا وہ تو واضح ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عورت ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں سے ”جن میں مرد و عورت دونوں ہی ہوتے تھے“ اس مسئلے کو کس طرح بیان کیا ہوگا؟ کیونکہ عورت کا طبعی حجاب اس نوعیت کے مسائل بیان کرنے سے مانع ہوتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ سے اس موضوع پر سوالات نہ کیے جاتے اور وہ ان کا جواب نہ دیتیں، بلکہ ان مسائل کا علم اپنے ساتھ ہی لے جاتیں جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عام لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے تو اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خانگی زندگی کا مکمل نقشہ بھی سامنے نہ آ پاتا اور امت مرحومہ بھی ان مسائل میں تشنگی کا شکار رہتی، حضرت عائشہؓ کی دور رس نگاہوں نے مستقبل کے اس منظر کو بھانپ لیا تھا اس لیے انہوں نے اس باب میں اپنا کردار ایک ایسی معلمہ کا ادا کیا ہے جو اپنی فراست سے لوگوں کو پہچان کر ان کے مسائل کا صحیح حل پیش کر سکے۔

اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے یہ مسائل صرف مردوں سے ہی ذکر کیے ہوں بلکہ حقائق کے مطابق وہ اپنی شاگرد خواتین سے اس باب کے مسائل ذکر کرتیں، وہ خواتین اپنے شوہروں سے اس کا ذکر کرتیں اور یوں مردوں تک اس روایت کا سلسلہ پہنچ جاتا۔ واللہ اعلم

بَابُ إِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَأَكَلَهُ الْمُحْرِمُ

(۲۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ صَيْدٍ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَائِمٌ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ فِيمَا يَتَنَازَعُونَ فَقُلْنَا فِي لَحْمِ صَيْدٍ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ قَالَ فَأَمَرْنَا بِأَكْلِهِ۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا جبکہ اسے کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں شکار کے گوشت کے بارے میں بحث مباحثہ کر رہے تھے جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم نے اسے کھا لیا ہو، نبی ﷺ قریب ہی سو رہے تھے ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا کس بات میں اختلاف ہو رہا ہے؟ ہم نے عرض کیا شکار کے گوشت کے بارے میں جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم اسے کھالے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں وہ کھانے کی اجازت دے دی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۳۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِي فَنَظَرْتُ نِعَامَةً فَسِرْتُ إِلَى فَرَسِي فَرَكِبْتُهَا وَعَجَلْتُ عَنْ سَوَاطِي فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِيهِ فَأَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَأَخَذْتُ سَوَاطِي فَطَلَبْتُ النِّعَامَةَ فَأَخَذْتُ مِنْهَا حِمَارًا فَأَكَلْتُ وَأَكَلُوا۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا پوری جماعت میں میرے علاوہ غیر محرم کوئی نہ تھا راستے میں میں نے جنگلی گدھوں کو دیکھا انہیں دیکھ کر میں اپنے گھوڑے کی طرف چلا اور اس پر سوار ہو گیا لیکن جلدی میں اپنا کوڑا بھول گیا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے یہ کوڑا پکڑا دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا مجبوراً میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے خود ہی اٹھایا اور جنگلی گدھوں کی تلاش میں چل پڑا راستے میں مجھے ایک جنگلی گدھال گیا میں نے اسی کو شکار کر کے پکڑ لیا میں نے بھی اسے کھایا اور میرے ساتھیوں نے بھی کھایا۔

حَلَالٌ غَيْرِي: "تذاکرنا" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی مباحثہ اور تکرار کرنا "لحم صید" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے "یصيدہ الحلال" اس کی صفت ہے "یصيدہ" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکار کرنا "نعامة" شتر مرغ یا جنگلی گدھوں کا غول "فسرت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چلنا "ناولونیہ" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمعہ مذکر حاضر ہے بمعنی پکڑانا۔

تخریج حدیث اول: اخرج مسلم مثله: ۲۸۶۰ (۱۱۹۷) والنسائی: ۲۸۱۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج البخاری: ۲۵۷۰، ومسلم: ۲۸۵۱ (۱۱۹۶) والنسائی: ۲۸۲۹، وابن ماجه: ۳۰۹۳۔

مفہوم: حالت احرام میں ایک مسلمان پر عائد ہونے والی پابندیوں میں سے ایک پابندی یہ بھی ہے کہ اسے شکار کی اجازت نہیں ہے لیکن یہ پابندی نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو حالت احرام میں نہ ہو کوئی جانور شکار کر کے لائے اور محرم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہے تو وہ اسے کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل پابندی شکار کرنے پر ہے اور وہ اس نے کیا نہیں لہذا اسے کھانے میں شریک ہونے کی ممانعت بھی نہیں۔

دوسری بہت سی پابندیوں کی طرح اس پابندی کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ عام طور پر شکار کھیلنا تفریح طبع کے لیے ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکار کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے پھر اسے کاٹنے سے لے کر پکانے تک کا ایک طویل مرحلہ ہوتا ہے جس میں انسان کا بہت سارا وقت صرف ہو جاتا ہے ان تمام خرابیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت نے خشکی کا شکار ممنوع قرار دے دیا تاکہ انسان جس مقصد کے لیے اپنے گھر بار، کاروبار، دوست احباب اور عزیز واقرباء کو چھوڑ کر نکلا ہے اس مقصد کو حاصل کر سکے شکار تو انسان کسی اور وقت بھی کر سکتا ہے لیکن دربار خداوندی پر

حاضری کا موقع بار بار نہیں ملتا اور مجھے انتہائی افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ زمانہ جدید میں اگرچہ شکار کی طرف سے تو حجاج و معتمرین کی توجہ ہٹ گئی ہے لیکن بازاروں اور دکانوں پر خریداروں اور شاپنگ کرنے والوں کا ہجوم بڑھ گیا ہے اور حجاج کرام کو واپسی پر آتے ہوئے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ بیرون ملک شاپنگ کرنے کے لیے گئے تھے جب ہی اس میں کبیل، استری، کیمرہ، برتن، زیورات اور کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے ہوئے بڑے بڑے کارٹن شامل ہوتے ہیں۔ قالی اللہ المشتکی۔

بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ قَتْلُهُ

(۲۳۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَارَّةَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ وَالْحِدَاةَ وَالْعُقْرَبَ۔

محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا محرم چوہے، سانپ، کتے، چیل اور بچھو کو مار سکتا ہے۔

تصحیح بخاری: ۳۳۱۴، مسلم: ۲۸۶۸ (۱۱۹۹)، ابوداؤد: ۱۸۴۶، الترمذی: ۸۳۸، والنسائی: ۲۸۳۵، وابن ماجہ: ۳۰۸۸۔

مفہوم: حرم شریف چونکہ ایک مقدس مقام ہے اس لیے اس کی حرمت و تقدیس کو برقرار رکھنے کے لیے خود پروردگار عالم کی طرف سے مختلف احکام دیے گئے ہیں جنہیں نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے مختلف معجزانہ اسالیب میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ میقات سے احرام کے ساتھ گزرنے کی شرط حرم کی حرمت و تقدیس ہی کی خاطر ہے، شکار کی پابندی اسی بناء پر ہے حتیٰ کہ حرم شریف میں دانہ چگتے ہوئے کبوتر کو ڈرا کر اڑانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے، حرم شریف میں ”اذخر“ نامی گھاس کے علاوہ ہر قسم کی گھاس کاٹنے کی ممانعت اسی حرمت و تقدیس کی رہن منت ہے، یہاں قتل و قتال اور جنگ و جدال کی ممانعت بھی اس کی تقدیس و تعظیم کی بقاء کی ضامن ہے۔

ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر فطری طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حرم شریف میں کوئی موذی جانور دکھائی دے اور انسان اس سے خطرہ محسوس کرے تو کیا حرمت و تقدیس حرم کا خیال رکھتے ہوئے ان سے بھی تعرض نہ کرے یا کیا کرے؟ نیز یہ کہ اس میں محرم اور غیر محرم کی کوئی تفریق و امتیاز بھی ہے یا نہیں؟

زیر بحث حدیث میں ان دونوں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کے مطابق حرم شریف میں موذی جانور کو مارنا اس کی حرمت کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت و جواز میں بھی کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس

میں محرم اور غیر محرم کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے، محرم بھی ان چیزوں کو مار سکتا ہے اور غیر محرم بھی۔ واللہ اعلم

بَابُ هَلْ يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَتَزَوَّجَ

(۲۳۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

کیا احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے حالت احرام میں نکاح فرمایا۔

تصحیح بخاری: أخرجه البخاری: ۱۸۳۷، ومسلم: ۳۴۵۲ (۱۴۱۰)، وابدوداؤد: ۱۸۴۴، والترمذی: ۸۴۲، والنسائی: ۲۸۴۰، وابن ماجہ: ۱۹۶۵، واحمد: ۱۹۱۹۔

مفتیوں نے: محدثین اور فقہاء کرام نے اس حدیث کے حوالے سے یہ ایک بحث چھیڑی ہے کہ آیا حالت احرام میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کی صحت کے دلائل دیے ہیں لیکن اس سوال سے کسی نے ہتھ نہیں کیا کہ آخر جناب رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا روایت کے مطابق حالت حرام میں نکاح کیوں کیا؟ اس کی فوری اور اشد ضرورت کیا پیش آگئی تھی کہ اسے مؤخر نہیں کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ جب سوال ہی نہیں اٹھایا گیا تو جواب ملنا بھی محال ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذہن میں جو بات ڈالی ہے، پہلے وہ لکھتا ہوں پھر اس واقعہ کا مختصر پس منظر عرض کروں گا۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک صاحب شریعت و کتاب پیغمبر تھے، اور آپ ﷺ کا ہر قول و عمل شریعت ہی کی ترجمانی ہوتا تھا، جس میں خوشی اور غمی کی تفریق بھی روا نہیں رکھی گئی تھی، حالت احرام میں نکاح کی فوری ضرورت تو نہیں تھی، البتہ امت کے لیے یہ پیغام چھوٹا ضروری تھا کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو اسے حل کرنے کے لیے میری سنت اور میرا اسوۂ حسنہ موجود ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صورت یہ بھی تو ہو سکتی تھی کہ نبی ﷺ زبانی طور پر امت کے لیے دوسرے بہت سے پیغاموں کی طرح یہ پیغام بھی چھوڑ جاتے؟ تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ دیگر مذہبی و دنیاوی معاملات کے برعکس حج و عمرہ اور احرام کا معاملہ کچھ جذباتی نوعیت رکھتا ہے اور اس میں اکثر اوقات کسی کی بات ماننے کا عصر مغلوب اور اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کا عنصر غالب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور بالآخر ایک صلح نامے کے ذریعے فریقین میں ایک باہمی معاہدہ طے پا گیا تو نبی ﷺ نے صلح نامے کی شرائط کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا اعلان کر دیا اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنا احرام کھول کر حلال ہو جائیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں

صحابہ کرامؓ حسب عادت فوراً لپکتے اور احرام کھول کر حلال ہو جاتے لیکن شرائطِ صلح ”جو ان کے خیال کے مطابق مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف اور مشرکوں کے حق میں تھیں“ کی وجہ سے ان کے دل مغموم تھے اور ان پر اس بظاہر دبی ہوئی صلح کا بہت اثر تھا اس لیے بہت سے صحابہ کرامؓ اس حکم کی تعمیل و تکمیل میں ذرا جھجکے۔

نبی ﷺ پر اس رویے کا اثر ہوا اور آپ ﷺ مغموم حالت میں اپنے خیمے میں تشریف لائے، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے مغموم دیکھ کر خیریت دریافت کی، جواب میں نبی ﷺ نے انہیں ساری بات بتائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ چونکہ ان لوگوں کو ذہنی و قلبی طور پر بہت صدمہ ہے اس لیے شاید یہ لوگ کچھ پس و پیش کریں، اس کا حل یہی ہے کہ آپ خود باہر تشریف لے جائیں اور ان کے سامنے احرام کھول کر حلال ہو جائیں، جب یہ آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو خود بخود احرام کھول کر حلال ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا گویا حکم نبوی کی تعمیل میں تاخیر ممکن ہے لیکن عمل نبوی کی تعمیل فوری طور پر ہوتی تھی۔

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ نبی ﷺ کو حالت احرام میں نکاح کرتے ہوئے دیکھ کر بہت سے صحابہ نے اگلی مرتبہ خود بھی حالت احرام میں نکاح کر لیا ہوگا، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حج کا معاملہ ایک جذباتی معاملہ ہے جس میں قول سے زیادہ عمل کو اہمیت دی جاتی ہے اس لیے نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کا جواز ثابت کر دیا اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے اس باب میں بھی مکمل رہنمائی چھوڑ گئے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نکاح کا لفظ سن کر کسی کا ذہن بدک نہ جائے اور وہ یہ نہ سوچنے لگے کہ احرام کی حالت میں ازدواجی تعلقات قائم کرنا تو بڑی دور کی بات، اس نوعیت کی کوئی بات کرنا بھی منع ہے اور یہاں اس کی اجازت دی جا رہی ہے؟ اس لیے کہ ”نکاح“ سے یہاں مراد صرف زبان سے ایجاب و قبول کرنا ہے، تخلیہ اور خلوتِ باہمی مراد نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایجاب و قبول زبان سے ہوتا ہے، جس طرح انسان حالت احرام میں کسی چیز کو خریدنے یا بیچنے کے لیے ایجاب و قبول کر سکتا ہے اسی طرح نکاح کے لیے بھی ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔ باقی رہے تخلیہ کے لمحات سوا اس کی اجازت کسی صورت نہیں دی گئی۔

پس منظر: زیر بحث واقعے کا مرکزی کردار ام المومنین حضرت میمونہؓ ہیں، اور اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو رشتے میں نبی ﷺ کے تایا زاد بھائی لگتے ہیں اور حضرت میمونہؓ کے بھانجے، کیونکہ حضرت میمونہؓ نے نبی ﷺ کی بہن ام الفضلؓ حضرت عباسؓ کے نکاح میں تھیں، اس اعتبار سے حضرت میمونہؓ نے نبی ﷺ کی سالی اور حضرت ابن عباسؓ کی خالہ ہوئیں، اتفاق سے حضرت میمونہؓ کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اور وہ بیوہ ہو گئیں، جس پر حضرت عباسؓ اور ان کی زوجہ کا فکر مند ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

ان دونوں حضرت عباسؓ اور حضرت میمونہؓ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے اور نبی ﷺ مدینہ منورہ میں، حضرت میمونہؓ

نے اپنا معاملہ اپنی بہن اور بہنوئی کے سپرد کر دیا، حضرت عباسؓ نے ان کے رشتے کے لیے نبی ﷺ سے بات کی، نبی ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے غلام حضرت ابورافعؓ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا، جبکہ حضرت میمونہؓ کے وکیل خود حضرت عباسؓ تھے۔

۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی ﷺ مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے، ادھر سے حضرت عباسؓ رشتے کے معاملات طے کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ کے قریب نامی مقام پر پہنچ کر دونوں کا آمنہ سامنا ہو گیا اور وہیں پر زوجین کے وکیلوں نے اپنے اپنے مؤکلوں کی طرف سے ایجاب و قبول کر لیا اور یوں یہ رشتہ طے پا گیا۔

نبی ﷺ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق حالت احرام میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، عمرہ کیا اور ارکان عمرہ پورے کرنے کے بعد حلال ہو گئے، چونکہ معاہدہ کے مطابق آپ ﷺ وہاں صرف تین دن گزار سکتے تھے اس لیے یہ مدت پوری ہونے پر مشرکین کا ایک نمائندہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مکہ مکرمہ کو خالی کر دینے کی درخواست کی، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرا نکاح تو ہو چکا ہے اگر تم مجھے یہاں رات گزارنے کی اجازت دے دو تو شادی کے کھانے میں آپ کی بھی شرکت ہو جائے گی اور میں اپنی زوجہ سے بھی مل لوں گا، لیکن اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ نبی ﷺ معاہدہ کے مطابق مکہ مکرمہ روانہ سے ہو گئے اور مقام سرف پر پہنچ کر پڑاؤ کیا، اور وہیں حضرت میمونہؓ کے ساتھ تخلیہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی دعوت ولیمہ کی یہ ہے اس واقعہ کا وہ پس منظر جس کا ذکر کبار محدثین اور فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَنِ احْتَجَمَ مُحْرِمًا

(۲۴۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

محرم کے لیے چھینے لگوانا

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں سیگی لگوائی۔

تصحیح بخاری: اخرجہ البخاری: ۱۸۳۵، ومسلم: ۲۸۸۵ (۱۲۰۲)، وابدوداؤد: ۱۸۳۵، والترمذی: ۸۳۹، والنسائی، ۲۸۴۸، وابن ماجہ: ۳۰۸۱۔

مفہوم: اس حدیث پر بقدر ضرورت کلام کتاب الصوم کے تحت گزر چکا ہے، جس میں صرف اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح سیگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح حج پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِلاَمِ

(۲۴۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ مَا تَرَكَتُ إِسْتِلاَمَ الْحَجَرِ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَلِمُهُ۔

استلام کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے اس وقت سے استلام کو کبھی ترک نہیں کیا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(۲۴۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ إِبرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا أَنْتَهَيْتُ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ إِلَّا لَقِيتُ عِنْدَهُ جِبْرِيْلَ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَكْثِرُ مِنْ إِسْتِلاَمِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ قَالَ مَا أَتَيْتُ عَلَيْهِ قَطُّ إِلَّا وَجِبْرِيْلُ قَائِمٌ عِنْدَهُ يَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچا جبریل سے وہاں پر ملاقات ہوئی، عطاء بن ابی رباح کے حوالے سے یہ روایت اس طرح مروی ہے کہ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ رکن یمانی کا استلام بہت کثرت سے کرتے ہیں؟ فرمایا میں جب بھی وہاں پہنچا ہوں تو جبریل سے ملاقات ہوئی ہے جو اس کا استلام کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگ رہے ہوتے۔

(۲۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ بَيْنَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَمَوْقِفِ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے اے اللہ! میں کفر، فقر وفاقہ، ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کے مقامات سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۲۴۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْبَيْتِ وَهُوَ شَاكٍ عَلَى رَاحِلَتِهِ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ بِمُحَجِّنِهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ شَاكٍ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرض کی شکایت میں بیت اللہ کا طواف اپنی سواری پر کیا اور حجر اسود کا استلام اپنی چھڑی سے کرتے رہے، ایک روایت میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی سواری پر کرنے کا ذکر آیا ہے۔

(۲۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ -
تَرْجَمَتَا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

حَلَّ عِبَارَتٌ: "یستملہ" باب اتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ما انتہیت" باب اتعال سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پہنچنا "موقف" باب ضرب سے اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی ٹھہرنے کی جگہ "شاک" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی شکایت ہونا "رمل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رمل کرنا تیز چلنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ أَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۱۶۰۶، والنسائی: ۲۹۵۶، وابوداؤد مثله: ۱۸۷۶، ومسلم: ۳۰۶۵ (۱۲۶۸)

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ثَانِي: اخرجہ الحارثی: ۳۶۷۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ثَالِثٍ: اخرج ابوداؤد مثله: ۱۸۹۲، وابن ماجه: ۲۹۵۷، والفاکھی فی اخبار مکة: ۱۶۷۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ رَابِعٍ: اخرجہ البخاری ۱۶۰۷، ومسلم: ۳۰۷۳ (۱۲۷۲) وابوداؤد: ۱۸۸۱، والنسائی: ۲۹۵۷، وابن

ماجه: ۲۹۴۸۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ خَامِسٍ: اخرج البخاری مثله: ۱۶۰۴، ومسلم: ۳۰۵۲ (۱۲۶۲) وابوداؤد: ۱۸۹۱، والترمذی:

۸۵۷، والنسائی: ۲۹۴۷، وابن ماجه: ۲۹۵۱۔

مَقْبَلُومَرٌ: خانہ کعبہ "جو پورے عالم میں اللہ کی خصوصی تجلیات کا مرکز ہے" نیکوکاروں کے لیے جس طرح اپنے اندر جلال کی کشش رکھتا ہے گناہگاروں کے لیے اسی طرح جمال کی کشش سے بھی بھرپور ہے اس کا ایک ایک کونہ اور ایک ایک اینٹ متبرک و بابرکت ہے اس کے چپے چپے پر دعاؤں کی قبولیت کے راز موجود ہیں انہی میں سے خانہ کعبہ کے وہ دو کونے جو حجر اسود اور رکن یمانی کے نام سے مشہور ہیں، بھی شامل ہیں جن کا استلام کیا جاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حجر اسود صرف ایک پتھر ہے لیکن نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی خاص بات ہے کہ یہاں پہنچ کر اور اسے چھو کر بڑے بڑے پتھر پگھل کر موم ہوتے دیکھے گئے ہیں نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی کشش ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان بلا تفریق رنگ و نسل اس کی تقبیل و استلام کو اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں اور نجانے اس پتھر میں ایسا کون سا مقناطیس رکھ دیا گیا ہے کہ یہ گناہگاروں کے گناہوں کو چوس کر اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

میں شاید اس کی بہت زیادہ توجیہات پیش نہ کر سکوں لیکن اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ اللہ سے مصافحہ کرنے کا شوق انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے کیونکہ یہ پتھر محض پتھر نہیں بلکہ روایات کے مطابق یہ اللہ کا داہنا ہاتھ ہے جسے بوسہ دینے والا درحقیقت حق تعالیٰ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

اور میں یہ بھی عرض کروں گا کہ پوری انسانیت کا نقطہ آغاز حضرت آدم ﷺ ہیں اور حضرت آدم ﷺ کی رہائش

گاہ جنت تھی، گویا وہ ہم سب کے والدین کی جائیداد تھی جس کی وراثت میں ہمارا بھی حق بنتا ہے جو انشاء اللہ قیامت کے دن پروردگار عالم محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطاء فرمائے گا، چونکہ جنت ہمارا اصلی وطن ہے اور ہمیں بالآخر وہیں پر قیام پذیر ہونا ہے اس لیے ہمیں اپنے وطن کی ہر چیز سے پیار ہے حتیٰ کہ اس کی مٹی اور پتھروں تک کو ہم محبوب رکھتے ہیں اور حجر اسود کو بوسہ دیکر اپنی اسی محبت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ پتھر جنت ہی سے آیا ہے تو جنت کی محبت نے اس پتھر میں کشش رکھ چھوڑی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ

(۲۴۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي حَيَّةَ أَبِي جَنَابٍ عَنْ هَانِيءِ بْنِ يَزِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَفْضْنَا مَعَهُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا نَزَلْنَا جَمْعًا أَقَامَ فَصَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَهُ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ ثُمَّ أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ فَقَعَدْنَا نَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ طَوِيلًا ثُمَّ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّلَاةُ فَقَالَ أَيُّ الصَّلَاةِ فَقُلْنَا الْعِشَاءَ الْأَحِرَةَ فَقَالَ أَمَا كَمَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَدْ صَلَّيْتُ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا

ترجمہ: ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے جب ہم نے مزدلفہ پہنچ کر پڑاؤ کیا تو انہوں نے نماز کھڑی کی چنانچہ ہم نے ان کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی پھر انہوں نے (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں پھر پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا اور اپنے بستر پر تشریف لے گئے ہم بیٹھ کر کافی دیر تک نماز کا انتظار کرتے رہے بالآخر ہم نے ان سے کہا اے ابو عبد الرحمن! نماز فرمایا کون سی نماز؟ عرض کیا نماز عشاء! فرمایا جس طرح نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی میں نے اس طرح پڑھ لی ہے اور ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز (کو مزدلفہ میں) جمع فرمایا۔

فائدہ: اگلی دو روایتوں کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۴۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْمُزْدَلِفَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھے پڑھی ہے۔

(۲۴۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدٍ الْخَطْمِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ: اس میں ایک اذان اور ایک اقامت کا اضافہ ہے فقط۔

حَدِيثُ عَبَّاسٍ: "افضنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی لوٹنا "جمعاً" اس سے مراد مزدلفہ ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ چونکہ مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء اکٹھی ایک ہی اذان اور ایک ہی اقامت سے ادا کی جاتی ہے اس لیے اسے "جمع" بھی کہہ دیتے ہیں "اوی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ٹھکانہ پکڑنا۔

تجلیح حدیث اول: اخرجہ البخاری: ۱۶۷۵، و مسلم مختصراً ۳۱۱۵ (۱۲۸۸)

تجلیح حدیث ثانی و ثالث: اخرجہما البخاری: ۱۶۷۴، و مسلم: ۳۱۰۸ (۱۲۸۷) و ابوداؤد: ۱۹۲۶، والنسائی:

۳۰۲۹، وابن ماجہ: ۳۰۲۰۔

مفہوم: ہر مسلمان پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر ایک کا وقت بھی متعین کیا گیا ہے نیز یہ اصول بھی وضع کیا گیا ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت مقررہ میں ہی ادا کرنا ضروری ہے اس سے پہلے ادا کرنے کی صورت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور بعد میں ادا کرنے پر اسے قضاء شمار کیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس اصول کو اللہ ہی کی طرف سے اپنے بندوں پر لاگو کیا گیا ہے تو درحقیقت اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم وقت کے پابند نہیں بلکہ حکم خداوندی کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر پروردگار عالم ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات کو عبادت کے لیے متعین کرتا تو ہم پر اس حکم الہی کی تعمیل میں ان اوقات کا خیال رکھنا ضرور ہوتا۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مسلمان اصل میں حکم الہی کی تابعداری کرتے ہیں تو یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیم اور مزدلفہ میں یا اس کے راستے میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مذکورہ اصول کے خلاف ہونے کے باوجود صحیح ہے اگرچہ اصول تو یہی ہے کہ ایام حج میں بھی ہر نماز کو اس کے وقت مقررہ پر پڑھا جائے لیکن اس اصول کو وضع کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں اس اصول کو پورا نہیں کرنا، تاکہ پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمان حکم الہی کا تابع ہوتا ہے خواہ اس کی حکمت تک اس کی عقل کی رسائی ہو یا نہ ہو۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمِي الْجِمَارِ

(۲۴۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ، عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ عَجَّلَ ضَعْفَةَ أَهْلِيهِ وَقَالَ

لَهُمْ: لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعُقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

جمرات پر کنکری پھینکنا

ترجمتاً: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ میں سے کمزور افراد (خواتین اور بچوں) کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جلدی روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی نہ کرنا۔
(۲۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ضَعْفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعُقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

ترجمتاً: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "لا ترموا" باب ضرب سے فعل نہیں معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پھینکنا، مراد رمی کرنا ہے

تحریح حدیثین: اخرجہما ابوداؤد: ۱۹۴۰، والنسائی: ۳۰۶۷، والترمذی: ۸۹۳، وابن ماجہ: ۳۰۲۵، واحمد: ۲۲۰/۱۔

مَقْلُوبَةٌ: مزدلفہ کا میدان بڑا ہی بھاگوان ہے، حجاج کرام یہاں نوزی الحجہ کا دن گزارنے کے بعد تلبیہ اور تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتے ہوئے رات کا قیام کرتے ہیں، یہاں اللہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو خصوصیت کے ساتھ قبول فرماتا ہے، یہاں کی رات بہت قیمتی اور یہاں کا وقوف بہت مبارک ہوتا ہے۔

حجاج کرام منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ کا چکر لگانے کے بعد ذی الحجہ کو دوبارہ منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں وہاں پہنچ کر انہیں سب سے پہلے اپنے ازلی دشمن سے انتقام لینا ہوتا ہے، پھر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے، پھر اپنے بالوں کی قربانی دینا ہوتی ہے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر طواف زیارت کے لیے جانا ہوتا ہے، ان تمام چکروں میں بعض اوقات خواتین اور بچوں کو چکر آجاتے ہیں اس لیے شریعت نے ان سے وقوف مزدلفہ کو ساقط کر کے اس بات کی اجازت دے دی کہ رش اور تنگی سے بچنے کے لیے اگر وہ رات ہی کو مزدلفہ سے منیٰ جانا چاہیں تو انہیں اس بات کی اجازت ہے، لیکن اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اگلے دن کے افعال سر انجام دینا شروع کر دیں۔

شریعت کی طرف سے دی گئی یہ آسانی اس صورت میں ہے، جبکہ خواتین اور بچوں کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو جو ان کی حفاظت بھی کر سکے اور کسی ناگہانی واقعے کی صورت میں معاملات کو سنبھال بھی سکے، اور یہ آسانی آج بھی موجود ہے، یہ الگ بات ہے کہ دور حاضر میں حجاج کرام کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے رش بھی بڑھ گیا ہے اور صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے حاجی ساری رات سفر کرنے کے بعد بمشکل صبح صادق سے پہلے وہاں پہنچ پاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز فجر پڑھ کر ہی وہاں سے دوبارہ روانہ ہوا جاسکتا ہے، جب نماز فجر پڑھ لی تو وقوف

کرنے میں کیا رکاوٹ ہے اس لیے وقوف کر کے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

(۲۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَبَّى حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعُقَبَةِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرَدَفَ الْفُضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ غُلَامًا حَسَنًا فَجَعَلَ يُلَا حِظَّ النِّسَاءِ وَالنَّبِيِّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَهُ فَلَبَّى حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعُقَبَةِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفُضْلِ أَخِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعُقَبَةِ۔
ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جمرہ عقبہ کی رمی کرنے تک تلبیہ پڑھتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا، وہ ایک خوبصورت لڑکے تھے انہوں نے عورتوں کو دیکھنا شروع کر دیا اور نبی ﷺ ان کا چہرہ عورتوں کی طرف سے پھیرتے رہے اور جمرہ عقبہ کی رمی تک آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا۔

حَدِيثُ عِبَّاسٍ: "لَبَّى" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلبیہ پڑھنا "اردف" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیچھے آنا۔ "یلاحظ" باب مفاعله سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کن اکیوں سے دیکھنا۔

تَجَنُّجٌ حَدِيثٌ: اخرجہ البخاری: ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، وابوداؤد: ۱۸۱۵، والترمذی: ۹۱۸، والنسائی: ۳۰۸۳، وابن ماجہ: ۳۰۳۹۔

مَقْلُوبٌ: زیر بحث حدیث میں دو مضمون قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حجاج کرام نے میقات آنے سے پہلے تلبیہ اور نیت کے ذریعے اپنے اوپر احرام کی جن پابندیوں کو لازم کیا تھا، وہ پابندیاں ارکان حج کی ادائیگی تک برقرار رہیں گی اور وہ تلبیہ جس سے انہوں نے احرام کا آغاز کیا تھا، اس کا ورد انہیں کثرت اور تسلسل کے ساتھ اس وقت تک کرتے رہنا ہوگا جب تک وہ جمرہ عقبہ کی رمی کے لیے دس ذی الحجہ کو جمرات کے پاس پہنچ نہیں جاتے اور کنکری مارنے کی تیاری نہیں کر لیتے، اس لیے جوں ہی حجاج کرام رمی کرنے لگیں اس وقت تلبیہ موقوف کر دیں۔

۲۔ حضرت فضل بن عباس "جن کا واقعہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے" حضرت ابن عباس کے حقیقی بھائی تھے، اس لیے انہوں نے واقعہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے ان کا نام لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی، جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے کہ حضرت فضل نے خواتین کو دیکھنا شروع کر دیا، اس سے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اولاً تو یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا، ثانیاً: "خواتین" کا لفظ قابل غور ہے کیونکہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے قبیلہ نضیم کی ایک عورت نبی ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تھی، یہ اس وقت نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے، اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا، ثالثاً: یہ کہ بشری

تقاضے کے مطابق انسان اپنی جنس مخالف میں اپنے لیے کشش کے جذبات پاتا ہے اس لیے اسے دیکھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس بشری تقاضے کے تحت یہ واقعہ ہوا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آج بھی کوئی شخص اس واقعہ کو دلیل بنا کر خود بھی اس طرح کرنا شروع کر دے کیونکہ نبی ﷺ نے اس فعل پر نکیر فرمائی اور اپنے ہاتھ سے ان کا چہرہ دوسری جانب موڑ دیا تا آنکہ انہوں نے اس سے توبہ کر لی۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّكُوبِ عَلَى الْبَدَنِ لِلْمُحْرِمِ

(۲۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ أَنَسِ بْنِ النَّبِيِّ رضی اللہ عنہ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا۔

محرم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونا

تَرْجَمَةً: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اونٹ کو ہانکتا چلا جا رہا تھا اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”رجلا“ موصوف واقع ہو رہا ہے اور ”يسوق بدنته“ اس کی صفت ہے ”يسوق“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیچھے سے ہانکتا ”ارکبها“ باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سوار ہونا۔

تَحْتِجِجُ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری: ۱۶۸۹، ومسلم: ۳۲۰۸ (۱۳۲۲) وابوداؤد: ۱۷۶۰، والترمذی: ۹۱۱، والنسائی: ۲۸۰۱ وابن ماجہ: ۳۱۰۳۔

مَقْهُوْمٌ: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی گئی کہ ابتداءً حجاج کرام قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے یہ واقعہ بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان جانوروں کا لوگوں کی نظروں میں اس مناسبت سے بڑا احترام ہوتا تھا کہ یہ اللہ کے نام پر قربان ہونے کے لیے جا رہے ہیں اس لیے اگر کسی ڈاکو کو پتہ چل جاتا کہ یہ جانور حرم شریف قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے تو وہ بھی اسے چھوڑ دیا کرتا تھا، خود حجاج کرام اس پر سوار نہیں ہوتے تھے خواہ انہیں پیدل ہی کیوں نہ چلنا پڑے اور خواہ انہیں کتنی ہی مشقت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

اس تناظر کو مد نظر رکھ کر اگر اس واقعے کو پڑھا جائے تو بات سمجھنا آسان ہو جائے گا، تاہم اس بات کی وضاحت ضروری ہوگی کہ پھر نبی ﷺ نے زیر بحث واقعے میں اس حاجی کو اصرار کر کے قربانی کے جانور پر کیوں سوار کرایا؟ جبکہ واقعہ وہ جانور قربانی کا تھا اور اس شخص نے اپنے سوار نہ ہونے کا عذر بھی یہی بیان کیا تھا؟ سو جب ہم اس موضوع کی دوسری روایات کو ملاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص پیدل چل چلا کرتا تھا چکا تھا کہ اس سے دو قدم چلنا بھی دو بھر ہو رہا تھا اور وہ خاصی مشقت میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا، چونکہ یہ ایک مجبوری اور اضطراری کیفیت تھی اس لیے نبی

نے اسے سواری پر بیٹھنے کا حکم دیا، عام حالات میں یہ حکم لاگو نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ هَلْ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَجْمَعَ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فِي سَفَرٍ وَاحِدٍ؟

(۲۵۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الصُّبَيْ بِنِ مَعْبَدٍ قَالَ أَقْبَلْتُ مِنَ الْجَزِيرَةِ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ ابْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَهُمَا شَيْخَانِ بِالْعُدْيَةِ قَالَ فَسَمِعَانِي أَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ فَقَالَ أَحَدُهُمَا هَذَا الشَّخْصُ أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِهِ وَقَالَ الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَمَضَيْتُ۔

حَتَّى إِذَا قَضَيْتُ نُسُكِي مَرَرْتُ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ فَأَخْبَرْتَهُ كُنْتُ رَجُلًا بَعِيدَ الشَّقَّةِ قَاصِي الدَّارِ أَدِنَ اللَّهُ لِي فِي هَذَا الْوَجْهِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَجْمَعَ عُمْرَةً إِلَى حَجَّةٍ فَأَهْلَلْتُ بِهِمَا جَمِيعًا وَلَمْ أَنْسَ فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوحَانَ فَسَمِعَانِي أَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا فَقَالَ أَحَدُهُمَا هَذَا أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِهِ وَقَالَ الْآخَرُ هَذَا أَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَصَنَعْتُ مَا ذَا قَالَ مَضَيْتُ فَطُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِي وَسَعَيْتُ سَعْيًا لِعُمْرَتِي ثُمَّ عُدْتُ فَفَعَلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ بَقَيْتُ حَرَامًا أَصْنَعُ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتَّى قَضَيْتُ إِجْرَ نُسُكِي قَالَ هَدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الصُّبَيْ بِنِ مَعْبَدٍ قَالَ كُنْتُ حَدِيثَ عَهْدٍ بِنَصْرَانِيَّةٍ فَقَدِمْتُ الْكُوفَةَ أُرِيدُ الْحَجَّ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَهْلَلْتُ سَلْمَانَ وَزَيْدَ بْنَ صُوحَانَ بِالْحَجِّ وَحَدَهُ وَأَهْلَ الصُّبَيْ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَقَالَا وَيَحْكُ تَمَتَّعْتَ وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُتَمَتُّعِ قَالَا لَهُ وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِكَ قَالَ نَقَدِمُ عَلَى عُمَرَ وَتَقْدِمُونَ فَلَمَّا قَدِمَ الصُّبِيُّ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِهِ ثُمَّ أَقَامَ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْهُ حَتَّى أَتَى عَرَفَاتٍ وَفَرَّغَ مِنْ حَجَّتِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ حَلَّ فَأَهْرَقَ دَمًا لِمُتَمَتِّعِهِ فَلَمَّا صَدَرُوا مِنْ حَجَّتِهِمْ مَرُّوا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ زَيْدُ بْنُ صُوحَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُتَمَتُّعِ وَأَنَّ الصُّبِيَّ بِنِ مَعْبَدٍ قَدْ تَمَتَّعَ قَالَ صَنَعْتَ مَا ذَا يَا صُبِيُّ قَالَ أَهْلَلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَطُفْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِي ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَلَمْ أَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِي ثُمَّ أَقَمْتُ حَرَامًا يَوْمَ النَّحْرِ فَأَهْرَقْتُ دَمًا لِمُتَمَتِّعِي ثُمَّ أَحَلَلْتُ قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلَى ظَهْرِهِ

وَقَالَ هُدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الصُّبَيْيِّ قَالَ خَرَجَ هُوَ وَسَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ وَزَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ يُرِيدُونَ الْحَجَّ قَالَ
فَأَمَّا الصُّبَيْيُّ فَقَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ جَمِيعًا وَأَمَّا سَلْمَانُ وَزَيْدٌ فَأَفْرَدَا الْحَجَّ ثُمَّ أَقْبَلَا عَلَى الصُّبَيْيِّ
يَلُومَانِهِ فِيمَا صَنَعَ ثُمَّ قَالَا لَهُ أَنْتَ أَضَلُّ مِنْ بَعِيرِكَ تَقْرُنُ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَقَدْ نَهَى أَمِيرُ
الْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ قَالَ تَقْدِمُونَ عَلَيَّ عُمْرًا وَأَقْدِمُ قَالَ فَمَضُوا حَتَّى دَخَلُوا مَكَّةَ فَطَافَ
بِالْبَيْتِ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى بَيْنَ الصِّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهِ ثُمَّ عَادَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ لِحَجَّتِهِ ثُمَّ سَعَى بَيْنَ
الصِّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَقَامَ حَرَامًا كَمَا هُوَ لَمْ يَجَلَّ لَهُ شَيْءٌ حُرِّمَ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ
مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةً فَلَمَّا قَضَوْا نُسُكَهُمْ مَرُّوا بِالْمَدِينَةِ فَدَخَلُوا عَلَيَّ عُمْرًا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ
وَزَيْدُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الصُّبَيْيَّ قَرَنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةَ قَالَ صَنَعْتَ مَاذَا قَالَ لَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ
طُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِي ثُمَّ سَعَيْتُ بَيْنَ الصِّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِي ثُمَّ عُدْتُ فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ لِحَجَّتِي ثُمَّ
سَعَيْتُ بَيْنَ الصِّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِي قَالَ ثُمَّ صَنَعْتَ مَاذَا قَالَ أَقَمْتُ حَرَامًا لَمْ يَجَلَّ لِي شَيْءٌ
حُرِّمَ عَلَيَّ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحْتُ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةً قَالَ فَضَرَبَ عُمْرًا عَلَيَّ
كَتِفِهِ ثُمَّ قَالَ هُدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ ﷺ۔

ترجمہ: صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے حج کرنے کے لیے روانہ ہوا، میرا گزر سلیمان بن ربیعہ اور زید بن
صوحان کے پاس سے ہوا، یہ دونوں عذیبہ کے شیوخ میں شمار ہوتے تھے، جب ان دونوں نے یہ سنا کہ میں حج و عمرہ (کی
نیت کر کے) دونوں کا تلبیہ اکٹھے پڑھے ہوئے ہوں تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ
ہے اور دوسرے نے بھی طبع آزمائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

میں وہاں سے چل پڑا یہاں تک کہ جب میں حج سے فارغ ہوا تو امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس سے میرا
گزر ہوا، میں نے ان سے اپنے واقعہ کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں دو دراز کے علاقے اور دور کی جگہ سے
تعلق رکھتا ہوں، اللہ نے مجھے حج کی سعادت بخشی تو میں نے چاہا کہ حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کر لوں چنانچہ میں نے دونوں
کی طرف سے احرام باندھ لیا، اور میں نے یہ کام بھول کر نہیں کیا، راستے میں میرا گزر سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان
کے پاس سے ہوا، جب انہوں نے یہ سنا کہ میں حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ اکٹھا کیے ہوئے ہوں تو ان میں سے ایک نے یہ کہا
کہ یہ تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

امیر المؤمنین نے پوچھا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ عرض کیا کہ میں وہاں سے چل کر یہاں آیا، عمرہ کا طواف اور سعی کی پھر

دوبارہ ایسا ہی کیا اور احرام کی حالت ہی میں رہا اور وہی کچھ کرتا رہا جو ایک حاجی کرتا ہے یہاں تک کہ میں نے حج کا آخری رکن ادا کر لیا، فرمایا تمہیں اپنے نبی ﷺ کی سنت کی رہنمائی نصیب ہوگئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صبی بن معبد کہتے ہیں میں نے عیسائیت کو ابھی تازہ تازہ خیر باد کہا تھا، سیدنا فاروق اعظم کے دور خلافت میں حج کے ارادے سے میں کوفہ آیا (راستہ میں کوفہ بھی پڑا) وہاں سے سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج کا احرام باندھا اور میں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا، وہ دونوں کہنے لگے افسوس! تم حج تمتع کر رہے ہو جبکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے؟ بخدا! تم تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہو، میں نے کہا کہ ہم سیدنا فاروق اعظم کی خدمت میں پہنچیں گے اور آپ بھی (وہاں فیصلہ کروالیں گے)

جب صبی مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا اور مروہ کے درمیان عمرہ کی سعی کی، پھر حالت احرام میں واپس لوٹ آئے اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا، پھر حج کی نیت سے طواف اور سعی کی اور محرم ہونے کی حالت ہی میں اقامت گزین ہو گئے، حلال نہیں ہوئے، یہاں تک کہ عرفات آئے اور حج سے فارغ ہو گئے، چنانچہ جب دس ذی الحجہ کو انہوں نے حلال ہونے کا ارادہ کیا تو دم تمتع کی نیت سے قربانی کی (اور احرام کی حالت سے نکل آئے)

جب یہ لوگ حج سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق کے پاس پہنچے، زید بن صوحان نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے تمتع سے منع فرما رکھا تھا اور صبی بن معبد نے حج تمتع کیا ہے؟ انہوں نے صبی سے پوچھا کہ تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ صبی نے کہا کہ امیر المومنین! میں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا، جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو عمرہ کا طواف اور سعی کی، پھر حالت احرام میں واپس آیا اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا اور دوبارہ حج کے لیے طواف اور سعی کی، پھر دس ذی الحجہ تک احرام کی حالت میں رہا اور دم تمتع دے کر حلال ہو گیا، حضرت عمر فاروق نے یہ سن کر ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تمہیں نبی ﷺ کی سنت پر رہنمائی نصیب ہوگئی۔

حَلَّيْنَا عِبَادَتَنَا: "اقلت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سامنے آنا "اضل" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو "من" کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے بمعنی گمراہ۔ "القاصی" بمعنی بعید دور، "اذن" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اجازت دینا "لمن انس" باب سمع سے نفی حجب بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھولنا "فطفت" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی طواف کرنا "هدیت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ہدایت دینا۔

تجلیح حبانیش: اخرجہ ابو داؤد مختصراً: ۱۷۹۹، والنسائی: ۲۷۲۰، وابن ماجہ: ۲۹۷۰۔

مَقْلُوبٌ: اس واقعے سے نہ صرف یہ کہ حج قرآن کا ثبوت ملتا ہے بلکہ حضرت عمر فاروق کی تائید اور سنت نبوی کے عین مطابق ہونے کی سند بھی ملتی ہے، نیز اس سے حج قرآن کے طریقہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ حج

اور عمرہ کو اکٹھا کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے، سیدنا فاروق اعظمؓ کے ارشاد سے ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی ہو گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ اعْتَمَرَ فِي رَمَضَانَ

(۲۵۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔

رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

تَرْجُمَتًا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک میں ایک عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے۔

حل عبارت: "تعديل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا، لفظ عدل اسی سے مصدر ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اخرجہ البخاری: ۱۸۶۳، ومسلم: ۳۰۳۸ (۱۲۵۶) ابوداؤد: ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، والترمذی: ۹۳۹، وابن ماجہ: ۲۹۹۱۔

مَقْبُولٌ: ماہ مقدس رمضان المبارک میں حرم شریف حاضری کا شوق بہت سے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے اور الحمد للہ! چند سالوں میں اس کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور رمضان المبارک میں حرم شریف بالکل اسی طرح کھچا کھچ بھرا ہوتا ہے جیسے ایام حج میں۔

زیر تشریح حدیث پڑھ کر اس کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟ بلکہ اگر اس کے ساتھ اس موضوع کی دوسری روایات کو بھی ملا لیا جائے تو آتش شوق تیز تر گرد چنانچہ بعض روایات میں نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ ماہ مقدس رمضان میں عمرہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے "میرے ساتھ حج" کرنے کی سعادت حاصل کی ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی عظیم فضیلت ہے جسے حاصل کرنے کا اور اس کی رحمتوں و برکتوں سے اپنے دامن کو مالا مال کرنے کا اشتیاق ہر شخص کو ہے اس لیے حج کے بعد بلکہ بعض حضرات کے مطابق حج سے بھی زیادہ بڑا اجتماع رمضان المبارک کی پر کیف ساعتوں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ماہ مقدس رمضان میں اپنے در اور اپنے حبیب ﷺ کے گھر کی زیارت سے شاد کام فرمائے۔

آمین

(۲۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى بَعِيرٍ أَوْرَقٍ إِلَى سَوَادٍ وَهُوَ النَّاقَةُ الْقُصْوَى مُتَقَلِّدًا بِقَوْسٍ مُتَعَمِّمًا۔

ترجمتاً: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن قصویٰ اونٹنی پر ”جس کا رنگ سفیدی سے سیاہی کی طرف مائل تھا“ کمان لٹکائے ہوئے اور اونٹ کی پشم کا بنا ہوا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے سوار تھے۔

حَلَّيْنِ عِبَارَتٌ: ”اورق“ اونٹ پر جب اس لفظ کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مراد سفید رنگ ہوتا ہے جو سیاہی کی طرف مائل ہو ”مقلدا“ باب تفعّل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی لٹکانا ”متعمما“ مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمامہ باندھنا۔

مَقْبُورٌ: بظاہر کتاب الحج کے ساتھ اس حدیث کی کوئی مناسبت نظر نہیں آتی کیونکہ فتح مکہ کا واقعہ ایام حج میں پیش نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس میں ارکان حج میں سے کسی رکن کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے کسی کے ذہن میں اس کی مناسبت کے حوالے سے خلجان پیدا ہو سکتا ہے سو اس کا حل یہ ہے کہ ہر حدیث کا ترجمہ الباب سے صریح ربط ضروری نہیں ہوتا بلکہ معمولی اور ادنیٰ مناسبت بھی کافی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی ایک دو نہیں، سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گزشتہ حدیث میں ماہ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے دوسرے لفظوں میں ماہ رمضان کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے اور زیر توضیح حدیث میں بھی رمضان ہی کا ایک دوسرا عمل ذکر کیا گیا ہے اس مناسبت کی وجہ سے اس کا کتاب الحج میں ذکر کرنا صحیح ہوا۔

نیز اس حدیث کو پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ حرم شریف میں قوس و کمان لٹکا کر کالا عمامہ باندھے ہوئے داخل ہوئے اور بعض مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچانے کا حکم دیا، اسی طرح آج بھی حرم شریف میں قتال جائز ہے؟

کیونکہ اس بات کی وضاحت خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمادی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو ”حرم“ بنایا ہے اس لیے اس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و قتال جائز نہیں ہے مجھے بھی صرف چند گھنٹوں کے لیے اس کی اجازت ملی تھی اور اب قیامت تک کے لیے یہاں قتل و قتال کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور نہ صرف قتال کو بلکہ یہاں کے درختوں اور گھاس تک کو کاٹنے کی ممانعت کی جاتی ہے اس وضاحت کی موجودگی میں مذکورہ خیال کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ إِلَى الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنا

تَرْجَمَتًا: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبہ مبارک کی طرف کر لو اور پھر یہ کہو ”السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ **حَلِّی عِبَارَتًا**: ”قبل“ بمعنی جانب، طرف ”تستقبل“ باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی استقبال کرنا، سامنے آنا۔

تَجْرِیجٌ حَدِیثٌ: اخرجہ محمد فی المؤطا و عبدالرزاق فی المصنف

مَفْهُومًا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ دعاء مانگی تھی کہ پروردگار! میری قبر پر میلے نہ لگوائیے گا اور میری قبر کو عرس گاہ نہ بنائیے گا، اس دعاء کی قبولیت ہی ہے کہ دنیا جہان کے بزرگوں کے مزارات پر طرح طرح کے چڑھاوے اور بھانت بھانت کے نذرانے نچھاور کیے جاتے ہیں، حلوے اور حلیم کے دور چلتے ہیں، چرس اور بھنگ کے سوٹے لگتے ہیں اور شرعی کاموں کو چھوڑ کر تمام غیر شرعی کام کیے جاتے ہیں لیکن اس مزار مبارک پر کوئی غیر شرعی حرکت نہیں ہوتی، یہاں کوئی نذرانہ اور چڑھاوا نہیں چڑھانا پڑتا، یہاں کوئی پھولوں کی چادر نہیں چڑھائی جاتی، یہاں کسی حلوے مانڈے کی دکان نہیں چلتی، یہاں کسی مجاور پر نظر نہیں پڑتی۔

بلکہ یہاں تو صرف ایک ہی کام ہے اور وہ ہے عقیدت و محبت کے آنسو نچھاور کرنا، والہانہ وارنگی سے درود و سلام کا نذرانہ گزارنا، ادب و احترام کے ساتھ پلکوں کو جھکانا، اپنی آواز کو پست رکھنا اور ادب اور عشق کا حسین امتزاج پیش کرنا، لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ جب میں حرم مدنی میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے مسجد نبوی سے زیادہ وہاں کے بازار آباد دکھائی دیتے ہیں، جی بھر کر صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کرنے کا عزم ظاہر کرنے والے دکانوں کے دھکے کھاتے نظر آتے ہیں اور جو مسجد میں دکھائی بھی دیتے ہیں تو اس شان کے ساتھ کہ روضہ مبارک پر کھڑے ہو کر درود و سلام بھی پیش کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے موبائل فون پر بجنے والی کلاسیکل موسیقی والی ٹون سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت بھی پہنچا رہے ہیں۔

اس کیفیت کو دیکھ کر بعض اوقات میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور کئی لوگوں کو سمجھایا کہ اگر موبائل جیب میں رکھنا ہی ضروری ہے تو کم از کم حرم شریف کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس کا گلا ہی گھونٹ دیا کریں تاکہ اس کی آواز تو نہ نکل سکے، ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اس درخواست کو نکال کر ہوا میں اڑا دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یہ مقام ادب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس موقع پر صاحب روضہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کر سکا، خواہ وہ کتنا ہی مؤدب بننا پھرے، اسے مؤدب قرار دینا لفظ ادب کی توہین ہوگی۔

کتاب النکاح

نکاح کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

(۲۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ يَعْنِي النِّكَاحَ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَسْتَهْدِيهِ مَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلُّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ الْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۔ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

نکاح کا خطبہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح کی تعلیم بھی دی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مرنا، اور اس اللہ سے ڈرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دے کر سوال کرتے ہو اور رشتہ دار یوں کو توڑنے سے بچو، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور جو شخص اللہ رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ عظیم کامیابی حاصل کرتا ہے۔

حَکَايَةُ عِبَارَاتٍ: ”تساء لون“ باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ایک دوسرے سے سوال کرنا ”الارحام“ ترکیب میں یہ مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت یہ ہے ”واتقوا

الارحام ان تقطعوه، ”یصلح“ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

تجلیح حدیث: أخرجه ابو داؤد: ۲۱۱۸، والترمذی: ۱۱۰۵، والنسائی: ۳۲۷۹، وابن ماجه: ۱۸۹۲۔

مفہوم: عبادات کی ایک قسم سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے عبادات کی دوسری قسم کو شروع کیا جا رہا ہے اور اس کی مناسبت صاف ظاہر ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات انسان ادا کرتا ہے اور انسان اپنی نسل کی بقاء میں نکاح کا محتاج ہے، اگر نسل انسانی کی بقاء ہی معرض خطر میں پڑ جائے تو نماز، روزہ کی ادائیگی بھی قصہ پارینہ بن جائے، یہی وجہ ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہی خطبہ نکاح کو خطبہ حاجت قرار دیا گیا ہے۔

البتہ نکاح کی نوعیت دوسری عبادات سے ذرا مختلف ہے کیونکہ نماز، روزہ تو ہر انسان انفرادی طور پر خود ہی کرتا ہے، ہر انسان کا رکوع اکیلا ہی مکمل شمار ہوتا ہے، ہر انسان کا سجدہ کسی دوسرے کے سجدے سے متصل ہوئے بغیر مکمل تصور کیا جاتا ہے اور ہر انسان اپنی زکوٰۃ خود ادا کر سکتا ہے ایسا نہیں ہے کہ جب تک کوئی دوسرا شخص اس عبادت میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو، اس کا تحقق اور وقوع ہی نہ ہوگا جبکہ نکاح کے لیے دو افراد کا ہونا ضروری ہے، جب تک مرد اور عورت مل کر اس عبادت کو سرانجام نہ دیں، یہ ادا نہیں ہو سکتی، اکیلا مرد نکاح نہیں کر سکتا اور اکیلی عورت کے لیے نکاح کرنا ناممکن ہے۔

پھر اگر ذرا اس حقیقت پر بھی نظر ڈالی جائے تو بات مزید واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے جسم میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے اسباب رکھے ہیں اور جسمانی خواہشات کی تکمیل کو ہر انسان کا فطری اور جسمانی حق قرار دیا ہے اور اسے اس حق کی ادائیگی کا پابند بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور امت کے بہترین لوگ اس فطری نظام پر کار بند نظر آتے ہیں اور کوئی بھی اس نظام سے ہٹنے یا اس کے خلاف کوئی دوسرا نظام پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

اس لیے کہ جن معاشروں میں اس کا متبادل نظام لانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں کے شناختی کارڈ سے باپ کا نام درج ہونے والا خانہ ہی غائب ہو گیا، وہاں سے چچا، تایا، دادا، دادی، بھائی، بہن سب رشتے ناپید ہو گئے، وہاں انسانیت حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکی ہے، زندگی معاشرتی طوفانوں کے تھیٹروں میں ہچکولے کھا رہی ہے لیکن کوئی ناخدا آگے بڑھ کر اسے نظام فطرت کے قریب لانے کی کوشش نہیں کرتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں آج کوئی شخص بھی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر اپنے آپ کو کسی کا بیٹا اور کسی کو اپنا باپ ثابت نہیں کر سکتا، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس خطبہ نکاح میں ”جو سرا سر خوشی کے موقع پر دیا جاتا ہے“ تین دفعہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ انسان ہر آن اللہ کی طرف متوجہ رہے اور غیر متمدن معاشروں کی گندی تہذیب پر لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی بجائے اس نظام فطرت پر اللہ کا شکر گزار رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالنِّكَاحِ

(۲۵۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَزَوَّجُوا فَإِنِّي مُكَاتِرٌ بِكُمْ الْأُمَّمَ۔

نکاح کا حکم

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شادی کیا کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر اپنی کثرت کے معاملے میں فخر کر سکوں گا۔
فائدہ: کس قسم کی عورتوں سے شادی کرو اس سوال کا جواب اگلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلَى نِكَاحِ الْأَبْكَارِ

(۲۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِنْكُحُوا الْجَوَارِيَ الشَّوَابَّ فَإِنَّهُنَّ تُنْتِجُ أَرْحَامًا وَأَطْيَبُ أَفْوَاهًا وَأَعَزُّ أَخْلَاقًا۔

کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ ان کا رحم مرد کے آب حیات کو زیادہ قبول کرتا ہے اور وہ خوشبودار منہ اور عمدہ اخلاق رکھتی ہیں۔
حَدِيثُ غِبَارَاتٍ: "تزوجوا" باب تفعّل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی نکاح کرنا "مکاتر" باب مفاعله سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کثرت میں مقابلہ کرنا "انکحوا" باب ضرب سے فعل امر معروف کا صیغہ مذکر حاضر ہے بمعنی نکاح کرنا "الجواری" جاریہ کی جمع ہے بمعنی لڑکی "الشوَاب" شایبہ کی جمع ہے بمعنی نوجوان "انتج" نتیجہ سے ہے مراد اولاد ہے کیونکہ وہ بھی زوجین کے ملاپ کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ أَوَّلٍ: اخرجہ ابوداؤد: ۲۰۵۰ والنسائی: ۳۲۲۹ وابن ماجہ: ۱۸۶۳ واحمد: ۱۵۸/۳۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ ابن ماجہ: ۱۸۶۱۔

مَقْبُولٌ: اس حقیقت کو یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ نکاح کا مقصد محض شہوت رانی اور ہر وقت کی عیاشی نہیں ہے بلکہ اپنی جسمانی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نکاح کے اور بھی بہت سے عظیم مقاصد ہیں مثلاً معاشرے سے گندگی اور غلاظت کی بقاء کو دور کر کے پاکیزگی اور بھلائی کی بنیاد پر ایک صالح معاشرے کا قیام تو والد و تاسل کے ذریعے امت مسلمہ کو نیک و صالح افراد "جو ملک و ملت کی خدمت سرانجام دے کر اپنے والدین کا نام روشن کر سکیں" مہیا کرنا خاندانوں اور

قبیلوں میں باہمی محبت و مودت کے تعلقات کا فروغ اور امت مسلمہ کی طاغوتی طاقتوں اور قوموں کے مقابلے میں عددی برتری وغیرہ۔

غور کر کے دیکھا جائے تو یہ مقاصد معمولی نہیں، اور ان غیر معمولی مقاصد کے حصول کے لیے جو نظام شریعت مطہرہ کی طرف سے دیا گیا ہے، وہ بھی معمولی نہیں بلکہ اس میں بھی انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف دیندار عورت کے انتخاب کی ترغیب دی گئی ہے تو دوسری طرف نوجوان نسل کے جذبات کو بالکل مجروح کر کے مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ بخاری شریف کی ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت جابرؓ جو ایک نوجوان صحابی تھے، ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، واپسی پر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ سے جلدی جانے کی اجازت مانگی، نبی ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس لیے بیوی کو خوش کرنا چاہتا ہوں، پوچھا کنواری سے شادی کی یا شوہر دیدہ سے؟ عرض کیا شوہر دیدہ سے، فرمایا:

فہلا بکرا؟ تلاعبھا وتلاعبک

”باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔“

آپ یہ نہ سمجھئے! کہ مطلقہ یا بیوہ سے شادی کرنا گناہ ہے، بلکہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جوانی کے جذبات کو شریعت نے بالکل مرجھائے ہوئے پھول کی طرح مسل کر پھینکنے کی بجائے ان کی قدر کی ہے اور یوں بھی جب ”کفو“ کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں اس چیز کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے، اسی لیے ایک پیر فرقت اور قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بڑھے کو کسی نوجوان لڑکی کی زندگی برباد کر دینے کی اجازت نہیں دی جاتی، تاکہ ”ملاعبت“ کا وہ حقیقی لطف جو مرد و عورت ایک دوسرے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں برقرار رہ سکے۔

بَابُ لَا يَتَزَوَّجَنَّ أَحَدٌ خَمْسًا

(۲۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي شَيْخٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ هَلْ تَزَوَّجَتْ قَالَ لَا قَالَ تَزَوَّجُ تَسْتَعِفُّ مَعَ عِفَّتِكَ وَلَا تَزَوَّجَنَّ خَمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا تَزَوَّجَنَّ شَهْبَرَةَ وَلَا نَهْبَرَةَ وَلَا لَهْبَرَةَ وَلَا هَبْدَرَةَ وَلَا لَفُوتًا قَالَ زَيْدُ يَارَسُولَ اللَّهِ لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا قُلْتَ قَالَ بَلَى أَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّرْقَاءُ الْبَدِينَةُ وَأَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوِيلَةُ الْمَهْزُولَةُ وَأَمَّا اللَّهْبَرَةُ فَالْعَجُوزُ الْمُدْبِرَةُ وَأَمَّا الْهَدْبَرَةُ فَالْقَصِيرَةُ الدَّمِيمَةُ وَأَمَّا اللَّفُوتُ فَذَائِلُ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ ضَبِحَكَ أَبُو حَنِيفَةَ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ طَوِيلًا۔

کوئی شخص پانچ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرے

تَرْجَمْنَا: ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک شیخ نے بتایا کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے شادی کر لی؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! فرمایا شادی کر لو تا کہ تمہاری عفت و عصمت محفوظ ہو جائے، لیکن پانچ قسم کی عورتوں سے شادی نہ کرنا، عرض کیا کہ وہ کون سی ہیں؟ فرمایا کہ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو شہرہ ہو، یا نمبرہ ہو، یا لہبرہ ہو، یا ہبدرہ ہو، یا لفوت ہو۔

حضرت زیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ان میں سے کسی کو نہیں جانتا، فرمایا اچھا، شہرہ تو اس عورت کو کہتے ہیں جو گر بہ چشم ہو اور بھاری جسم ہو، نمبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو لمبی اور لاغر ہو، لہبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو بڑھیا ہو اور پیٹھ پھیرنے والی ہو، ہبدرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو ٹنگنی اور بد شکل ہو اور لفوت اس عورت کو کہتے ہیں جو تم سے علاوہ کسی اور شخص کی اولاد رکھتی ہو، شیبانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کر کے امام صاحبؒ دیر تک مسکراتے رہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی بیوی کا انتخاب کرنے کا اصول واضح کرتی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَزَوَّجْ عَنِ الْحَسَنَاءِ الْعَاقِرِ

(۲۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ شَامِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْزَوْجُ فُلَانَةَ فَفَنَهَا عَنْهَا ثُمَّ آتَاهُ أَيْضًا فَفَنَهَا عَنْهَا ثُمَّ قَالَ سَوْدَاءُ وَلَوْ دُ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ حَسَنَاءِ عَاقِرٍ۔

خوبصورت مگر بانجھ عورت سے نکاح نہ کرنے کا بیان

تَرْجَمْنَا: ایک شامی صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، نبی ﷺ نے اسے منع کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ آیا، نبی ﷺ نے اسے پھر منع کر دیا، تیسری مرتبہ منع کرنے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک ایک بانجھ عورت سے خواہ وہ خوبصورت ہی ہو، شادی کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان ایسی عورت سے شادی کر لے جو اگرچہ رنگت میں کالی ہو لیکن اولاد کا ذریعہ بن سکے۔

خَلَّى عِبْرَاتِي: "تستعف" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عفت طلب کرنا "ولود" فاعل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثرت سے اولاد پیدا کرنے والی۔

تَجْنِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ الديلمی، والسيوطی، كما في الحاشية، والحارثي: ۴۸۵۔

تَجْنِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ الہندی: ۴۴۴۲۷، والہیثمی: ۲۵۸/۴، وابن ماجہ مثلہ: ۱۸۵۹۔

مَقْلُوبٌ: اس حدیث کی وضاحت سے قبل یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جن روایات میں کسی

خاص وصف کی عورت سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق تشریحی ممانعت سے نہیں ہے بلکہ پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک مشورہ ہے جو یقیناً فطرت کے عین مطابق اور انسانی مزاج کی رعایت سے بھرپور ہے اس لیے اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کر لے جس سے نکاح کی ممانعت آئی ہو تو وہ کسی حرام کام کا مرتکب نہ ہوگا البتہ اگر اسے ازدواجی زندگی میں خوشیاں نہ مل سکیں تو دوسری بات ہے۔

یہ تمہید ذکر کرنا اس لیے ضروری محسوس ہوئی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ کے کوئی خاتون بھی کنواری نہ تھیں سب ہی شوہر دیدہ تھیں پھر حضرت سودہ کا وجود بھاری بھی تھا اور لمبا بھی حضرت خدیجہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھیں اور وہ اور حضرت ام سلمہ دوسرے شوہر سے صاحب اولاد بھی تھیں۔

پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کسی عورت کا بانجھ ہونا جس کا ذکر دوسری حدیث میں بھی آیا ہے ایسی چیز نہیں ہے جسے آدمی کسی ذریعہ سے معلوم کر سکے خاص طور پر نکاح سے پہلے البتہ حدیث میں جس خاتون کا ذکر آیا ہے عین ممکن ہے کہ جو صاحب ان سے شادی کرنا چاہتے تھے ان کی تو یہ پہلی شادی ہوتی اور اس خاتون کی دوسری شادی ہوتی اور پہلی شادی میں اس کا بانجھ پن واضح ہو گیا ہو جیسا کہ اب بھی آلات جدیدہ سے معلوم کر لیا جاتا ہے لیکن اس کی تعیین کنوار پن میں نہیں کی جاسکتی اس لیے بھی ان احکام کا تعلق ازدواجی زندگی میں بہتری کے ساتھ تو ہے لیکن تشریحی احکام کی نوعیت سے نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُومِ الْمَرْأَةِ

(۲۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيدَةَ قَالَ تَذَاكَرَ السُّومُ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ السُّومُ فِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ فَسُومُ الدَّارِ أَنْ تَكُونَ ضَيْقَةً لَهَا جِيرَانُ سُوءٍ وَسُومُ الْفَرَسِ أَنْ تَكُونَ جَمُوحًا وَسُومُ الْمَرْأَةِ أَنْ تَكُونَ عَاقِرًا زَادَ الْحَسَنُ بْنُ سَفِيَانَ سَيْئَةَ الْخُلُقِ عَاقِرًا۔
وَفِي رِوَايَةٍ إِنْ يَكُنِ السُّومُ فِي شَيْءٍ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ فَأَمَّا الدَّارُ فَسُومُهَا ضَيْقُهَا وَأَمَّا الْمَرْأَةُ فَسُومُهَا سُوءُ خُلُقِهَا وَعَقْرُ رَحِمِهَا وَأَمَّا سُومُ الْفَرَسِ فَأَنْ تَكُونَ جَمُوحًا۔

عورت کا منحوس ہونا

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نحوست کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ نحوست کا تعلق گھر، گھوڑے اور عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر کی نحوست تو یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور پڑوسی اچھے نہ ہوں، گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو۔ ایک روایت میں ”بداخلاق“ کا لفظ بھی آیا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی۔

خَاتِنِ عِبَارَتٍ: "الشؤم" بمعنی نحوست "جموحا" بمعنی سرکش۔

تَجْنِیْحُ جَدَانِیْثَا: اخرجہ البخاری: ۲۸۵۸، و مسلم: ۵۸۰۷ (۲۲۲۵) و ابوداؤد: ۳۹۲۲، والنسائی: ۳۵۹۸، وابن ماجہ: ۱۹۹۴۔

مَقْلُوْبٌ: عام طور پر گاؤں دیہاتوں اور پنڈوں میں چھوت چھات اور توہمات کی اتنی زیادہ صورتیں مروج ہوتی ہیں کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں ہوتا، شہروں اور متمدن آبادیوں میں بسنے والے انسان بھی ان توہمات سے اپنا پیچھا اب تک نہیں چھڑا سکے، کسی یتیم بچے کے گھر میں آنے پر کوئی نقصان ہو جائے تو وہ منحوس، کسی لڑکی کے گھر میں بہو بن کر آنے پر سسرالی رشتہ داروں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ منحوس، ٹریفک حادثے کا شکار ہو جائے تو صبح سب سے پہلا دکھائی دینے والا شخص منحوس، کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو وہ پیشہ منحوس، بیٹی کو جنم دے کر ماں فوت ہو جائے تو وہ بیٹی منحوس، اولاد ہو جانے سے ضروریات زندگی میں تنگی پیدا ہو جائے تو وہ منحوس۔

غرضیکہ ہمارے بنائے ہوئے خاکوں کے مطابق "منحوسوں" کا ایک طوفان ہے جو کسی کے تھامے نہیں تھمتا اور ایک ایسا سیلاب ہے جسے دنیا کا کوئی بند روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہم اسلام کے سائبانِ رحمت تلے آجائیں تو یہاں ہمیں "نحوست" نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی، یہاں ہمیں صرف رحمت، ہمدردی، خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہی ملے گی جو ہماری زندگی کی تمام نحوستوں کو بھی دھو کر صاف کر دے گی۔

نحوست کا یہ تصور جو راقم السطور نے ذکر کیا، کم و بیش یہی تصور اہل عرب میں بھی موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ان فاسد اور بے بنیاد خیالات کی اصلاح کرنا تھی اس لیے فرما دیا کہ اسلام کے نظریہ حیات اور اصول زندگی کے مطابق تو کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے منحوس ہوتی ہی نہیں ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی تو وہ ان تین چیزوں میں ہوتی، لیکن جب ان تین چیزوں میں ہی نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں بھی نحوست ہو سکتی۔

۱۔ گھر میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ وہاں کوئی مر جائے، گھر خریدتے ہی کوئی حادثہ ہو جائے، گھر میں رہائش اختیار کرتے ہی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، ہاں! اگر تم کسی چیز کو گھر کے حوالے سے منحوس سمجھنا ضروری خیال کرتے ہو تو وہ ضروریات کے لیے ناکافی ہونا ہے، باقی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جانا سوا اس کا تعلق نحوست کے ساتھ نہیں ہے۔

۲۔ گھوڑے میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ سواری کی نحوست یہ ہے کہ اسے خریدتے ہی ایکسڈنٹ ہو جائے، خریدتے ہی وہ چوری ہو جائے، اسے خریدتے ہی اس کی بریک خراب ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، اگر تم کسی چیز کو سواری کے حوالے سے منحوس سمجھنا ہی ضروری خیال کرتے ہو تو وہ اس کا تمہارے قابو میں نہ آنا ہے، جب تم اسے منحوس نہیں سمجھتے تو پھر کوئی اور چیز بھی منحوس نہیں ہو سکتی۔

۳۔ عورت میں نحوست اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ جہیز کم لائے، کھانا زیادہ کھائے، کام کرنے میں سستی کرے، بچے پیدا کرنے میں چستی کرے، ہر سال ایک نئی بچی شوہر کے ہاتھ میں تھما دے، تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، اگر تم کسی چیز کو عورت کے حوالے سے منحوس سمجھنا ہی چاہتے ہو تو وہ عورت کی بدخلقی اور اس کا بانجھ پن ہے، جب تم اسے منحوس نہیں سمجھتے تو پھر کوئی اور چیز بھی منحوس نہیں ہو سکتی۔

بَابُ هَلْ يَذْكُرُ الرَّجُلُ لِابْنَتِهِ مَنْ يُزَوِّجُهَا

(۲۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ لِفَاطِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا يَذْكُرُكَ۔

کیا انسان اپنی بیٹی کے سامنے اس شخص کا ذکر کر دے جس سے

وہ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کر رہے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَىٰ عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ

أَنْ يُزَوِّجَ إِحْدَىٰ بَنَاتِهِ يَقُولُ إِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا زَوَّجَ إِحْدَىٰ بَنَاتِهِ أَتَىٰ خِدْرَهَا فَيَقُولُ إِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا حُطِبَ إِلَيْهِ ابْنَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَتَىٰ خِدْرَهَا فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ ذَهَبَ فَانْكَحَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو فرماتے کہ فلاں شخص فلاں خاتون کا ذکر کر رہا تھا، اس کے بعد نکاح کر دیتے، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو پہلے خلوت میں اس کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں عورت کا ذکر کر رہا تھا اور اس کے بعد جب خاموشی محسوس فرماتے تو نکاح کر دیتے۔

حَدِيثُ عِبَارَتِهِ: "يَذْكُرُكَ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ فَعَلَ مَضَارِعَ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَّغَهُ وَاحِدٌ ذَكَرَ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى ذَكَرَ كَرْنًا، مَرَادُ بَيْعَامِ نِكَاحٍ دِينًا "خَدْرَهَا" لَفْظِيٌّ مَعْنَى تَوَاطُرِهِ هُوَ مَرَادُ خَلُوتِ كَيْ جَلَّ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِهِ: أَمَّا الْأَوَّلُ: فَقَدْ ذَكَرَهُ فِي مَجْمَعِ الْبَحَارِ عَنِ النَّهَائِيِّ وَالْحَارِثِيِّ: ۲۲، وَأَمَّا الثَّانِي فَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي

الکبری: ۱۲۷۳۹، واحمد: ۲۴۹۹۹، وابن عدی: ۷۵۲، وابن ابی حاتم: ۱۱۶۸۔

مفہوم: مال و دولت اور مفادات کے حریصوں کو نکال کر والدین کی اکثریت اس بات کی خواہش رکھتی ہے کہ ان کی اولاد جب کسی دوسرے کی طرف منسوب ہو تو اسے کسی قسم کی شرمندگی نہ ہو، اولاد کو اپنے والدین کے انتخاب پر پچھتاوانہ ہو اور اسے سکھی زندگی میسر آئے، اس سلسلے میں والدین بعض اوقات ایسے رشتے مسترد کر دیتے ہیں جن میں بظاہر کوئی عیب نہیں ہوتا اور وہ اس کی اولاد کے حق میں اچھے ثابت ہو سکتے ہیں، جس پر اولاد کو فطری طور پر رنج بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات والدین کسی ایسے رشتے کو قبول کر لیتے ہیں جس میں بظاہر کوئی خوبی نہیں ہوتی لیکن ان کی دور رس نگاہوں کے اثرات سامنے آنے پر اولاد کو اکثر خوشی محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے اولاد کے احساسات و جذبات کو بھی مد نظر رکھا ہے اور والدین کو ان کی مرضی معلوم کر لینے کی ترغیب بھی دی ہے، گو کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاد کی رضا مندی کے لیے صریح الفاظ استعمال کیے جائیں، اشاروں اور کنایوں اور غیر محسوس طریقوں کے ذریعے بھی اس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ شریعت اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتی جو انسانی جذبات کی عکاس ہوتی ہے اور اکثر اوقات انسان کی زبان سے الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر سامنے آجاتی ہے کہ زندگی ہم نے گزارنی ہے، ہمارے والدین نے تھوڑی گزارنی ہے۔

اس سے پہلے کہ جذبات کو زبان ملے، شریعت نے پہلے ہی اس کا راستہ بند کر دیا، بالخصوص صنف نازک کے لیے کہ ان معاملات میں اس کا اپنے جذبات کا اظہار کرنا نسوانی حیا اور شرم کے منافی سمجھتا ہے اور خاندانی نظام زندگی میں اب بھی لڑکی اپنے والدین کی رضا پر راضی ہو جاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے اولاد کی مرضی کا خیال رکھنے کی ترغیب بھی دے دی اور اولاد بالخصوص لڑکی کے منہ میں زبان آنے کے سارے راستے بھی بند کر دیئے، یہ شریعت ہی کا حسین امتزاج ہے جو کسی دوسرے دین و مذہب میں تلاش کرنا بھی کار عبث ہے۔ واللہ اعلم

(۲۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوَّجَتْ يَتِيمَةً كَانَتْ عِنْدَهَا، فَجَهَّزَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنی طرف سے ایک یتیم بچی کا نکاح کروایا، تو نبی ﷺ نے اسے اپنے پاس سے جہیز عطاء فرمایا۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "یتیمہ" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے جس کی صفت "کانت عندها" ہے "فجهزها" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سامان تیار کرنا، مراد جہیز دینا ہے۔

تخریج حدیث: وقع عند ابن ماجه ما يدل عليه: ۱۹۰۰، واتبریزی فی المشکوٰۃ: ۳۱۵۴۔

مفہوم: عام طور پر ہمارے اخبارات، رسائل و جرائد اور معروف و غیر معروف شخصیات کے بیانات اور تقاریر میں یہ لفظ بڑی بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے کہ ہم معاشرے سے جہیز کی لعنت ختم کر دیں گے، معاشرہ جہیز کی لعنت کی وجہ سے بہت سی بچیوں کو اپنے گھروں میں ہی انتظار کرنے پر مجبور کر رہا ہے، یقین جانئے! اس قسم کے الفاظ پڑھ اور سن کر مجھ پر تو ایک جھرجھری سی طاری ہو جاتی ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اگر جہیز لعنت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑی صاحبزادی حضرت زینب کو ان کی شادی کے موقع پر سونے کا زیور کیوں دیا تھا؟ اگر جہیز لعنت ہے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز کیوں دیا تھا؟ اگر جہیز لعنت ہے تو اس لعنت کا ثبوت خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کیوں ملتا ہے؟

ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے! کیا کوئی باپ اپنی بیٹی کو اپنے گھر سے خالی ہاتھ رخصت کرنا پسند کرے گا؟ کیا کوئی بھائی اپنی بہن کو یوں ہی رخصت کر دے گا؟ کیا کسی ماں کا کلیجہ اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کرتے ہوئے بیٹھ نہ جائے گا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

رہا بعض لوگوں کا یہ عزم کہ ہم معاشرے سے جہیز کی لعنت کو ختم کر دیں گے تو اس میں الفاظ کا چناؤ غیر محتاط طریقے سے کیا گیا ہے، اگر اس کی بجائے یہ الفاظ ہوتے کہ ہم معاشرے سے جہیز میں حد سے زیادہ اسراف اور نمود و نمائش کی خاطر اپنی مالداری کا اظہار کرنے کی لعنت کو ختم کر دیں گے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ صحیح ہوتی بلکہ اسلامی تعلیمات کے بھی عین مطابق ہوتی اور معاشرے کے ماحول کو بھی سازگار بناتی۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بعض لوگ خواہ مخواہ میں جہیز کو جو ہندوانہ رسم قرار دینے پر تلے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی رائے بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جہیز ہندوانہ رسم نہیں ہے، بلکہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ثابت ہے، جیسا کہ عنقریب ذکر ہوا اور زیر بحث حدیث میں بھی اسی کو ثابت کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ اسْتِيْمَارِ الْبِكْرِ وَاسْتِيْدَانِ الشَّيْبِ

(۲۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُنْكِحُ الْبِكْرَ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَرِضَاهَا سَكْوَتُهَا وَلَا تُنْكِحُ الشَّيْبَ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَفِي رِوَايَةٍ لَا تُزَوِّجُ الْبِكْرَ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَرِضَاهَا سَكْوَتُهَا وَلَا تُنْكِحُ الشَّيْبَ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَفِي رِوَايَةٍ لَا تُنْكِحُ الْبِكْرَ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَإِذَا سَكَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا وَلَا تُنْكِحُ الشَّيْبَ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باکرہ عورت سے اس کا امر لیے بغیر

نکاح نہ کیا جائے اور اس کی خاموشی رضامندی ہی ہے اور شبہ سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔
فائدہ: اگلی روایت اسی کی وضاحت ہے۔

(۲۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوْفِي عَنْهَا زَوْجُهَا ثُمَّ جَاءَ عَمُّ وَلَدِهَا فَخَطَبَهَا فَأَبَى الْآبُ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَزَوْجَهَا مِنَ الْآخِرِ فَآتَتْ الْمَرْأَةَ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَبَعَثَ إِلَى أَبِيهَا فَحَضَرَ فَقَالَ مَا تَقُولُ هَذِهِ قَالَ صَدَقْتُ وَلَكِنِّي زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَسْمَاءَ خَطَبَهَا عَمَّ وَلَدِهَا وَرَجُلٌ آخَرَ إِلَى أَبِيهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ فَآتَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَاشْتَكَتْ ذَلِكَ إِلَيْهِ فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوْفِي عَنْهَا زَوْجُهَا فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا فَزَوَّجَهَا أَبُوهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا مِنْ رَجُلٍ آخَرَ فَآتَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَزَوَّجْتُهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَفَرَّقَ النَّبِيَّ ﷺ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ امْرَأَةً تُوْفِي عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا إِلَى أَبِيهَا فَقَالَتْ زَوِّجْنِيهِ فَأَبَى وَزَوَّجَهَا مِنْ غَيْرِهِ بِغَيْرِ رِضَى مِنْهَا فَآتَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا، اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر اسے نکاح کا پیغام دیا، لیکن اس عورت کے باپ نے اس رشتے سے انکار کر دیا اور اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا، وہ عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ ذکر کر دیا، نبی ﷺ نے اس کے والد کو بلایا جب وہ آ گیا تو فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سچ کہتی ہے لیکن میں نے اس کا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو اس کے کزن سے زیادہ بہتر ہے، نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور اس کا نکاح اس کے کزن سے کرادیا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: "تستامر" باب استفعال سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی طلب امر "توفی" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی فوت ہو جانا "فخطبها" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیغام نکاح بھیجنا "ففرق" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تفریق کرانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری، ۵۱۳۶، ومسلم: ۳۴۷۳، (۱، ۴۱۹) وابدواؤد: ۲۰۹۴، والترمذی: ۱۱۰۹،

والنسائی: ۳۲۶۷، وابن ماجہ: ۱۸۷۱۔

تَجْنِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرج النسائي مثله: ۳۲۷۰ و ابوداؤد: ۲۰۹۶ وابن ماجه: ۱۸۷۵ والدارقطني: ۲۳۴/۳-

مَفْهُومًا: شریعت کا یہ اصول ہے کہ کنواری لڑکی سے شادی کے موقع پر رضا مندی حاصل کر لی جائے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر رضا مندی معلوم کرتے وقت وہ خاموشی اختیار کر لے تو اسے اس کی رضا مندی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا نکاح کر دیا جائے گا اور شوہر دیدہ عورت کا جب دوسرا نکاح کیا جائے تو اس کی رضا مندی کا اظہار صرف خاموشی سے نہیں ہوگا بلکہ اسے گواہوں کے سامنے اپنی زبان سے اظہار رضا مندی کرنا ہوگا شاید یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں باکرہ کے لیے استیمار اور ثیبہ کے لیے استیزا ان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسلام پر زبان طعن دراز کرنے والے کہتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو زبردستی ایک دوسرے کے پلے باندھ دیا جاتا ہے ان سے ان کی مرضی پوچھی تک نہیں جاتی اور محض اپنی مرضی ہی ان پر مسلط کرنا مردانگی سمجھا جاتا ہے کیا ایسے لوگ اپنے اختراعی اور خود ساختہ قوانین میں ایسی لچک دکھا سکتے ہیں جس سے عورت کی فطری شرم و حیاء کا پردہ بھی تارتار ہونے سے بچ جائے اور اس کا مستقبل بھی برباد ہونے سے بچ جائے؟ یقیناً وہ ایسی لچک نہیں دکھا سکتے اور انہیں دو میں سے کسی ایک چیز سے ہاتھ دھونا پڑیں گے چونکہ ان کے لیے نسوانی شرم و حیاء ایک ایسا نامانوس لفظ بن چکا ہے جو ان کی لغت اور ڈکشنری سے بھی خارج ہو چکا اس لیے وہ اس سے محروم ہو گئے یہی وجہ ہے کہ ان کی خواتین ”بے حیا“ ہو چکیں۔

جبکہ اسلام دولت شرم و حیاء کی حفاظت بھی کرتا ہے اور عورت کے مستقبل کو بھی محفوظ کرتا ہے، صرف زبانی کلامی حد تک نہیں بلکہ موقع پر والدین کے فیصلے کے خلاف لڑکی کی خواہش اور مرضی کو پورا کرتا ہے اور والدین کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے کر از سر نو نکاح کر دیتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں ہے۔

بَابُ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا

(۲۶۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَزُوجُ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا۔

عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا

تَرْجُمَانًا: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح نہ کیا جائے (دونوں کو جمع نہ کیا جائے) فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۶۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ

الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَاتِهَا وَلَا تُنَكَحُ الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى وَلَا الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح کیا جائے اور چھوٹی کی موجودگی میں بڑی سے نکاح نہ کیا جائے اور بڑی کی موجودگی میں چھوٹی سے نکاح نہ کیا جائے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "علی عمتها" "ای مع وجود عمتها فی النکاح" گویا "علی" کو "مع" کے معنی میں لینا چاہیے اور "لا تنکح" کو "لا تجمع" کے معنی میں مراد لینا چاہیے تاکہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔
تخریج حدیث: أخرجهما البخاری: ۵۱۰۸، ومسلم: ۳۴۴۰ (۱۴۰۸) وابوداؤد: ۲۰۶۵، والترمذی: ۱۲۶۶ والنسائی: ۳۲۹۷ وابن ماجه: ۱۹۲۹۔

مفہوم: اس حدیث میں دو حکم دیے گئے ہیں۔

۱۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں پھوپھی اور اس کی بھینجی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا، اسی طرح کسی کے لیے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ وہ خالہ اور اس کی بھانجی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے، یعنی اگر پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا ہے تو اس کی بھینجی یا بھانجی سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں اور اگر بھینجی یا بھانجی سے نکاح کیا ہے تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں، ظاہر ہے کہ یہاں نکاح کرنے والے کی پھوپھی، خالہ، بھینجی اور بھانجی مراد نہیں بلکہ ان عورتوں کی آپس میں رشتہ داری مراد ہے۔

۲۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں چھوٹی اور بڑی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

(الف) کبری سے مراد رشتہ میں بڑی ہے مثلاً پھوپھی اور خالہ اور صغری سے مراد رشتہ میں چھوٹی ہے مثلاً بھینجی یا بھانجی، اس صورت میں یہ پہلے جملے کے لیے عطف تفسیر واقع ہو گا اور مطلب یہ ہو گا کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت ہو جو رشتہ میں چھوٹی ہو تو اسی کے خاندان میں کسی ایسی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہے جو رشتہ میں اس سے بڑی ہو یا اس کے برعکس۔

(ب) کبری سے مراد عمر میں بڑی ہے مثلاً بڑی بہن اور صغری سے مراد عمر میں چھوٹی ہے مثلاً چھوٹی بہن، اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملے سے مغایر ہو گا اور مطلب یہ ہو گا کہ بڑی بہن کی موجودگی میں اس کی چھوٹی بہن سے نکاح نہ کیا جائے اور چھوٹی بہن کی موجودگی میں بڑی بہن سے نکاح نہ کیا جائے، میرے نزدیک یہ دوسرا معنی زیادہ راجح ہے تاکہ دونوں جملوں سے دو الگ الگ حکم مستنبط ہو سکیں۔

اس مضمون کی احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے یہ اصول وضع کر لیا ہے کہ کسی شخص کے لیے بھی ایسی دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہے کہ ان دو میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے۔

اور اس ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اتنی قرابت کا رشتہ رکھنے والی دو عورتیں آپس میں سوکن بنیں گی تو سوکن کی فطرت سے مجبور ہو کر ان کے درمیان ہر وقت خانہ جنگی رہے گی جس سے ان کی یہ نئی رشتہ داری تو خطرے میں پڑے گی ہی پرانی رشتہ داری بھی ختم ہو جائے گی اور قربتیں دور یوں میں، محبتیں نفرتوں میں اور تعلقات خانہ جنگیوں میں تبدیل ہو جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ گواہ ہے اس لیے اس کی جڑ بنیاد ہی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الْمُتْعَةِ

(۲۷۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ۔

متعہ کی حرمت کا بیان

ترجمتاً: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ۔

ترجمتاً: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن متعہ سے منع فرمادیا۔

(۲۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ مُحَارِبِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمتاً: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۷۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ رَجُلٍ مِنْ آلِ سَبْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ

وَفِي رِوَايَةِ عَامِ الْفَتْحِ۔

ترجمتاً: آل سبرہ کے ایک صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا فتح مکہ کے سال فرمائی۔

(۲۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ يُونُسَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ أَبِيهِ عَنِ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنِ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ۔

وَفِي رِوَايَةِ نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ عَامِ الْحَجِّ۔

وَفِي رِوَايَةِ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ الْفَتْحِ۔

ترجمتاً: حضرت سبرہ جہنیؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا حجۃ الوداع

کے سال فرمائی۔

(۲۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ غَزْوَةِ خَيْبَرَ عَنِ لُحُومِ الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے سال پالتو گدھوں کے گوشت اور عورتوں سے متعہ کرنے کو ممنوع قرار دے دیا۔

تصحیح بخاری: اول و ثانی و ثالث: اخرجها مسلم: ۳۴۲۶ (۱۴۰۶) و ابوداؤد: ۲۰۷۳۔

تصحیح بخاری: رابع و خامس: اخرجها مسلم: ۳۴۲۷ (۱۴۰۶)

تصحیح بخاری: سادس: اخرجها البخاری: ۵۱۱۵ و مسلم: ۳۴۳۱ (۱۴۰۷) و الترمذی: ۱۱۲۱ و النسائی: ۳۳۶۸

و ابن ماجہ: ۱۹۶۱۔

مفہوم: ۱۔ نکاح متعہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے اثبات و تردید پر ہر زمانے میں مستقل کتب و رسائل اور آرٹیکلز لکھے گئے ہیں اور ہر زمانے میں اس کی مخالفت و حمایت کا سلسلہ جاری رہا ہے، بعض لوگ اسے عبادتِ خدا سمجھتے ہیں اور اکثریت اسے بغاوت کا نام دیتی ہے، عبادت قرار دینے والے نظریہ ضرورت سے استفادہ کرتے ہیں اور بغاوت قرار دینے والے اسے معاشرہ کا ناسور سمجھتے ہیں جو پورے معاشرے کو گندگی اور غلاظت کا گڑھ بنا دیتا ہے جو پورے معاشرے کو جسمانی آزادی کی گندگی سے متعفن کر دیتا ہے اور جو کسی طور پر بھی اقوامِ مغرب کے طریقہ زندگی سے مختلف نہیں ہوتا اس لیے کہ متعہ بھی عارضی نکاح کو کہتے ہیں اور مغرب میں بھی مرد و عورت کے تعلقات اکثر عارضی ہی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے یہاں کسی کی شادی کو خیریت سے دو سال گزر جائیں تو لوگ دریافت کرنے کے لیے آتے ہیں کہ میاں بیوی کا دماغ تو صحیح ہے تین چار سال گزر جانے پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں اور آٹھ دس سال گزر جانے پر جشن مناتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں عورت پوری زندگی اپنے شوہر پر نچھاور کر دیتی ہے اور آخر دم تک اس کی خدمت دل و جان سے کرتی رہتی ہے۔

ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو نکاح کے جو عظیم مقاصد شریعتِ اسلامیہ کے پیش نظر ہیں اور جن میں سے چند ایک کا ذکر پیچھے بھی گزرا، کیا متعہ کے ذریعے ان میں سے کسی ایک مقصد کو بھی حاصل کیا جاسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، اور اس سے بھی زیادہ واضح اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ اگر آپ متعہ کی پر زور حمایت و تائید کرنے والوں میں سے کسی شخص سے یہ کہیں کہ بھائی! متعہ کرنا بہت ثواب کا کام ہے، میں آپ کی بہن یا بیٹی کے ذریعے اس ثوابِ عظیم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ آپ سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر آپ کسی سے یہ کہیں کہ میں آپ کی بہن یا بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تو اگر وہ اس رشتہ کو پسند نہ بھی کرتا ہو، سہولت سے بات کو ٹال

دے گا، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود متعہ کرنے والوں کے دل میں چور ہوتا ہے؟

۲۔ شرح حدیث نے یہاں اس بحث کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ متعہ کی حرمت دو مرتبہ ہوئی ہے اور دو ہی مرتبہ اسے جائز قرار دیا گیا، اور بالآخر اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا، نیز یہ کہ ابتداء حضرت عبداللہ بن عباسؓ جواز متعہ کے قائل تھے بعد میں حضرت علیؓ کی فہمائش پر اپنی رائے سے رجوع کر لیا، میں اس موضوع کی روایات کا احاطہ تو نہیں کرنا چاہتا اور نہ اس موضوع کی جزئیات کو بیان کرنا پیش نظر ہے، اس لیے سب باتیں چھوڑ کر صرف دو نکتے عرض کرتا ہوں۔

(الف) کتب حدیث میں حرمت متعہ کی روایات جن صحابہ کرامؓ سے نقل کی گئی ہیں، ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام نامی بھی شامل ہے جو خود بھی اس کی حرمت کے قائل و ناقل ہیں اور حلت کا فتویٰ دینے والوں کو روکنے والے بھی ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ علیؓ کا دم بھرنے والے ہی علیؓ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ہر وقت یا علیؓ کی مالا چہنے والے ہی ان کی روایت اور رائے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے مولا علیؓ سے اپنی مشکلات کو حل کروانے والے ہی ان کی ہدایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں؟ یقیناً ہم بھی سیدنا علی مرتضیٰؓ کے ماننے اور چاہنے والے ہیں، اسی لیے ہم ان کے حکم کی تعمیل میں اس گندگی کو اپنے معاشرے سے دور پھینک دیتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ انہیں ماننے اور چاہنے کا دعویٰ کرنے والے بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ”مرداں چہیں کنند“

(ب) جن روایات میں ابتداء متعہ کے حلال ہونے کا ذکر آتا ہے یا مخصوص ایام میں اجازت کا ذکر ملتا ہے اس کا مطلب صرف اور صرف اتنا ہے کہ اہل عرب کے معاشرے کے مطابق متعہ کا رواج لوگوں میں پہلے سے تھا اور ابتداء اس کی ممانعت یا اجازت سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں آیا تھا، اس رواج کے مطابق لوگ خواتین سے متعہ کرتے رہے اور اپنی ضرورت کی تکمیل اس طرح کرتے رہے، بعد میں جب اس کی حرمت کا فیصلہ ہوا تو نبی ﷺ نے مختلف مواقع پر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تا کہ ہر ایک کو اس حکم کا پتہ چل جائے۔

یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل جن افراد سے ہوئی تھی، وہ معمولی لوگ نہ تھے، ان کا تعلق ایک ایسی مقدس جماعت سے تھا جس سے بڑھ کر مقدس جماعت انبیاء کرام ﷺ کے بعد کوئی اور نہ آ سکی، نبی ﷺ کی ہم نشینی و رفاقت کے بدلے انہیں جو ”احسانی کیفیت“ حاصل ہوتی تھی، اس کی موجودگی میں ”متعہ“ جیسی گندگی کو ان کی طرف منسوب کرنا مجھ حقیر کے لیے تو سچی بات ہے کہ بہت مشکل ہے اور مجھے تو اس کا بہترین حل یہی معلوم ہوتا ہے جس کی ”تاریخ“ بھی تردید نہیں کرتی کہ ایک رواج کے طور پر یہ چیز اہل عرب میں تھی اور اس کی اجازت یا حرمت سے متعلق کوئی واضح حکم نہیں آیا تھا اور جب حکم آ گیا تو اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

رہی یہ بات کہ حرمت متعہ کا اعلان کب کیا گیا؟ اور اس کے لیے کون سی جگہ کا انتخاب کیا گیا؟ تو روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مختلف جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پر یہ اعلان کیا گیا۔

- ۱۔ غزوة خیبر کے موقع پر
۲۔ عمرۃ القضاء کے موقع پر
۳۔ فتح مکہ کے موقع پر
۴۔ غزوة اوطاس کے موقع پر
۵۔ غزوة تبوک کے موقع پر
۶۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

جن روایات سے غزوة خیبر کے موقع پر حرمت متعہ کا اعلان ثابت ہوتا ہے، سنداً وہ صحیح بھی ہیں اور عدداً زیادہ بھی ہیں، جن روایات سے عمرۃ القضاء کے موقع پر اس اعلان کا ثبوت ملتا ہے، سنداً ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ غزوة خیبر اور عمرۃ القضاء دونوں واقعات ایک ہی سال میں ہوئے تھے اس لیے بعض راویوں نے اسے غزوة خیبر سے تعبیر کر دیا اور بعض نے عمرۃ القضاء سے، جن روایات میں فتح مکہ کا ذکر آتا ہے وہ سنداً صحیح ہیں، جن روایات میں غزوة اوطاس کا ذکر آتا ہے، ان سے غزوة اوطاس تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان میں ”عام اوطاس“ کا لفظ آتا ہے اور ”عام اوطاس“ وہی سال ہے جس میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس لیے ان روایات کو بھی ۸ھ پر ہی محمول کیا جائے گا۔

جن روایات میں غزوة تبوک کا ذکر آتا ہے، ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے غزوة تبوک کے موقع پر متعہ کیا ہو اور جن روایات میں حجۃ الوداع کا ذکر آتا ہے، ان کا مرکزی راوی ربیع بن سبرہ ہے جس سے اس موضوع کی مختلف روایات اس کے شاگردوں نے نقل کی ہیں جس سے اس کی کوئی روایت بھی قابل اعتماد نہیں رہتی اور درایۃً بھی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ کبھی بھی جواز متعہ کا فتویٰ نہ دیتے اس لیے کہ اس موقع پر وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اب اگر نبی ﷺ نے اس موقع پر اعلان کیا ہوتا تو یقیناً انہیں معلوم ہوتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غزوة تبوک اور حجۃ الوداع والی روایات پر تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا، غزوة خیبر اور عمرۃ القضاء والی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح فتح مکہ اور عام اوطاس میں بھی کوئی فرق نہیں، گویا حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ یا ۸ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگی تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے، سو اس سلسلے میں علماء کرام کی دورائیں ہیں۔

۱۔ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ میں کیا گیا تھا، بعد میں اس کی اہمیت مزید واضح کرنے کے لیے ۸ھ میں دوبارہ اعلان کیا گیا تاکہ اس کی حرمت اچھی طرح لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔

۲۔ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ پہلے ۷ھ میں حرمت متعہ کا اعلان کیا گیا، پھر ۸ھ میں تین دن کے لیے اس کی حرمت ختم کر دی گئی اور اس کے بعد اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام قرار دے دیا گیا، امام نوویؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے بھی یہی ہے لیکن اس کے لیے ان کا پیرایہ بیان ہماری نظر میں کھلتا ہے، چنانچہ حافظ نے امام نوویؒ کا قول نقل کیا ہے۔

”الصواب ان تحریمها و اباحتها وقعا مرتین“ الخ (فتح: النکاح، باب: ۳۲)

یعنی اباحت متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی اور تحریم متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی، جبکہ ہماری رائے یہ ہے کہ اباحت متعہ دو دفعہ ہونے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ۷ھ سے پہلے حرمت متعہ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، یہ مطلب نہیں کہ ۷ھ سے پہلے اسے حلال قرار دیا گیا تھا اس لیے کہ گناہ کو حلال قرار دینا چہ معنی دارد؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے حرمت شراب کہ آیت تحریم نازل ہونے سے پہلے اس کے حرام ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، یہ مطلب نہیں کہ نزول آیت تحریم سے قبل اسے حلال قرار دیا گیا تھا، اگر یہ چیزیں حلال ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اولوالعزم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے حوالے سے تو اس کا ثبوت ملتا، بالخصوص متعہ کے حوالے سے تو تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے یہ ثابت کیا ہی نہیں کیا سکتا کہ فلاں صحابی متعہ کرتے تھے یا فلاں صحابی نے فلاں خاتون سے متعہ کر رکھا تھا۔

فائدہ: متعہ کے حوالے سے گفتگو ذرا تھوڑی سی لمبی ہو گئی، لیکن ضرورت کی بناء پر اسے گوارا کر لیا گیا ہے، اس کے باوجود اگر کوئی صاحب مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہیں تو قومی ڈائجسٹ کا مارچ ۱۹۹۳ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں جس میں اس موضوع سے متعلق ایسے ایسے انکشافات کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ایک دم سناٹے میں آجاتا ہے اور ایسی تفصیلات مہیا کی گئی ہیں جن سے اس موضوع کی دوسری کتابیں خالی ہیں اور ایسے مشاہدات ہیں جنہیں کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

(۲۷۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَوْ أَنَّ شَيْئًا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَهُ أُسْتُودِعَ صَخْرَةً لَخَرَجَ.

عزل کا بیان

ترجمتاً: حضرت عبداللہ بن مسعود سے کسی نے ”عزل“ کے بارے سوال کیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر وہ چیز جس سے اللہ نے وعدہ لیا ہے کسی پتھر میں بھی بند کر کے رکھ دی جائے تب بھی وہ باہر آ کر رہے گی۔
حَدَّثَنَا أَبُو عِيسَى: ”شینا“ ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے اور ”اخذ اللہ میثاقہ“ اس کی صفت سے مل کر ”ان“ حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہوگا، ”استودع صخرۃ“ اس کی خبر ہوگی اور ”لخرج“ حرف شرط ”لو“ کا جواب ہوگا، ”استودع“ باب استفعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امانت رکھوانا۔

تخریج حدیث: أخرجه ابن حبان فی آخر: ۴۱۹۴، وابن ماجه: ۸۹، واحمد، والبخاری۔

مفہوم: ”عزل“ کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی تکمیل کرتے ہوئے آب حیات کا اخراج باہر کی طرف کرنے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد کا پانی عورت کے پانی سے نہ ملے تاکہ ایک نیا وجود دنیا میں ظہور پذیر ہونے کا سبب

نہ بن جائے اس مقصد کی خاطر لوگوں نے اپنی اپنی طبیعت اور سہولت کے پیش نظر بہت سے طریقے اختیار کر رکھے ہیں، گو کہ طریقے مختلف ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔

ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو اس میں خوبی کا ایک پہلو بھی دکھائی دیتا ہے اور وہ یہ کہ میاں بیوی اپنی پہلی اولاد کی مناسب تعلیم و تربیت پر توجہ دینے کی خاطر باہمی مشاورت سے یہ کام کر رہے ہیں تو یقیناً ان کی اس توجہ سے اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور معاشرے کے لیے باعث عزت بنے گی، پے در پے بچے ہو جانے کی صورت میں ہر ایک پر یکساں توجہ باقی نہیں رہتی، ظاہر ہے کہ اس مقصد کی خاطر ایسا کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔

لیکن جب ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو یہ طریقہ قدرت خداوندی کے خلاف بغاوت محسوس ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا گویا اس جان کے دنیا میں آنے میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے جسے اللہ دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، اگر وہ پیدا کرنے پر آجائے تو ایک بے جان پتھر سے جاندار کو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، لیکن انسان کے احساسات کا عمدہ اظہار نہ ہو سکے گا۔

ان دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے نبی ﷺ نے ذاتی طور پر اس عمل کو تو اچھا نہیں سمجھا، لیکن تشریحی طور پر اس کی مکمل ممانعت بھی نہیں فرمائی تاکہ مجبوراً ایسا کرنے والے کے لیے دروازہ کھلا رہے اور قدرت خداوندی سے کھیلنے والے سے اپنی براءت کا اظہار ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ اِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي اِدْبَارِ هِنِّ

(۲۷۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهِكَ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ امْرَأَةً اَتَتْهَا فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِي يَا تَيْبِي مُجْنِبَةٌ وَمُسْتَقْبَلَةٌ فَكَرِهْتُهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا بَأْسَ اِذَا كَانَ فِي صِمَامٍ وَاَجِدُ۔

عورتوں کے پاس پیچھے سے آنے کی حرمت کا بیان

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر میرے پاس پہلو کی طرف سے اور سامنے کی طرف سے آتا ہے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، یہ بات نبی ﷺ تک بھی پہنچ گئی، فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایک ہی سوراخ میں ہو۔

فائدہ: اگلی روایات میں زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

(۲۷۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمَيْدِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِتْيَانُ النِّسَاءِ نَحْوَ الْمَحَاشِ حَرَامٌ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

(۲۷۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَعْنٍ قَالَ وَجَدْتُ بِحِطِّ أَبِي أَعْرِفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ نُهِنَا أَنْ نَأْتِيَ النِّسَاءَ فِي مَحَاشِيهِنَّ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۲۸۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي الْقَعْقَاعِ الْخُسَيْبِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ حَرَامٌ أَنْ تُؤْتِيَ النِّسَاءَ فِي الْمَحَاشِ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

حَلَّتْ عِبْرَاتٌ: ”مجنبہ“ جانب سے نکلا ہے بمعنی پہلو ”فکرہتہ“ باب سَمِعَ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ناپسند سمجھنا ”صمام“ بمعنی سوراخ ”محاش“ محشہ کی جمع ہے بمعنی دبر۔

تَجَرُّجٌ حَدِيثٌ أَوَّلٌ: اخرجہ مسلم: ۳۵۳۷ (۱۴۳۵) و ابوداؤد مثله: ۲۱۶۴، والترمذی: ۲۹۷۹، وابن ماجہ: ۱۹۲۵۔

تَجَرُّجٌ حَدِيثٌ ثَانِي وَثَالِثٌ وَرَابِعٌ: اخرج الترمذی ما يؤيدھا: ۱۱۶۴، واحمد: ۸۶/۱۔

مَفْهُومٌ: لڑکا اور لڑکی جب نکاح کے بندھن میں بند کر ایک دوسرے کو اپنے لیے قبول کر لیتے ہیں تو ان کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا جائز ہو جاتا ہے اور شریعت ان دونوں کے اجسام کو ایک دوسرے کے لیے مکمل طور پر حلال قرار دیتی ہے اس سلسلے میں شریعت نے جو تعبیر اختیار کی ہے میاں بیوی کے باہمی تعلق اور رشتہ کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ خوبصورت تعبیر ہو ہی نہیں سکتی کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کا لباس ہیں اور لباس اور جسم کا تعلق ظاہر ہے نیز لباس کا مقصد بھی واضح ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا گیا تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اس لیے ان میں جس طرح چاہو آسکتے ہو ظاہر ہے کہ کھیت میں صحیح مقام پر بیج ڈالا جائے گا تو اس سے کھیت کا مقصد حاصل ہوگا بصورت دیگر بیج ضائع بھی ہوگا اور کسان کا بھی نقصان ہوگا اسی طرح اگر شوہر حرث کے مقام پر تخم ریزی کرے گا تو اس کا فائدہ دونوں کو ہوگا فرث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کی صورت میں تخم بھی ضائع ہوگا اور نقصان بھی اٹھائے گا البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حرث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کے لیے آگے پیچھے دائیں بائیں اٹھے بیٹھے کی کوئی قید نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْوَالِدَ لِلْفِرَاشِ

(۲۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْوَالِدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔

بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور بدکار کے لیے پتھر ہوتے ہیں۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "الفراش" بمعنى بستر مراد "ذی فراش" ہے نسبت مجازی کے طور پر "العاهر" بمعنی زانی، بدکار۔
تجلیح حدیث: اخرجہ البخاری: ۶۸۱۸، ومسلم: ۳۶۱۵ (۱۴۵۸) والترمذی: ۱۱۵۷، وابوداؤد: ۲۲۷۴، والنسائی: ۳۵۱۲، وابن ماجہ: ۲۰۰۶۔

مفہوم: یہ حدیث ایک طویل قصہ کا آخری جزو ہے جو صحیحین میں منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک بھائی تھا جس کا نام عتبہ بن ابی وقاص تھا اس نے مرتے وقت اپنے بھائی کو یہ وصیت کی کہ زمعہ کی جو باندی ہے اس سے پیدا ہونے والا بچہ میرا ہے (گویا اس نے بدکاری کا اعتراف کیا) اس لیے اس کی ذمہ داری تم قبول کر لینا۔
فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکہ مکرمہ گئے تو انہوں نے اس بچے کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی نے اس سلسلے میں مجھ سے وعدہ لیا تھا ادھر سے عبد بن زمعہ کھڑا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی باندی کے یہاں پیدا ہوا ہے جب یہ جھگڑا بڑھا تو دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں نے اپنا اپنا مدعی اور دلیل بیان کی نبی ﷺ نے ساری تفصیل سننے کے بعد عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدکاری کرنے کے بعد جب اس کا ثبوت مل جائے اور وہ شادی شدہ بھی ہو تو اسلام میں اس کی سزا رجم ہے یعنی پتھر مار مار کر اسے ختم کر دینا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بعض علماء نے اس کا یہ معنی بھی بیان فرمایا ہے کہ بچہ تو بستر والے کا ہوگا اور بدکار محروم رہے گا، گویا انہوں نے "حجر" کا ترجمہ محرومی سے کیا ہے، بظاہر اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عام مفہوم ہے جو بہر حال بدکار پر صادق آتا ہی ہے اور کسی طور بھی وہ محرومیوں کے جنگل سے چنگل چھڑانے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ اعازنا اللہ من جمع السیات والمعاصی۔

کتاب الاستبراء

رحم کی صفائی کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَطْءِ الْحَبَالِي

(۲۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُوْطَأَ الْحَبَالِي حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ۔

امید کی عورتوں سے ہم بستری کی ممانعت کا بیان

تَرْجَمَتًا: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حاملہ عورتوں سے بے حجاب ہونے کو منع فرمایا ہے تاکہ آنکھ وضع حمل ہو جائے۔

حَلِيٌّ عِبْرَاتٌ: ”توطا“ باب سمع سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی مباشرت کرنا ”الحبالی“ حبلی کی جمع ہے بمعنی حاملہ عورت ”يضعن“ باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی رکھنا۔

تَجَنَّبِ حَدِيثًا: أخرجه ابو داؤد: ۲۱۵۷، واحمد: ۲۸/۳۔

مَنْكُوحَةٌ: حاملہ عورتوں سے مراد یہاں اپنی منکوحہ بیوی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باندی کے طور پر کسی شخص کی ملکیت میں آجائیں یا کوئی شخص انہیں خرید کر اپنی ملکیت میں شامل کر لے اور اس کا قرینہ وہ روایات ہیں جن میں اس حکم کا پس منظر ”غزوة اوطاس“ سے حاصل ہونے والی باندیوں کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا قرینہ سنن ابی داؤد کی ایک روایت ہے جس سے یہ مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور اس حکم کی اصل حکمت پر بھی روشنی پڑتی ہے اس روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں

”لا يحل لا مرئ يومن بالله واليوم الآخر ان يسقى ماءه زرع غيره يعني اتيان الحبالي“

ظاہر ہے کہ غیر کی کھیتی اس کی اپنی منکوحہ تو نہیں ہو سکتی اس لیے یہ بات تو طے ہو گئی کہ اس حدیث کا مصداق غیر

منکوحہ باندی ہے رہی یہ بات کہ اس حکم کی حکمت کیا ہے تو وہ بھی مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں اس باندی کو ”جو اس کی ملکیت میں بیع و شراء کے ذریعے یا تقسیم غنیمت کے ذریعے آچکی ہے“ غیر کی ”کھیتی“ قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح ہے کہ اگر زمین میں ایک مرتبہ بیج بو دیا گیا ہو تو اس کی فصل کٹنے سے پہلے دوبارہ بیج نہیں بویا جاتا

بصورت دیگر پیداوار خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک حاملہ عورت سے مباشرت کرنا گویا دنیا میں وجود کی دولت لے کر آنے والے بچے کے نسب کو مشتبہ اور خراب کرنا ہے اور دوسرے کے کھیت میں ”باوجودیکہ بیج بویا جا چکا“ دوبارہ بیج ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے مالک کو وضع حمل تک اپنی مملوکہ کے قریب جانے سے گریز کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ مملوکہ باندی حاملہ ہو اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس پر ”ایام“ کا ایک پورا دور گزرنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ بھی کسی نئے وجود کا ذریعہ بننے والی ہو تو معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم

کتاب الرضاع

دودھ پلانے کے احکام

بَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

(۲۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ شُرَيْحٍ عَنِ عَلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ۔

دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رضاعت سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ۔

(۲۸۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ أَفْلَحُ ابْنُ أَبِي الْقُعَيْسِ لِيَسْتَأْذِنَ عَلِيَّ عَائِشَةَ فَاحْتَجَبَتْ مِنْهُ فَقَالَ تَحْتَجِبِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكَ فَقَالَتْ فَكَيْفَ ذَلِكَ قَالَ أَرْضَعْتُكِ امْرَأَةً أَحْيَى بِلَبْنِ أَحْيَى قَالَتْ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَرَبَّتْ يَدَاكِ أَمَا تَعْلَمِينَ أَنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ احن بن ابی قعیس آئے میں نے ان سے پردہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ تم مجھ سے پردہ کر رہی ہو حالانکہ میں تو تمہارا چچا ہوں پوچھا وہ کیسے؟ تو کہا میری بھابی نے تمہیں دودھ پلایا ہے جو میرے بھائی کی وجہ سے اس کی چھاتیوں میں آیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو فرمایا تمہارے

ہاتھ خاک آلود ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "فاحتجبت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پردہ کرنا "ارضعتك" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دودھ پلانا۔

تَجَرُّحُ حَدِيثِ اُول: اخرجہ البخاری: ۲۶۴۶، ومسلم: ۳۵۶۹ (۱۴۴۴) وابوداؤد: ۲۰۵۵، والترمذی: ۱۱۴۷، والنسائی: ۳۳۰۴، وابن اجہ: ۱۹۳۷۔

تَجَرُّحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری، ۵۲۳۹، ومسلم: ۳۵۷۱ (۱۴۴۵) وابوداؤد: ۲۰۵۷، والترمذی: ۱۱۴۸، والنسائی: ۳۳۰۳، وابن ماجہ: ۱۹۴۹۔

مَقْلُومٌ: شہری ماحول میں تو اس چیز کا رواج ختم ہو چکا ہے، تاہم ماضی میں شرفاء اپنے بچوں کو دیہات کے صاف ستھرے اور گردوغبار سے پاک ماحول میں دودھ پینے کے لیے بھیج دیتے تھے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوتی تھی کہ بچے کی زبان شستہ اور فصیح ہونے میں مدد ملے کیونکہ اس زمانے میں دیہات کی زبان دوسری زبانوں کے اختلاط سے محفوظ اور مستند سمجھی جاتی تھی، دور جدید میں اس کا قدیم طریقہ تو متروک ہو چکا البتہ بعض جگہوں اور خاندانوں میں اب بھی یہ رواج ہے کہ عورتیں اپنے شیرخوار بچوں کو کسی ہمسائے اور پڑوسی کے یہاں چھوڑ جاتی ہیں اور وہ بچے کو روتا ہوا دیکھ کر بعض اوقات اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دیتی ہیں، اس طرح بچہ ان کے دودھ سے بھی سیراب ہو جاتا ہے، عام طور پر اسے "رضاعت" نہیں سمجھا جاتا اور اس سلسلے میں کوئی خاص احتیاط بھی نہیں کی جاتی حالانکہ اس پر بھی رضاعت کے تمام احکام لاگو ہوتے ہیں اور نسبی اعتبار سے جو رشتے محرمات کے زمرے میں آتے ہیں، رضاعت کی مذکورہ دونوں صورتوں میں بھی وہ تمام رشتے محرمات کے دائرے میں آتے ہیں، مثلاً نسبی اعتبار سے چچا اور بھتیجی کا نکاح حرام ہے لہذا رضاعی چچا اور بھتیجی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہوگا، حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان تمام رضاعی رشتوں اور حرمتوں کا تعلق صرف دودھ پینے والے بچے کے ساتھ ہوگا، اس بچے کے دوسرے بہن بھائیوں پر ان رشتوں اور محرمات کے احکام لاگو نہیں ہوں گے مثلاً اگر زید نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے تو زید کے بہن بھائی فاطمہ کی رضاعی اولاد نہیں ہوں گے اور اس اعتبار سے ان کی خاندانی قرابتوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، ہاں! اگر زید فاطمہ کے خاندان سے اپنی نئی قرابت پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے رشتوں کے تقدس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم

کتاب الطلاق

طلاق کے احکام

بَابُ الْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

(۲۸۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ الطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ۔

مذاق میں طلاق دینا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) رجوع کرنا۔

حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: "جِدُّ" جِيمُ كَسْرًا وَرِدَالُ كِي تَشْدِيدُ كَيْ سَاوَهُ بِمَعْنَى سِنْجِيدُ كِي "هَزْلٌ" بِيَهُودَهُ كَوْنِي مُذَاقٍ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اَخْرَجَهُ ابُو دَاوُدَ: ۲۱۹۴ وَالتِّرْمِذِيُّ: ۱۱۸۴ وَابْنُ مَاجَةَ: ۲۰۳۹۔

مفہوم: کتاب النکاح اور کتاب الطلاق میں باہمی ربط واضح ہے کہ نکاح دو خاندانوں کو جوڑنے کا نام ہے اور طلاق دو خاندانوں کو توڑنے کا نام ہے، میں نے دو افراد کا لفظ قصداً نہیں بولا کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نکاح کے ذریعے صرف لڑکا اور لڑکی نہیں جڑتے، ناچاقیوں اور خانہ جنگیوں کے مراکز جڑ جاتے ہیں اور طلاق کے ذریعے صرف لڑکے اور لڑکی کی زندگی نہیں تباہ ہوتی بلکہ دونوں خاندانوں میں توڑ اور پھوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

زیر بحث حدیث سے نکاح اور طلاق کے درمیان ایک اور مناسبت اور ربط کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور یہ کہ جس طرح سنجیدگی کی حالت میں نکاح کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے، طلاق بھی ہو جاتی ہے، نیز جس طرح مذاق ہی مذاق میں جو لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کر لیں تو نکاح ہو جاتا ہے اسی طرح ہنسی منانے کے لیے گئے ہوئے میاں بیوی میں اس وقت جدائی بھی ہو جاتی ہے جب میاں صاحب ترنگ میں آ کر اپنی بیوی کو ہنسی مذاق میں طلاق دے دیں اس لیے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں ایک یا دو مرتبہ طلاق دی ہو اور مدت گزرنے سے پہلے پہلی ہنسی مذاق میں ہی رجوع کر لیا ہو تو اس رجوع کو شرعاً صحیح تسلیم کر لیا جائے گا اور اس شخص

کے لیے اپنی بیوی کے قریب جانا جائز ہو جائے گا۔

رابط اور زیر بحث حدیث کی قدرے وضاحت کے بعد میں تصویر کا وہ رخ دکھانا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں اس قدر رائج ہو چکا ہے کہ ہر دوسرے گھر میں ہر دوسرا فرد اس کا شکار نظر آتا ہے، ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں ایک شخص ہنسی مذاق میں ایک عورت کو اپنی منکوحہ بنا لیتا ہے، ہنسی مذاق اس لیے کہ وہ تو محض اداکاری ہوتی ہے، حقیقت سے اس کا کیا تعلق؟ لیکن اس ڈرامے اور فلم کی شوٹنگ ختم ہونے کے بعد ان کے ذہن کے کسی کونے میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان کا ایک دوسرے سے کیا رشتہ بن چکا ہے؟ پھر وہی شخص دوسرے ڈرامے اور فلم میں یوں ہی دوسری عورت سے نکاح کر لیتا ہے اور وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آجاتی ہے، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے اور نجانے گناہوں کی یہ گٹھڑی وہ اپنے کندھوں پر لادے کب تک پھرتے رہتے ہیں، ہماری نوجوان اور نئی نسل یہ سب کچھ دیکھتی اور اسی کی ریہرسل کرتی ہے، نتیجتاً اخلاقی بگاڑ کے ہوشربا واقعات سامنے آتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے معاشرے کو طلاق کے جس گھن نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے، نوے فیصد افراد اپنی زندگی تباہ و برباد کرنے کے بعد یہ سوچ اور کہہ کر گناہ کی زندگی گزارتے رہتے ہیں کہ ہم نے تو غصہ میں طلاق دی ہے، وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کون بیوقوف ہوگا جو اپنی بیوی کی کسی اداء پر خوش ہو کر اسے پیار سے طلاق دے دے؟ پھر اس پر مستزاد یہ خام خیالی ہوتی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہم کسی کو اس واقعے کی خبر نہیں ہونے دیں گے تاکہ ہمارا گھر بچ جائے اور سونے پر سہاگہ وہ فتاویٰ ہوتے ہیں جو اس قسم کے خیالات کو تقویت دیتے ہیں، خدا کے لیے شریعت اور احکام شریعت کا مذاق نہ اڑائیں، اپنی زندگی کو گناہوں کے منحوس سائے تلے نہ گزاریں اور اب تک اگر ایسا کرتے رہے ہیں تو اس سے توبہ کریں اور فوراً علیحدگی اختیار کر لیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِدَّةِ

(۲۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِسُودَةَ حِينَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِيْ-

عدت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ کو جب طلاق دی تو ان سے فرمایا کہ عدت گزارو۔

(۲۸۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِسُودَةَ حِينَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِيْ-

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ گزشتہ حدیث والا ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَّادُ بْنُ سُوَيْدٍ: "طَلَّقَهَا" بَابُ تَفْعِيلٍ سَعَى فَعْلًا مَاضِيٌّ مَعْرُوفٌ كَمَا صَيَّغَهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى طَلَّاقٍ دِينًا "اعْتَدَى"
باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی عدت گزارنا۔

تَجْنِيزٌ بِحَدِيثِ: أَخْرَجَهُمَا الْبَيْهَقِيُّ: ۲۴۳/۷۔

مَقْفُوفٌ: اس حدیث کو پڑھ کر جیسے ایک دم آپ پر حیرانگی کی کیفیت طاری ہوئی ہے، پہلی مرتبہ میں بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوا تھا کیونکہ عام طور پر کتب حدیث و سیرت میں یہی بات ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو نبی ﷺ نے طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا تھا اور وہ بھی آپ ﷺ نے اس وقت ختم فرما دیا جب انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بہہ کر دی، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے صرف طلاق دینے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ عملی طور پر طلاق بھی دے دی تھی اور انہیں ایام عدت پورے کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

اس حیرانگی کو دور کرنے کے لیے فوری طور پر تو بعض علماء کی یہ توجیہ سامنے آئی کہ نبی ﷺ کے حوالے سے اس روایت میں "طلَّقَهَا" کا جو لفظ آیا ہے اس سے ارادہ طلاق مراد ہے، نفس طلاق مراد نہیں اور عدت گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ جب میں تمہیں طلاق دے دوں تو اس کی عدت ضرور گزارنا۔

لیکن اس سطحی جواب پر شرح صدر نہ ہوا اور ذہن میں خیال آیا کہ شاید سنداً یہ روایت صحیح نہ ہو، ابھی سند حدیث پر بحث کا خیال ذہن میں گھوم ہی رہا تھا کہ بعض ایسی روایات سامنے آئیں جن سے زیر بحث حدیث کی تائید ہو گئی اور عام کتب سیرت و حدیث میں ذکر کردہ اجمال کی تفصیل معلوم ہو گئی، چنانچہ بیہقی اور طبقات ابن سعد میں حضرت عروہ سے مرسل مروی ہے (ظن غالب بلکہ اغلب یہی ہے کہ انہوں نے اگرچہ حضرت عائشہؓ کے نام کی تصریح نہیں کی، تاہم مراد وہی ہیں) کہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو طلاق دے دی، جب نبی ﷺ نماز کے لیے روانہ ہوئے تو یہ نبی ﷺ کے راستے میں بیٹھ گئیں، جب نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو انہوں نے نبی ﷺ کو روک کر عرض کیا کہ میں عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی ہوں کہ طبعی طور پر مردوں کی خواہش نہیں رہی لیکن میری یہ تمنا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی ازواج میں میرا نام بھی شامل ہو، اس لیے آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے، میں اپنا دن اپنی خوشی سے عائشہؓ کو دیتی ہوں، اس پر نبی ﷺ نے ان سے رجوع کر لیا اور ان کی باری کے دن حضرت عائشہؓ کے یہاں شب باشی فرمانے لگے۔

روایت بھی یہ حدیث کسی قسم کے اعتراض سے محل بحث نہیں بنتی اور درایت بھی اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ یہ تفصیل اقرب الی الفہم بھی محسوس ہوتی ہے اس لیے عام کتب میں ذکر کی گئی روایات کو اجمال اور اس روایت کو ان کی تفصیل قرار دے کر تعارض سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ

(۲۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَغَيْبَ

ذَلِكَ عَلَيْهِ فَرَّاجِعَهَا فَلَمَّا طَهَّرَتْ مِنْ حَيْضِهَا طَلَّقَهَا وَاحْتَسِبَ بِالتَّطْلِيقَةِ الَّتِي كَانَ أَوْقَعَ عَلَيْهَا وَهِيَ حَائِضٌ۔

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو ناپاکی کی حالت میں طلاق دی تو اس پر عیب زنی ہوئی، اس پر انہوں نے رجوع کر لیا اور جب وہ ناپاکی سے پاک ہو گئی تو اسے دوبارہ طلاق دے دی، اس موقع پر وہ طلاق شمار کی گئی جو انہوں نے اپنی بیوی کو ناپاکی کی حالت میں دی تھی۔
فائدہ: اگلی روایت میں اس عمل پر تنبیہ کی گئی ہے۔

(۲۸۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا بَالُ قَوْمٍ يُلْعَبُونَ بِحُدُودِ اللَّهِ يَقُولُونَ قَدْ طَلَّقْتِكِ قَدْ رَاجَعْتِكِ۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کی مقررہ کردہ حدود سے کھیلتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ میں نے تجھے طلاق دی، کبھی کہتے ہیں کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔
حاشیہ عبارت: ”فعیب“ باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیب لگانا ”طہرت“ باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پاک ہونا ”احتسب“ باب انفعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شمار کرنا ”يلعبون“ باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھیلنا۔

تخریج حدیث اول: أخرجه مسلم: ۳۶۸۵ (۱۴۷۱) و ابوداؤد: ۲۱۸۱ و الترمذی: ۱۱۷۶، وابن ماجه: ۲۰۲۳، والنسائی: ۳۴۲۶۔

تخریج حدیث ثانی: أخرجه ابن ماجه: ۲۰۱۷۔

مفہوم: فقہاء کرام کے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا مرکز یہ بات ہے کہ آیا عورت کو اس کے ایام ناپاکی میں طلاق دینا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اس کیفیت میں دی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ سو اس پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ اس کیفیت میں بیوی کو طلاق دے کر فارغ کرنا گناہ ہے اور صحیح نہیں ہے، خلاف سنت ہے، رہی بات وقوع طلاق کی، سو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس کی تعداد ایک ہو یا دو یا تین، جبکہ بعض فقہاء کرام اس کیفیت میں دی گئی طلاق کا وقوع تسلیم نہیں کرتے، اول الذکر حضرات کی دلیل زیر بحث حدیث ہے اور ثانی الذکر حضرات دیگر احادیث سے اپنے دعویٰ کو مدلل کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا راز یہ ہے کہ طلاق ”جو اللہ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہے“ جیسی چیز میں بھی احکامات کی حد مقرر کی گئی ہے، انسانوں کو مکمل آزادی دینے کی بجائے ان کے لیے حدود کا تعین کیا گیا ہے اور انہیں ان حدود کا پابند بنایا گیا ہے، جب ایسی باریک بینی کے ساتھ طلاق کے احکام وضع کیے گئے ہیں تو

کیا زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ اصلاحات سے محروم رہ گیا ہوگا؟ کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں کوئی احکام نہیں دیے گئے ہوں گے؟ اور کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں حد بندی نہیں کی گئی ہوگی؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے معاشرے میں واقعہ بات بے بات پر طلاق تک نوبت آ جاتی ہے معمولی معمولی باتوں پر طلاق دینا لوگوں کا معمول بن چکا ہے، ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ دنیا کی کوئی عورت اپنی عزت کی بحالی کے ساتھ اپنے سسرال میں نہیں رہ سکتی، عوام میں یہ شعور پیدا ہونے لگا ہے کہ طلاق کوئی گناہ نہیں، ہمارا حق مردانگی ہے اور اس حق مردانگی کو ادا کرنا ہر شادی شدہ شخص اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے، غالباً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ لَا يَجُوزُ طَلَاقُ الْمَعْتُوهِ

(۲۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَجُوزُ لِلْمَعْتُوهِ طَلَاقٌ وَلَا بَيْعٌ وَلَا شِرَاءٌ۔

مجنون کی طلاق نہیں ہوتی

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء کچھ جائز نہیں ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَتُهُ: "لَا يَجُوزُ أَي لَا يَنْفُذُ" "الْمَعْتُوهُ" بِمَعْنَى مَغْلُوبِ الْعَقْلِ، مَجْنُونٍ۔

ترجمہ: اخرجہ البخاری تعليقاً فی الطلاق، باب: ۱۰۔ واما ما يؤيده فكثير جدا كما سيأتي انشاء الله۔

مفہوم: اس حدیث میں "جواز" بمعنی "نفاذ" کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء نافذ نہیں ہوگی، اس بات کی وضاحت کرنا اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ مغلوب العقل ہو یا غیر مغلوب العقل، کسی بھی انسان کی زبان پر پہرہ نہیں لگایا جاسکتا اور اسے اپنی مرضی کے الفاظ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، پھر جب اس کی عقل ہی اس کا ساتھ نہ دیتی ہو اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اسے اچھے برے صحیح غلط اور دوست دشمن کی پہچان بھول جائے تو اس کی بات کا اعتبار عام سے عام آدمی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا، شریعت اس کی کسی بات کا کیسے اعتبار کرے؟ اس لیے شریعت نے اس کی طلاق یا کسی بھی معاملے کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کسی وقت مغلوب العقل ہو جاتا ہو اور کسی وقت اسے افاقہ ہو جاتا ہو اور اس کی عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا کسی قسم کا معاملہ کر لے تو وہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ اس کے نفاذ میں جو رکاوٹ تھی وہ زائل ہو گئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس حدیث کی کتاب الطلاق سے مناسبت لفظ طلاق کی وجہ سے ہے لیکن اس کا حکم طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر معاملے کا حکم یہی ہے کہ مغلوب العقل کے کسی فیصلے اور کسی اقدام کی توثیق نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ خَيْرَ اَزْوَاجِهِ

(۲۹۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيْرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعْذْ ذَلِكْ طَلًاَقًا۔

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کو اختیار دے دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمتاً: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا، ہم نے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ ﷺ نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "خَيْرَنَا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اختیار دینا، یہ جمع متکلم کا صیغہ نہیں ہے "فلم يعد" باب نصر سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شمار کرنا۔

تَحْتِجِجُ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری: ۵۲۶۲، ومسلم: ۳۶۸۷ (۱۴۷۷) وابوداؤد: ۲۲۰۳، والترمذی: ۱۱۷۹، والنسائی: ۳۴۷۵، وابن ماجہ: ۲۰۵۲، واحمد: ۲۳۹/۶۔

مَقْبُولٌ: حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اپنے محبوب شوہر و پیغمبر کے سانچے میں ڈھل کر سخاوت اور حوصلہ مندی سے خرچ کرنے میں ہمیشہ دوسروں سے آگے رہیں، نبی ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ پورے سال کا نفقہ سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کو دے دیتے، لیکن وہ اپنی حوصلہ مند طبیعت سے اس نفقہ سے غرباء اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنا شروع کر دیتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ چند ہی دنوں میں وہ ختم ہو جاتا اور خود فاقے کرنے کی نوبت آ جاتی۔

جب مختلف غزوات اور سرایا سے مال غنیمت کا حصول شروع ہوا اور لوگوں میں اسے تقسیم کیا گیا تو ایک گونہ خوشحالی پیدا ہو گئی اور لوگ اپنی ضروریات کا خود تکفل کرنے لگے، انہی معروضی حالات میں ازواج مطہرات نے مل جل کر باہمی مشاورت سے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ اس آسودگی کا کچھ حصہ اگر ہمیں بھی مل جائے اور ہمارے سالانہ خرچ میں اضافہ ہو جائے تو ہم بھی اس مال غنیمت سے مستفید ہو جائیں اور غرباء و مساکین کی ضروریات زیادہ کھلے انداز میں پوری کر سکیں۔

گو کہ یہ مطالبہ ناجائز نہ تھا اور معاذ اللہ گناہ بھی نہ تھا بلکہ ایک طرح سے اپنے نیک جذبات کا اظہار تھا لیکن

بظاہر چونکہ اس میں دنیا طلبی کا احساس پایا جاتا تھا اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ کی طبع مبارک پر یہ مطالبہ ناگوار گزرا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر میں دنیا کا کیا کام؟ اور آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ میں تمہارے پاس ایک مہینے تک نہ آؤں گا جسے فقہی اصلاح میں ”ایلاء“ کہا جاتا ہے۔

ایک مہینہ گزرنے کے بعد نبی ﷺ سب سے پہلے اپنی چھیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ رکھ رہا ہوں، جلد بازی میں جواب نہ دینا، اپنے والدین سے مشورہ کر لینا، پھر آپ ﷺ نے آیت تخییر کی تلاوت فرمائی جس میں ازواجِ مطہرات کو دو میں سے ایک بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو دنیا کو اختیار کر لیں، اس صورت میں نبی ﷺ انہیں طلاق دے کر بھلے طریقے سے فارغ کر دیں گے، یا پھر اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کر لیں، اس صورت میں انہیں موجودہ طرز زندگی پر ہی رہنا ہوگا، حضرت عائشہ نے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ مجھے اللہ اور رسول درکار ہیں، مجھے دنیا نہیں چاہیے۔ باقی تمام ازواجِ مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ازواجِ مطہرات کو جو دو میں سے کسی ایک شق کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بھی اسی طرح اختیار دے دیتا ہے اور وہ اس کے پاس رہنے کو ترجیح دیتی ہے تو محض اس اختیار کے سونپ دینے سے طلاق واقع نہیں ہو جاتی جیسے ازواجِ مطہرات کے حق میں اسے طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ خِيَارِ الْأَمَةِ تُعْتَقُ وَزَوْجُهَا حُرٌّ

(۲۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَعْتَقَتْ بَرِيرَةَ وَلَهَا زَوْجٌ مَوْلَى لِيَالِ أَبِي أَحْمَدَ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا۔

منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار کا بیان، جبکہ اس کا شوہر آزاد ہو

ترجمہ: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ بریرہ آزاد ہو گئی، اس کا شوہر آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا، نبی ﷺ نے بریرہ کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کروا دی، اور اس کا شوہر آزاد تھا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”ففرق“ باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تفریق کر دینا، اور اس کا فاعل نبی ﷺ ہیں۔

تَجْمِيعُ حَدِيثٍ: أخرجه النسائي: ۳۴۷۹، وأما نفس الحديث فقد أخرجه جميع أصحاب الصحاح۔

مفہوم: اسلامی ضابطہ حیات کی روشنی میں مرد و عورت کے لیے جو آئین اور قوانین وضع کیے گئے ہیں وہ تمام اس کی

ریلیف کے لیے ہیں، اسی طرح غلاموں اور باندیوں کے لیے بھی ایسے آئینی قوانین وضع کیے گئے ہیں جنہیں اختیار کر کے وہ اپنے آپ کو معاشرے کے آزاد افراد میں شامل کر سکتے ہیں۔

انہی میں سے ایک طریقہ غلاموں کے لیے ”کتابت“ کا ہے جس پر قدرے تفصیلی گفتگو انشاء اللہ اپنے مقام پر آجائے گی اور باندیوں کے لیے ”خیارعتن“ کی صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کا نکاح کسی ایسے آدمی سے کر دیا جسے وہ پسند نہیں کرتی، لیکن اپنے آقا کی ملک میں ہونے کی وجہ سے انکار نہیں کر سکتی اور اگر انکار کرتی بھی ہے تو اس کی شنوائی نہیں ہوتی، مجبوراً اسے اسی شخص کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا ہے، پھر کسی وقت میں اس کے آقا پر رحمہاں کا جذبہ غالب آتا ہے اور وہ اپنی باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اس موقع پر شریعت اس باندی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ جیسے ہی اسے اپنے آقا کی جانب سے غلامی سے آزادی کا پروانہ ملے، وہ اسی وقت اپنے شوہر سے بھی آزادی کا پروانہ حاصل کر لے اور یہ اعلان کر دے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اگر وہ ایسا کرتی ہے تو شریعت کا کوئی قانون اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور نہ ہی اسے سابقہ شوہر کے ساتھ گزارہ کرنے پر مجبور کرتا ہے، اسے ”خیارعتن“ کہا جاتا ہے جو ہر آزاد ہونے والی باندی کو حاصل ہوتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اسی اصول کی وضاحت حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیثہؓ کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ نے اپنا اختیار استعمال کر لیا اور اپنے شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو پھر نبی ﷺ نے بھی انہیں اپنے فیصلے پر مجبور نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْأَمَةِ

(۲۹۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَلَاقُ الْأَمَةِ اثْنَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔

باندی کی طلاق

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا باندی کی طلاق دو مرتبہ ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

تخریج حدیث: أخرجه ابن ماجه: ۲۰۷۹، والترمذی: ۱۱۸۲، وابدوداؤد: ۲۱۸۹، والدارقطنی: ۳۸/۴۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ سے فقہاء احناف نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ طلاق کے عدد کا اعتبار عورت کی حیثیت سے کیا جائے گا یعنی اگر عورت آزاد ہے تو مرد کے پاس اسے تین طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا اور عورت تین طلاقوں سے مغلفہ ہوگی اور اگر عورت باندی ہے تو مرد کے پاس اسے دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا اور وہ صرف دو طلاقوں سے ہی

مغلظہ ہو جائے گی، اسی طرح اگر عورت آزاد ہے تو اس کی عدت طلاق تین مرتبہ ایام کا دور گزرنا ہے اور اگر باندی ہے تو ایام کے دو دور گزرنے پر اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

جبکہ بعض فقہاء کرام جیسے امام شافعی وغیرہ طلاق کے عدد کا اعتبار مرد کی حیثیت سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آزاد مرد کو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک اور غلام کو دو طلاقوں کا حق حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک۔

لیکن ہم اس بحث میں پڑے بغیر صرف اس سوال کا جواب دینا چاہیں گے کہ اسلام میں آزاد اور غلام کے درمیان اس موقع پر مساوات کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا؟ آزاد عورت کی طلاقوں کا عدد تین اور باندی کے لیے دو کا عدد مقرر کر کے ان کے درمیان فرق کیوں کیا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم ”مساوات“ کا مطلب ہر چیز میں برابری سمجھتے ہیں تو یہ غلط ہے، اسلام اس کا قائل نہیں ہے اور اگر مساوات کا مطلب ”ہر مستحق کو اس کا حق مل جانا“ سمجھتے ہیں تو یہ صحیح ہے اور اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ اعتراض از خود ختم ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کی ابدی اور عالمگیر دعوت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا جو جو حق مقرر فرما دیا ہے، اسے اس کا حق پورا پورا دے دینا مساوات کہلاتا ہے مثلاً غلام کا حق یہ ہے کہ آقا اس کے کھانے پینے پہننے سونے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرے اسے طاقت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کرے وغیرہ ان حقوق کی ادائیگی تو مساوات کہلائے گی، لیکن اگر آقا اسے پر تکلف کھانے نہیں کھلاتا یا جیسا لباس خود پہنتا ہے اسے ویسا نہیں پہناتا تو یہ مساوات کے منافی نہیں ہوگا۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی اولاً تو مساوات کا ضروری ہونا ہی بعید از فہم ہے اور اگر مساوات ضروری ہی ہو تو باندی کے حالات کے مناسبت یہی ہے کہ اس کے لیے طلاق اور عدت کا عدد ”دو“ مقرر کیا جائے کیونکہ اسے کسی بھی وقت بیچا اور خریدا جاسکتا ہے اور خریدار کے لیے زیادہ لمبا انتظار کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے اس میں کمی کر دی گئی اور آزاد عورت کے لیے چونکہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے اس کی طلاق اور عدت پوری رکھی گئی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنَى لِلْمَبْتُوتَةِ

(۲۹۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا نَدْعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ الْمُطَلَّاقَةُ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ۔

طلاق بائنہ دی ہوئی عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو صرف ایک

عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے پتہ نہیں وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ، اس لیے جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، اسے رہائش اور نفقہ دونوں ملیں گے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لا ندع" باب فتح سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی چھوڑنا "کذب" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اخرجہ مسلم: ۳۷۱۰ (۱۴۸۰) و ابوداؤد: ۲۲۹۱، والترمذی: ۱۱۸۰، والنسائی: ۳۵۷۹۔

مَقْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ کے تحت علماء کرام نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ایامِ عدت وہ شوہر کے گھر گزارے گی یا جہاں اس کی مرضی ہو؟ اگر شوہر کے گھر گزارے تو شوہر اسے رہائش اور خرچ دینے کا ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟ اسی نوعیت کا ایک مسئلہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں پیش آیا۔

اس موقع پر ایک خاتون صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے اپنا واقعہ ذکر کیا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں لیکن نبی ﷺ نے مجھے سنی اور نفقہ کچھ نہیں دلوایا، گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ اور سکنی کی شوہر پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ان اکیلی کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یا تو اس پر دو گواہ پیش کرو جنہوں نے نبی ﷺ سے اس نوعیت کا کوئی حکم سنا ہو، ورنہ ہم ایک عورت کی خاطر کتاب اللہ اور سنت مصطفیٰ ﷺ کے دوسرے ذخیرے کو ترک نہیں کر سکتے، ہمیں کیا پتہ کہ وہ خاتون صحیح طرح اس بات کو یاد رکھ سکی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ واقعہ میں کوئی صداقت بھی ہے یا نہیں؟ چونکہ کتاب و سنت کے اشارات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسی عورت کو سنی اور نفقہ دونوں ملیں گے لہذا فاروق اعظمؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا اور یہ پوری امت کے لیے لائحہ عمل بن گیا۔

لیکن راقم الحروف کو اس ساری تفصیل میں یہ بات بات کھٹکتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو جو واقعہ بتایا، وہ کسی اور کا نہیں، خود ان کی آپ بیتی تھی، اور کم از کم انسان بالخصوص عورت اپنے ساتھ پیش آنے والے ایسے ہم واقعات کو فراموش نہیں کر سکتی اس لیے صرف اس بنیاد پر ان کی حدیث کو رد کر دینا کہ معلوم نہیں وہ اسے صحیح طرح یاد رکھ سکی ہیں یا نہیں، بعید از انصاف معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ پتہ نہیں وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ، ایک صحابیہ عورت پر عدم اعتماد کی علامت ہے، جو کسی طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ کسی صحابی مرد یا عورت کے متعلق تاریخ و سیرت کی کسی کتاب میں سے نبی ﷺ کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنے کا ایک واقعہ بھی ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا اور یوں بھی ہم کسی صحابی مرد و عورت کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کر سکتے، اس لیے ان کی اس حدیث کو رد کرنے کی یہ وجہ بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی شہادت کو صرف اس بنا

پر رد نہیں کیا تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں دو گواہوں کو پیش نہیں کر سکی تھیں۔ معاملہ چونکہ اجتماعی نوعیت کا تھا اس لیے اصول شہادت کے مطابق دو گواہوں کا ہونا ضروری تھا، چونکہ وہ دو گواہوں کو پیش نہ کر سکیں اس لیے سیدنا فاروق اعظم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس کی تائید سنن ابی داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کا خلاصہ میں اوپر ذکر کر چکا اور اسی میں یہ بھی ہے کہ اس پر دو گواہ پیش کرو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

(۲۹۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةَ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَمَكَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ وَضَعَتْ فَمَرَّبَهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكُكَ فَقَالَ تَشَوَّفُ تَرِيدِينَ الْبَاءَ ةَ كَلًّا وَاللَّهِ إِنَّهُ لَا بَعْدَ الْآجَلِينَ فَآتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ كَذَبَ إِذَا حَضَرَ فَأَذِنَنِي۔

اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند مر گیا ہو

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ وہ حاملہ تھیں، ابھی پچیس دن ہی گزرنے پائے تھے کہ ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا، اتفاقاً وہاں سے ابو السنابل بن بعکک کا گزر ہوا تو وہ کہنے لگے کہ تم زیب و زینت اختیار کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ تمہاری عدت ”ابعد الاجلین“ ہے، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا، نبی ﷺ نے فرمایا ان سے غلطی ہوئی، جب وہ آئیں تو مجھے بتانا۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتَهُ أَنَّ سُورَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرَى نَزَلَتْ بَعْدَ الطُّوْلِی۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَسَخْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرَى كُلَّ عِدَّةٍ أُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ سورہ طلاق سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اور ایک روایت میں مرفوعاً منقول ہے کہ سورہ طلاق نے عدت کے تمام احکام کو منسوخ کر دیا ہے، اب قاعدہ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: ”فمكثت“ باب کرم یا باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ٹھہرنا

”تشوفت“ باب تفعّل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی زیب و زینت اختیار کرنا ”الباءة“ بمعنی نکاح مباشرت ”فاذنیبی“ باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی اجازت دینا مراد اطلاع کرنا ہے ”باہلتہ“ باب مفاعله سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مبالغہ کرنا ”عدد“ عدت کی جمع ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری، ۵۳۱۸، ومسلم: ۳۷۲۲ (۱۴۸۴) و ابوداؤد: ۲۳۲۰۶، والترمذی: ۱۱۹۳ والنسائی: ۳۵۴۸، وابن ماجه: ۲۰۲۷، واحمد: ۴۲۷۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن ماجه: ۲۰۳۰، والنسائی: ۳۵۵۲، و ابوداؤد: ۲۳۰۷۔

مفہوم: یہاں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔

۱۔ حضرت سبیحہ بنت حارث کے شوہر ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے جس پر یہ بیوہ ہو گئی تھیں انہوں نے عدت گزارنا شروع کر دی ظاہر ہے کہ عدت وفات چار مہینے دس دن ہے لیکن چونکہ یہ امید سے تھیں اس لیے وضع حمل کا بھی انتظار تھا پندرہ پچیس یا چالیس دن کے بعد ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا اس کے چند ہی دن بعد ان کے لیے دورشتے آئے ایک رشتہ جو ان کا تھا اور دوسرا بوڑھے کا انہوں نے جو ان سے شادی کرنے کو ترجیح دی اس پر بوڑھے نے کہا کہ تم ابھی شادی کر ہی نہیں سکتی جب چار مہینے دس دن گزر جائیں تب ہی تمہارے لیے ایسا کرنا جائز ہو سکے گا حضرت سبیحہؓ یہ سن کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ساری بات بیان کی نبی ﷺ نے فرمایا تم نکاح کر سکتی ہو۔

۲۔ اگر ایک عورت امید سے ہو اور اس کی امید پوری ہونے سے قبل شوہر انتقال کر جائے تو قرآن کریم میں اس کا حکم دو مختلف جگہوں پر آیا ہے سورہ بقرہ ”جسے سورہ نساء طولی بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں خواتین کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں“ میں مطلقاً یہ فرمایا گیا ہے کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی کوئی قید نہیں ہر عورت کا یہی حکم ہے جبکہ سورہ طلاق ”جسے سورہ نساء قصری کہا جاتا ہے“ میں حاملہ عورتوں کی عدت ”وضع حمل“ قرار دی گئی ہے اور اس میں مطلقہ یا بیوہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی حکم پر عمل کیا جاسکتا ہے بیک وقت دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بعض حضرات نے ان میں تطبیق کا راستہ تلاش کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت وہ عدت گزارے گی جس کا وقفہ زیادہ ہو مثلاً اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو وہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی اور اگر چار مہینے دس دن گزرنے کے بعد وضع حمل ہوا تو اس کی عدت وضع حمل قرار پائے گی اسی کو پہلی حدیث میں ”ابعد الاجلین“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباسؓ کی یہی رائے تھی اور زیر بحث حدیث کی روشنی میں حضرت ابوالسائب بن بعلکؓ بھی یہی سمجھتے تھے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدت وفات نہیں گزار

گی بلکہ اس کی عدت "وضع حمل" ہوگی چنانچہ اگر خاوند کے انتقال کے صرف ایک گھنٹے بعد ہی اس کے یہاں بچہ کی پیدائش ہوگئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی اور اگر بچے کی پیدائش مثلاً آٹھ مہینے تک نہ ہو سکی تو وہ اس وقت تک عدت ہی میں رہے گی جب تک اس کے یہاں بچہ پیدا نہ ہو جائے، گویا ان حضرات کی رائے کے مطابق سورہ بقرہ کی آیت پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس مسئلے میں سورہ طلاق کی آیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور اس پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سورہ بقرہ پہلے نازل ہوئی ہے اور سورہ طلاق بعد میں ظاہر ہے کہ بعد والے حکم کو "ناسخ" ہونے کی بناء پر ترجیح ہوگی اور پہلے والے حکم کو منسوخ ہونے کی بجائے پر مرجوح سمجھا جائے گا۔

اکثر ائمہ کی رائے یہی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا نام نامی سب سے زیادہ نمایاں ہے اور وہ علی الاعلان یہ بات کہتے تھے کہ سورہ طلاق کا نزول مؤخر ہے اور سورہ بقرہ کا نزول مقدم ہے، اگر کوئی میری اس بات کو نہیں مانتا تو میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں اور "درایۃ" بھی یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ عنقریب یہ روایت گزر چکی ہے کہ استبراء رحم سے پہلے کسی حاملہ سے مباشرت نہ کی جائے تاکہ کسی دوسرے کی بھتیگی کو سیراب کرنا لازم نہ آئے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے قریب نہ جائے خاص طور پر ابتدائی راتوں میں اس لیے حفاظت نسب کی خاطر اس کی عدت ہی کو وضع حمل قرار دے دیا تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ ہی نہ رہے۔
واللہ اعلم

بَابُ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرُضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا

(۲۹۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فِي الْمَرْأَةِ تُوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرُضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا صَدَقَةً نِسَائِهَا وَلَهَا الْمِيرَاثُ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فَقَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى فِي بَرُوعِ بِنْتِ وَاشِقٍ مِثْلَ مَا قَضَيْتَ۔

جس عورت کا شوہر مر گیا ہو لیکن نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو
ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ اس عورت کے متعلق جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس نے اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور اس کے پاس بھی نہ گیا ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے مہر مثل ملے گا، میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی، ان کا یہ فیصلہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعی نے فرمایا کہ میں اس بات کا عینی شاہد ہوں کہ نبی ﷺ نے بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "لَمْ يَفْرُضْ" بَابُ نَهْرٍ سَعْدِ بْنِ جَدِّ بَلْمِ مَعْرُوفٍ كَا صَيْغِهِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى مَقْرَرٌ كَرْنَا "صَدَاقًا"

بمعنی مہر۔

تَجْنِیْحُ خَدَانِیْثٍ: اخرجہ ابوداؤد: ۲۱۱۵، والترمذی: ۱۱۴۵، وابن ماجہ: ۱۸۹۱، والنسائی: ۳۵۵۴، والطیالسی:

۱۲۷۳، واحمد: ۱۸۶۵۳۔

مَنْفُكُوْنَ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ”فقیہ الامت“ کا خطاب یوں ہی تو نہیں مل گیا تھا، اس میں نبی ﷺ کی دعاؤں اور آپ کی رفاقت و ہم نشینی کا عمل دخل واضح تھا اور کچھ آپ کی ذہانت و فقاہت اور منشا قرآن و سنت کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت و قابلیت تھی جس کے نتیجے میں آپ کے اکثر فیصلے جماعت صحابہ میں بھی مستند اور مضبوط خیال کیے جاتے تھے۔

اسی فیصلے کو دیکھ لیجیے کہ کچھ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ ہم نے اپنی ایک بچی کی شادی کی، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور میاں بیوی کو اکٹھے ہونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، آیا یہ عورت عدت گزارے گی یا نہیں؟ نیز اسے مہر ملے گا یا نہیں جبکہ شوہر نے مہر کی کوئی مقدار بھی مقرر نہیں کی تھی؟ نیز یہ کہ اسے اپنے شوہر کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ سوال سن کر شش و پنج میں پڑ گئے اور فرمانے لگے کہ نبی ﷺ کے وصال سے لے کر آج تک ایسا مشکل مسئلہ میرے سامنے کبھی نہیں آیا، اس لیے میں سوچ کر جواب دوں گا۔

اس کے بعد وہ لوگ تقریباً ایک مہینے تک حضرت ابن مسعودؓ کے پاس چکر لگاتے رہے لیکن ان کا کسی جواب پر شرح صدر نہ ہوتا تھا، بالآخر انہوں نے ایک دن فرما دیا کہ کسی اور صحابی سے جا کر یہ مسئلہ دریافت کر لو، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم کس سے جا کر پوچھیں؟ ہم تو یہاں آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے، اس پر انہوں نے فرمایا اچھا! میں اپنی رائے سے فیصلہ کیے دیتا ہوں، اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو گا اور اگر صحیح نہ ہو تو یہ میری جانب منسوب ہو گا، میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس عورت کو مہر مثل (اس جیسی عورتوں کا جو مہر ہو سکتا ہو) ملے گا اور خاوند کی وراثت میں بھی وہ حصہ دار ہوگی اور اسے عدت و فوات بھی گزارنا ہوگی۔

ان کا یہ فیصلہ سن کر حاضرین میں سے ایک صحابی حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ اور بعض روایات کے مطابق دو صحابہ حضرت جراح اشجعیؓ اور ابوسنان اشجعیؓ نے کھڑے ہو کر ان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے قبیلے کی ایک خاتون بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا اور ان کا خاوند ہلال بن مرہ اشجعی فوت ہو گیا تھا تو نبی ﷺ نے بعینہ یہی فیصلہ کیا تھا جو آپ نے کیا ہے، اس پر حضرت ابن مسعودؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے انہیں اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا گیا تھا کیونکہ ان کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا تھا اور نبی ﷺ کی موافقت انہیں نصیب ہو گئی تھی۔

بَابُ كَيْفَ يَكُونُ الْفَيْءُ فِي الْإِيْلَاءِ

(۲۹۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ فِي الْمَوْلَى فَيْئُهُ الْجَمَاعُ إِلَّا أَنْ

يَكُونُ لَهُ عُدْرٌ فَفَيْئُهُ بِاللِّسَانِ۔

ایلاء سے رجوع کس طرح ہوگا؟

تَرْجِعْتُمْ: علقہ اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس نے اپنی بیوی سے ایلاء کر لیا ہو کہ اس کا رجوع مباشرت کرنا ہے ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو اس کا رجوع زبان سے بھی ہو جائے گا۔

حَلَّتْ عِبَارَتٌ: ”المولیٰ“ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی ایلاء کرنا ”فنی“ بمعنی رجوع۔

تخریج: ہو قول تابعی تدل علیہ الآثار۔

مَفْهُومٌ: ”ایلاء“ کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ ضمناً چند باتیں گزر چکی ہیں یہاں صرف اتنی بات عرض کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی آدمی طبعی طور پر یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی بیوی کے قریب نہیں جاتا تو شریعت اسے اس پر مجبور نہیں کرتی بشرطیکہ عورت مطالبہ نہ کرے خواہ پورا سال ہی کیوں نہ گزر جائے لیکن اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا اور اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے وہ واقعی اس کے قریب نہ جائے تو صرف چار مہینے کے بعد ہی اس کی بیوی اس کے نکاح سے خود بخود خارج ہو جائے گی بظاہر یہ ایک معمولی سا فرق ہے لیکن دونوں کے نتائج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس دوسری صورت کو ”ایلاء“ کہتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصہ میں آ کر ایسا قدم اٹھا لیتا ہے تو کیا اس کا انجام میاں بیوی کی جدائی ہی ہوگا یا اس کا کوئی حل بھی شریعت نے دیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اس مسئلہ کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور حقوق زوجیت ادا کر دے یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے اور اپنی اس قسم کو توڑ دیا ہے جس میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔

البتہ قسم توڑنے پر اسے کفارہ یمین ادا کرنا ہوگا، گو کہ بعض فقہاء کرام کی رائے میں یہ بھی واجب نہیں، بس صرف رجوع کر لینا ہی کافی ہے اور رجوع کا طریقہ وہی ہے جو ابھی گزرا، لیکن اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ طریقہ اختیار کرنے میں کوئی مجبوری یا رکاوٹ ہو تو شوہر کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہوگا اور اس کا صرف یہ کہنا بھی کہ ”میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا“ رجوع ہی شمار ہوگا۔

بَابُ هَلْ تَخْتَلِعُ الْمَرْأَةُ بِشَيْءٍ مِنْ زَوْجِهَا

(۲۹۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَّانِيِّ أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ آتَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ لَا أَنَا وَلَا ثَابِتٌ فَقَالَ اتَّخْتَلِعِينَ مِنْهُ بِحَدِيثِهِ فَقَالَتْ نَعَمْ وَأَزِيدُ قَالَ أَمَا الزِّيَادَةُ فَلَا۔

کیا عورت کسی چیز کے عوض اپنے شوہر سے خلع لے سکتی ہے؟

تَرْجُمَانًا: ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے، نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس دے کر خلع لے سکتی ہو؟ انہوں نے کہا جی! میں اس سے زیادہ بھی دینے کے لیے تیار ہوں، فرمایا زائد کی کوئی ضرورت نہیں۔

حَالِ عِبَارَتٍ: "لا انا ولا ثابت" "ای لا اجتماع مع ثابت" "اتختلعین" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خلع کرنا "وازید" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اضافہ کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۵۲۷۳، والنسائی: ۳۵۲۷، وابن ماجه: ۲۸۷۸، والترمذی: ۱۱۸۵، م' و ابوداؤد:

-۲۲۲۸

مَفْهُومًا: دیگر کتب حدیث کو سامنے رکھ کر اس واقعے کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاریؓ کی بیوی ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، بعض روایات میں ان کا نام حبیبہ بنت سہل آتا ہے اور بعض روایات میں جمیلہ بنت ابی بن سلول آتا ہے، نیز اس کے علاوہ شراح حدیث نے کچھ اور اقوال بھی نقل کیے ہیں، بہر حال! ثابت نے اپنی بیوی کو کسی بات پر مارا پیٹا جس سے ان کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی، وہ نماز فجر سے پہلے نبی ﷺ کی گزرگاہ کے قریب پہنچ گئیں، جب نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو محسوس ہوا کہ وہاں کوئی ہے؟ پوچھا کون ہو؟ عرض کیا حبیبہ بنت سہل! پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ اگرچہ میں ثابت کی دینداری اور اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں کرتی لیکن اب میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ شوہر طلاق دینے کی خواہش نہیں رکھتے تھے، بیوی جدا ہو چاہتی تھیں، ظاہر ہے کہ طلاق دینا شوہر کا حق اور اس کی مرضی پر موقوف ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کر لے، اسے "خلع" کہا جاتا ہے اور شرعاً ہر منکوحہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔

نبی ﷺ نے اسی اصول کے پیش نظر یہ آئینی فیصلہ فرمایا کہ ثابت اپنا وہ باغ "جو انہوں نے حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو دیا تھا" واپس لے کر اپنی بیوی کو آزاد کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی اور آزادی سے زندگی گزار سکیں۔

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ عقل کے جو دشمن یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو قید کر دیا ہے، طلاق کا حق مرد کو دے کر عورت کو ہر ظالم اور شرابی کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنے پر مجبور کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور یہ عورت کے ساتھ نا انصافی ہے، عقل کے ان دشمنوں سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے تو کیا عورت سے طلاق لینے کا اختیار بھی چھین لیا ہے؟ کیا شریعت نے قانون طلاق کے

ساتھ ساتھ قانون خلع کی صورت میں عورت کی دادرسی نہیں کی ہے؟ کیا اب بھی بہت سی عورتیں قانونی اور آئینی طور پر خلع حاصل کر کے اپنے شوہروں سے آزاد ہو جاتی ہیں یا نہیں؟

پھر بعض لوگ یہ سٹھی سا سوال کرتے ہیں کہ جی خلع کی صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ مال و دولت دینا پڑتا ہے اگر عورت غریب ہو تو وہ کیا کرے؟ تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے اخلاقی طور پر مرد کے لیے کچھ لینے کو مردانگی کے خلاف سمجھا ہے اور اسے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اپنی بیوی کا راستہ یوں ہی چھوڑ دے اگر اس عورت نے بلا وجہ خلع لیا ہو گا تو وہ اللہ کی ناراضگی کے سائے تلے رہے گی۔

کتاب النفقات

نفقہ کے احکام

(۳۰۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا بَاتَ أَحَدُكُمْ مَغْمُومًا مَهْمُومًا مِنْ سَبَبِ الْعِيَالِ كَانَ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ أَلْفِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی فکر میں پریشان ہو کر سوتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک تلوار کی ان ہزار ضربوں سے زیادہ افضل ہوتا ہے جو راہ خدا میں کسی کو لگتی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۰۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى اللَّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جو چیز بھی رضا الہی کے لیے خرچ کرو گے اس پر تمہیں ثواب ضرور ملے گا حتیٰ کہ اس لقمے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

حالاتِ عِبَارَاتٍ: ”بات“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رات گزارنا ”ضربہ“ ضرب نشان چوٹ ”اجرت“ باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ثواب ملنا ”فی امراتك“

یہ ”فی“ حرف جار نہیں بلکہ ”فم“ کی بدلی ہوئی صورت ہے بمعنی منہ۔

تَحْفِيفِ حَاجَاتِهِ: اما الاول فقد اخرجہ الحارثی: ۴۲۳؛ واما الثانی فقد اخرجہ البخاری: ۵۶؛ ومسلم فی ضمن حدیث طویل: ۴۲۰۹ (۱۶۲۸) وابوداؤد: ۲۸۶۴؛ والترمذی: ۱۹۶۵۔

مَفْهُومٌ: دنیا میں ہر انسان اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے، گو محنت و مزدوری کی ہزاروں شکلوں میں سے وہ اپنے مناسب کسی بھی شکل کو اختیار کر لے، تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شخص اس دوڑ میں شریک ہے اور بعض لوگ دوسروں سے اس دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز بھی مٹا ڈالتے ہیں اور بعض لوگ صرف اپنے بطن اور فرج کی خاطر اپنے جسم و جان کو تھکا ڈالتے ہیں۔

اسی بھیڑ میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو اس محنت و مزدوری کو صرف ایک ذریعہ معاش ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی کو ایک عظیم عبادت بھی سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں ہر مشقت پر اپنے پروردگار سے اجر و ثواب کے امیدوار بھی ہوتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ واقعہً یہ اجر و ثواب کا کام بھی ہے۔

کیونکہ شریعت کبھی یہ نہیں چاہتی کہ انسان آٹھ آٹھ دس دس اور بارہ بارہ بچوں کی ایک ٹیم اپنے دائیں بائیں اکٹھی کر لے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو یہ تسلی دیتا رہے کہ اللہ ان سب کو اور مجھے خود ہی رزق پہنچائے گا، اور ان تمام آیات و روایات کو فراموش کر دے جن میں اپنے اہل خانہ کے لیے کمانے اور تجارت کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، ان اہل خانہ میں اس کی اولاد بھی شامل ہے اور بیوی بھی شامل ہے بلکہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں تو ایک درجہ بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پیار سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ توڑ کر ڈالو گے تو اس پر بھی پروردگار تمہیں صدقہ کا ثواب عطاء فرمائے گا۔

کتاب التدبیر

مدبر غلام کے احکام

بَابُ هَلْ يَجُوزُ أَنْ يُبَاعَ الْمُدَبِّرُ

(۳۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدًا كَانَ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ نَعِيمٍ النَّحَامِ فَدَبَّرَهُ ثُمَّ

اِحْتَجَّ إِلَى ثَمَنِهِ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَاعَ الْمُدَبِّرَ۔

کیا مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے؟

تَرْجَمْنَا: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ابراہیم بن نعیم النخام کا ایک غلام تھا، انہوں نے اسے مدبر بنا دیا، بعد میں انہیں اس کی قیمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ اسے آٹھ سو درہم میں بیچ دیا، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے خود بھی مدبر کو بیچا ہے۔

خَلَّ عِبْرَاتٍ: "قدبرہ" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مدبر بنانا، یعنی غلام سے یہ کہہ دینا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہوگا۔

تَجْنِیحُ خَلْدَانِیْثَ: اخرجہ البخاری: ۲۱۴۱، ومسلم: ۴۳۳۸ (۹۹۷) و ابوداؤد: ۳۹۵۷، والترمذی: ۱۲۱۹، والنسائی: ۴۶۵۶، وابن ماجہ: ۲۵۱۳۔

مَقْلُوبٌ: زمانہ قدیم میں عورتوں اور مردوں کو جو غلام اور باندیاں بنا لینے کا رواج تھا، اسلام نے اسے کم اور ختم کرنے کے لیے بہت عمدہ اصول وضع کیے ہیں، جن میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کی کارکردگی یا امانت و دیانت سے خوش ہو کر یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے اور میرا کوئی وارث تمہیں اپنی غلامی میں نہ رکھ سکے گا، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ آقا کے مرنے کے بعد غلام آزاد ہو جاتا تھا اور اپنے وطن لوٹ جانے کا مجاز ہوتا تھا، فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "تذییر" اور اس غلام کو "مدبر" کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب مالک نے اسے ایک مرتبہ آزادی کی امید دلا دی اور اس کے دل میں بھی حریت کی شمع روشن ہو گئی تو اب اسے مستقل طور پر اس کے مرتے دم تک غلامی میں رکھنا اس کے ساتھ نا انصافی ہوگی، اس لیے اگر کوئی شخص اپنے غلام سے یہ وعدہ کرنے کے بعد اسے بیچنے کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور آزادی کی اس امید کو پامال کرنے والا قرار پاتا ہے جو اس نے اپنے غلام کے ذہن میں پیدا کر دی تھی جو شریعت کسی صورت گوارا نہیں کرتی اس لیے شریعت نے ایسے غلام کو بیچنے سے منع کر دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث میں تو "مدبر" کو بیچنے کا صراحتاً ذکر موجود ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے بیچنا منع ہے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ بعض اوقات انسان جوش میں آ کر کچھ ایسے فیصلے بھی کر بیٹھتا ہے جو ہوش آنے پر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں چنانچہ کتب تاریخ و سیر میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے جوش میں آ کر اپنے غلام کو مدبر بنا ڈالا، بعد میں غربت نے ایسا آگھیرا کہ اپنی ضروریات کی تکمیل مشکل ہو گئی، اب ایک طرف اپنی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں اور دوسری طرف غلام کو بھی نہیں بیچ سکتے کہ اس سے کچھ رقم مل جائے اور کچھ گزارہ ہو جائے۔

زیر بحث حدیث کا تعلق اسی مجبوری کی کیفیت کے ساتھ ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اپنے غلام کو بیچے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس لیے نبی ﷺ نے اس کی قیمت لگا کر اسے فروخت کر دیا تاکہ مجبوری کی صورت میں نبی ﷺ کا

یہ عمل دلیل بن جائے اور عام حالات میں ”لا یباع المدبر ولا یوہب“ پر عمل کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلَاءِ لِمَنْ أَعْتَقَ

(۳.۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ لِتُعْتِقَهَا فَقَالَتْ مَوَالِيهَا لَا نَبِيعُهَا إِلَّا أَنْ تَشْتَرِطَ الْوَلَاءَ لَنَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

ولاء کا مستحق وہ ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدنے کا ارادہ کیا، لیکن بریرہ کے آقا کہنے لگے کہ ہم اسے صرف اس صورت میں بیچیں گے کہ آپ ولاء ہمیں دیں گی، حضرت عائشہ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، تو فرمایا کہ ولاء اسی کو ملتی ہے جس نے غلام کو آزاد کیا ہو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۳.۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَّارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبْتَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تجزیح حدیث اول: اخرجہ البخاری مطولا: ۴۵۶، ومسلم: ۳۷۷۶ (۱۵۰۴) وابوداؤد: ۲۹۱۵، والترمذی:

۲۱۲۴، والنسائی: ۲۶۱۵، وابن ماجہ: ۲۵۲۱، واحمد: ۴۸۵۵، وعبدالرزاق: ۱۶۱۶۶، وابن ابی شیبہ: ۲۱۷/۱۴۔

تجزیح حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۲۵۳۵، ومسلم: ۳۷۸۸ (۱۵۰۶) وابوداؤد: ۲۹۱۹، والترمذی: ۱۲۳۶،

والنسائی: ۴۶۶۱، وابن ماجہ: ۲۷۴۷، واحمد: ۴۵۶۰، ومالك: ۴۸۹، والطیالسی: ۱۸۸۵، وعبدالرزاق: ۱۶۱۳۸،

والحمیدی: ۶۳۹، وابن ابی شیبہ: ۴۱۸/۱۱، والدارمی: ۲۵۷۵۔

مفہوم: ”ولاء“ کا لفظ عام طور پر کتاب العتق میں استعمال ہوتا ہے، جس کا عام فہم اور آسان ترجمہ ”مملوک کی وراثت“ ہے یعنی جس طرح آزاد آدمی کے ترکہ کو ”وراثت“ کہا جاتا ہے، اسی طرح مملوک کے ترکہ کو ”ولاء“ کہا جاتا ہے، نیز جس طرح آزاد آدمی کا ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے، اسی طرح مملوک کا ترکہ اس کے آقا کو ملے گا، تاہم اس میں اتنی بات ضروری ہے کہ مملوک کی ولاء کا حقدار وہ آقا ہوگا جس کے پاس وہ سب سے آخر میں آیا ہو، اور وہاں آکر اسے غلامی سے آزادی مل گئی ہو یا دنیا ہی سے آزادی مل گئی ہو۔

اسی طرح ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو فروخت کرتے وقت مشتری سے یہ شرط لگا لے کہ میں یہ غلام آپ کے ہاتھ فروخت تو کر رہا ہوں لیکن آپ ایسا کریں کہ اس کی ”ولاء“ مجھے بیچ دیں اور یہ طے کر لیں کہ یہ جب بھی مرے گا اس کی ساری ولاء مجھے ملے گی، یا کوئی شخص اپنے غلام کی ”ولاء“ کسی کو ہبہ کر دے اور کہے کہ میں

اسے آزاد کر رہا ہوں، حق و لاء تو میرا ہے لیکن میں وہ حق آپ کو دیتا ہوں، اب یہ غلام جب فوت ہو گا تو اس کی ساری ”ولاء“ آپ کو مل جائے گی، نبی ﷺ نے ان دونوں صورتوں سے منع فرمایا ہے اور اسے آزاد کنندہ کا ہی حق قرار دیا ہے۔

اصل میں غلامی کی زندگی سے رہائی اور نجات پانے والے اکثر غلام اور باندیاں اپنے علاقے کو واپس جانے کی بجائے وہیں محنت مزدوری کر کے اپنی گزر اوقات کرتے رہتے تھے، اس دوران بعض غلام اور باندیاں اپنی محنت سے بہت سا مال و دولت اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن چونکہ ان کا کوئی نسبی رشتہ دار وہاں ہوتا نہیں تھا اس لیے ان کے ترکہ پر بہت جھگڑے ہوتے تھے، نبی ﷺ نے ان تمام چیزوں کو مد نظر رکھ کر یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسے غلاموں اور باندیوں کا سارا ترکہ ان لوگوں کو ملے گا جنوں نے اسے آزاد کیا ہوتا کہ انہیں بھی اسے آزاد کرنے کا کچھ پھل مل جائے اور ان کا شرعی حق بھی تسلیم کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

کتاب الایمان

قسم کے احکام

(۳۰۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَاصِحِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَيُقَالُ ابْنُ عَجَلَانَ يَحْيَى بْنُ يَعْلَى وَإِسْحَقُ بْنُ السَّلُولِيِّ وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَفِيلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ مِمَّا يُعْصَى اللَّهُ تَعَالَى بِهِ شَيْءٌ هُوَ أَعْجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَطِيعَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ أَسْرَعَ ثَوَابًا مِنَ الصَّلَاةِ وَالْيَمِينِ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ الدِّيَارَ بِلَاقِعٍ۔

وَفِي رِوَايَةٍ لَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلُ ثَوَابًا مِنْ صَلَاةِ الرَّحِمِ وَلَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلُ عُقُوبَةً مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ الدِّيَارَ بِلَاقِعٍ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَا مِنْ عَمَلٍ أَطِيعَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلِ ثَوَابًا مِنْ صَلَاةِ الرَّحِمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ عُصِيَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ بِأَعْجَلِ عُقُوبَةٍ مِنَ الْبَغْيِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ الدِّيَارَ بِلَاقِعٍ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَا مِنْ عُقُوبَةٍ مِمَّا يُعْصَى اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلِ مِنَ الْبَغْيِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے ان میں بغاوت سے بڑھ کر کسی چیز پر جلدی عذاب نہیں آتا، اور جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کی جاتی ہے ان میں ”صلہ رحمی“ سے بڑھ کر کسی چیز پر جلدی ثواب نہیں ملتا اور جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے۔

خَلَّ عِبَارَتٌ: ”لیس“ فعل ناقص ”شیء“ اس کا اسم اور ”اعجل“ اس کی خبر ہے ”یعصی“ باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نافرمانی کرنا ”الديار“ الممالك ”بلاقع“ ویران۔

تَجْنِجٌ خَلَّيْتُ: اخرجہ ابن الجوزی فی البر والصلة: ۱۶۷، والحرثی: ۸۷۵۔

مَقْبُحٌ: اسلام قبول کرنے کے بعد خدا نخواستہ اس سے انحراف کی راہ اختیار کرنے والا اور اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین و مذہب سے وابستہ ہو جانے والا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی ملک میں رہتے ہوئے اس کے قوانین کو ماننے اور ان پر عمل کرنے سے انکار کر دئے ظاہر ہے کہ ایسا شخص باغی ہوتا ہے اور کسی بھی مہذب معاشرے میں باغی کا وجود برداشت نہیں کیا جاتا اس لیے اللہ کے دین سے بغاوت کرنے والا (مرتد) بھی اس قابل نہیں کہ اس کے وجود کی گندگی اور تعفن کو برداشت کیا جائے اسی لیے فرمایا گیا ”من بدل دینہ فاقتلوه“

اور اطاعت کی زندگی گزارنے والے کی طاعات میں سب سے زیادہ قابل قدر نیکی ”صلہ رحمی“ ہے جس کا فی زمانہ مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو ہمارے ساتھ اچھائی کرنے ہم بھی اس کے ساتھ اچھائی کریں، حالانکہ یہ صلہ رحمی نہیں، یہ تو ادلے کا بدلہ ہے صلہ رحمی اسے کہتے ہیں جو کسی بدلے کی خواہش کے بغیر ہو اور اس سے اپنے قریبی رشتہ داروں کی ضروریات پوری کرنا مقصود ہو۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث کا ترجمہ الباب سے کیا ربط ہے؟ تو یاد رہے کہ اس حدیث کے آخری جملے کا تعلق ترجمہ الباب سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو جھوٹی قسم کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو ایک دو مرتبہ دھوکہ کھانے کے بعد لوگ اس کی قسم کا اعتبار کرنا چھوڑ دیتے ہیں، لوگوں کے دلوں سے اس کی محبت اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور اس شخص کی کسی چھوٹے بڑے کی نگاہ میں کوئی عزت نہیں رہتی یعنی جھوٹی قسم کھانے والے کی زندگی آہستہ آہستہ ویران ہو جاتی ہے۔

یہی بیماری جب کسی خاص طبقے، کسی خاص گروہ، قوم، علاقے یا شہر میں پائی جاتی ہے تو وہ پورا معاشرہ ہی ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے کے باوجود ہمیں پاکستانی مصنوعات پر اطمینان نہیں ہوتا اور ہمارے ملک پر چائے، جاپان اور تائیوان کے لیبل چھائے ہوئے ہیں، ہمارے گھر کی سوئی سے لے کر بیڈ روم کے گدے تک ہر چیز امپورٹڈ ہوتی ہے اور پاکستانی مصنوعات کے ”معیاری پن“ سے ہم نالاں ہو چکے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ تباہی و بربادی معیشت کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

بَابُ إِذَا نَذَرَ فِي الطَّاعَةِ أَوْ الْمَعْصِيَةِ

(۲۰۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِيعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ وَلَا نَذَرَ قِي غَضَبٍ -

جو شخص اطاعت یا نافرمانی کی منت مانے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اطاعت الہی کی منت مانی ہو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی منت مانی ہو اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے اور شدتِ غضب میں نذر نہیں ہوتی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْحَنْظَلِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا نَذَرَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَكَفَّارَتِهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ -

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی منت نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "نذر" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منت ماننا، کفارۃ یمین ای مثل کفارۃ یمین۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ أَوَّلٍ: أخرجه البخاری: ۶۶۹۶، وابوداؤد: ۳۲۸۹، والترمذی: ۱۵۲۶، وابن ماجہ: ۲۱۲۶، والنسائی: ۳۸۳۷، وابن حبان: ۴۳۸۷، والطحاوی: ۴۷۲۲، واحمد: ۲۴۵۷۶۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: أخرجه مسلم فی آخر: ۴۲۴۵ (۱۶۴۱) و ۴۲۵۳ (۱۶۴۵) وابوداؤد: ۳۲۹۰، وابن ماجہ: ۲۱۲۵، والنسائی: ۳۸۶۵، وابن حبان: ۴۳۹۱۔

مَقْبُولٌ: عام طور پر گھروں میں مائیں اپنے بچوں پر اس ترکیب کو استعمال کرتی ہیں کہ اگر بچہ سے کوئی کام کروانا ہو اور وہ کام کرنے سے انکار کرے تو اسے کسی گولی یا ٹانی کا لالچ دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہیں یہ گولی دوں گی یا تمہیں سیر کروا کر لاؤں گی، جب بچہ وہ کام کر دیتا ہے تو بعض اوقات مائیں اپنے وعدے کو پورا کر دیتی ہیں اور بعض اوقات وہ "سیاست" کر جاتی ہیں۔

منت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جس میں بندہ اپنا کام کروانے کے لیے اللہ میاں سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اتنے نوافل یا روزے رکھوں گا، اسی وجہ سے بعض روایات میں منت ماننے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے انسان کے بخل و کنجوسی کا اظہار ہوتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہو گیا تو اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا، گویا کام نہ ہونے کی صورت میں وہ مال اپنی جیب میں ہی رہنے دوں گا، حالانکہ اچھے آدمی کی نشانی تو یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے اللہ سے بندگی اور مخلوق سے خدمت کا ناطہ جوڑے رکھے۔

تاہم اگر کسی شخص نے منت مان ہی لی ہو تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے اپنا کوئی کام ہو جانے پر جس چیز کی منت مانی ہے اس میں اطاعت الہی کا پہلو پایا جاتا ہے یا معصیت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا واجب ہے جیسے نماز روزے اور حج کی منت ماننا، کسی یتیم اور بیوہ کے ساتھ حسن سلوک کی منت ماننا وغیرہ اور اگر دوسری صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا حرام ہے جیسے کسی سینما کو بنانے کی منت ماننا، شراب و شباب کی محفل جمانے کی منت ماننا وغیرہ ظاہر ہے کہ ایسی منت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

چونکہ منت بھی قسم ہی کے حکم میں ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں ذکر بھی کیا گیا ہے اس لیے منت پوری نہ کر سکنے کا مطلب قسم توڑ دینا ہے اور قسم توڑنے پر کفارہ یمین واجب ہوتا ہے لہذا اس صورت میں بھی کفارہ یمین واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُكْمِ اللَّغْوِ مِنَ الْإِيمَانِ

(۲۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهُ-

یمین لغو کا حکم

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد باری تعالیٰ ”لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم“ کا مطلب بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے مراد کسی آدمی کا یہ کہنا ہے ”لا واللہ“ یا ”بلی واللہ؟“

(۲۰۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ قَالَتْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهُ مِمَّا يَصِلُ بِهِ كَلَامَهُ مِمَّا لَا يَعْقِدُ عَلَيْهِ قَلْبُهُ حَدِيثًا-

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے کلام کو ملانا مقصود ہوتا ہے دل اس پر جمتا نہیں ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”یصل“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا ”لا یعقد“ باب ضرب سے فعل مضارع منفي معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گروہ لگانا۔

تَجَنَّبَ حَلْفَ يَمِينٍ: اخرجهما البخاری: ۴۶۱۲، وابن حبان: ۴۳۳۳، وابدواؤد: ۳۲۵۴۔

مَقْلُوبٌ: قسم کھانے کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی زمانہ ماضی کے متعلق کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے اور کرنے یا نہ کرنے سے متعلق جھوٹی قسم کھالے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان زمانہ مستقبل کے متعلق کسی بھی نوعیت کی قسم کھالے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ زمانہ حال میں یوں ہی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ قسم کو ادا کرتا پھرنے پہلے درجے کو یمن غموس، دوسرے کو یمن منعقدہ اور تیسرے کو یمن لغو کہتے ہیں۔

اور یہ تیسری قسم تو عوام میں ہی نہیں خواص میں بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے چنانچہ بہت سے لوگوں کو بات بے بات اور خواہ مخواہ ہی میں قسمیں کھاتے دیکھا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس پر بھی ثواب اور عذاب کا فیصلہ ہونے لگے تو بہت مشکل پیش آجائے گی اس لیے کہ بہت سے لوگوں کی زبان پر قسم، گالی کی طرح چمٹی ہوئی ہوتی ہے یعنی جس طرح بعض لوگ گالی سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پاتے اور بات بعد میں شروع کرتے ہیں، گالی پہلے دیتے ہیں اسی طرح بعض لوگ بات بے بات قسم کھانے سے احتیاط نہیں کر سکتے اور ہر موقع پر قسم کھانا اپنا فرض منجھی سمجھتے ہیں اس لیے اس میں کوئی کفارہ نہیں رکھا گیا۔

ماضی کی جھوٹی قسم پر انسان کو دروغ گو اور گناہگار سمجھا جاتا ہے اور مستقبل کی قسم کو پورا نہ کرنے پر اسے جرمانہ کیا جاتا ہے جسے ”کفارہ یمن“ کہتے ہیں اور جس کی تفصیل ساتویں پارے کے بالکل آغاز میں ہے یعنی دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا یا تین روزے رکھنا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ

(۳۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَاسْتثنَى فَلَهُ ثَنِيَاءٌ۔

قسم میں استثناء کا لفظ لانے کا بیان

ترجمتاً: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی چیز پر کوئی شخص قسم کھائے اور اس میں استثناء کر دے تو اس استثناء کا اسے فائدہ ہوگا۔

(۳۱۱) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَقَالَ إِثْنَاءَ اللَّهِ فَقَدْ اسْتثنَى۔

ترجمتاً: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حَلْفٌ عِبَارَةٌ: ”حلف“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قسم کھانا ”واسثنی“

باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی استثناء کرنا مراد ”انشاء اللہ“ کہنا ہے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

تصحیح حدیث: اخرجہما ابن ماجہ: ۲۱۰۴، والترمذی: ۱۵۳۲، وابوداؤد: ۳۲۶۱، والنسائی: ۳۸۵۹، وابن حبان: ۴۳۳۹۔

مفہوم: لفظ ”انشاء اللہ“ کہنے کو تو بہت مختصر ہے لیکن اس کے فوائد اتنے عظیم ہیں کہ بہت سے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں اور بہت سے سنورے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں اس کا لفظی معنی ہے ”اگر اللہ نے چاہا“ ظاہر ہے کہ اللہ کی مشیت تو کسی کو معلوم نہیں ہے اس لیے ہر شخص کو یہ جملہ کہنے کے بعد اپنے آپ کو ایک حفاظتی حصار مل جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”میں تمہیں طلاق دیتا ہوں“ تو ظاہر ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ ”میں تمہیں طلاق دیتا ہوں انشاء اللہ“ تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی اور دلیل اس کی وہی ہے جو ابھی ذکر ہوئی کہ اس جملے میں طلاق کو اللہ کی مشیت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور اللہ کی مشیت کا کسی کو علم نہیں لہذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہی حکم تمام معاملات کا ہے۔

کتاب الحدود شرعی سزاؤں کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الْخَمْرِ

(۳۱۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْمَارَ وَالْكَؤُوبَةَ۔

شراب کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تمہارے لیے شراب، جوا، آلات لہو و لعب اور شطرنج کو ناپسند کرتا ہے۔

حاشیہ: ”میسر“ باب سماع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناپسند کرنا ”المیسر“ جوا، ”المزمار“ گانے بجانے کا آلہ ”الکؤوبہ“ شطرنج۔

تصحیح حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ۳۶۸۵، واحمد: ۱۸۵/۲۔

مَقْفُوٰنَ: جرائم کی روک تھام کے لیے دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں کچھ آئینی اصول وضع کیے جاتے ہیں، کچھ سزائیں مقرر کی جاتی ہیں، اور معاشرے کی حفاظت کی خاطر مجرموں پر ان سزاؤں کو نافذ کیا جاتا ہے، بعض معاشروں میں انتہائی غیر انسانی اور بہیمانہ سزاؤں کے ذریعے انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے اور بعض معاشروں میں قانون اور سزا کا تصور موجود ہونے کے باوجود مجرم سرعام دندناتے پھرتے ہیں۔

اسلام نے اپنے ضابطہ حیات میں جن اصولوں سے بحث کی ہے ان میں شرعی سزاؤں کا باب نہایت اہمیت کا حامل ہے اور ان پر تفصیلی گفتگو کرنے کا خیال یوں بھی مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ صرف مغرب ہی نہیں، ہمارے نام نہاد متجددین بھی شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں پر ہمیشہ طبع آزمائی فرماتے رہتے ہیں، کسی کو ہاتھ کاٹنا خلاف انسانیت محسوس ہوتا ہے گو کہ وہ خود دوسروں کے گلے کاٹنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہو، کسی کو شراب نوشی کی سزا پر اعتراض ہے گو کہ وہ خود اس حال میں ڈرائیونگ کرنے والوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیتا ہو، کسی کو کوڑوں اور رجم پر اعتراض ہے اور وہ اسے وحشیانہ اور غیر انسانی سمجھ کر گوانتا موبے کے ذلت آمیز تشدد سے نظریں چرا لیتا ہے اور اس کے لیے ”حقوق نسواں بل“ جیسے فحش اور گندے آئین پاس کرتا ہے اور پوری قوم کو گندگی، فحاشی، عریانی، مغربیت اور لامذہبیت کے ایک متعفن جوہر میں دھکیلنا چاہتا ہے اور اس پر صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کی ”مسجد کو“ خون سے ”لال“ کر دیتا ہے اور عوام کو حدود اللہ اور حدود آرڈیننس کی بھول بھلیوں میں دھکا دے کر خود مزے کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔

بد قسمتی سے شریعت اسلامیہ کی ان مقرر کردہ سزاؤں میں ترمیم کرنے اور کروانے والے اور غیر نافع علم سے ان کی تائید کرنے والے یہودی اور عیسائی نہیں، کلمہ گو مسلمان ہیں، ان حدود کو ہدف تنقید بنانے والوں میں اپنے آپ کو ”سیدزادہ“ کہلانے والے بھی ہیں، ربع صدی سے علم کی مسند پر متمکن رہنے کا دعویٰ کرنے والے بھی ہیں اور نام نہاد آئینی ماہرین بھی۔ اگر یہ لوگ حدود اسلامیہ کی حفاظت کرنے والے مجاہد ہوتے تو ہمارے سر کا تاج ہوتے بصورت دیگر ہم انہیں اپنے پاؤں کی جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اس لیے کہ شعائر دین کا کھلم کھلا مذاق اڑانے والا اور ان میں اقتدار و اختیار کے نشے سے مغلوب ہو کر ترمیم کرنے والا کبھی عزت و احترام کے قابل نہیں ہو سکتا۔

رہی زیر بحث حدیث تو اس میں جتنی چیزوں کو اللہ کے نزدیک انسانیت کے لیے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، سب کی سب شیطان کو راضی کرنے والی اور رحمان کو ناراض کرنے والی چیزیں ہیں، شراب آدمی کا خانہ خراب کرتی ہے، جو انسان کو اپنی بیوی اور بیٹی تک داؤ پر لگا دینے کی ترکیبیں سمجھاتا ہے، آلات لہو و لعب میں مست ہو کر انسان انسانیت کے دائرے سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور شطرنج کھیلنے والا خنزیر کے خون میں اپنے ہاتھ ڈبونے والے کی مانند ہوتا ہے، اور پھر ویسے بھی اس میں سوائے وقتی لذت اور ضیاع وقت کے اچھائی کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں اس لیے اس کا ناپسندیدہ ہونا واضح ہے کیونکہ ”کل ما یلہی عن ذکر اللہ فهو لغو“ واجب التروک۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ الشُّرْبِ

(۳۱۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ آتَاهُ رَجُلٌ بِإِبْنِ أَخٍ لَهُ نَشْوَانَ قَدْ ذَهَبَ عَقْلُهُ فَأَمَرَ بِهِ فَجُبِسَ حَتَّى إِذَا صَحَا وَأَفَاقَ عَنِ السَّكْرِ دَعَا بِالسُّوْطِ فَقَطَعَ ثَمْرَتَهُ ثُمَّ رَقَّهَ وَدَعَا جَلَادًا فَقَالَ اجْلِدْهُ عَلَى جَلْدِهِ وَارْفَعْ يَدَكَ فِي جَلْدِكَ وَلَا تَبْدَأْ ضَبْعَيْكَ۔

قَالَ وَأَنْشَأَ عَبْدُ اللَّهِ يُعَدُّ حَتَّى أَكْمَلَ ثَمَانِينَ جَلْدَةً خَلَى سَبِيلَهُ فَقَالَ الشَّيْخُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَاللَّهِ إِنَّهُ لَا بِنُ أَحْيَى وَمَالِي وَلَدٌ غَيْرُهُ فَقَالَ شَرُّ الْعَمِّ وَالْيَ الْيَتِيمِ أَنْتَ كُنْتَ وَاللَّهِ مَا أَحْسَنْتَ أَدَبَهُ صَغِيرًا وَلَا سَتَرْتَهُ كَبِيرًا۔

قَالَ ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ حَدِّ أُقِيمَ فِي الْإِسْلَامِ لِسَارِقٍ أُتِيَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا قَامَتْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ قَالَ انْطَلِقُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهِ نُظِرَ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّمَا سُفِّ عَلَيْهِ وَاللَّهِ الرَّمَادُ فَقَالَ بَعْضُ جُلَسَائِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَكَانَ هَذَا قَدْ اشْتَدَّ عَلَيْكَ فَقَالَ وَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ يَشْتَدَّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَعْوَانُ الشَّيَاطِينِ عَلَى أَحْيِكُمْ قَالُوا فَلَوْ لَا خَلَيْتَ سَبِيلَهُ قَالَ أَفَلَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تَأْتُونِي بِهِ فَإِنَّ الْإِمَامَ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهِ حَدٌّ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُعْطَلَهُ قَالَ ثُمَّ تَلَاوَلِيْعُفُوا وَلِيَصْفَحُوا۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى بِإِبْنِ أَخٍ لَهُ سَكْرَانَ فَقَالَ تَرْتَرُوهُ وَمَزْمَزُوهُ وَاسْتَنْكَهُوهُ فَوَجَدُوا مِنْهُ رِيحَ شَرَابٍ فَأَمَرَ بِجُبْسِهِ فَلَمَّا صَحَا دَعَا بِهِ وَدَعَا بِسُوْطٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقَطَعَتْ ثَمْرَتَهُ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ حَدِّ أُقِيمَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أُتِيَ بِسَارِقٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقَطَعَتْ يَدُهُ فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهِ نُظِرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَأَنَّمَا يُسْفُ فِي وَجْهِهِ الرَّمَادُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّهُ شَقَّ عَلَيْكَ فَقَالَ أَلَا يَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَعْوَانًا لِلشَّيْطَانِ عَلَى أَحْيِكُمْ قَالُوا فَلَا نَدْعُهُ قَالَ أَفَلَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُؤْتَى بِهِ وَأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا رُفِعَ إِلَيْهِ الْحَدُّ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَدْعَهُ حَتَّى يَمْضِيَهُ ثُمَّ تَلَاوَلِيْعُفُوا وَلِيَصْفَحُوا الْآيَةَ۔

شراب نوشی کی سزا

ترجمہ: یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کے پاس ایک آدمی اپنے ایک بھتیجے کو لے کر آیا جو نشے کی حالت میں تھا اور

اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی، حضرت ابن مسعودؓ کے حکم پر اسے قید کر دیا گیا، جب اسے نشے کی حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ نے کوڑا منگوا یا، اس کا پھل کاٹ کر اسے نرم کیا اور جلا دیکر بلا کر فرمایا اس کے جسم پر کوڑے لگاؤ، کوڑا مارنے کے لیے ہاتھ تو بلند کرنا لیکن اپنے پہلوؤں کو ظاہر نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ کوڑے گننا شروع ہو گئے، جب اس نے اسی کوڑے پورے کر لیے تو انہوں نے اس شخص کو رہا کر دیا۔

اس نوجوان کا چچا کہنے لگا اے ابو عبد الرحمن! بخدا یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی بچہ نہیں ہے، فرمایا پھر تو تو بہت برا چچا اور اس یتیم کا بہت برا سرپرست ہے، بخدا تو نے بچپن میں سے اچھے آداب نہیں سکھائے اور بڑا ہونے کے بعد اس کے عیوب پر پردہ نہیں ڈالا، پھر وہ ہمیں حدیث سنانے لگے کہ اسلام میں سب سے پہلی حد جو جاری کی گئی، وہ ایک چور کی تھی جسے نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا، جب اس کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے لے جا کر اس کا ہاتھ کاٹ دو، جب اسے لے جایا جانے لگا تو کسی کی نظر نبی ﷺ کے روئے انور پر پڑی، بخدا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا نبی ﷺ کے روئے انور پر راکھ بکھیر دی گئی ہو، یہ دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ چیز آپ پر گراں گزر رہی ہے؟ فرمایا گراں کیوں نہیں گزرے گی؟ کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار ثابت ہوئے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟ فرمایا کیا میرے پاس لانے سے پہلے اسے نہیں چھوڑا جاسکتا تھا، کیونکہ امام کے پاس جب حد کا کوئی معاملہ پہنچ جائے تو اس کے لیے اسے معطل کرنا مناسب نہیں ہوتا، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ”انہیں معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے۔“

حَلِّجْ عِبْرَاتٍ: ”نشوان“ بمعنی سکران ”فحسب“ باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قید کر دینا ”صحاح“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ہوش میں آنا ”رقہ“ باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی نرم کرنا ”سترقہ“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پردہ ڈالنا ”سف“ باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بکھیر دینا۔

تَجْرِجْ حَدِيثًا: اخرجہ السیوطی فی الجامع الصغیر، و عبد الرزاق، والطبرانی، والحرثی: ۷۲۴، واحمد مختصراً: ۳۹۷۷، والحمیدی: ۷۹، وابویعلی: ۵۱۵۵۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث کے تحت محدثین نے بہت سے مسائل کو پرکھ کر ان کے لیے اصول وضع کیے ہیں لیکن یہاں ہم صرف دو باتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ کوڑے مارنا عام طور پر پولیس کے اس وحشیانہ تشدد کے مترادف سمجھا جاتا ہے جس کا مظاہرہ آئے روز ہوتا رہتا ہے اور سمجھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شریعت کے مطابق کوڑے مارنے کی سزا پورے ملک میں جاری ہو گئی تو مجرموں کی چڑیاں ادھڑ جائیں گی، نیز یہ کہ کوڑوں سے مراد لوہے کے وہ ڈنڈے ہیں جن پر لکڑی چڑھا دی گئی ہو، ان لوگوں کی غلط فہمی دور

کرنے کے لیے میں عرض کرتا چلوں کہ اولاً تو ہر کس و ناکس کو کوڑے مارنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں، یہ اسی کے کمر پر برسیں گے جس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو پھر یہ کوڑے لوہے کے نہیں، چڑے کے ہوں گے جو اتنی زور سے مارنے کی اجازت کسی صورت نہیں کہ انسان بلبلا اٹھے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوڑے مارنے والا اپنے ہاتھ کو صرف سر تک بلند کر سکتا ہے، سر سے پیچھے لے جا کر اپنی پوری قوت صرف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، اور اس سے پہلے ثبوت جرم کا جو کڑا نظام شریعت نے قائم کیا ہے، اکثر اوقات تو سزا کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر نوبت آ بھی جائے تو پورے معاشرے کو محفوظ کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو سزا دینا کوئی نا انصافی نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے تو اس پر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فوراً گورنر، حاکم یا قاضی کو جا کر اس سے مطلع کرے بلکہ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ پردہ پوشی کرے اور کسی کے سامنے بھی اس واقعہ کا ذکر نہ کرے اور موقع ملنے پر اس شخص کو تنہائی میں پیار محبت سے سمجھائے، اس گناہ کی برائی اس کے ذہن نشین کرائے، اس پردہ پوشی میں اللہ کے یہاں بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

بَابُ فِيمَا يُقَطَّعُ فِيهِ الْيَدُ

(۳۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ يُقَطَّعُ الْيَدُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّمَا كَانَ الْقَطْعُ فِي عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ -

کس قدر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ عہد نبوت میں دس دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔
حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "يقطع" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کاٹنا، دوسری روایات میں یہ لفظ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ضبط کیا گیا ہے اور وہی زیادہ اقرب ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابو داؤد: ۴۳۸۷، والنسائی: ۴۹۵۰، وورد فی رواية عبد الله بن عمرو بن العاص: أن قيمة المعجن كان على عهد رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عشرة دراهم، اخرجہ احمد: ۶۶۸۷۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جس طرح ہر زمانے میں خرید و فروخت کے لیے مختلف کرنسیوں اور سکوں کا رواج رہا ہے اسی طرح اس زمانے میں بھی دو بڑے سکے رائج تھے، ایک قسم کے سکے چاندی کے ہوتے تھے جنہیں درہم کہا جاتا تھا جیسا کہ اب بھی کویت میں ہے اور دوسری قسم کے سکے سونے کے ہوتے تھے جنہیں دینار کہا جاتا تھا۔

پھر سونے اور چاندی کی قیمت میں اب کی طرح جب بھی ایک اور دس کا فرق ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی

آدی کے پاس ایک دینار ہوتا تو سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پاس دس درہم ہیں، گویا ایک دینار کو دس درہم کے برابر سمجھنا ایک علاقائی اصول تھا جیسے ہمارے یہاں پانچ ہزار کا نوٹ دے کر ہزار ہزار کے پانچ نوٹ لینا علاقائی اصول ہے۔ شریعت نے چوری کی سزا ”جسے حد سرقہ بھی کہا جاتا ہے“ ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے اور یہ طے کیا ہے کہ شہادتوں اور گواہیوں سے اگر کسی شخص کے متعلق چوری کا الزام ثابت ہو جائے تو گٹوں تک اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تاکہ آئندہ وہ خود بھی چوری کرنے سے باز آجائے اور دوسروں کو بھی عبرت ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہر آدمی کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ چوری کی کم از کم مقدار کیا ہے جس پر اس سزا کو نافذ کیا جائے اور اس شخص پر ”سارق“ ہونے کا حکم لگایا جائے؟ تو مختلف احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام کی مختلف آراء اس سلسلے میں موجود ہیں، بعض فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک چوتھائی دینار کی قیمت کے برابر کوئی چیز چرائی جائے تو اس پر یہ سزا نافذ ہوگی جبکہ احناف اور دیگر فقہاء کرام دس درہم یعنی مکمل ایک دینار کی کوئی چیز چرانے پر اسے سرقہ قرار دیتے ہیں پہلے قول میں احتیاط اور دوسرے میں سہولت ہے۔

بَابُ الْحُدُودِ تَنْذِيرِيٌّ بِالشُّبُهَاتِ

(۲۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِدْرَاءُ وَالْحُدُودُ بِالشُّبُهَاتِ۔

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شبہہ کی وجہ سے حدود ساقط کر دیا کرو۔
حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: ”ادراء و“ باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دور کرنا، ساقط کرنا۔
تصحیح حدیث: اخرج ابن ماجه مثله: ۲۵۴۵، والترمذی: ۱۴۲۴، والسيوطی فی الصغیر: ۱۲/۱۔

مفہوم: اسی حدیث کو مبارکہ کو سامنے رکھ کر جدید آئین میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم اور مجرم کو ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقدمے میں کسی شخص کو ملزم نامزد کیا گیا ہو اور اس کے لیے کچھ شواہد اور ثبوت بھی ملے گئے ہوں، لیکن بعض چیزوں اور شواہد کی وجہ سے مقدمہ کا تعلق اس شخص سے مشتبہ ہو جاتا ہو تو اس اشتباہ کا فائدہ ملزم کو ہوگا اور اسے اس مقدمہ سے بری ہونے کا موقع مل جائے گا۔

اور موجودہ دور میں مقدمات کو شکوک و شبہات سے لبریز کر کے اپنے موکل کی حمایت کرنا وکلاء کی آئینی مہارت کا منہ بولتا ثبوت بن گیا ہے جس سے ان کا مقصد کیس کو کمزور کرنا ہوتا ہے، اگر ان کا یہ حربہ کامیاب ہو جائے تو ان کا موکل متوقع بڑی سزا سے بچ جاتا ہے اور چھوٹے موٹے جرمانے پر اس کی سزا مل جاتی ہے۔

میں بطور فن تو شاید اس چیز کی تائید و حمایت نہ کر سکوں لیکن اگر واقعاتی اور اتفاقی طور پر کس مقدمے میں ایسی

چیزیں پائی جاتی ہوں جو ملزم کے لیے شک کا فائدہ دی سکتی ہوں تو مجرم کو متعلقہ سزا معاف کر دینا ہی مناسب اور حدیث نبوی کا منشا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسے سرزنش اور تنبیہ کرنے کا اختیار بھی حج سے چھین لیا جائے بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق حج اسے جرمانہ یا کوئی اور سزا دے سکتا ہے گویا اس حدیث کا تعلق متعلقہ سزا سے ہے مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کو قرار دیا گیا ہے اب اگر کسی شخص پر یہ الزام لگایا گیا لیکن بعض پہلوؤں سے یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ شخص چوری میں ملوث نہیں ہو سکتا اس صورت میں حج اس کا ہاتھ نہیں کاٹے گا البتہ اسے سرزنش اور تنبیہ کرنا یا کوئی دوسری ہلکی پھلکی سزا دینا حج کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ

(۳۱۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَاعِزَ ابْنَ مَالِكٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْأَخْرَقَ قَدْ زَنَى فَأَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَرَدَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ آتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ آتَاهُ الثَّلَاثَةَ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ آتَاهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ إِنَّ الْأَخْرَقَ قَدْ زَنَى فَأَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَسَأَلَهُ عَنْهُ أَصْحَابُهُ هَلْ تُنْكِرُونَ مِنْ عَقْلِهِ قَالُوا لَا قَالَ انْطَلِقُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ فَاَنْطَلَقَ بِهِ فَرَجَمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَبْطَأَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ انْصَرَفَ إِلَى مَكَانٍ كَثِيرِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ فِيهِ فَآتَاهُ الْمُسْلِمُونَ فَارْجَمُوهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى قَتَلُوهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا خَلَيْتُمْ سَبِيلَهُ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ هَذَا مَاعِزٌ أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَائِلٌ أَنَا أَرْجُو أَنْ يَكُونَ تَوْبَةً فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِيمَا مِنَ النَّاسِ لَقَبِلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ قَوْمًا طَمَعُوا فِيهِ فَسَأَلُوهُ مَا يُصْنَعُ بِجَسَدِهِ؟ قَالَ اصْنَعُوا بِهِ مَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكُفْنِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ قَالَ فَاَنْطَلَقَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَصَلُّوا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَتَى مَا عِزُّ بْنُ مَالِكٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَقْرَبَ بِالزَّيْنَةِ فَرَدَّهُ ثُمَّ عَادَ فَأَقْرَبَ بِالزَّيْنَةِ فَرَدَّهُ ثُمَّ عَادَ فَأَقْرَبَ بِالزَّيْنَةِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْكِرُونَ مِنْ عَقْلِهِ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ فِي مَوْضِعٍ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ قَالَ فَأَبْطَأَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ فَاَنْطَلَقَ يَسْعَى إِلَى مَوْضِعِ كَثِيرِ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ فَارْجَمُوهُ حَتَّى قَتَلُوهُ ثُمَّ ذَكَرُوا شَأْنَهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا خَلَيْتُمْ سَبِيلَهُ قَالَ فَاسْتَأْذَنَ قَوْمُهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَفْنِهِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَآذَنَ لَهُمْ فِي ذَلِكَ قَالَ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِيمَا مِنَ النَّاسِ قَبِلَ مِنْهُمْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا عِزُّ بْنُ مَالِكٍ أَنْ يُرْجَمَ قَامَ فِي مَوْضِعِ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ فَأَبْطَأَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ فَذَهَبَ بِهِ مَكَانًا كَثِيرِ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ حَتَّى رَجَمُوهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

أَلَا خَلَيْتُمْ سَبِيلَهُ-

وَفِي رِوَايَةٍ لَمَّا هَلَكَ مَا عِزُّ بْنُ مَالِكٍ بِالرَّجْمِ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ مَاعِزٌ أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَ قَائِلٌ تَابَ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبٌ مَكْسٍ لَقُبِلَ مِنْهُ أَوْ تَابَهَا فِيمَا مِنْ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ-

وَفِي رِوَايَةٍ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمِ الْحَدَّ عَلَيَّ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ فَفَعَلَ ذَلِكَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَرُدُّهُ النَّبِيُّ ﷺ وَيُعْرِضُ عَنْهُ فَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ أَنْكُرْتُمْ مِنْ عَقْلِ هَذَا شَيْئًا قَالُوا مَا نَعْلَمُ إِلَّا عَاقِلًا وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا قَالَ فَادْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ فَذَهَبُوا بِهِ فِي مَكَانٍ قَلِيلِ الْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعُ قَالَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ حَتَّى أَتَى الْحَرَّةَ فَثَبَتَ لَهُمْ قَالَ فَرَمَوْهُ بِجَلَامِيدِهَا حَتَّى سَكَتَ قَالَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَاعِزٌ حِينَ أَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعُ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ لَا خَلَيْتُمْ سَبِيلَهُ قَالَ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي أَمْرِهِ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ هَلَكَ مَاعِزٌ وَأَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ بَلْ تَابَ إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِيمَا مِنْ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ إِصْنَعُوا بِهِ كَمَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْغُسْلِ وَالْكَفَنِ وَالْحُنُوطِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ وَقَدْ رَوَى الْحَدِيثُ بِرِوَايَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ نَحْوَمَا تَقَدَّمَ-

شادی شدہ زانی کو رجم کرنا

ترجمتاً: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ ماعز بن مالکؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بھلائی سے پیچھے رہ جانے والے سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو گیا ہے اس لیے اس پر حد جاری کر دیجیے نبیؐ نے انہیں لوٹا دیا چار مرتبہ اسی طرح ہوا چوتھی مرتبہ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم اس کی عقل میں کچھ کی محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! فرمایا پھر اسے لے جا کر رجم کر دو۔

چنانچہ انہیں لے جایا گیا اور لوگوں نے انہیں پتھر مارنا شروع کیے لیکن جب اس طرح ان کی روح نکلنے میں تاخیر ہونے لگی تو وہ ایسی جگہ بھاگ گئے جہاں پتھر بہت زیادہ تھے اور وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں نے آکر انہیں اتنے پتھر مارے کہ وہ شہید ہو گئے نبیؐ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا؟

اس پر لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے کسی نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو خود ہلاک کر لیا اور کسی نے کہا کہ مجھے امید ہے یہ اس کی توبہ ہی ہوگی جب نبیؐ تک یہ باتیں پہنچیں تو فرمایا کہ اس اکیلے نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر

لوگوں کی بہت بڑی جماعتیں ایسی توبہ کر لیں تو وہ ان کی طرف سے بھی قبول ہو جائے، لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں ماعز پر رشک آیا۔

چنانچہ لوگوں نے آ کر پوچھا کہ ان کی نعرش کے ساتھ کیا کیا جائے؟ فرمایا جو عام مردوں کے ساتھ کرتے ہو وہی اس کے ساتھ بھی کرو۔ یعنی کفن بھی دو نماز جنازہ بھی پڑھو اور دفن بھی کرو چنانچہ لوگوں نے انہیں لے جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتُ: "الآخر" خ کے کسرہ ساتھ "متاخر" کے معنی میں ہے اور مراد نیکی کے کاموں میں پیچھے رہ جانے والا ہے "فارجموہ" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی سنگسار کرنا "خلیتم" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خالی کر دینا، چھوڑ دینا۔ "فثام" فثیہ کی جمع غیر قیاسی ہے بمعنی جماعت۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: "اما قصة ما عز بن مالك فقد اخرجہ جميع اصحاب الحديث بالفاظ مختلفة مثلاً اخرجہ البخاری: ۶۸۲۴ و ۶۸۲۵، ومسلم: ۴۴۲۸ (۱۶۹۴) و ۴۴۳۱، ۴۴۳۲ (۱۶۹۵) و ابوداؤد من: ۴۴۱۹، الی: ۴۴۳۳، والترمذی: ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، وابن ماجه: ۲۵۵۴، وابن حبان من: ۴۴۳۸، الی: ۴۴۴۰۔

مَقْلُوبٌ: اس حدیث سے فقہاء و محدثین نے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور ان پر تفصیلی کلام کیا ہے تاہم یہاں چند باتوں پر اکتفاء کیا جائے گا۔

۱۔ کنوارے مرد و عورت کے لیے بدکاری کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے اور شادی شدہ کے لیے رجم۔

۲۔ ابتداء اسلام میں جبکہ ان سزاؤں کا نفاذ شروع ہوا تو معاشرے سے ان گناہوں کی گندگی خود بخود دور ہونے لگی حتیٰ کہ شہادتوں اور گواہیوں کے ذریعے اس قسم کے الزامات کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا، اور خود اپنے اقرار و اعتراف کے ذریعے بھی جن لوگوں نے اپنی طرف اس گناہ کی نسبت کی، ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے، ان ہی میں سے ایک واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمیؓ کا بھی ہے، حضرت غامدیہؓ کا واقعہ بھی انہی میں سے ہے، لیکن جوں جوں عہد نبوت سے بعد ہوتا گیا اور ان سزاؤں کا نفاذ پس پشت ڈالا جاتا رہا تو معاشرے میں بے راہ روی کے واقعات روز افزوں ہونے لگے۔

۳۔ ان سزاؤں میں بھی اس قدر ہمدردی کا پہلو برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر حد رجم جاری کی جا رہی ہو اور وہ پتھروں کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر وہاں سے بھاگ جائے تو شریعت اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ اس کا پیچھا چھوڑ دیا جائے، ہمدردی کے اس نوع کے بہت سے پہلو اور بھی گنوائے جاسکے ہیں جن سے دوسرے آئین اور قانون کی کتابیں خالی ہیں۔

۴۔ ثبوت زنا کے لیے چار عینی شاہدین کا ہونا ضروری ہے، اقرار جرم کی صورت میں ایک مرتبہ کا اقرار ایک گواہ کے مترادف قرار دے کر اس سے چار مرتبہ اعتراف کروایا جائے گا، اگر وہ چاروں مرتبہ اعتراف کر لے تو اس پر سزا جاری کر دی جائے

گی بصورت دیگر اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسا عجیب آدمی تھا کہ اپنے آپ کو خود مراد یا بالخصوص جبکہ نبی ﷺ نے اسے بار بار واپس کیا؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! وہ عجیب ہی تھا جب ہی اس کے باغیرت ضمیر نے قبر کے پیٹ میں گناہ کا بوجھ لے کر اترنا گوارا نہ کیا، قوموں کی زندگی ایسے ہی جواں حوصلہ افراد کی رہن منت ہوا کرتی ہے جو اپنے کسی عمل سے اپنے پیغمبر کا سر روز محشر شرمندگی سے جھکنے سے بچالیں۔

بَابُ هَلْ يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ قِصَاصًا

(۲۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ رِبِيعَةَ عَنِ ابْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ قَالَ قَتَلَ النَّبِيُّ ﷺ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ فَقَالَ أَنَا أَحَقُّ مَنْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ۔

کیا مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

ترجمہ: ابن بیلمانی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہدہ کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔

حَدِيثُ عِبَارَتُهُ: "بمعاہد" بمعنی "الذی عاہد" "اوفی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِهِ: اخرجہ الدارقطنی: ۲۸۶۵، والبیہقی فی الکبری: ۱۴۶۹۴، وینحیی بن آدم فی الخراج: ۲۰۱۔

مفہوم: کسی اسلامی سلطنت و ریاست میں اگر کوئی کافر ملتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ اس ملک کا نیشنلسٹی ہولڈر ہوگا اور اسلامی سلطنت کے تابع رہ کر اپنی زندگی گزارتا ہوگا، یا ویزے پر آیا ہوگا، پہلی صورت میں اسے ذمی کہتے ہیں اور دوسری صورت میں اسے "مستامن" کہتے ہیں۔

ذمیوں کے احکام جدا ہیں اور مستامن یعنی ویزے پر آئے ہوئے لوگوں کے احکام جدا ہیں، ان ہی میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا خواہ وہ کافر ہو یا یہودی یا عیسائی، تو قانون قصاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس ذمی کا بدلہ مسلمان سے لیتے ہوئے اسے بھی قتل کیا جائے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء دیت یا معافی پر راضی ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے مطابق تو اس مسئلہ کا یہی حکم ہے لیکن صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق کسی بھی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جاسکتا، جس سے ان دونوں باتوں میں ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے، احناف اس ٹکراؤ کو ختم کرنے کے لیے قیاس کے ذریعے اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو ابھی ذکر کی گئی اور دیگر فقہاء کرام صحیح بخاری وغیرہ

کی محولہ بالا حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

اقرب الی الفہم بات یہ ہے کہ بخاری وغیرہ کی محولہ بالا حدیث میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ضابطہ اور اصول یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر کوئی کافر ذمی ہو یا مثلاً اس کا بدلہ نہ لینے سے ریاستی بغاوت یا خون خرابے کا اندیشہ ہو تو اس وسیع تر فساد سے بچنے کے لیے جزوی طور پر اس حدیث پر عمل کر لیا جائے جو یہاں ذکر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

کتاب الجہاد

جہاد کے احکام

بَابُ حُرْمَةِ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ

(۲۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى حُرْمَةَ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخُونُ أَحَدًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ إِلَّا قِيلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اقْتَصَّ فَمَا ظَنُّكُمْ۔

مجاہدین کی عورتوں کا تقدس

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی حرمت جہاد کے انتظار میں بیٹھنے والے مردوں پر اس طرح رکھی ہے جیسے ان کی ماؤں کی حرمت اور ان بیٹھنے والوں میں سے جو شخص بھی کسی مجاہد کے اہل خانہ میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ اس کا قصاص دو پس تمہارا کیا خیال ہے؟

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "يَخُونُ" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خیانت کرنا، "اقتص" باب اتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی قصاص لینا۔

تخریج حدیث: أخرجه ابو داؤد: ۲۴۹۶، والنسائی: ۱۳۹۱، ومسلم: ۴۹۰۸ (۱۸۹۷) واحمد: ۲۳۳۶۵، وابن حبان:

-۴۶۳۴

مفہوم: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے جس دین کا انتخاب کیا ہے اسے "عالمگیر" بھی قرار دیا ہے اور اس

کے پیروکاروں پر اس کی دعوت دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی عائد کی ہے اس سلسلے میں منشاء الہی یہ ہے کہ پوری دنیا کلمہ توحید پڑھ کر اسلام کے سایہ رحمت تلے آجائے اگر کوئی قوم ملک یا شخص ایسا نہ کرنا چاہے تو اسے دین اسلام میں اخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے البتہ اسے اسلام کا باجگذار بن کر رہنا ہوگا اور وہ خراج دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں اپنا کاروبار حکومت چلاتے رہیں جس کے عوض مسلمان ان کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے اگر وہ یہ صورت اختیار کرنے سے بھی انکار کر دیں اور اسے اپنی توہین سمجھیں تو پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

اس دوران اگر کوئی مسلمان اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ”شہید“ قرار پاتا ہے اور اسے رضاء الہی اور انعامات جنت کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے اور اگر کوئی کافر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ سیدھا جہنم میں پہنچتا ہے گویا فتح کی صورت میں مسلمان اس ملک میں اللہ کا پرچم بلند کر دیتے ہیں اور وہ ملک اسلامی محروسہ علاقوں میں شمار ہونے لگتا ہے اور دوسری صورت میں مسلمان انعامات جنت سے سرفراز ہوتا ہے اور دنیوی اعتبار سے بھی اسے مختلف اعزازات سے نوازا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اسے انہی خون آلود کپڑوں اور جسم میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ میں اپنی قربانی کا ثبوت حاضر کر سکے۔

مجاہدین میں ہمیشہ دو گروہ ہوتے ہیں ایک وہ جو میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں گو کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے لیکن دونوں کا درجہ برابر نہیں ہے تاہم انتظار کرنے والے عام لوگوں سے پھر بھی افضل ہیں اب اندازہ لگائیے کہ میدان کارزار میں داد شجاعت دینے والے مجاہدین کو منتظر مجاہدین پر جو فضیلت ہوگی سو ہوگی ان کی بیویوں کا تقدس منتظر مجاہدین کے لیے اپنی ماؤں جیسا قرار دے دیا گیا تاکہ ایک طرف ان کی فضیلت اور عظمت و اہمیت ظاہر ہو جائے اور دوسری طرف لوگوں کی دست درازی بدینتی اور غلط نظروں سے ان کی حفاظت بھی ہو جائے اس لیے کہ اگر جہاد کا انتظار کرنے والوں میں سے کسی کے ذہن پر شیطان سوار ہو جائے اور وہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس کے اہل خانہ پر دست درازی کرنا چاہے تو یہ کچھ بعید نہیں ہے تاہم اگر اس کے سامنے یہ حدیث اور غیرت ہو تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اس خاتون پر دست درازی نہیں کر رہا گویا اپنی ماں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہا ہے اور اس سے قیامت کے دن اس کا انتقام لیا جائے گا جب انتظار کرنے والوں کا یہ حکم ہے تو عام لوگوں کا کیا حکم ہوگا اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔

بَابُ وَصِيَّةِ الْإِمَامِ لِلْبُعْثِ

(۳۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً أَوْضَى أَمِيرَهُمْ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَأَوْضَى فِيمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ أُغْرُوا

بِسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ لَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْتَلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَلَا شَيْخًا كَبِيرًا فَإِذَا لَقِيتُمْ عَدُوَّكُمْ فَادْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَوْا فَادْعُوهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ فَإِنْ أَبَوْا فَقَاتِلُوهُمْ فَإِذَا حَصَرْتُمْ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُواكُمْ أَنْ تَنْزِلُوا عَلَيْهِمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا تَفْعَلُوا فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا حُكْمُ اللَّهِ وَلَكِنْ أَنْزَلُوهُمْ عَلَى حُكْمِكُمْ ثُمَّ أَحْكُمُوا فِيهِ بِمَا بَدَّالَكُمْ فَإِنْ أَرَادُواكُمْ أَنْ تُعْطُوهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ فَأَعْطُوهُمْ ذِمَّتَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا بِذِمَّتِكُمْ أَهْلًا مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا بِذِمَّةِ اللَّهِ فِي رَقَبَتِكُمْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ فَإِنْ أَرَادُواكُمْ أَنْ تُعْطُوهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ فَلَا تُعْطُوهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَلَا ذِمَّةَ رَسُولِهِ وَلَكِنْ أُعْطُوهُمْ ذِمَّتَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّتَكُمْ وَذِمَمَ آبَائِكُمْ أَيْسَرُ۔

لشکر کی روانگی کے وقت امیر لشکر کو وصیت کرنا

تَرْجَمْنَا: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا سریہ کو روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر اس کی اپنی ذات کے متعلق تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کی معیت میں جو مسلمان ہوتے ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ اللہ کا نام لے کر اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد میں شرکت کرو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد کرو مال غنیمت میں خیانت نہ کرو دھوکہ دہی نہ کرو لاشوں کا مثلہ نہ کرو کسی بچے اور عمر رسیدہ بوڑھے کو مت قتل کرو جب دشمن سے آنا سامنا ہو تو پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اگر وہ انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو ان سے لڑو۔

جب تم کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تمہیں ”حکم خداوندی“ پر اتارنا چاہیں تو ایسا مت کرنا کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ہوگا کہ اس سلسلے میں ”حکم خداوندی“ کیا ہے؟ ہاں! انہیں اپنے فیصلے پر اتارنا اس کے بعد جو مناسب سمجھو فیصلہ کر لینا اگر وہ تم سے اللہ کا ذمہ دینے کا مطالبہ کریں تو تم انہیں اپنی اور اپنے آباؤ اجداد کی ذمہ داری دے دینا کیونکہ تم اپنی ذمہ داری کو توڑ دو یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ تم اللہ کی ذمہ داری کو توڑو۔

فائدہ: اگلی حدیث میں اسی کا ایک جزو مذکور ہے۔

(۳۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْمُثَلَّةِ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: ”اوصی“ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وصیت کرنا ”اغزو“ باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جہاد کرنا ”لا تغلوا“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ

ہے بمعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا "لا تغدروا" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وعدہ خلافی کرنا "لا تمثلوا" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ناک کان وغیرہ کا ثنا "تخفروا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بے حرمتی کرنا۔

تجلیح خلائیہ اول: اخرجہ الترمذی: ۱۶۱۷، و مسلم: ۴۵۲۲ (۱۷۳۱) وابن ماجہ: ۲۵۵۸، واحمد: ۲۳۳۶۶، و عبدالرزاق: ۹۴۲۸، والدارمی: ۲۴۴۴، و ابوداؤد: ۲۶۱۲، و ابویعلیٰ: ۱۴۱۳۔

تجلیح خلائیہ ثانی: اخرجہ البخاری: ۵۵۱۶، والنسائی: ۴۴۴۷، وابن حبان: ۴۴۷۳، و ابن ماجہ: ۳۱۸۵، والدارمی: ۸۳/۲۔

مفہوم: دنیا میں بڑے بڑے فاتح اور کشور کشا گزرے ہوں گے لیکن اصول جنگ میں ان دفعات کو "جن کا ترجمہ ابھی گزرا" آئینی حیثیت دینے کا شرف فاتح عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکا تاریخ کے کسی جرنیل کی ایسی باریک بینی کا ہمیں علم نہیں جس کی ایک جھلک یہاں دکھائی گئی ہے اور اس پر بھی لوگ "جہاد" کو منسوخ اور دور جاہلیت کی پیداوار قرار دینے پر العیاذ باللہ مصر ہیں حکومتیں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتی ہیں اور ایسے افراد اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔

ذرا ایک مرتبہ پھر ان وصیتوں کو پڑھئے ان کی باریک بینی پر غور کیجیے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجیے کہ اسلام کے اس جہاد کو فاتحین عالم اور نامی گرامی سپہ سالاروں اور شاہان مملکت کی کشور کشائی اور جہاں گیری سے معمولی سی نسبت بھی ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ الْبُلُوغِ

(۲۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ حَمَّادٍ وَأَبِيهِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ وَعَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّةِ الْقُرْظِيِّ قَالَ عَرَضْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ قَامَ فَأَمَرَ بِقَتْلِ كِبَارِهِمْ وَسَبَى صِغَارِهِمْ فَمَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ أُسْتُحِبِّي۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ عَرَضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَنْظَرُوا فَإِنْ كَانَ أَنْبَتَ فَاضْرِبُوا عَنْقَهُ فَوَجَدَنِي لَمْ أَنْبِتْ فَخَلَّى سَبِيلِي۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مِنْ سَبَى قُرَيْظَةَ فَعَرَضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَانظَرُوا فِي عَانَتِي فَوَجَدُونِي لَمْ أَنْبِتْ فَالْحَقُونِي بِالسَّبَى۔

حد بلوغ کیا ہے؟

ترجمہ: حضرت عطیہ قرظی کہتے ہیں کہ غزوہ بنو قریظہ کے دن ہمیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، نبی ﷺ کھڑے ہوئے

اور حکم دیا کہ ان کے بڑے قتل کر دیے جائیں اور بچے قید کر لیے جائیں چنانچہ جس کے زیر ناف بال آچکے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے بال نہیں اگے تھے اسے زندہ چھوڑ دیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو فرمایا دیکھو! اگر اس کے بال اگ آئے ہوں تو اسکی گردن اڑا دو انہوں نے جب دیکھا تو میرے جسم پر بال نہیں آئے تھے اس لیے میرا راستہ چھوڑ دیا گیا۔

خَلَّ عِبَارَاتٌ: "عرضنا" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیش ہونا "انبت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اگنا اسی سے نباتات کا لفظ ماخوذ ہے۔

تَجْرِيحُ خَلَّ عِبَارَاتٌ: أخرجه الترمذی مختصراً: ۱۵۸۴، وأبو داؤد: ۴۴۰۴، وابن ماجه: ۲۵۴۱، وابن حبان: ۴۷۸۰، والحمیدی: ۸۸۸، والطیالسی: ۱۲۸۴، والدارمی: ۲۴۶۷، وأبو داؤد: ۴۴۰۴، واحمد: ۱۸۹۸۳۔

مَقْبَلُونَ: بنو قریظہ یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم دونوں مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے کچھ عرصے تک یہودی اس معاہدے کی پابندی اور پاسداری کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی جو ابتداء میں غیر محسوس طریقے سے ہوتی رہی پھر کھلم کھلم اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔

اس کے علاوہ بھی ان کی طرف سے اسلام اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت سی سازشیں کی گئیں جن میں سے اکثر پکڑی گئیں اور ناکام ہوئیں جب یہ سلسلہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو وحی الہی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ مقابلہ کرتے رہے لیکن محاصرہ کی شدت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور طے یہ ہوا کہ ان کے متعلق حضرت سعد بن معاذ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فریقین کو قبول ہوگا۔

مذکورہ فیصلہ انہی کا تھا جس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے خود بھی فرمائی تھی چونکہ حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانے میں یہودیوں کی مرضی بھی شامل تھی اس لیے وہ بھی ان کے اس فیصلے سے سرتابی نہیں کر سکتے تھے یوں یہ فیصلہ متفقہ طور پر نافذ کر دیا گیا ان کے جنگجو اور نوجوان افراد کو قتل کر کے ان عورتوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔

بَابُ لَا تُفَادَى جِيفَةُ الْأَسِيرِ

(۲۳۲) أَبُو حَنِيفَةَ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْحَكَمِ عَنِ مِقْسَمِ بْنِ أَبِي عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قُتِلَ فِي الْخَنْدَقِ فَأَعْطَى الْمُشْرِكُونَ بِجِيفَتِهِ مَالًا فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذَلِكَ۔

قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے

تَرْجَمْنَا: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین میں سے ایک شخص خندق میں گر کر مارا گیا

مشرکین نے اس کے مردار لاشے کے بدلے مال و دولت کی پیشکش کی، نبی ﷺ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا (اور اس کا لاشہ یوں ہی ان کے حوالے کر دیا)

حَدَّثَنَا عُبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: "جيفة" مردار بمعنی لاش۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: أخرجه الترمذی: ۱۷۱۵، واحمد: ۲۲۳۰۔

مَقْهُومٌ: بین الاقوامی طور پر اب بھی اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اپنے فوجیوں کی لاشوں کو حاصل کر کے اپنے ملک میں دفن کیا جائے خواہ اس کے لیے مالی معاوضہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی لاشوں پر سیاست نہیں کی، یقیناً اگر اس وقت ہمارے سیاستدان یا حکمران ہوتے یا اب کوئی ایسا موقع پیش آ جائے تو وہ اس میں اپنے مفادات کا حصول ضرور ممکن بنائیں گے اور اسے اپنا تدبیر عالی دماغی اور معاملہ فہمی قرار دیں گے، اے کاش! ہم لاشوں پر سیاست کرنا چھوڑ دیں۔

کوئی لاشوں پر سیاست کر کے فوجی امداد حاصل کرنا چاہتا ہے اور کوئی ننھے ننھے معصوم بچوں اور بچیوں کی لاشوں پر سیاست کا بازار گرم کر کے اقتدار کی رلہ اپنے لیے ہموار کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کو ان لاشوں کے ورثاء کا خیال نہیں آتا، کسی کو ان لاشوں سے روح نکلتے وقت ان کی بے کسی کا خیال نہیں آتا۔

اے کاش! ہمارے مردہ ضمیر کو حیات نو حاصل ہو، اور وہ زندگی کو زندگی سمجھ کر گزار سکے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ أَنْ يُبَاعَ الْخُمْسُ حَتَّى يُقْسَمَ

(۲۲۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ أَنْ يُبَاعَ الْخُمْسُ حَتَّى يُقْسَمَ۔

مال غنیمت کے خمس کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کا بیان

تَرْجُمَانًا: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن تقسیم سے قبل مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرما دیا۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی کے قریب قریب ہے۔

(۲۲۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مِقْسَمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا يُقْسَمُ شَيْئًا مِنْ غَنَائِمِ بَدْرٍ إِلَّا بَعْدَ مَقْدَمِهِ بِالْمَدِينَةِ۔

تَرْجُمَانًا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کا مال غنیمت اس وقت تک تقسیم نہیں کیا، جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو گئے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "بیاع" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیچنا "غنائم" جمع ہے غنیمت کی۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ الترمذی: ۱۵۶۳، وابوداؤد بالفاظ مختلفة فی آخر: ۲۱۵۸، واحمد: ۱۰۸/۴، والنسائی: ۴۶۹۴۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ ابن ہشام فی سيرته: ۳۴۶/۲۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کو فروخت کرنا منع ہے بظاہر اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیے کہ جب تک کوئی چیز انسان کی ملک میں داخل نہیں ہوگی، وہ خود بھی اس کی خرید و فروخت نہیں کرے گا اور قانونی طور پر بھی اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا لیکن جب ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو اس کی حکمت واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے مجاہدین میں سے کسی کے ذہن میں کسی وقت یہ خیال آجائے کہ یہ مال غنیمت جو ہمیں جہاد سے حاصل ہوا ہے چونکہ میں بھی اس میں شریک تھا اس لیے میرا حصہ بھی اس میں برابر کا ہے اور وہ اس خیال کے تحت اس میں سے کوئی چیز لے کر خود ہی فروخت کر دے تو اس کی نفی کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس مال غنیمت میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے لیکن جب تک یہ تقسیم ہو کر تمہارے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں تصرف کو جائز نہ سمجھنا اس لیے کہ جس طرح تمہارے ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کسی دوسرے کے ذہن میں بھی آ سکتا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کو اس وقت تک تقسیم نہیں فرماتے تھے جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو جاتے، اس دوران اتنا وقفہ ہوتا تھا جس میں کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جانا ناممکن نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

کتاب البیوع

خرید و فروخت کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ

(۲۲۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ۔

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

تَرْجَمْنَا: امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ شبہ میں ڈالنے والی ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص ایسی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کر لی۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: "اتقى" باب اتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچنا "استبرأ" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی براءت طلب کرنا، مراد محفوظ کر لینا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۲۰۵۱، ومسلم: ۴۰۹۴ (۱۵۹۹) وابوداؤد: ۳۳۲۹، والترمذی: ۱۲۰۵، والنسائی: ۴۴۵۸، وابن ماجه: ۳۹۸۴، وابن حبان: ۷۲۱، والدارمی: ۲۴۵/۲۔

مَقْهُوْمٌ: یہاں سے معاملات کی ابحاث و احادیث کا بیان شروع ہو رہا ہے جو شریعت اسلامیہ میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں، یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بہت سے لوگ معیشت و اکٹناکس اور اقتصادیات کو ایک ایسا موضوع خیال کرتے ہیں جس میں ان کے گمان کے مطابق اسلامی تعلیمات اولاً تو ہیں ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو نہ ہونے کے برابر، لیکن حقائق آشنا لوگ جانتے ہیں کہ معاشیات اور اقتصادیات کے سب سے زیادہ مضبوط اور واضح اصول سب سے پہلے اسلام ہی نے وضع کیے ہیں۔

اور اسلام ہی وہ واحد معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں حلال اور حرام کی تمیز سکھائی جاتی ہے، حلال ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور حرام ذرائع سے بچایا جاتا ہے اور اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اگر کسی چیز میں حلال و حرام کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے اور یقینی طور پر اسے حلال یا حرام قرار دینے میں دلائل کی رو سے اطمینان نہ ہوتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ہر حلال چیز کو اختیار کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن ہر حرام سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ دنیا کے جس معاشی نظام کو دیکھ لیجئے، وہ حلال و حرام کی پرواہ کیے بغیر زیادہ سے زیادہ مالدار بننے کے راستے ہموار کرتا ہے خواہ سود کے ذریعے ہو یا رشوت کے ذریعے، ٹے کے ذریعے ہو یا جوئے کے ذریعے، شراب کے ذریعے ہو یا شباب کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیوی طور پر ایسے معاشی نظاموں سے تعلق رکھنے والے لوگ بظاہر آسودہ حال نظر آتے ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں کا دین محفوظ ہوتا ہے اور نہ عزت، جبکہ اسلامی نظام معیشت سے وابستہ افراد کی عزت بھی محفوظ ہوتی ہے اور دین بھی۔ واللہ اعلم

بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ

(۲۲۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَعَاصِرُهَا وَسَاقِيهَا وَشَارِبُهَا وَبَائِعُهَا وَمُشْتَرِيهَا۔

شراب پر لعنت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ شراب پر اس کے نچوڑنے والے پلانے والے بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لعنت" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی لعنت کرنا "عاصرها" باب ضرب سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی نچوڑنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه ابوداؤد: ۳۶۷۴، وابن ماجه: ۳۳۸۰، والترمذی: ۱۲۹۵، واحمد: ۴۷۸۷ و ابن ابی شیبہ: ۴۴۷/۶، وابویعلی: ۵۵۹۱۔

مَفْهُومٌ: اگر ہم اس زمانے کا تصور کر سکیں جس میں شراب پانی کی جگہ استعمال ہوتی تھی، بچے کی پیدائش پر اسے گھٹی شراب کی دی جاتی تھی، محفل موسیقی و مشاعرہ میں باپ پینے والا ہوتا تھا اور بیٹا جام بھر بھر کر پلانے والا ہوتا تھا، ہر شخص شراب پی کر جوان ہوتا تھا اور شرابی ہی دنیا سے چلا جاتا تھا تو شاید ہم ان الفاظ کی شدت کا اندازہ لگا سکیں کہ شراب بذات خود ملعون ہے، اسے پینے اور پلانے والا بھی ملعون ہے، اسے بنانے اور بنوانے والا بھی ملعون ہے، اسے اٹھانے اور اٹھوانے والا بھی ملعون ہے اور اسے بیچنے اور خریدنے والا بھی ملعون ہے گویا اس عمل میں جتنے افراد بھی داخل ہوتے جائیں گے وہ سب اللہ کی رحمت سے دور اور اس کے غضب سے قریب ہو جائیں گے، اور اس سلسلہ لعنت میں داخل ہونے والا کوئی ایک شخص بھی رحمت الہی سے فیض بار نہ ہو سکے گا تا آنکہ توبہ کر لے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آخر یکدم حرمت خمر کا حکم نازل کیوں نہیں ہو گیا؟ آہستہ آہستہ اور تدریجاً و نجماً نجماً اس حکم کے نزول میں کیا حکمت تھی؟ اس لیے کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ اگر لوگوں سے اول مرتبہ ہی کہہ دیا جاتا کہ شراب مت پیا کرو تو لوگ کہتے کہ ہم تو ضرور پییں گے، اس لیے پہلے ان کی ذہن سازی کی گئی اور اس کے بعد اعلان کر دیا گیا۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔“

لوگ چونکہ ذہن سازی کے مرحلے سے گزر چکے تھے اس لیے اس اعلان کے ہوتے ہی مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب کا سیلاب آ گیا، جام و سبوتوڑ دیے گئے، ہونٹوں سے لگے ہوئے جام شیطان کی خواہشات کی تکمیل کرنے سے

پہلے ہی ہٹا لیے گئے اور گراں نرخوں پر خریدی گئی ہر نوع کی شراب بہادی گئی اور اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا گیا کہ شراب کی رسیا قوم اس سے نفرت کرنے والی بن گئی، اس کے بغیر زندگی کو زندگی نہ سمجھنے والی قوم اسے ناسور زندگی قرار دینے لگی اور اس سے ایسی دشمنی کی کہ پورے مدینہ منورہ ہی میں نہیں، عالم اسلام میں شراب کو نشہ آور مشروب کی بجائے زہر سمجھا جانے لگا، اور چند استثنائی واقعات کو نکال کر ہر طرف سے یہ خبریں سننے کو ملنے لگیں کہ اب کوئی شرابی نہیں رہا۔

وایں افسوس! کہ ہمارے آباؤ اجداد نے جس خانہ خراب سے اپنے گھر کو بچایا تھا، ہم نے اسی سے اپنی زندگی اور اپنے خانماں کو خراب اور تباہ برباد کر لیا، ہمارے روز و شب اس سے آشنا ہو گئے، ہمارے گھر اور ہوٹل کھلے عام شراب خانے کا منظر پیش کرنے لگے، ہمارے حکمران سر عام پینے کا اعتراف کرنے لگے، اور عوام حکمرانوں کی نقالی میں ہوش و حواس سے عاری ہونے لگے۔ فالی اللہ المشتکی

بَابُ هَلْ يَجُوزُ بَيْعُ الْخَمْرِ؟

(۳۲۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ أَوْ سَأَلَهُ أَبُو كَثِيرٍ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ فَقَالَ قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَحَرَّمُوا أَكْلَهَا وَاسْتَحَلُّوا بَيْعَهَا وَأَكَلُوا أَمْنَانَهَا وَأَنَّ الَّذِي حَرَّمَ الْخَمْرَ حَرَّمَ بَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمْنِهَا۔

کیا پڑی ہوئی شراب بیچنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے شراب کی خرید و فروخت کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے ان پر چربی کو حرام قرار دیا گیا، انہوں نے اپنے اوپر اس کا کھانا تو حرام کر لیا لیکن خرید و فروخت جائز سمجھی اور اس کی قیمت کھانے لگے یاد رکھو! جس ذات نے شراب حرام قرار دی ہے، اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے سے بھی منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ عَبَّاسٍ: "حُرْمَتُ" بَابُ تَفْعِيلٍ مِنْ فَعَّلَ مَاضِي مَجْهُولٍ كَمَا صِيغَهُ وَاحِدٌ مَوْثِقٌ غَائِبٌ هِيَ بِمَعْنَى حُرْمَتِ حُرْمَتِ دِينَا "الشحوم" شحم کی جمع ہے بمعنی چربی۔

تَجْنِيسٌ بِحَدِيثِ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ: ۳۴۸۸، وَابْنُ خَبْرٍ: ۲۲۳۶، مُسْلِمٌ: ۴۰۵۲ (۱۵۸۳) وَالتِّرْمِذِيُّ: ۱۲۹۷، وَابْنُ

ماجہ: ۲۱۲۷۔

مَقْبُولٌ: انسان فطری طور پر حیلہ ساز اور بہانہ جو واقع ہوا ہے اس لیے ہر اس حکم میں جو اس کی طبیعت پر گراں گزرتا ہو وہ کوئی نہ کوئی شارٹ کٹ راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لیے طرح طرح کے حیلوں، بہانوں سے کام لیتا

ہے جیسے یہودیوں کے لیے گائے اور بکری کی چربی استعمال کرنا حرام تھی انہوں نے اپنی حیلہ ساز طبیعت سے مجبور ہو کر اس کا حل یہ نکالا کہ چربی کو کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال کرنا تو چھوڑ دیا اور اسے خوب صاف ستھرا کر کے مہنگے داموں فروخت کر کے اس کے پیسے کھرے کرنے لگے۔

ان کی عقل نے انہیں یہ مت نہ دی کہ چربی کی قیمت کھانا بھی تو چربی ہی کا استعمال ہے اور وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں اللہ کی رحمت سے محروم اور اس کی لعنت کا مورد و مرکز بن گئے، اسی طرح اس امت پر شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن شراب کا کاروبار کرنے والے اور اس سے اپنی زندگیوں کو برباد کرنے والے یہ حیلہ گھڑ لیتے ہیں کہ شراب کا پینا حرام ہے، اسے فروخت کر اس کی قیمت استعمال کرنا تو حرام نہیں ہے اور نہ ہی قرآن میں کہیں ایسا آتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے حیلوں اور بہانوں کی خود حیلہ سازوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی اور وہ بھی یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں تو پروردگار عالم کی نگاہ میں اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

بَابُ اللَّعْنِ عَلَىٰ أَكْلِ الرَّبْوَا

(۲۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكِلَ الرَّبْوَا وَمُؤْكَلَهُ۔

سود خور پر خدا کی لعنت

ترجمہ: حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اکل" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھانے والا "موکل" باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھلانے والا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اخرجہ ابوداؤد: ۳۳۳۳، والترمذی: ۱۲۰۶، وابن ماجہ: ۲۲۷۷، والنسائی: ۵۱۰۶، واحمد: ۳۹۳/۱، والبخاری مطولاً: ۵۳۴۷، ومسلم: ۴۰۹۳ (۱۵۹۸)۔

مَقَالَةٌ: پرانے زمانے میں امراء کی تعداد اسی طرح کم ہوتی تھی جیسے موجودہ زمانے میں ہے اور غرباء کی تعداد اسی طرح زیادہ ہوتی تھی جیسے آج کل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانے کی نسبت آج کل امراء کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے اور دولت چند ہاتھوں سے نکل کر دوسروں تک بھی پہنچی ہے گو کہ اب بھی امراء اور غرباء کے درمیان کوئی عددی نسبت نہیں ہے۔

بہر حال! زمانہ قدیم میں غرباء اپنی ضروریات کے لیے امراء سے قرض اور ادھار لینے پر مجبور ہوا کرتے تھے، ان

امراء کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ غریب لوگ ہمارے پیسے سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جب ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو یہ ہمیں ہماری امانت لوٹا جاتے ہیں گویا ہمارے مال سے یہ تو فائدہ اٹھا لیتے ہیں پر ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ یہ سوچ کر انہوں نے آئندہ سے یہ اصول بنا لیا کہ جو شخص ہم سے قرض لے گا اسے واپس لوٹاتے وقت کچھ رقم زائد ادا کرنا ہوگی جو قرض دینے والے کا منافع ہوگی اور قرض دیتے وقت وہ اس زائد رقم کا تعین خود کرنے لگے۔

ہوتے ہوتے یہ چیز اتنی بڑھی کہ مالدار پہلے سے زیادہ مالدار ہو گئے اور غرباء پہلے سے زیادہ غریب ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اگر کوئی غریب وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کر پاتا تو اس پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا، ظاہر ہے کہ اصل رقم ادا نہ کرنے والا جرمانہ کہاں سے ادا کرے؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ جرمانہ در جرمانہ اتنا زیادہ ہو جاتا کہ قرض خواہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتا یا اگر اس کی بیوی یا بیٹی خوبصورت ہوتی تو اس پر قبضہ کر لیتا، شریعت نے اس طریقہ کار پر پابندی لگاتے ہوئے اسے سود کا نام دیا، اسے حرام قرار دیا اور سودی کاروبار کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دیا۔ شریعت نے یہ اصول بھی وضع کیا کہ قرض خواہ تو اپنے قرض کی رقم میں اضافہ کا مطالبہ کر کے ظلم کر رہا ہے، مقروض بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اور اس سے احتجاج نہ کر کے اس ظلم میں برابر کا شریک ہو رہا ہے اس لیے جس طرح قرض خواہ رحمت الہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے اس طرح مقروض بھی رحمت الہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے۔

دور حاضر کے مجددین بھی ”سود“ کو معیشت کے جسم کے لیے ”ریڑھ کی ہڈی“ کی حیثیت دینے کے لیے پالیساں اور اصول وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہتے ہیں لیکن دور حاضر ہی میں ایسے اللہ والے بھی موجود ہیں جو سود کو حرام قرار دینے کے ”اعزاز“ میں سپریم کورٹ کے جج سے ہونے معزول کر دیے جاتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے ہیں۔

بَابُ الرَّبْوِ فِي النَّسِيئَةِ

(۲۳۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ إِنَّمَا الرَّبْوُ فِي النَّسِيئَةِ وَمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ۔

سود ادھار میں ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ سود تو ادھار میں ہوتا ہے جو معاملہ نقداً نقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔
فائدہ: اگلی روایت کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۲۳۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلِ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزُنًا بِوَزْنٍ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلِ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلِ وَالْفُضْلُ رِبْوًا۔
وَفِي رِوَايَةِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَزُنًا بِوَزْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا بِكَيْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفُضْلُ رِبْوًا وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفُضْلُ رِبْوًا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سونا سونے کے بدلے برابر پیچو، کسی بیشی سود ہوگی، چاندی کو چاندی کے بدلے برابر وزن کے ساتھ پیچو، کسی بیشی سود ہوگی، کھجور کو کھجور کے بدلے برابر پیچو، کسی بیشی سود ہوگی، جو کو جو کے بدلے برابر برابر پیچو، کسی بیشی سود ہوگی، نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر پیچو، کسی بیشی سود ہوگی، ایک روایت میں گندم کا ذکر بھی آیا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "انما" کلمہ حصر ہے "النسيئة" بمعنی ادھار "الذهب" فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ مسلم: ۴۰۸۹، ۴۰۹۰ (۱۵۹۶) والنسائی: ۴۵۸۵، وابن ماجہ: ۲۲۵۷، والبخاری مثله مطولا: ۲۱۷۸، وابن حبان: ۵۰۲۲۔

تخریج حدیث ثانی: اما نفس الحدیث فقد اخرجہ جميع اصحاب الحدیث، واما بهذا السياق فقد اخرجہ مسلم مختصراً ۴۰۶۸ (۱۵۸۸) والنسائی: ۴۵۷۳، واحمد: ۲۶۱/۲۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کو سمجھنے سے پہلے یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ ہم جو چیزیں خریدتے اور بیچتے ہیں، ان میں بعض چیزیں وزن کر کے بیچی اور خریدی جاتی ہیں، بعض ماپ کر اور بعض گن کر، اول کو "موزونات" ثانی کو "مکیلات" اور ثالث کو "معدودات" کہا جاتا ہے، یہاں ایک چوتھی قسم بھی ہوتی ہے جسے "مذروعات" سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں گز کے اعتبار سے پیمائش کر کے بیچی اور خریدی جاتی ہیں۔

پھر اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ خریدار کرنسی کے بدلے اپنی ضروریات خریدتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی جیسی چیزوں کا آپس میں تبادلہ کیا جاتا ہے مثلاً گندم کے بدلے گندم کا تبادلہ یا سونے کے بدلے سونے کا تبادلہ، اسے آپ "ہم جنس کے ذریعے تبادلہ" کہہ سکتے ہیں، یہاں ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خریدار ایک جنس کے بدلے دوسری جنس کا مالک بننا چاہے مثلاً سونا دے کر چاندی خریدنا چاہے یا گندم دے کر کھجور خریدنا چاہے۔

ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ کسی معاملے کو سودی معاملہ قرار دینے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک تو یہ وہ کہ وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے ہو اور دوسرے یہ کہ ان دونوں کی جنس ایک ہی ہو یعنی

وہ دونوں ہم جنس ہوں، ہم جنس پرستی تو ویسے بھی منع ہے لہذا یہاں بھی منع ہوگی۔

جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہاں معاملہ صحیح اور شرعی شرائط کے مطابق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں چیزوں کی مقدار بھی یکساں اور برابر ہو اور معاملہ ادھار پر نہ رکھا جائے مثلاً گا بک سونا اسی وقت دے دے اور دکاندار اگلے دن یا چند گھنٹوں بعد کا وعدہ کر لے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اگر وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے تو ہو، مگر اس کی ہم جنس نہ ہو، کوئی اور جنس ہو تو اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، البتہ ادھار پھر بھی جائز نہ ہوگا اور اگر خرید و فروخت کرنسی کے بدلے میں ہو تو اس میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔

زیر بحث حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں مذکور ساری چیزیں مکیلات یا موزونات میں سے ہی ہیں اور انہیں ہم جنس کے بدلے بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاءِ الْعَبْدَيْنِ بَعْدَ

(۲۳۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ بَعْدَ-

دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کے بدلے دو غلام خریدے۔

تجلیح حدیث: أخرجه النسائي مطولاً: ٤٦٢٥، والترمذي: ١٢٣٩، وابدؤد: ٣٣٥٨، ومسلم: ٤١١٣ (١٦٠٢)

مفہوم: گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کیے گئے اصول کو اگر یہاں منطبق کیا جائے تو غلام کو غلام کے بدلے بیچنا، ہم جنس کو ہم جنس کے بدلے بیچنے کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہی ہے لیکن دونوں کا تعلق مکیلات یا موزونات میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہے اس لیے اصولی طور پر اس میں کمی بیشی جائز ہوگی لیکن ادھار کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی یہ حدیث کتب حدیث میں موجود ہے۔

”ان النبي ﷺ نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة“

اور اسی اصول کے پیش نظر نبی ﷺ نے ایک غلام کے بدلے دو غلام خرید لیے لیکن ان میں ادھار روانہ رکھا بلکہ ہاتھوں ہاتھ معاملہ فرمایا، یہی حکم ان تمام صورتوں کا ہے جہاں مذکورہ دو شرطوں میں سے صرف ایک شرط پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَمَا لَا يَجُوزُ

(۲۳۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اشْتَرَى طَعَامًا

فَلَا يَبِعُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ .

جائز اور ناجائز بیوع کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص غلہ خریدے وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے نہ بیچے۔

فائدہ: اگلی چند روایات کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۲۳۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرْرِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دھوکے کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْمُرَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مرابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ النَّبِيِّ ﷺ نَهَى عَنْ أَنْ يُشْتَرَى ثَمْرَةٌ حَتَّى يُشْقِحَ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پھل پکنے سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲۳۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَبَلَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ السَّلْمِ فِي النَّخْلِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھجور کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے تا آنکہ اس کا پکنا سامنے آجائے۔

(۲۳۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَاتُ يَعْنِي الثُّرَيَّا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب ثریا ستارہ طلوع ہو جائے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

حَلَّ عِبَارَتٌ: ”طعاما“ بمعنی کھانا مراد غلہ ہے ”یستوفیه“ باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا وصول کرنا ”الغور“ دھوکہ ”یشقح“ باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پک جانا ”یبدو“ باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ظاہر ہونا ”العاهات“ عاہة کی جمع ہے بمعنی آفت۔

تخریج حدیث: ۳۳۲: أخرجه البخاری: ۲۱۳۵، ومسلم: ۳۸۳۶ (۱۵۲۵) وابدوداؤد: ۳۴۹۷، والنسائی: ۴۵۹۹،

والترمذی: ۱۲۹۱، وابن ماجه: ۲۲۲۷، وابن حبان: ۴۹۷۸، واحمد: ۳۹۲/۳۔

تَجْنِیْحِ خَلِیْفَہٖ ۳۳۳: اخرجہ ابن حبان: ۴۹۷۲، واحمد: ۱۴۴/۲، ومسلم: ۳۸۰۸ (۱۵۱۳) وابوداؤد: ۳۳۷۶، والترمذی: ۱۲۳۰، وابن ماجہ: ۲۱۹۵۔

تَجْنِیْحِ خَلِیْفَہٖ ۳۳۴: اخرجہ البخاری: ۲۱۸۷، ومسلم: ۳۹۰۸ (۱۵۳۶) وابوداؤد: ۳۴۰۵، والترمذی: ۱۲۹۰، والنسائی: ۴۶۳۷، وابن ماجہ: ۲۲۶۶، وابن حبان: ۴۹۹۶۔

تَجْنِیْحِ خَلِیْفَہٖ ۳۳۵: اخرجہ البخاری: ۲۱۹۶، وابن حبان: ۴۹۹۲، وابوداؤد: ۳۳۷۰۔

تَجْنِیْحِ خَلِیْفَہٖ ۳۳۶: اخرجہ البخاری: ۱۴۸۶، ومسلم: ۳۸۶۲ (۱۵۳۴) وابوداؤد: ۳۳۶۷، وابن ماجہ: ۲۲۱۴، والنسائی: ۴۵۲۴، واحمد: ۵۶/۲۔

تَجْنِیْحِ خَلِیْفَہٖ ۳۳۷: اخرجہ احمد: ۸۴۷۶، ومحمد فی الآثار: ۹۰۷، والطبرانی: ۱۳۰۵۔

مَقْبُوْلٌ: ہر حدیث کی جزوی وضاحت سے قبل ہم ایک اصول ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ شریعت نے ہر اس قسم کے تجارتی معاملے سے منع کر دیا ہے جہاں کسی بھی نوعیت میں دھوکہ کا پہلو آسکتا ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے چاول خریدتا ہے اور اس پر قبضہ کئے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مقدار کم نکلی یا معیار گھٹیا نکلا، ظاہر ہے کہ دوسرا شخص تو اسی سے رابطہ کرے گا جس نے اس نے وہ چاول خریدے ہوں گے کیونکہ اس کی نظر میں اسے دھوکہ دینے والا تو وہی ہوگا۔

اسی طرح شریعت نے ہر اس چیز کو فروخت کرنے اور خریدنے سے منع کیا ہے جو فروخت کنندہ کے اپنے قبضے میں نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے خریدار سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد وہ متعلقہ چیز اسے فراہم نہ کر سکے اور وہ چیز خراب ہو جائے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس کھیت میں جتنے بھی خر بوزے لگے ہوئے ہیں میں اسے دس ہزار روپے میں خریدتا ہوں، فروخت کنندہ حامی بھر لیتا ہے، ہو سکتا ہے اس سال فصل ہی خراب ہو جائے، پھل آئے ہی نہ یا اگر آئے تو وہ پکی نہ ہو، اس طرح ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا، بائع کہے گا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اور مشتری کہے گا کہ میں تو اس حال میں اسے خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اس جھگڑے سے بچنے کے لیے شریعت نے یہ اصول طے کر دیا کہ جب تک بیع قبضہ میں نہ ہو، اسے بیچنا جائز نہیں، اس سے ایک تیسرا اصول بھی نکل آیا جو پہلے دو اصولوں سے زیادہ عام ہے اور وہ یہ کہ جس معاملے میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہو، شریعت اپنے پیروکاروں کو ہر اس معاملے سے روکتی ہے۔

اس تمہید کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب زیر بحث حدیثوں پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ پہلی حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے، دوسری حدیث میں دھوکے کی تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، تیسری حدیث میں ”مزابنہ اور محافلہ“ سے روکا گیا ہے، ”مزابنہ“ کا معنی ہے خشک کھجور کی تر کھجور کے بدلے خرید و فروخت اور ”محافلہ“

کا معنی ہے کھیت میں لگے خوشوں کے اندر موجود گندم کی کٹی ہوئی گندم کے بدلے خرید و فروخت ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں دھوکہ ہے کیونکہ تر کھجور خشک ہونے کے بعد وزن کے اعتبار سے کم ہو جائے گی اور دوسری صورت میں قبضہ نہیں ہے جیسا کہ چوتھی اور پانچویں حدیث میں بھی یہی صورت ہے چھٹی حدیث میں پھل پکنے کی علامت ثریا ستارہ کا طلوع ہونا قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اس سوال کو حل کرنا بھی ضروری ہے جو اوپر کی گفتگو سے ایک عام تاجر کے ذہن میں آسکتا ہے کہ آجکل تو پوری دنیا میں اسی فیصد کاروبار ہی ”بیع قبل القبض“ کی بنیاد پر چل رہا ہے اور اتنا زیادہ رائج ہو چکا ہے کہ اس طرز تجارت سے پیچھے ہٹنے والا تاجر کبھی بھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتا مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں سائز کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں کیا آپ فلاں تاریخ تک انتظام کر سکتے ہیں؟ عمرو کے پاس اس وقت وہ جوتے موجود نہیں ہوتے لیکن وہ حامی بھر لیتا ہے اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے زید ان جوتوں کی خرید و فروخت مکمل کر لیتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں تو بیع ہی نہیں ہے اس پر قبضہ تو بڑی دور کی بات ہے۔

یا مثلاً عمر کے پاس وہ جوتے موجود ہوں خریدار زید ہی ہے لیکن وہ دوسری کمپنی سے معاہدہ کر کے عمرو سے کہتا ہے کہ آپ میرے پاس جوتے بھوانے کی بجائے فلاں کمپنی کو بھجوا دیجیے گویا زید نے اس پر قبضہ کیے بغیر ہی اسے آگے بیچ دیا آیا شریعت اس قسم کے معاملات کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے؟ اگر مذکورہ اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے لیکن اس صورت میں تجارتی معاملات چلانا مشکل ہو جائے گا؟

اس کا حل شریعت نے یہ دیا ہے کہ اس قسم کے تجارتی معاملات جائز ہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ کہ انہیں کسی خاص جگہ کے ساتھ مقید نہ کرے مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے بانا کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو حامی بھر لیتا ہے تو یہ صحیح ہے لیکن اگر زید یہ کہے کہ انارکلی میں بانا کی جو دکان ہے مجھے اس دکان سے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو اس کی حامی بھر لیتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انارکلی والی دکان میں اتنا ساک ہی نہ ہو یا خدا نخواستہ وہاں کوئی نقصان ہو جائے جبکہ پہلی صورت میں وہ بانا کے ہزار جوتے مہیا کرنے کا پابند ہے خواہ کہیں سے بھی کرے۔

اس صورت میں بائع کو مشتری کا وکیل سمجھ کر کسی دوسری کمپنی کے ہاتھ وہ چیز فروخت کرنا بھی صحیح ہوگا اور اس طرح ”بیع قبل القبض“ کی قباحت بھی ختم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا

(۲۳۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا أَوْ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَالْثَمَرَةُ وَالْمَالُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُشْتَرِي.

وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَالْمَالُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا فَشَمْرَتُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تابیر شدہ درخت فروخت کرے یا کوئی ایسا غلام جس کے پاس کچھ مال بھی ہو تو پھل اور مال بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری شرط لگا دے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "مؤبرا" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پیوند کاری کرنا "المبتاع" ای مشتری تجرید بحالیق: اخرجہ البخاری: ۲۳۷۹، و مسلم: ۳۹۰۵ (۱۵۴۳) و ابوداؤد: ۳۴۳۳، و الترمذی: ۱۲۴۴، و ابن ماجہ: ۲۲۱۱، و النسائی: ۴۶۴۰، و الطیالسی: ۱۸۰۵، و عبدالرزاق: ۱۴۶۲۰، و الحمیدی: ۶۱۳، و ابن ابی شیبہ: ۱۱۲/۷ و عبد بن حمید: ۷۲۲، و ابویعلیٰ: ۵۴۲۷۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے تابیر کا مفہوم اور پس منظر سمجھنا ضروری ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے چنانچہ مروی ہے کہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کھجوروں کی فصل عمدہ اور بہترین بنانے کے لیے ایک خاص ترکیب اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مادہ کھجوروں کے گانھے میں زکھجور کے گانھے کے اجزاء ملا دیتے ہیں جس سے مادہ کھجور میں زکھجور کے اجزاء خلط ملط ہو جاتے ہیں اس عمل کو عربی میں "تابیر" اور اردو میں "پیوند کاری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ نے اہل مدینہ سے اس کی بابت دریافت فرمایا، انہوں نے یہی خیال ظاہر کیا کہ اس سے فصل بہت اچھی آتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا میرا نہیں خیال کہ اس طرح کرنے سے فصل اچھی ہوتی ہو، اگر تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے؟ صحابہ کرام نے اس سال پیوند کاری نہیں کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال واقعی کھجور کی فصل اچھی نہیں ہوئی، صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے عرض کیا، نبی ﷺ نے فرمایا میں نے تو اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا بہر حال! دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اس لیے جو مناسب سمجھو، کر لیا کرو۔

اصل میں پیوند کاری کا یہ عمل بظاہر اس مشق سے ملتا جلتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان جاری رہتی ہے، نبی ﷺ نے اپنی فطری حیاء کی وجہ سے اسے اچھا نہیں سمجھا، گویا تابیر کے اس عمل میں شرعی طور پر کوئی قباحت موجود نہیں ہے۔ اس تمہید کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اگر کسی شخص مثلاً خالد نے اپنے درخت شاہد کے ہاتھ فروخت کر دیئے لیکن ان درختوں پر ابھی کھجوریں لگی ہوئی ہیں اور کھجوریں بھی عمدہ نسل سے تعلق رکھتی ہیں یعنی تابیر شدہ ہیں، ہو سکتا ہے کہ درختوں کی خریداری کرنے والے شاہد کے ذہن میں یہ خیال آجائے کہ جب میں نے درخت خرید لیے تو ان پر لگا ہوا پھل بھی میری ملکیت میں آ گیا، اس کی وضاحت کے لیے فرمایا گیا کہ چونکہ خریداری درختوں کی ہوئی ہے اس لیے اس پر لگے ہوئے پھل بائع کی ملکیت میں ہی متصور ہوں گے، ہاں! اگر شاہد نے ان درختوں کو خریدتے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ میں ان درختوں کو پھل سمیت خرید رہا ہوں تو وہ بائع کی ملکیت سے خارج ہو جائیں گے۔

یہی حکم اس غلام کا ہے جس کے پاس کچھ مال و دولت بھی ہو، تو وہ بائع کو ملے گی، مشتری اس پر دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے صرف غلام خریدا ہے ہاں! اگر وہ غلام کو خریدتے وقت یہ کہہ دے کہ میں اس غلام کو اور اس کی ملکیت میں جتنی چیزیں ہیں سب خریدتا ہوں تو پھر وہ اس کا حقدار ہوگا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّوْمِ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ

(۳۳۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَمَّنْ لَا أُتْهِمَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَا يَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ وَلَا يَنْكِحُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفِيءَ مَا فِي صَحْفَتِهَا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ رَازِقُهَا وَلَا تَبَايَعُوا بِالْقَاءِ الْحَجَرِ وَإِذَا اسْتَأْجَرْتَ أَجِيرًا فَاعْلِمْهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کے دام پر دام نہ لگائے، کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ بھیجے، کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کرے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے کہ اس کے پیالے کا حصہ خود لینا چاہے، کیونکہ اللہ ہی دینے والا ہے، پتھر ڈال کر خرید و فروخت نہ کرو اور جب کسی شخص کو مزدور بناؤ تو اسے اس کی مزدوری بتادو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لا يستام" باب اتعال سے نہیں معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھاؤ تاؤ کرنا۔ "خطبة" خاء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی منگنی، پیغام نکاح، "لتكفيء" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پالینا، خالی کروالینا، اور اس کے شروع میں جو لام ہے وہ لام امر نہیں بلکہ لام کی ہے "صحفتها" پیالہ، "فاعلمه" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بتادینا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: أخرجه البخاري: ۲۱۴۰، ومسلم: ۳۸۱۱ و ۳۸۱۲ (۱۴۱۲) و ابوداؤد: ۲۰۸۱، والترمذی: ۱۲۹۲۔ والنسائی: ۳۲۴۱، وابن ماجه: ۲۱۷۲۔

مَقْبُولٌ: ۱۔ شریعت اسلامیہ کا اپنے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دائیں بائیں بھٹکنے سے محفوظ رکھیں، کسی کے مال و دولت کو دیکھ کر، کسی کی بیوی کو دیکھ کر، کسی کے مکان اور کوٹھی کو دیکھ کر یا کسی کی جائیداد اور تعیشات زندگی کو دیکھ کر اپنی رال نہ ٹپکانے لگیں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی کے معاملے کو خراب کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو ایک چیز خریدتے ہوئے دیکھتے ہیں، ہم محض اسے نیچا دکھانے کے لیے اسی چیز کی قیمت زیادہ لگا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دکاندار اپنے گاہک کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے لیے فلاں لڑکی سے نکاح کی بات چیت دونوں خاندانوں میں چل رہی ہے، ہم محض

ضد اور بحث میں آ کر اپنے کسی عزیز کا رشتہ بھی وہاں بھجوا دیتے ہیں، لڑکی کے ماں باپ شش و پنج میں پڑ جاتے ہیں کہ کس سے اقرار کریں اور کسے انکار کریں؟

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے سے ایک بنتا ہوا معاملہ بگڑ جائے گا اس لیے شریعت نے اسے کسی صورت بھی پسند نہیں کیا، ہاں! اگر دکاندار اور گاہک کسی ایک قیمت پر متفق نہ ہو سکے یا لڑکا اور لڑکی کا رشتہ نہیں ہو سکا تو آپ بڑھ کر اپنی طرف سے پیشکش کر سکتے ہیں، جیسے خالہ یا پھوپھی سے نکاح برقرار نہ رہنے کی صورت میں ”خواہ وہ طلاق کی وجہ سے ہو یا وفات کی وجہ سے“ ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر کوئی عورت اپنی حقیقی یا دینی بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے کہ اس کا شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو میں اس سے نکاح کر لوں، اس کا ”پیالہ“ خالی ہو جائے اور میرا ”پیالہ“ بھر جائے، وہ سہولیات سے محروم ہو جائے اور میری پر تعیش زندگی کا آغاز ہو جائے، ہاں! اگر وہ شخص خود ہی کسی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو شریعت اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی اور ان دونوں کے نکاح کو جائز سمجھتی ہے۔

۳۔ دکاندار نے اپنی دکان کو مختلف چیزوں سے سجا رکھا ہو اور ہر چیز کی الگ الگ قیمت مقرر کر رکھی ہو، ایک آدمی آ کر کہے کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں، جس چیز کو وہ پتھر لگ جائے گا میں اسے دس درہم میں خرید لوں گا، دکاندار راضی ہو جائے، بعد میں پتہ چلے کہ مہنگی چیز پر پتھر پڑ گیا تو دکاندار جھگڑے اور اگر سستی چیز پر پتھر لگ گیا تو خریدار نظریں چرائے، اس قسم کی بیع و شراء کو ”القائم حجر والی بیع“ کہا جاتا ہے اور شریعت نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں جھگڑے کا اندیشہ ہے جیسے اس صورت میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہے جب کہ کوئی شخص ایک آدمی سے مزدوری کروائے اور اس کی اجرت طے نہ کرے، اسی لیے شریعت نے تلقین کی ہے کہ معاملہ سے قبل ہی اجرت طے کر لی جائے تاکہ جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

بَابُ مَنْ اشْتَرَى عَلَى اللَّهِ

(۲۴۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ اشْتَرُوا عَلَى اللَّهِ قَالُوا وَكَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تَقُولُونَ بَعْنَا إِلَى مَقَاسِمِنَا وَمَغَانِمِنَا۔

اللہ کے بھروسے پر خریداری کا بیان

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ پر بھروسہ کر کے خرید لیا کرو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا تم یوں کہتے ہو کہ ہم نے تقسیم رزق و غنائم کی طرف سے خرید لیا۔

حَدِيثُ عِبَارَتِهِ: ”مقاسمنا“ مقسم کی جمع ہے بمعنی تقسیم کا زمانہ یا جگہ ”مغانم“ مغنم کی جمع ہے بمعنی غنیمت کا زمانہ یا

جگہ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: لم اجده بعد التفحص والتتبع الكثير۔

مَفْهُومٌ: اسلامی تعلیمات انسان میں خود اعتمادی حوصلہ مندی اور ہمت و جرأت پیدا کر کے اسے قوت فیصلہ سے کام لینے کا سبق سکھاتی ہیں، مضبوط قوت ارادی اور بروقت صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت انسان کو دوسرے بہت سے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع و شراء میں بھی انسان کو اپنی اس صلاحیت سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اگر انسان کسی چیز کو خریدنا یا بیچنا چاہے تو دوسرا شخص جس کے ساتھ وہ معاملہ ہو رہا ہو درمیان میں لٹکانہ رہے اور اس کا ذہن یکسو ہو جائے ارادہ ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی اپنا جواب واضح کر دینا چاہیے۔

مثلاً زید، عمرو کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ مجھے کپڑوں کے دو تھان درکار ہیں، اس کی قیمت میں آپ کو اس وقت ادا کر دوں گا جب مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، ظاہر ہے کہ عمرو کو تو یہ معلوم نہیں کہ مال غنیمت کب تقسیم ہوگا اور اسے کتنا حصہ ملے گا؟ گویا یہ اسے لٹکانے والی بات ہوئی، اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرَّحْصَةِ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ

(۲۴۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ۔

شکاری کتے کی قیمت میں رخصت کا بیان

تَرْجَمَانًا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت میں رخصت دی ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اما النهی عن ثمن الكلب رغم ما رواه ابو حنيفة فشائع ذائع، الا ان الترمذی والنسائی قد اخرجوا حديثا

يستثنى كلاب الصيد، وهو المقصود، واليك الدليل اليه، اخرجہ الترمذی: ۱۲۸۱، والنسائی: ۴۳۰۰۔

مَفْهُومٌ: کتب حدیث میں اس مضمون کی روایات تو مشہور ہیں کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے

کیونکہ کتا خود حرام جانور ہے اس لیے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لانا ایسے ہی ہے جیسے خود کتے کا گوشت استعمال کرنا،

اور کتا پالنے کی ممانعت پر مشتمل روایات بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکاری

کتے بڑی محنت سے پالے جاتے ہیں، ان پر روپیہ اور وقت دونوں ہی صرف ہوتے ہیں، نیز گھروں کی حفاظت اور کھیتوں کی

حفاظت کے لیے بہت سے لوگ کتے پالنا اپنی مجبوری اور ضرورت سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کا کوئی واضح

حکم ملنا ضروری ہے تاکہ منشاء شریعت پر عمل کیا جاسکے۔

سو اس حدیث سے تو اول مسئلے کی وضاحت ہو گئی کہ شکاری کتے کی نوعیت عام کتوں سے مختلف ہے اس لیے ان

کی قیمت استعمال کرنے کی رخصت ہے اور دیگر احادیث سے دوسرے مسئلے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مجبوری کے درجے میں جیسے کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لیے کتابالنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنِ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ

(۲۴۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَعْقُوبٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بَعَثَ عَتَابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ إِنَّهُمْ عَنْ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ وَعَنْ بَيْعٍ وَسَلْفٍ وَعَنْ رِبْحٍ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَعَنْ بَيْعٍ مَا لَمْ يُقْبَضْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما کو اہل مکہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا اہل مکہ کو بیع میں دو شرطوں سے بیع اور قرض سے غیر ضمانت یافتہ کے فائدے اور نفع سے اور ایسی چیز کے بیچنے اور خریدنے سے منع کرنا جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "انہم" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا، منع کرنا۔ "لم یضمن" باب سمع سے فعل نفی جہد بلم مجہول کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی ضامن ہونا "لم یقبض" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قبضہ کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه ابو داؤد: ۳۵۰۴، والترمذی: ۱۲۳۴، وابن ماجه: ۲۱۸۹، ۲۱۸۸، والنسائی من: ۴۶۳۳، الی: ۴۶۳۵۔

مَقَالَةٌ: اس حدیث مبارکہ میں چار قسم کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے جن میں سے چوتھی قسم یعنی "بیع قبل القبض" پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے اس لیے اب یہاں تین قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ بیع میں دو شرطیں لگانے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دکاندار کسی چیز کو بیچتے ہوئے یہ کہے کہ اگر نقد پیسے دے کر خریدو گے تو اس کی قیمت مثلاً ایک ہزار روپے ہوگی اور ادھار اور قرض پر خریدو گے تو اس کی قیمت دو ہزار روپے ہوگی، یہ ناجائز ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کاروبار کا یہ طریقہ تو آج کل ہر خاص و عام میں مقبول ہے اور بہت سی کمپنیاں اسی طریقے سے کاروبار کر رہی ہیں؟ تو کیا یہ سب کمپنیاں ناجائز کاروبار کر رہی ہیں؟

راقم الحروف کے ذہن میں اس کا جواب یہ آتا ہے کہ بیع میں دو شرطیں لگانا کچھ اور ہے اور قسطوں کا کاروبار کرنا کچھ اور ہے، اول ناجائز اور ثانی چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، زیر بحث حدیث میں قسطوں کا کاروبار ممنوع قرار نہیں دیا گیا، اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر دونوں کی صورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ دو شرطوں کی صورت میں خریدار پوری رقم مثلاً دو ہزار روپے وقت مقررہ پر یکمشت ادا کرتا ہے اور قسطوں میں ایک مقررہ

حد بطور ایڈوانس جمع کروانے کے بعد ہر مہینے قسط وار ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ بیع اور قرض کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنا غلام بیچتے ہوئے کوئی آدمی یہ کہے کہ میں اپنا یہ غلام آپ کو دس ہزار روپے کے عوض بیچتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھے پندرہ ہزار روپے قرض دیں یہ بھی ناجائز ہے ہاں معاملہ طے ہو چکنے کے بعد وہ اس سے اپنا مدعی بیان کر دے اور اس کی مراد پوری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۳۔ تیسری اور چوتھی قسم کا ایک ہی مفہوم ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے، چوتھی قسم میں ”بیع قبل القبض“ سے منع فرمایا گیا ہے اور تیسری صورت میں اس کا منافع حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ بیع و شراء کا مقصد منافع ہی ہوتا ہے اس لیے مال کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے البتہ تعبیر کا فرق ہے۔ واللہ اعلم

(۳۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْتَاعُ أَحَدُكُمْ عَبْدًا وَلَا أَمَةً فِيهِ شَرْطٌ فَإِنَّهُ عَقْدٌ فِي الرِّقِّ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا غلام یا باندی نہ خریدے جس میں کوئی علامت ہو، کیونکہ یہ غلامی کی موجودگی میں عقد کرنا ہوگا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”شرط“ ش اور راء کے فتح کے ساتھ علامت کے معنی میں ہے اور اگر راء کو ساکن پڑھا جائے تو وہ مشہور لفظ ہے ”الرق“ غلامی۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الحارثي: ۱۶۶۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث کی وضاحت میں علماء کرام نے دو توجیہیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ”شرط“ کا لفظ راء کے فتح کے ساتھ ہوگا، اس صورت میں اس کا معنی ”علامت“ ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلامی کی علامت رکھنے والا کوئی غلام یا باندی خریدنا منع ہے، تفصیل اس اجمال کی اس روایت سے معلوم ہو سکتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک عورت سے اس کی باندی خریدنا چاہی، اس عورت نے کہا کہ میں اسے آپ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اسے میری خاطر اپنے ہی پاس روک کر رکھیں گے یعنی آگے فروخت نہیں کریں گے، حضرت ابن مسعود نے اسے قیمت دے کر خرید لیا، بعد میں جب سیدنا فاروق اعظم سے انہوں نے اس معاملے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا۔

گویا بیع و شراء میں یہ شرط لگا دینا کہ مشتری اسے آگے کسی کو فروخت نہیں کرے گا یا کسی کو بہہ نہیں کرے گا، ایک اعتبار سے پہلی غلامی کی علامت ہے لہذا ایسا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ ”شرط“ کا لفظ ”را“ کے سکون کے ساتھ ہو، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط کو ایک ہی معاملے میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی مثال بھی وہی ہے جو ابھی گزری، یوں کہا جاسکتا ہے کہ دونوں معنی مال

کے اعتبار سے ایک ہی ہیں لیکن لفظی اور تعبیری فرق بہر حال موجود ہے جس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ تَجَاوَزَ عَنِ الْمُعْسِرِ

(۳۴۴) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي رَبِيعُ بْنُ جِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يُؤْتِي بِعَبْدٍ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ أَيُّ رَبِّي مَا عَمِلْتُ إِلَّا خَيْرًا مَا أَرَدْتُ بِهِ إِلَّا لِقَائِكَ فَكُنْتُ أَوْسَعُ عَلَى الْمُوسِرِ وَأَنْظِرُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَحَقُّ بِذَلِكَ مِنْكَ فَتَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ وَأَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ۔

تنگ دست کو مہلت دینا

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا وہ عرض کرے گا پروردگار! میں نے نیکی کا جو کام بھی کیا ہے صرف آپ کی رضا اور زیارت کے لیے کیا ہے چنانچہ میں مالدار پر آسانی کر دیتا تھا اور تنگ دست کو مہلت دے دیتا تھا یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تجھ سے زیادہ اس کا حقدار ہوں فرشتو! میرے اس بندے سے درگزر کرو حضرت حذیفہ سے یہ سن کر حضرت ابو مسعود انصاری فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ شَدَّدَ عَلَى أُمَّتِي بِالتَّقَاضِي إِذَا كَانَ مُعْسِرًا شَدَّدَ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَبْرِهِ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قرض وصول کرنے میں ”جبکہ مقروض تنگ دست ہو“ میرے کسی امتی پر سختی کرتا ہے اللہ اس کی قبر میں اس پر سختی کرے گا۔

حَلَّ عِبَارَتٍ: ”اوسع“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کشادگی کرنا ”انظر“ باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مہلت دینا ”شدد“ باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سختی کرنا۔

تَجْرِيحُ خَلْفِ الْبَيْتِ: اما الاول فقد اخرج البخارى مثله: ۲۰۷۷، ومسلم: ۳۹۹۴ (۱۵۶۰) وابن ماجه: ۲۴۲۰ وابن

حبان: ۵۰۴۳، والترمذی: ۱۳۰۷، والنسائی: ۴۶۹۸، واما الثانی فقد اخرجہ الشوکانی فی الفوائد المجموعه: ۲۴۳۔

مَفْهُومٌ: تجارتی اور نجی زندگی میں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی قرض کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے اور عام طور پر ایسے معاملات لوگوں کے درمیان چلتے رہتے ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی سامنے آتے ہیں جنہیں اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہوتا ہے لیکن

جب کوئی ضرورت مند قرض کی درخواست کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے پیلے جیسے منہ کو کھول کر اپنی بتیسی کو دائیں بائیں گھماتے ہیں اور بڑی لجاجت سے عرض کرتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

لوگوں کے اس رویے کا جب تجزیہ کیا گیا کہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ قرض وصول کرنے والے بہت سے افراد ”جن میں اچھے خاصے دیندار اور وضعدار لوگ بھی شامل ہیں“ یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ ہم نے کسی سے رقم ادھار لی تھی اسے واپس بھی لوٹانا ہے، قرض خواہ کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں اور اس سے تمام تر تعلقات منقطع کر لیتے ہیں، لوگوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنی رقم ڈبونے سے بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ انکار کر دیا جائے کیونکہ ایک مرتبہ انکار کر دینا مقروض کے پیچھے سو مرتبہ دھکے کھانا سے بہتر اور آسان ہے۔

انہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرض کی وصولی میں سختی نہیں کرتے، اگر مقروض غریب ہو اور قرض لوٹانے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اسے معاف کر دیتے ہیں اور اگر ادا کر سکتا ہو لیکن وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکے تو اسے مہلت دے دیتے ہیں، ایسے لوگوں سے قیامت کے دن اللہ بھی عفو و درگزر اور تجاوز کا معاملہ فرمائیں گے جیسا کہ اس حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا یہ واقعہ بیان کیا گیا۔

بَابُ التَّشْدِيدِ فِي الْغَشِّ

(۲۴۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ۔

دھوکے کی مذمت کا بیان

تَرْجَمَتًا: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا خرید و فروخت میں دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثًا: أخرجه مسلم: ۲۸۳ (۱۰۱) و ابوداؤد: ۳۴۵۲، والترمذی: ۱۳۱۵، وابن ماجه: ۲۲۲۴، وابن حبان:

-۴۹۰۵-

مَقْبُولًا: پانچ وقت صف اول میں امام کعبہ کے عین پیچھے کھڑے ہو کر حرم کعبہ میں روزانہ نماز پڑھنے والا رورو کر اپنی آنکھوں کو متورم کر لینے والا، تہجد میں بانس کی طرح سیدھا کھڑا رہنے والا، رمضان میں لائن لگا کر زکوٰۃ تقسیم کرنے والا، افطاری میں وسیع و عریض دسترخوان بچھانے والا، بیس بیس مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے والا، جب تجارتی معاملات میں آتا ہے تو دو نمبر چیز پر جعلی لیبل لگا کر اسے ایک نمبر چیز کی قیمت پر فروخت کرتا ہے، نقلی چیز کو اصلی قرار دے کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، ایک روپے کی چیز کو دس روپے میں فروخت کرتا ہے، اشیاء صرف و ضرورت میں ملاوٹ کرتا ہے

اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ سب خیر ہے!

لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ان تمام نمازوں، روزوں، افطاریوں، زکوٰتوں اور حجوں کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟ اور وہ اس حدیث کو نظر انداز کر جاتا ہے کہ دھوکہ دینے والے خاص طور پر تجارتی معاملات میں دھوکہ بازی کرنے والے کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

خلق اللہ کو دھوکہ دے کر اللہ کو راضی کرنے والے خام خیالی میں مبتلا رہتے ہیں، اے کاش! ہم فرائض کی بجا آوری اور واجبات کا خیال رکھنے کے بعد اپنے معاملات کی درستگی پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر سکیں اور ہمارے معاملات پوری دنیا میں دیانت دارانہ اور امانت دارانہ معاملات سمجھے جانے لگیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَوَّلِ مَنْ ضَرَبَ الدِّينَارَ

(۳۴۷) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ قَالَ أَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدِّينَارَ تَبِعَ وَهُوَ أَسْعَدُ أَبُو كَرِبٍ وَأَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدِّرَاهِمَ تَبِعَ الْأَصْغَرُ وَأَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الْفُلُوسَ وَأَدَارَهَا فِي أَيَدِي النَّاسِ نَمْرُودُ بْنُ كَنْعَانَ۔

سب سے پہلے دینار ڈھالنے والے کا بیان

تَرْجُمَاتًا: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے دینار ڈھالے وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کرب تھا، اور سب سے پہلا دراہم ڈھالنے والا تبع اصغر تھا، اور سب سے پہلا پیسہ ڈھالنے والا اور انہیں لوگوں میں رائج کرنے والا نمرود بن کنعان تھا۔

حَدِيثٌ عِبَارَاتِيٌّ: "ضرب" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈھالنا "الفلوس" فلس کی جمع ہے بمعنی پیسہ۔ "ادارها" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گھمانا، مراد رائج کرنا "نمرود" دال اور ذال دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس طرح نون کے فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

تَبِعَ تَبِعَ خَدِيثٌ: لم اجده

مَقْهُومٌ: اس حدیث کا تعلق کتاب البیوع کے ساتھ مسئلے کے طور پر نہیں، اس معمولی مناسبت کے طور پر ہے کہ بیع میں جو دراہم و دنانیر ثمن کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، ان کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ یہ کب سے چلے آ رہے ہیں؟ انہیں ایجاد کرنے والا اور لوگوں میں رائج کرنے والا کون ہے؟

کتاب الرهن

رهن کے احکام

(۳۴۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهْنَهُ دِرْعًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کچھ غلہ ایک یہودی سے خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رهن رکھوا دی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”رهن“ باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گروی رکھنا ”درعا“ زرہ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۲۰۶۸، ۲۹۱۶، ومسلم: ۴۱۱۵ (۱۶۰۳) والنسائی: ۴۶۵۴، وابن ماجه: ۲۴۳۶، وابن حبان: ۵۹۳۸۔

مَفْهُومٌ: فقہاء کرام نے اس حدیث سے رهن کا جواز ثابت کیا، دوسری حدیثوں کو ساتھ ملا کر گروی کا طریقہ کار اور اس کے احکام وضع کیے، جائز اور ناجائز صورتوں کا تعین کیا اور مختلف اصولوں کا استنباط کیا لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ کائنات رنگ و بو میں اللہ کی سب سے محبوب ترین ہستی کا یہ عالم ہے کہ آخر دم تک دنیا نے گھر میں ڈیرے نہیں جمائے، کسی قسم کے کروفر اور شان و شوکت کے مظاہر دیکھنے میں نہیں آئے، ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے قرض بھی لینا پڑا، اپنی چیزوں کو گروی بھی رکھنا پڑا اور فاقہ کشی کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی جبین نیاز پر شکن نہیں آئی۔

اے کاش! محمد ﷺ کے نام لیوا ان حقائق سے سبق سیکھتے، اپنی زندگی کو فضولیات سے ”جنہیں ضروریات سمجھا جاتا ہے“ پاک کرتے، لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے اور دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر چلے جاتے، دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو برباد نہ کرتے، حلال و حرام کے فرق کو مٹا کر پیسہ اور دھن کمانے والی مشین بن کر زندگی نہ گزارتے، کبھی اس بوریہ نشینی کا ذائقہ بھی چکھ کر دیکھتے اور اپنی زندگی کو قناعت کی دولت سے مالا مال کرنے کی جدوجہد اور تگ و دو کرتے۔

یاد رکھئے! انسان کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اس کا پیٹ نہ بھرنے والی دوزخ ہے جو ہمیشہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتی ہے اور عمر کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حرص میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، ہر وقت روتے

رہنے کی عادت انسان کو نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے اس لیے قناعت اختیار کیجیے اور سادہ طرز زندگی میں اپنے لیے نجات کا راستہ مضمر سمجھئے!

کتاب الشفعة

شفعة کے احکام

(۲۴۹) أَبُو مُحَمَّدٍ كَتَبَ إِلَى ابْنِ سَعِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ۔

ترجمہ: سلیمان کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی شفعة کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔
فائدہ: اگلی روایت میں اسی کی وضاحت مذکور ہے۔

(۲۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ أَرَادَ سَعْدٌ بَيْعَ دَارِهِ فَقَالَ لِجَارِهِ خُذْهَا بِسَبْعِمِائَةٍ فَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ بِهَا ثَمَانِ مِائَةٍ دِرْهَمٍ وَلَكِنْ أَعْطَيْتُكَهَا لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ۔

وفی رواية عن المسور عن رافع ابن خديج قال عرض علي سعد بيتا فقال له خذها اما اني قد اعطيت به اكثر مما تعطيني ولكنك احق به فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار احق بشفעתه۔

وفی رواية عن المسور عن رافع مولى سعد انه قال لرجل يعنى سعدا خذ هذا البيت باربعماية فيقول اما اني اعطيت ثمان مائة درهم ولكني اعطيتك لحديث سمعته من رسول الله ﷺ يقول الجار احق بشفעתه۔

وفی رواية عن سعد بن مالك انه عرض بيتا له على جاره باربعماية درهم وقال قد اعطيت ثمانماية ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول الجار احق بشفעתه۔

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا، تو اپنے پڑوسی سے فرمایا کہ اسے سات سو درہم کے عوض خرید لو، اگرچہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن میں تمہیں صرف اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی شفعة کا سب سے زیادہ حقدار

ہے۔ اور ایک روایت میں چار سو درہم پر بیچنے کا بھی ذکر ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اعطيت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دینا۔

تَجْمِيعُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ البخاری: ۶۹۷۷، وابو داؤد: ۳۵۱۶، والترمذی: ۱۳۶۹، والنسائی: ۴۷۰۶، وابن ماجہ:

۲۴۹۴، وابن حبان: ۵۱۸۰، واحمد: ۲۴۶۴۷۔

تَجْمِيعُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری: ۲۲۵۸، وابن حبان: ۵۱۸۱، ۵۱۸۳۔

مَفْهُومٌ: کتاب البيوع اور کتاب الشفعة کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ شفعة کے ذریعے انسان اس بیع کو ختم کر سکتا ہے جو خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان ہوتی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیع کا لفظ عام ہے اور منقولہ وغیر منقولہ ہر قسم کی اشیاء پر بیع کا لفظ بولا جاسکتا ہے جبکہ شفعة کا تعلق صرف غیر منقولہ جائیداد سے ہوتا ہے۔

اس مناسبت اور ربط کی وضاحت کے بعد یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ انسانی اخلاق اور مروت کا تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ اگر ہم کسی علاقے میں رہائش پذیر ہوں، اور اہل محلہ سے ہماری شناسائی بھی ہو، اور اس محلے کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہونے کا ارادہ بن رہا ہو تو پہلے ان لوگوں سے پوچھ لیا جائے جو اسی مکان کے بالائی یا زیریں حصہ میں رہائش پذیر ہوں کہ ہم یہ مکان بیچ کر جانا چاہتے ہیں، اگر آپ خریدنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بتا دیجیے تاکہ ہم کسی اور کے ہاتھ اسے فروخت نہ کریں، یا اس محلے میں رہنے والے اور دیوار کے ساتھ ملے ہوئے مکان والے بھائی سے اس بات کا ذکر کر دیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اسے خرید لے۔

اگر آپ نے اسے بتائے بغیر یہ سمجھ کر "یہ میری ملکیت ہے میں جسے چاہوں بیچوں" اس مکان یا جائیداد کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا تو شریعت آپ کے پڑوسی کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے اس مکان کی ملکیت حاصل کر لے، اس حق کو "شفعة" کہا جاتا ہے اور یہ "حق جوار" کا ایک اہم ترین منہ بولتا ثبوت ہے کہ اگر آپ نے پڑوسی ہونے کا حق ادا نہیں کیا تو آپ کا ہمسایہ اس حق کو عدالت کے ذریعے بھی حاصل کر سکتا ہے، اس سے پڑوسی کے حقوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَنْ وَضَعَ خَشْبَتَهُ فِي حَائِطِ جَارِهِ

(۳۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ

يَضَعَ خَشْبَتَهُ فِي حَائِطِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ۔

اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کی

دیوار پر اپنی لکڑی رکھنا چاہے تو دوسرے کو منع نہیں کرنا چاہیے۔

حَدِيثُ بَخَارِيَّ: "خشبة" بمعنی لکڑی "حائطه" بمعنی دیوار۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اخرج البخاری مثله: ۲۴۶۳، ومسلم: ۴۱۳۰ (۱۶۰۹) و ابوداؤد: ۳۶۳۴، والترمذی: ۱۳۵۳، وابن

اجه: ۲۳۳۵، وابن حبان: ۵۱۵۔

مَقَالَةٌ: فقہاء کرام نے اس موقع پر اس بحث کو چھیڑا ہے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا صرف مستحب ہے؟ یعنی اگر کسی شخص نے اپنے ہمسائے کی دیوار پر کوئی شہتیر یا لکڑی رکھ دی اور پڑوسی نے اسے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ گناہگار ہو گا یا صرف اس کی حیثیت ترک مستحب کی ہوگی؟ بعض فقہاء کرام پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور بعض فقہاء کرام دوسری شق کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن یہاں اس سے زیادہ اہم بحث یہ ہے کہ آخر اس حکم کی علت اور پس منظر کیا ہے؟ جس کی بناء پر یہ حکم دیا گیا ہے، اختصار کے ساتھ ہم اسے عرض کیے دیتے ہیں تاکہ "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے تحت کچھ نہ کچھ تو معلوم ہو ہی جائے۔

دراصل جائیداد اور زمین کے تنازعات آج سے نہیں، ماضی قدیم سے چلے آرہے ہیں، جس طرح آج ہم اپنے گھر کی دیوار پر اپنے ہمسائے کو کپڑے پھیلانے کی اجازت نہیں دیتے، اسی طرح ماضی قدیم میں بھی لوگ اپنے ہمسایوں کو اس چیز کی اجازت نہیں دیتے تھے، اب بعض اوقات ہمارے پڑوس میں رہنے والا شخص سفید پوش اور تنگدست بھی ہو سکتا ہے، اس کا مکان کچا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سہارے کے بغیر وہ مکان یا جھونپڑی قائم ہی نہ رہ سکتی ہو، بظاہر اس کا یہی حل نکالا جاتا ہے کہ پڑوسی کے پکے مکان پر اپنے کچے مکان کا شہتیر یا بانس رکھ دیا جائے تاکہ اس کی وجہ سے یہ بھی گرنے سے بچ جائے، اس زمانے میں بعض لوگوں نے ایسا کرنا چاہا تو ان کے پڑوسیوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا، جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا حکم فرمایا۔

اس حکم کے ذریعے درحقیقت دلوں میں جذبہ ہمدردی کو پیدا اور بیدار کرنا مقصود ہے جو بد قسمتی سے ہمارے اندر مفقود ہے، ہماری ہر قسم کی ہمدردی اور خیر خواہی کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جس سے ہمارا کوئی ذاتی یا کسی بھی نوعیت کا مفاد وابستہ ہو، کسی لاچار اور غریب پڑوسی کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کر کے اپنا وقت اور مال و جائیداد برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اے کاش! ہم میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

کتاب المزارعة

کھیتی کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُخَابَرَةِ

(۲۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

مخابرہ سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه مسلم: ۳۹۱۰ (۱۵۳۶) و ابوداؤد: ۳۴۰۷، والترمذی: ۱۲۹۰، والنسائی: ۴۵۲۸۔

مفہوم: ”مزارعت“ کا لفظ زراعت سے مشتق ہے بمعنی کھیتی باڑی اسی طرح ”مخابرہ“ کا معنی بھی کھیتی باڑی ہے اس اعتبار سے یہ دونوں مترادف الفاظ میں سے ہیں لیکن ان دونوں میں ایک معمولی سا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ مزارعت کھیتی باڑی کے اس طریقے کو کہتے ہیں جس میں زمین ایک شخص کی ہوتی ہے اور محنت دوسرے کی اور بیج مہیا کرنے کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوتی ہے اور نفع دونوں کے درمیان مقررہ شرح پر تقسیم ہو جاتا ہے جبکہ مخابرہ میں بھی یہی تفصیل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں بیج مہیا کرنا کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے زمیندار کی نہیں۔

ابتداء میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان بہت جھگڑے ہوتے تھے اور ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ایک وقت میں آ کر تو نبی ﷺ نے کھیتی باڑی کے اس مروجہ طریقے کی ہی ممانعت کر دی اور یہ حکم جاری کر دیا کہ زمیندار اپنی زمین کو خود آباد کرے خود اس میں زراعت اور کاشت کرے اگر یہ نہیں کر سکتا تو کسی بھائی کو بلا معاوضہ وہ زمین ہبہ کر دے تاکہ وہ اسے اپنے کام میں لا کر اس پر کھیتی باڑی کر لے اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو پھر اپنی زمین اپنے پاس رکھے کسی کو بٹائی پر مت دے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔

بعینہ یہی صورت گھروں کو کرائے پر دینے کی صورت میں بھی پیش آنے لگی تھی اور آئے دن مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ہوتا رہتا تھا جیسا کہ آج کل بھی کچھ زیادہ مختلف صورت حال نہیں ہے اس موقع پر بھی نبی ﷺ نے یہی حکم دیا کہ آئندہ سے گھر اور زمین کرائے پر دینا منع ہے یا تو بلا معاوضہ اپنے کسی بھائی کو رہنے کی اجازت دے دو ورنہ اپنے پاس ہی رکھو مگر کرائے پر دینے کی اجازت نہیں ہے زیر بحث حکم بھی اسی زمانے

سے تعلق رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اس مسئلہ کا کلی حل نہیں تھا، بلکہ جزوی طور پر جھگڑوں کی روک تھام کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا تھا اس لیے تب بھی اور اب بھی اس کے برعکس لوگوں کو زراعت اور کاشتکاری کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ اس طریقہ محنت سے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی روزی وابستہ ہے، ان سب کو بے روزگار کرنا کیسے درست ہو سکتا تھا، چنانچہ جہاں فریقین کے درمیان باہمی رضا مندی سے شرائط طے پا جاتیں اور فریقین ان کی پابندی خوش اسلوبی سے کرتے رہتے وہاں اس ممانعت کو برقرار نہیں رکھا جاتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ اسْتَأْجَرَ اَرْضًا بِشَيْءٍ

(۲۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ مَرَّ بِحَائِطٍ فَأَعْجَبَهُ فَقَالَ لِمَنْ هَذَا فَقُلْتُ لِي فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هُوَ لَكَ قُلْتُ اسْتَأْجَرْتُهُ قَالَ فَلَا تَسْتَأْجِرْهُ بِشَيْءٍ مِنْهُ۔

زمین کو کرائے پر لینے کا بیان

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے آپ کو وہ باغ اچھا لگا، پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ہے، فرمایا تمہارا کہاں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے کرائے پر لے رکھا ہے، فرمایا اسے کسی چیز کے بدلے اجرت پر نہ لو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "فاعجبه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اچھا لگنا۔
تَجْتِجُ حَدِيثًا: اخرج ابو داؤد مثله: ۳۴۰۲۔

مَقْهُومٌ: گزشتہ حدیث میں "کرائے" کے حوالے سے جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اسے ایک نظر دوبارہ ملاحظہ فرما لیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے اور ہمیں وہ پوری تقریر بھی نہ دہرائی پڑے۔

البتہ ایک بات ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھیں گے کہ زیر بحث حدیث کے مرکزی راوی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑی سختی سے لوگوں کو آخر وقت تک کرائے پر مکانات لینے اور دینے سے منع کرتے رہے، جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا تھا اگر تم نے اسی طرح جھگڑے کرنے ہیں تو پھر کرایہ داری کا یہ معاملہ ختم کر دو یا اپنے پاس رکھو یا کسی کو ہبہ کر دو، نبی ﷺ نے مطلقاً اس کی ممانعت نہیں فرمائی تھی۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی مزارعت کے جواز کے قائل نہ تھے لیکن ان کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

کتاب الفضائل

فضائل کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۳۵۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ وَرَبِيعَةَ عَنْ أَنَسِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَقُبِضَ أَبُو بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَقُبِضَ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ۔

نبی علیہ السلام کی عمر مبارک کا بیان

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۶۳ برس کی عمر میں ہوا۔
فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرًا وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا وَتُوُفِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِي لِحْيَتِهِ وَرَأْسِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس برس کی عمر میں نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا، اس کے بعد دس سال تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں اقامت گزریں رہے اور دس سال مدینہ منورہ میں اور نبی ﷺ کا جب انتقال ہوا تو آپ کی داڑھی اور سر میں بیس سال بھی سفید نہ تھے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبضہ کرنا، مراد فوت ہونا ہے "ما فی لحيته" میں مانا یہ ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ أَوَّلٍ: اخرجہ مسلم: ۶۰۹۱ (۲۳۴۸) وابن حبان: ۶۳۸۹، واما نفس سنة الوفاة ففي البخاری: ۳۸۵۱، والترمذی: ۳۶۵۲۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ثَانِي: اخرجہ البخاری مطولاً: ۳۵۴۸، ومسلم: ۶۰۸۹ (۲۳۴۷) والترمذی: ۳۶۲۳، وابن حبان:

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ کتب حدیث و سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر جس مٹی سے تیار کیا تھا وہ اس حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی جو اب روضہ مقدسہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بڑوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ ”پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا“ اس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہیں آرام فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے دو وزیر و محافظ بھی آرام فرما ہیں جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کا خمیر بھی اسی مٹی سے تیار کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دنیا میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، قبر میں بھی ہیں اور حشر میں بھی ہوں گے، عادات و اخلاق میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ رہے اور عبادات و معاملات میں بھی اٹھنے بیٹھنے میں بھی مشابہہ رہے اور خانگی و عائلی زندگی میں بھی، طرز حکومت میں بھی مشابہہ رہے اور عدل و انصاف میں بھی، حد تو یہ ہے کہ سفر زندگی میں بھی مشابہہ رہے اور مدت عمر میں بھی، پھر بھی اگر کوئی بدنصیب مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ کر بھی روضہ مقدسہ کے سامنے نہ آسکے تو اس کی بدنصیبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟

۲۔ روایات کے تتبع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے حوالے سے مشہور قول کے علاوہ دو قول مزید ملتے ہیں، ایک قول ساٹھ سال کا ہے جیسا کہ یہاں بھی دوسری حدیث میں ہے اور دوسرا پینسٹھ سال کا، جس سے بعض اوقات ذہن خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ آج بھی بہت سے معاملات میں ”کسر“ کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو شاید یہ مسئلہ حل ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی آدمی کا ٹیلیفون کا بل مثلاً ایک سو بتیس روپے پچاس پیسے ہو تو کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح جن روایات میں ساٹھ سال کا ذکر آتا ہے ان میں کسر کو ذکر نہیں کیا گیا اور جن روایات میں ۶۵ سال کا ذکر آتا ہے ان میں سن ولادت اور سن وفات کو بھی دو الگ سالوں کے طور پر شمار کیا گیا ہے جس سے اصل تعداد ۶۳ پر دو کا اضافہ ہو گیا اور وہ ۶۵ بن گئے۔ واللہ اعلم

بَابُ كَيْفَ يُعْرِفُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرِفُ بِرِيحِ الطَّيِّبِ إِذَا أَقْبَلَ مِنَ اللَّيْلِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا جاتا تھا؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر رات کے وقت بھی گزرتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

(۲۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْرِفُ بِاللَّيْلِ إِذَا أَقْبَلَ إِلَى الْمَسْجِدِ بِرِيحِ الطَّيِّبِ۔

تَرْجَمَاتًا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر رات کے وقت بھی مسجد جا رہے ہوتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

حَدِيثٌ عِبَارَاتٍ: "يعرف" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچانا "بريح الطيب" خوشبو کی مہک۔

تَجْنِيحٌ حَدِيثٌ: اخرجهما الدارمی بهذا السياق، واما ما يلائم الحديث فقد اخرجہ البخاری: ۱۹۷۳، ۳۵۶۱، ومسلم: ۶۰۵۳ و ۶۰۵۴ (۲۳۳۰) والترمذی: ۲۱۰۵، وابن حبان: ۶۳۰۳، ۶۳۰۴۔

مَفْهُومٌ: اکثر محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ دراصل نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ خوشبو کا استعمال بہت کثرت کے ساتھ کرتے تھے اس لیے جب آپ ﷺ کا کسی راستے سے گزرتا ہوتا، تو لوگ پہچان لیتے کہ یہاں سے نبی ﷺ گزر کر گئے ہیں، راقم کی نظر میں یہ بات اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ نبی ﷺ خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور اس کا استعمال بہت کثرت سے فرماتے تھے، لیکن راستوں اور گلیوں کی مہک کو اس مصنوعی خوشبو کا رہین منت قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص ہی کیا ہے؟ آج بھی اگر کوئی آدمی خوشبو لگا کر کسی گلی سے گزر جائے تو پوری گلی مہک اٹھتی ہے، جس مجلس میں جاتا ہے وہ مجلس معطر ہو جاتی ہے اور سونگھنے والوں کا دماغ تروتازہ ہو جاتا ہے۔

اس لیے راقم کی نظر میں یہ چیز معجزانہ شان کے مطابق اس وقت قرار پاتی ہے جب حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ کی مہک سے گلیوں اور بازاروں کا معطر ہو جانا فطری خوشبو اور پیغمبرانہ مہک کا نتیجہ تسلیم کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اگر حضور ﷺ کسی قسم کی کوئی خوشبو بھی استعمال نہ فرماتے تب بھی آپ ﷺ کے جسد اطہر کی مہک سے گلیاں اور بازار مہک جاتے، بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا تو پسینہ بھی دنیا کی مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار اور مہک رکھتا تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے نبی ﷺ کے جسم مبارک کے پسینے کو ایک شیشی میں جمع کر لیا تھا اور تقریبات میں شریک ہونے کے لیے اسے بطور خوشبو استعمال کرتی تھیں اور پوری مجلس و محفل اس کی مہک سے بے خود ہو جایا کرتی تھی۔

بہر حال! یہ ایک ذوق عقیدت ہے جسے میں دوسروں پر مسلط نہیں کرتا لیکن میری اپنی عقیدت مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ گلیوں، بازاروں، مسجد اور حجروں کی یہ مہک مصنوعی نہیں ہوتی تھی، پیغمبر اسلام ﷺ کی معجزانہ شان کا اظہار ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ زَادَ عِنْدَ قَضَاءِ الدِّينِ

(۲۵۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي۔

جو شخص قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد چیز بھی دے دے

ترجمنا: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ذمے میرا کچھ قرض تھا، آپ ﷺ نے اسے ادا کر دیا اور مجھے کچھ اور بھی دیا۔

فائدہ: اگلی روایات میں بھی نبی ﷺ کے اخلاق و فضائل کو ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَصَائِلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا مَسِسْتُ بِيَدِي خَزًا وَلَا حَرِيرًا أَلَيْنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دَا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ جَلِيسٍ لَهُ قَطُّ۔

خصائل نبوی ﷺ کا بیان

ترجمنا: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم کسی خز اور ریشم کے لباس کو اپنے ہاتھوں سے کبھی نہیں چھوا، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کو اپنے ہم مجلسوں کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(۲۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔

ترجمنا: مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

(۲۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ أَنَسِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ وَيَعُودُ الْمَرِيضَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ۔

ترجمنا: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت کو بھی قبول فرما لیتے، مریض کی عیادت کرتے اور گدھے پر سواری کر لیتے تھے۔

(۲۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانِي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ قَدَمَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ آتَى الصَّلَاةَ فِي مَرَضِهِ۔

ترجمنا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گویا میں اب بھی نبی ﷺ کے قدموں کی سفیدی کو دیکھ رہی ہوں، جب آپ ﷺ

مرض الوفات میں نماز کے لیے گئے تھے۔

(۳۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اسْتَحَلَّ أَنْ يَكُونَ فِي بَيْتِي فَأَحْلَلَنَ لَهُ قَالَتْ فَلَمَّا سَمِعْتُ ذَلِكَ قُمْتُ مُسْرِعَةً فَكُنْتُ بَيْتِي وَلَيْسَ لِي خَادِمٌ وَفَرَشْتُ لَهُ فِرَاشًا حَشَوُ مِرْفَقَتِهِ الْإِذْخِرُ فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَهَادِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى وُضِعَ عَلَيَّ فِرَاشِي۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی، ازواج مطہرات نے اجازت دے دی، جب میں نے یہ بات سنی تو جلدی سے کھڑی ہوئی اور گھر کی جھاڑودی اس وقت میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا، اور نبی ﷺ کے لیے اذخر گھاس سے نرم کر کے ایک گدھا بچھا دیا، جس کے تیکے کہنی کے نیچے آتے نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان اس طرح تشریف لائے کہ ان کا سہارا لیے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو میرے بستر پر لٹا دیا گیا۔

حَالٌ عِبَارَةٌ: ”ما مسست“ باب سمع سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چھونا ”خز“ ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جس میں ریشم کے کچھ دھاگے شامل کر کے اسے بنایا گیا ہو ”الین“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم ہونا ”مادا“ باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھینچنا ”يعود“ باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیادت کرنا ”استحل“ باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طلب حلال کرنا ”فکنست“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جھاڑودی بنا ”فرشت“ مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بستر بچھانا ”یهادی“ باب مفاعلہ سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سہارا لگانا ”مرفقة“ کہنی۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۵۸: اخرجہ البخاری: ۴۴۳، و مسلم: ۱۶۵۶ (۷۱۵) وابن حبان: ۲۴۹۶۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۵۹: راجع له: ۳۵۶۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۶۰: اخرجہ ابن عدی: ۸۹/۱، و احمد: کما ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ: ۵۱۶/۴۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۶۱: اخرجہ ابن ماجہ: ۴۱۷۸، و الترمذی: ۱۰۱۷۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۶۲: ذکرہ جمیع اصحاب السير والتاریخ، و البخاری فی ضمن حدیث طویل: ۱۹۸، و مسلم: ۹۳۸ (۴۱۸) و ابن ماجہ: ۱۶۱۸۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ ۳۶۳: اخرج البخاری مثله: ۱۹۸، و ۶۶۴ و ۴۴۴۲، و مسلم: ۹۳۷ (۴۱۸) و ابن ماجہ: ۱۶۱۸، و احمد: ۲۴۶۰۴۔

مفہوم: زیر بحث تمام احادیث مبارکہ میں نبی مکرم ﷺ کے اخلاق و عادات اور کمالات کے بحر موانج اور

سمندر ناپیدا کنار میں سے چند چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، کیونکہ اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے اور کونے میں ہر زبان اور رسم الخط میں، ہر مکتبہ اور لائبریری میں، ہر سال اور موسم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، کمالات اور عادات پر لکھی جانے والی صرف کتابوں کی تعداد ہی اتنی ہے کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں، اخلاق و کمالات کا احاطہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

اس لیے اس موقع پر عربی زبان میں شاید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا ”کان خلقه القرآن“ اور فارسی زبان میں شاید اس سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا گیا ہے کہ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

آپ غور کیجیے! کیا قرض کی ادائیگی کے وقت اس سے بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ غیر رسمی اور غیر متوقع طور پر قرض خواہ کو اس کی اصل رقم بھی دے دی جائے اور اس کے احسان کا بدلہ بھی اتار دیا جائے؟ ”غیر رسمی“ کی قید سے میرا مقصود ”سود“ کو نکالنا ہے، یقیناً قرض کی ادائیگی اور وہ بھی برکت انسان کے عمدہ اخلاق اور احسان شناسی کی دلیل ہے، اسی طرح کسی محفل میں ٹانگیں پیار کر پھیلانے سے اپنے آپ کو بچانا آداب مجلس سے شناسا ہونے کی علامت ہے کیونکہ جو شخص آداب مجلس سے ناواقف ہو، بظاہر اس کا اعزاز و احترام کرنے والے ہی اس کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے اور ہنسی اڑاتے ہیں۔

غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ایسا تعلق کہ ان کی معمولی سے معمولی بیماری پر ان کی بیماری پر سی کے لیے پہنچ جانا، غلاموں کے حقوق کا تحفظ ایسا کہ اگر کسی غلام نے کچھ بچا بچا کر خلوص کے ساتھ دال روٹی کی دعوت کر دی تو اس کی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیا اور اسے اپنے بابرکت قدموں کی برکت سے مالا مال کر دیا، عاجزی اور فروتنی ایسی کہ معمولی سواری پر بھی سوار ہو جاتے، نہ تو کسی عمدہ سواری کا انتظار فرماتے اور نہ کسی معمولی سواری پر سوار ہونے میں کسر شان سمجھتے۔

مخلوق خدا کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا اپنے پروردگار سے تعلق بھی بہت مضبوط تھا، اتنا کہ مرض الوفات میں بھی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد میں پہنچ سکتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پہنچ کر ہی نماز ادا فرمائی، اور جب ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہونے کے کچھ دنوں کے بعد اتنی بھی ہمت نہ رہی تو گھر میں ہی نماز ادا فرماتے رہے، حد تو یہ ہے کہ وہ آخری وصیت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو فرمائی اور وہ آخری الفاظ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے امت کے لیے ادا ہوئے، ان میں بھی امت کو نماز کی ادائیگی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی تھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خلق اور خالق کے معاملے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے

لیے اپنے آپ کو تیار کریں، مخلوق کے پیچھے پڑ کر خالق سے غافل نہ ہو جائیں، اور خالق کی طرف متوجہ ہو کر مخلوق کے حقوق سے نظر نہ چرائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رِحْلَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَبِّهِ

(۳۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَزِيدٍ عَنْ أَنَسِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَأَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيفَةً فَاسْتَأْذَنَهُ إِلَى امْرَأَتِهِ بِنْتِ خَارِجَةَ وَكَانَتْ فِي حَوَائِطِ الْأَنْصَارِ وَكَانَ ذَلِكَ رَاحَةَ الْمَوْتِ وَلَا يَشْعُرُ فَأَذِنَ ثُمَّ تُوَفِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَاصْبَحَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَرَامُونَ فَأَمَرَ أَبُو بَكْرٍ غُلَامًا يَسْتَمِعُ ثُمَّ يُخْبِرُهُ فَقَالَ أَسْمَعُهُمْ يَقُولُونَ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ أَبُو بَكْرٍ وَهُوَ يَقُولُ وَأَقْطَعَ ظَهْرَاهُ فَمَا بَلَغَ أَبُو بَكْرٍ الْمَسْجِدَ حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ وَأَرْجَفَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالُوا لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا أَسْمَعُ رَجُلًا يَقُولُ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا ضَرْبَتُهُ بِالسَّيْفِ فَكَفُّوا لِذَلِكَ فَلَمَّا جَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْبِجِي كَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ جَعَلَ يَلْتِمُهُ فَقَالَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذَيِّقَكَ الْمَوْتَ مَرَّتَيْنِ أَنْتَ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَا يَمُوتُ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ لَكَانَا لَمْ نَقْرَأْهَا قَبْلَهَا قَطُّ فَقَالَ النَّاسُ مِثْلَ مَقَالَةِ أَبِي بَكْرٍ مِنْ كَلَامِهِ وَقِرَاءَتِهِ وَمَاتَ لَيْلَةَ الْأَثْنَيْنِ فَمَكَّتْ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثَّلَاثِ وَكَانَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَأَوْسُ بْنُ خَوْلِيٍّ يَصْبَانِ وَعَلِيٌّ وَالْفُضْلُ يَغْسِلَانِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں جب تخفیف محسوس کی تو اپنی زوجہ محترمہ اسماء بنت خاریجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی اجازت لی جو کہ انصار کے باغات کے قریب رہتی تھیں، وصال کے وہ قریبی لمحات تھے لیکن وہ اسے محسوس نہیں کر پائے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

ادھر اسی رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، صبح جب ہوئی تو لوگ افراتفری میں پڑ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو سن گن لے کر خبر لانے کا حکم دیا، وہ آ کر کہنے لگا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری اور وہ کہنے لگے ہائے! میری کمر ٹوٹ گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ابھی پہنچے نہیں تھے، لوگ یہ سمجھنے لگے کہ وہ نہیں پہنچیں گے، منافقین شکوک پیدا کرنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ان کا انتقال نہ ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا

ہے تو تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا، اس پر منافقین باز آگئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا جسے ڈھانپ دیا گیا تھا، اور اسے چومنے لگے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا، آپ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہیں، پھر باہر تشریف لا کر فرمایا اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ کبھی نہیں مرے گا، اس کے بعد انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی تو گزر چکے، اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے، اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا، اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب بدلہ دے گا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوا جیسے ہم نے اس سے پہلے یہ آیت کبھی پڑھی ہی نہ ہو، اور لوگ بھی وہی کہنے اور پڑھنے لگے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تلاوت کیا تھا۔ پیر (کا دن شروع ہونے سے پہلے جو) رات (آتی ہے اس کے اختتام پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، دو دن ٹھہر کر منگل کے دن آپ کو سپرد خاک کیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے والے حضرات میں اسامہ بن زیدؓ اور اوس بن خولہؓ پانی بہا رہے تھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ نہلا رہے تھے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "حوائط" جمع حائط بمعنی باغ "یترا مون" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی گرتے پڑتے آنا، افراتفری میں مبتلا ہونا "ارجف" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مضطرب ہونا "فکفوا" باب نصر سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی رک جانا "مسجی" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پوشیدہ رکھنا، ڈھانپ دینا "کشف" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھولنا "یلثمہ" باب مذکورہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بوسہ دینا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری من: ۴۴۵۲، الی ۴۴۵۴، والنسائی: ۱۸۴۲، وابن ماجہ: ۱۶۲۷، وابن حبان: ۶۶۲۰،

واحمد: ۲۵۳۷۵۔

مَقْلُوبَةٌ: یقیناً اس قیامت صغریٰ کے موقع پر کسی "اکبر" کا ہونا ضروری تھا جو اپنی صداقت سے اس قیامت میں ثابت قدمی کے جھنڈے گاڑتا، امت کو نیا حوصلہ اور ولولہ دیتا، اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھ کر مستقبل کا نقشہ سامنے رکھتا، آپس میں نفرتیں اور عداوتیں پھیلنے سے بچاؤ کے انتظامات کرتا، جانے والے محبوب کی نیابت کرتا اور آنے والے حکم کی تلاوت کرتا، اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس موقع پر یہ عظیم کام لیے اور انہیں خلافت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز عطاء فرمایا اور سیدنا علی مرتضیٰ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر ہر آدمی سناٹے میں آ گیا تھا، زمین پر حسرت برستی تھی اور

آسمان پر گرد اڑاتی تھی، فضاؤں کے پرندے تڑپتے تھے اور سمندروں کی مچھلیاں گھبراتی تھیں، جن کی جدائی کے غم پر درختوں کے تنے آٹھ آٹھ آنسو روپا کرتے تھے، ان کی جدائی کا غم ہر شخص کو بے حال کیے ہوئے تھا، فاطمہ الگ پریشان تھیں، عائشہ دوسری طرف پریشان تھیں، حسنین کے دل پر قیامت بیت رہی تھی اور عثمان و علی کے سر رخت ہو رہے تھے، شیخین کے داماد رخت ہو رہے تھے، یتیموں اور بیواؤں کے والی رخت ہو رہے تھے، پیغمبر اسلام اور پیام برانسانیت رخت ہو رہے تھے۔ سچ ہے کہ اس دنیا سے ہر ایک نے رخت ہونا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

(۲۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزَّعْرَاءِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ۔

حضرت ابو بکر و عمر کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابو بکر و عمر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عَمَّارٍ

(۲۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَبِيعٍ عَنْ حُدَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدِ۔

حضرت عمار کے فضائل

اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کرو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو مضبوطی سے تھامو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اقتدوا" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اقتداء کرنا، پیروی کرنا "واهتدوا" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طریقہ اختیار کرنا، "بعهد" ای بوصیة۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الترمذی: ۳۶۶۲، وابن ماجہ: ۹۷، واحمد: ۳۹۹/۵، وابن حبان: ۶۹۰۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن حبان: ۶۹۰۲، والترمذی فی المناقب، باب: ۳۴، واحمد: ۲۳۶۶۵۔

مفہوم: یہاں سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کا بیان شروع ہو رہا ہے جس میں حدیث کی مختصر وضاحت "اگر اس کی ضرورت ہو" کے بعد متعلقہ صحابی کی مختصر سوانح حیات ذکر کی جائے گی تاکہ ان کا مختصر تعارف ذہن نشین ہو جائے چنانچہ یہاں حضرات شیخین کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی ضمناً آ گیا ہے

اس لیے یہاں ان تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر الگ سے آ رہا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ کنیت ابو بکر اور لقب صدیق ہے، آپ کے والد کا نام عثمان اور والدہ کا نام سلمی ام الخیر ہے، آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف رکھتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو شراب سے نفرت تھی، آپ کی کوششوں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے غلاموں کو آزادی ملی، غار ثور اور روضہ مبارکہ میں رفاقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہوا، غزوات میں شرکت اور ۹ھ میں امیر الحجج کا اعزاز نصیب ہوا، خلافت نصیب ہوئی اور جمع قرآن مرتدین کی سرکوبی، جیش اسامہ کی روانگی اور تحفظ مسئلہ ختم نبوت جیسے اہم کام آپ کی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو ہوا، پیر کے دن صبح کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا اور اس کے غروب آفتاب کے ساتھ ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی پردہ فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمر کنیت ابو حفص اور لقب فاروق ہے، آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ ہے، آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس سال پہلے ہوئی، ابتداء میں آپ اسلام کے خلافت بہت سرگرم رہے بالآخر مراد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بن کر دین اسلام کا شجر ثمر بار بنے، تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہے، مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ اور چار دانگ عالم میں اسلام کا نام روشن کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر بندھتا ہے، عراق، شام، فلسطین، بیت المقدس اور مصر جیسے بڑے ممالک آپ ہی کے عہد حکومت میں فتح ہوئے، یکم محرم ۲۳ھ بروز ہفتہ آپ جام شہادت نوش کر گئے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمار اور کنیت ابو ایقظان ہے، آپ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے، تقریباً تیس صحابہ کرام کے بعد آپ کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، آپ کو دین اسلام قبول کرنے پر مشرکین کی طرف سے انتہائی سخت تکالیف پہنچائی گئیں، تمام غزوات میں شریک ہوئے، ۲۰ھ میں کوفہ کے گورنر بنائے گئے، ۹۱ برس کی عمر میں جنگ صفین میں شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عَثْمَانَ

(۲۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ عُمَرَ مَرَّ بِعَثْمَانَ وَهُوَ حَزِينٌ قَالَ مَا يُحْزِنُكَ قَالَ
أَلَا أَحْزَنَ وَقَدْ انْقَطَعَ الصِّهْرُ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَذَلِكَ حَدَّثَانِ مَاتَتْ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ
صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَتْ تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَرَوْجُكَ حَفْصَةَ ابْنَتِي فَقَالَ حَتَّى اسْتَأْمَرَ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاتَاهُ

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ أَنْ أَدُلَّكَ عَلَى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ عَثْمَانَ وَأَدُلَّ عَثْمَانَ عَلَى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ زَوْجِي حَفْصَةَ وَأَزْوَاجُ عَثْمَانَ ابْنَتِي فَقَالَ نَعَمْ فَفَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت

تَرْجَمَاتًا: موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گزر ہوا تو وہ غمگین دکھائی دیئے پوچھا کیوں غمگین دکھائی دے رہے ہو؟ فرمایا غمگین کیوں نہ ہوں؟ جبکہ میرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سسرالی رشتہ منقطع ہو گیا ہے یہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ابتدائی ایام کی بات ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں حضرت عثمان نے کہا کہ پہلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کر لوں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا میں حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر رشتہ اور عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر رشتہ نہ بتاؤں؟ عرض کیا ضرور! فرمایا حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور عثمان کا نکاح میں اپنی بیٹی سے کر دیتا ہوں وہ اس پر راضی ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي عَرَبَةَ: "حزین" فعلیل بمعنی مفعول کے ہے یعنی غمگین "الصهر" سسرالی رشتہ داری "حدثان" بمعنی اوائل "ازوجك" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی نکاح کروانا۔

تَجْرِمَةُ حَدَّثَنَا: اخرجہ الہندی فی الكنز: ۳۷۹/۶ وابن ماجہ مختصراً: ۱۱۰۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عثمان کُنیت ابو عبد اللہ اور لقب ذوالنورین ہے آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی ہے آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو امیہ سے ہے۔ آپ واقعہ اصحاب فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے چونتیس سال کی عمر میں اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ صرف ۳۵ لوگ مسلمان ہوئے تھے قبول اسلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر کے آپ کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا آپ نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی غزوہ بدر میں حضرت رقبہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے ادھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی جانبر نہ ہو سکیں اس کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ ۴ محرم ۲۴ھ کو آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں طرابلس، افریقہ، سائپرس، طبرستان فتح ہوئے اور ۳۱ھ میں پہلی بحری کامیاب جنگ لڑی گئی ۱۸ ذی الحجہ ۳۶ھ بروز جمعہ بوقت عصر آپ نے باغیوں کے ہاتھوں چالیس دن کی بھوک پیاس کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عَلِيٍّ

(۳۶۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حَيَّةَ الْعَرَبِيَّةِ وَهُوَ الْهَمْدَانِيُّ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمتاً: جیہ عربی ہمدانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میں سب سے پہلے اسلام لایا تھا۔

(۳۶۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَظَرَ إِلَى عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَرَأَاهُ جَائِعًا فَقَالَ يَا عَلِيُّ مَا أَجَاعَكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي لَمْ أَشْبَعُ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَبَشِرُ بِالْجَنَّةِ۔

ترجمتاً: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ آپ کو بھوکے محسوس ہوئے فرمایا علی! کیا بات ہے بھوکے محسوس ہو رہے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اتنے اتنے دن سے پیٹ نہیں بھرا یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا تمہیں جنت کی خوشخبری ہو۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "جائعا" بھوکا "ما اجاعك" اس میں "ما" استفہامیہ ہے اور آگے باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے بمعنی بھوکا بنانا "ابشر" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی خوشخبری دینا۔

تصحیح حدیث اول: اخرجہ الترمذی: ۳۷۳۵، ۳۷۳۴۔

تصحیح حدیث ثانی: اخرجہ ابن عدی: ۱/۱۲۴، ۱۴/۸۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور ابو تراب اور لقب حیدر ہے، آپ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے، آپ رشتے کے اعتبار سے نبی ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے، آپ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف رکھتے ہیں، شب ہجرت نبی ﷺ کے بستر پر سونے کا اعزاز حاصل ہوا، نبی ﷺ کی سب سے چہیتی اور لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اولاد ہوئی، تمام غزوات میں شرکت فرمائی، فقہ و اجتہاد اور صحیح فیصلے کی سمجھ بوجھ میں مشہور ہیں، تصوف کے اکثر سلسلے ان ہی پر منتہی ہوتے ہیں، تفسیر و حدیث اور علم وراثت پر بھی مکمل عبور حاصل تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ سریر آرائے خلافت ہوئے، اور ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی رات کو آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور کوفہ کے ایک قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ حَمْزَةَ

(۲۷۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ثُمَّ رَجُلٌ دَخَلَ إِلَى إِمَامٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ۔
وَفِي رِوَايَةٍ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہوں گے اور دوسرے نمبر پر وہ آدمی جو کسی حکمران کے پاس جا کر اسے اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

تخریج حدیث: اخرجہ الحاکم: ۱۱۹/۲، والہندی فی الکنز: ۳۳۲۶۳۔

مفہوم: عام طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی لوگ سید الشہداء کہہ دیتے ہیں اور عشرہ محرم میں ایسی چیزیں خصوصیت کے ساتھ کثرت سے سننے میں آتی ہیں اس موقع پر ایک طرف تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تقدس و احترام ہوتا ہے اور دوسری طرف بعض حضرات کی یہ رائے ہوتی ہے کہ سید الشہداء کا لقب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو یہ لقب عطاء فرمایا تھا اس لیے کسی اور کو یہ لقب دینا صحیح نہیں ہے، لیکن راقم الحروف ہمیشہ اس خلجان کا شکار رہا ہے کہ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہہ دیا جائے تو اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے، لیکن جب راقم کی نظر اس حدیث پر پڑی تو ذہن کا خلجان خود بخود دور ہو گیا کہ جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اپنے حکمران کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے دین کے ساتھ وابستہ رکھنے والا شخص بھی ”سید الشہداء“ کے اعزاز سے معزز ہوگا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی تو یہی فریضہ انجام دیا تھا، انہیں یہ لقب کیوں نہیں دیا جاسکتا؟ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی حمزہ کنیت ابوعمارہ اور لقب اسد اللہ ہے، آپ کے والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب تھا، رشتے میں آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا اور رضاعی بھائی لگتے ہیں، آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے، غزوہ بدر میں آپ کی شہامت و شجاعت نے غنیم کے پرے کے پرے صاف کر دیے، غزوہ احد میں آپ نے وحشی بن حرب نامی غلام کے ہاتھوں ”جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا“ جام شہادت نوش فرمایا، اور دشمن نے آپ کی نعش مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب ٹکڑوں کو جمع کر کے دفن کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الزُّبَيْرِ

(۲۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يَأْتِنَا بِالْخَبَرِ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ فَيَنْطَلِقُ الزُّبَيْرُ فَيَأْتِيهِ بِالْخَبَرِ كَانَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيُّ الزُّبَيْرِ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کی رات ارشاد فرمایا دشمن کے متعلق ہمیں کون خبر لا کر دے گا؟ تین مرتبہ ایسا ہوتا ہے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور جا کر خبر لاتے ہیں اس پر نبی ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "فَيَنْطَلِقُ" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جانا "حواری" مصاحب خاص کو کہتے ہیں۔

تَبْحِيحٌ حَدِيثٌ: اخرجہ البخاری: ۲۸۴۶، ومسلم: ۶۲۴۳ (۲۴۱۵) والترمذی: ۳۷۴۵، وابن ماجہ: ۱۲۲، وابن حبان: ۶۹۸۵۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی زبیر، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب "حواری رسول" ہے آپ کے والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ ہے جو نبی ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں، آپ کی پیدائش ہجرت سے اٹھائیس سال قبل ہوئی، آپ نے اپنی عمر کے سولہویں سال میں ہی پانچویں یا چھٹے نمبر پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا، بہادری میں ضرب المثل تھے، تمام غزوات میں شریک ہوئے، جنگ جمل کے موقع پر ابن جرموز نامی غدار اور جہنمی کے ہاتھوں آپ نے جام شہادت نوش کیا، آپ کی کل عمر مبارک چونسٹھ سال ہوئی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی سباع میں مدفون ہوئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ

(۲۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَسْمَرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ قَالَ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوا بِابْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ كَمَا أَنْزَلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدِ۔

وَجَعَلَ يَقُولُ لَهُ سَلْ تُعْطَهُ فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُبْشِرَانِهِ فَسَبَقَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ إِلَيْهِ فَبَشَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ أَمَرَهُ بِالذُّعَاءِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا دَائِمًا لَا يَزُولُ وَنَعِيمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةً

نَبِيِّكَ فِي جَنَّةِ الْخُلْدِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ سَمَرًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوا بِابْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَضًا كَمَا أَنْزَلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدِ وَجَعَلَ يَقُولُ سَلْ تُعْطَهُ وَذَكَرَ تَمَامَ الْأَوَّلِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضرات شیخین ایک مرتبہ نبی ﷺ سے رات دیر گئے تک گفتگو کرتے رہے جب وہ دونوں نکلے تو نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ چلے گئے ان تینوں کا گزر ابن مسعود کے پاس سے ہوا جو قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے نبی ﷺ نے ان کی تلاوت سن کر فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھے جیسے وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن مسعود کی طرح پڑھے اور نبی ﷺ ان سے فرمانے لگے کہ مانگو تمہاری درخواست پوری ہوگی حضرات شیخین یہ خوشخبری سنانے کے لیے ابن مسعود کے پاس آئے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سبقت لے گئے اور انہیں خوشخبری سنا کر فرمایا کہ نبی ﷺ نے انہیں دعا کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے دائمی ایمان کا سوال کرتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو ایسی نعمتوں کا جو کبھی ختم نہ ہوں اور جنت میں نبی ﷺ کی رفاقت کا۔

(۲۷۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْتَهُ أُرْسِلَ وَالِدَتَهُ أُمَّ عَبْدِ تَنْظُرُ إِلَى هَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ وَذَلَّهُ وَسَمَّتَهُ فَتُخْبِرُهُ بِذَلِكَ فَيَتَشَبَّهُ بِهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ اپنے گھر تشریف لے جاتے تو وہ اپنی والدہ ام عبد کو بھیج دیتے تھے تاکہ وہ نبی ﷺ کے طریقے سیرت اور کیفیت کو غور سے دیکھیں اور انہیں آکر بتائیں پھر وہ اس کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۲۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ صَاحِبَ حَصِيرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ عَصَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ رِدَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ الرَّاحِلَةِ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ سِوَاكِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَصَاحِبَ الْمِيْضَاةِ وَصَاحِبَ النَّعْلَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے منقول ہے کہ وہ نبی ﷺ کے سجادہ بردار تھے ایک روایت میں لائھی بردار

ہونے کا ذکر آیا ہے ایک روایت میں صاحب ردا ہونے کا ایک روایت میں صاحب راحلہ ہونے کا ایک روایت میں صاحب مساک ہونے کا ایک روایت میں وضو کے برتن والا ہونے کا اور ایک روایت میں صاحب العلیین ہونے کا تذکرہ آتا ہے۔

(۲۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَعْنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا كَذَبْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا كَذْبَةً وَاحِدَةً كُنْتُ أُرِحِلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَتَى رَحَالَ مِنْ الطَّائِفِ فَسَأَلَنِي أَى الرَّاحِلَةِ أَحَبُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ وَكَانَ يَكْرَهُهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا أُتِيَ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَلَ لَنَا هَذِهِ قَالُوا رَحَالَكَ قَالَ مُرُوا ابْنَ أُمِّ عَبْدِ فَلْيُرِحِلْ لَنَا فَأَعِيدَتْ إِلَيَّ الرَّاحِلَةَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جِيءَ بِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ فَجَاءَ نَبِيَّ الطَّائِفِيُّ فَقَالَ أَى الرَّاحِلَةِ أَحَبُّ إِلَيْهِ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَنْ صَاحِبُ هَذِهِ الرَّاحِلَةِ قِيلَ الطَّائِفِيُّ قَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں نبی ﷺ کے لیے سواری تیار کرتا تھا طائف سے ایک کجاوہ بنانے والا آیا اور مجھ سے پوچھا کہ نبی ﷺ کو کون سا کجاوہ پسند ہے؟ میں نے کہا جو طائف یا مکہ کا بنا ہوا ہو حالانکہ وہ نبی ﷺ کو ناپسند تھا جب وہ شخص کجاوہ لے کر آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں رحال نے! فرمایا عبداللہ بن مسعود سے کہو کہ وہ ہمارے لیے سواری تیار کرے چنانچہ اسے میرے پاس تیاری کے لیے لایا گیا۔

(۲۷۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَا كَذَبْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا وَاحِدَةً كُنْتُ أُرِحِلُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَتَى رَحَالَ مِنْ الطَّائِفِ فَقَالَ أَى الرَّاحِلَةِ أَحَبُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُهَا فَلَمَّا دَخَلَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُتِيَ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَلَ لَنَا هَذِهِ الرَّاحِلَةَ قَالَ رَحَالَكَ الَّتِي أُتِيَ بِهَا مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ رَدَّ الرَّاحِلَةَ لِابْنِ مَسْعُودٍ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ ۳۵۷ والا ہے۔

حَالِ عِبَارَاتٍ: ”سمرا“ باب نصر یا ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ثننیہ مذکر غائب ہے بمعنی رات کو گفتگو کرنا ”خرج معهما“ اس کا فاعل نبی ﷺ ہیں ”سره“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوش ہونا ”لا ینفد“ باب سمع سے فعل مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ختم ہونا ”دلہ“ ای سیرتہ ”سمتہ“ ای ہیئتہ فی الجلوس والقیام ”فیتشبه“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہ تکلف مشابہت اختیار کرنا ”ارحل“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سواری تیار کرنا کجاوہ لگانا ”رحال“ اسی سے ہے

”فاعیدت“ باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی لوٹانا۔
تجیح حدیث: اما الاول من هذه الاحادیث المباركة۔

فقد اخرجہ ابن حبان: ۷۰۶۷ و ۷۰۶۶، وابن ماجہ: ۱۳۸، واحمد: ۱۷۵، والطیالسی: ۳۴۰، والنسائی فی عمل اليوم والليلة: ۸۶۹۔

واما الثاني منها:

فقد اخرج البخاری مثله: ۳۷۶۲، والترمذی: ۳۸۰۷، وابن حبان: ۷۰۶۳، ومسلم: ۶۳۲۶ (۲۴۶۰)

واما الثالث منها:

فقد اخرجہ الحاکم: ۳۱۶/۳، وابن سعد: ۱۰۹/۳۔

واما الرابع والخامس منها:

فقد اخرجہما ابو یعلیٰ الموصلی: ۵۲۱۲، وابن حجر فی المطالب العالیة: ۲۸۴۴۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضي الله عنه: آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ اور کنیت ابو عبدالرحمن ہے آپ کے بہت سے القاب کا ذکر حدیث ۳۷۴۳ میں ہے آپ کے والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد ہے، بچپن میں آپ بکریاں چراتے تھے آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے آپ نے تمام غزوات میں شرکت اور حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی، ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، فقہی مسائل میں ان کی رائے خاصا وزن رکھتی ہے، بیان حدیث میں محتاط رہے، قراءت قرآن میں ممتاز ہیں، حدیث و تفسیر میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں، آپ نے ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں وفات پائی، حضرت عثمان بن عفان رضي الله عنه نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ خُزَيْمَةَ

(۳۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ أَنَّهُ مَرَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ يَجْحَدُ بَيْعَهُ فَقَالَ خُزَيْمَةُ أَشْهَدُ لَقَدْ بَعْتَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَهُ قَالَ تَجِئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ فَتُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ مَرَّ بِأَعْرَابِيٍّ وَهُوَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَجْحَدُ بَيْعًا قَدْ عَقَدَهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُزَيْمَةُ أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَعْتَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ ذَلِكَ فَقَالَ تَجِئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ فَتُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ۔
وَفِي رِوَايَةٍ أَجَازَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ حَتَّى مَاتَ۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

تَرْجَمْنَا: حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ان کا گزر ہوا، آپ کے ساتھ ایک دیہاتی بھی تھا جو بیچ کا انکار کر رہا تھا، حضرت خزیمہؓ کہنے لگے کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم نے یہ جانور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا؟ عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (کیا اس میں آپ کی تکذیب کریں گے؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: "يججد" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا "بعته" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیچنا "فَنَصَدَقَكَ" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تصدیق کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابو داؤد: ۳۶۰۷، واحمد

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم ساسی خزیمہ، کنیت ابوعمارہ اور لقب ذوالشہادتین ہے، آپ کے والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام کبشہ بنت اوس ہے، آپ ہجرت سے قبل دولت اسلام سے مالا مال ہوئے اور غزوہ بدر سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے، آپ کی کل مرویات کی تعداد ۳۸ ہے، جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف سے شریک ہو کر شامیوں کے خلاف داد شجاعت دی اور اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ حَدِيْجَةَ

(۲۷۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بُشِّرْتُ حَدِيْجَةَ بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ لِأَصْحَبِ فِيهَا وَلَا نَصَبَ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

تَرْجَمْنَا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی گئی ہے جس میں کوئی شور اور کسی قسم کی تھکاوٹ نہ ہوگی۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: "بشرت" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خوشخبری دینا، "صخب" شور و شغب، "نصب" تھکاوٹ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۱۷۹۲، ومسلم: ۶۲۷۴ (۲۴۳۳) واحمد: ۳۵۵/۴، وابن حبان: ۷۰۰۴۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: آپ کا نام نامی اسم گرامی خدیجہ، کنیت ام ہند اور لقب طاہرہ ہے، آپ کے والد کا نام

خوید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے آپ کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے آپ کی پیدائش عام الفیل سے ۱۵ سال قبل ہوئی آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ سے ہوا دوسرا نکاح عتیق بن عابد مخزومی سے ہوا اور تیسری مرتبہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آئیں اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس تھی آپ کا فہر ۵۰۰ طلائی درہم مقرر ہوا خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا آپ ۲۵ سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اس دوران اپنے جسم و جان اور روح و قلب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف رہیں حالانکہ اپنے وقت میں مکہ مکرمہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں آپ نے کل ۶۳ برس چھ ماہ کی عمر پائی ۱۱ رمضان ۱۰ نبوت میں آپ کا انتقال ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں قبر میں اتارا آپ کی قبر حجون میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ جتنی بھی اولاد عطاء فرمائی وہ سب حضرت خدیجہ سے ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ عَائِشَةَ الصِّدِّيقَةِ

(۲۷۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهُ لَيَهُونُ عَلَيَّ الْمَوْتُ إِنِّي رَأَيْتُكَ زَوْجَتِي فِي الْجَنَّةِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ إِنِّي رَأَيْتُكَ زَوْجَتِي فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ التَّفَتُّ وَقَالَ هَوِّنْ عَلَيَّ الْمَوْتُ لِأَنِّي رَأَيْتُ عَائِشَةَ فِي الْجَنَّةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھ پر موت کی سختی اس لیے آسان ہوگئی ہے کہ میں نے تمہیں جنت میں بھی اپنی بیوی کے طور پر دیکھ لیا ہے۔

(۲۸۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كُنَّ لِي خِلَالُ سَبْعٍ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ أَحَبُّنَّ إِلَيْهِ أَبَا وَأَحَبُّنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَتَزَوَّجَنِي بِكُرًّا وَمَا تَزَوَّجَنِي حَتَّىٰ آتَاهُ جِبْرَائِيلُ بِصُورَتِي وَلَقَدْ رَأَيْتُ جِبْرَائِيلَ وَمَا رَأَاهُ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ غَيْرِي وَكَانَ يَأْتِيهِ جِبْرَائِيلُ وَأَنَا مَعَهُ فِي شِعَارِهِ وَلَقَدْ نَزَلَ فِي عُدْرٍ كَادَ أَنْ يَهْلِكَ فَنَامَ النَّاسُ وَلَقَدْ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي بَيْتِي وَلَيْتِي وَيَوْمِي وَيَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میری سات خوبیاں ایسی ہیں جو دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی میں نہیں تھیں۔

۱۔ میں ان سب کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد اور اپنی ذات کے حوالے سے سب سے زیادہ محبوب تھی۔

- ۲۔ نبی ﷺ نے مجھ سے باکرہ ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔
- ۳۔ میں نے جبریل کو دیکھا ہے اور میرے علاوہ کسی زوجہ محترمہ نے نہیں دیکھا۔
- ۴۔ نبی ﷺ نے مجھ سے نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ جبریل میری تصویر لے کر آئے۔
- ۵۔ نبی ﷺ کے پاس جبریل اس وقت بھی آجاتے تھے جب میں نبی ﷺ کے ساتھ بستر میں ہوتی۔
- ۶۔ میرے عذر کے بارے قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں جس میں لوگوں کی بہت سی جماعتیں ہلاکت کے قریب پہنچ گئی تھیں۔
- ۷۔ نبی ﷺ کا انتقال میرے گھر میں میری باری کی رات میں میرے دن میں اور میرے سینے اور گلے کے درمیان ہوا ہے۔

(۲۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِي سَبْعِ خِصَالٍ لَيْسَتْ فِي وَاحِدَةٍ مِنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَزَوَّجَنِي وَأَنَا بَكْرٌ وَلَمْ يَتَزَوَّجْ أَحَدًا مِنْ نِسَائِهِ بِكْرًا غَيْرِي وَنَزَلَ جِبْرَائِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَنْزِلْ بِصُورَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ نِسَائِهِ غَيْرِي وَأَرَانِي جِبْرَائِيلَ وَلَمْ يُرِهِ أَحَدًا مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ مِنْ أَحَبِّهِنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَأَبَا وَنَزَلَتْ فِي آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ كَأَنَّ يَهْلِكَ فِتْنًا مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِي لَيْلَتِي وَيَوْمِي وَتُوفِّيَ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَتْ إِنَّ فِي سَبْعِ خِصَالٍ مَا هُنَّ فِي وَاحِدَةٍ مِنْ أَزْوَاجِهِ تَزَوَّجَنِي بِكْرًا وَلَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرِي وَأَتَاهُ جِبْرَائِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَأْتِهِ جِبْرَائِيلُ بِصُورَةٍ أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ أَحَبِّهِنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَأَبَا وَأُنزِلَ فِي عُدْرٍ كَأَنَّ يَهْلِكَ فِتْنًا مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِي يَوْمِي وَلَيْلَتِي وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَأَرَانِي جِبْرَائِيلَ وَلَمْ يُرِهِ أَحَدًا مِنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي۔

ترجمہ: یعنی وہی ترجمہ ہے جو حدیث نمبر ۳۸۰ میں ہوا۔

(۲۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الصِّدِّيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ الْمُبَرَّاءِ حَبِيبَةَ رَسُولِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﷺ۔

ترجمہ: مسروق جب بھی حضرت عائشہ صدیقہ کے حوالے سے کوئی روایت بیان کرتے تو یوں کہتے: ”حدثنی الصدیقة بنت الصدیق المبراءة حبیبة رسول اللہ ﷺ۔“

(۲۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى عَائِشَةَ لِيَعُودَهَا فِي مَرَضِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ إِنِّي أَجِدُ غَمًّا وَكَرْبًا فَأَنْصَرِفُ فَقَالَ لِلرَّسُولِ مَا أَنَا بِالَّذِي يُنْصَرَفُ حَتَّى أَدْخُلَ

فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَأَخْبَرَهَا بِذَلِكَ فَأَذْنَتْ لَهُ فَقَالَتْ إِنِّي أَجِدُ غَمًّا وَكُرْبًا وَأَنَا مُشْفِقَةٌ مِمَّا أَخَافُ أَنْ أَهْجُمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَبَشِّرِي فَوَاللَّهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَائِشَةُ فِي الْجَنَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُزَوِّجَهُ جَمْرَةً مِنْ جَمْرَةِ جَهَنَّمَ فَقَالَتْ فَرَجَحْتُ فَرَجَّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْكَ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے ان کی عیادت کے سلسلے میں گھر میں داخل کی اجازت مانگی، حضرت عائشہؓ نے پیغام بھجوایا کہ میں بہت زیادہ پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہو اس لیے ابھی (نہیں مل سکتی) واپس تشریف لے جائیے، حضرت ابن عباسؓ نے قاصد سے کہا کہ میں تو ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا، قاصد نے جا کر حضرت عائشہؓ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اجازت دے دی (جب وہ آئے تو) فرمایا کہ میں بہت پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہوں اور مجھے اندازہ ہے کہ اب مجھ پر موت کا حملہ ہونے والا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا آپ کو بشارت ہو کہ بخدا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہوگی اور نبی ﷺ اللہ کے نزدیک اس سے معزز تھے کہ جہنم کے کسی انگارے سے نکاح فرماتے، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم نے مجھ پر خوشی کا دروازہ کھولا، اللہ تم پر کثادگی کرے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "ليهون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور لام ابتدائیہ ہے بمعنی آسان ہونا "خلال" خوبیاں "بکرا" کنواری "شعاره" بستر لحاف "فی" میرے بارے میں "سحری ونحری" سینہ اور گلا "المبرأة" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی بری ہونا۔ "غما و کربا" پریشانی اور تکلیف "فانصرف" باب انفعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی لوٹ جانا "اهجم" باب نصر یا کرم سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ہجوم کرنا "جمرة" چنگاری۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ۳۷۹: اخرجہ احمد: ۲۵۵۹۰، وابن حبان: ۷۰۹۵، والترمذی: ۳۸۸۹۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ۳۸۰، ۳۸۱: هذان الحدیثان مشتمل کلاهما علی سبع خصال، اما الاول منها:

فقد اخرجہ مسلم: ۶۱۷۷ (۲۳۷۳) والترمذی: ۳۸۸۵، وابن ماجه: ۱۰۱، وابن حبان: ۴۵۴۰۔

واما الثانی منها:

فقد اخرجہ ابن حبان: ۷۰۹۶، والبخاری: ۳۸۹۶، ومسلم: ۳۴۷۹ (۱۴۲۲) وابوداؤد: ۴۹۳۳، والنسائی:

۳۲۵۷، وابن ماجه: ۱۸۷۶۔

واما الثالث منها:

فقد اخرجہ احمد: ۲۴۶۴۳، والبخاری: ۵۱۲۵، ومسلم: ۶۲۸۳ (۲۴۳۸) وابن حبان: ۷۰۹۳، والترمذی:

-۳۸۸۰

واما الرابع منها:

فقد اخرجہ احمد: ۲۵۵۰۸، والترمذی: ۳۸۸۲، وابن عدی: ۴۴/۸۔

واما الخامس منها:

فقد اخرجہ البخاری مطولاً: ۲۵۸۱، والترمذی: ۳۸۷۹، وابن حبان: ۷۱۰۹۔

واما السادس منها:

فيشير الى قصة الافك التي اخرجها جميع اهل الحديث والسير والتفسير، فقد اخرجہ البخاری مثلاً: ۲۶۶۱،

ومسلم: ۷۰۲۰ (۲۷۷۰) وابوداؤد: ۴۷۳۵، والترمذی، ۳۱۸۰، وابن حبان: ۴۲۱۲۔

واما السابع منها:

فقد اخرجہ البخاری: ۴۴۵۱، ومسلم: ۶۲۹۲ (۲۴۴۳) وابن حبان: ۷۱۱۶، واحمد: ۴۸/۶۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ۳۸۲: هو قول تابعي، يدل عليه قول الصحابي عمار بن ياسر، اخرجہ الترمذی: ۳۸۸۸ و نفس الحديث

اخرجہ احمد: ۲۶۵۷۲۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ۳۸۳: اخرجہ ابن حبان: ۷۱۰۸، والبخاری: ۴۷۵۳۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: آپ کا نام نامی اسم گرامی عائشہ کنیت ام عبداللہ اور لقب صدیقہ اور حمیرا ہے آپ کے والد کا نام ابو بکر اور والدہ کا نام زینب ہے آپ کی پیدائش ماہ شوال ۴ نبوت میں ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبی ﷺ سے منسوب ہوئیں اور ماہ شوال ہی میں نو سال کی عمر میں رخصتی ہو گئی شجاعت و دلیری، جود و سخاوت اور خود داری میں بے مثل رہیں، علم و فضل میں کوئی عورت ان کی ہمسری نہیں کر سکی، قرآن و حدیث فقہ اور علم الاسرار کے علاوہ شاعری کا بھی خاص ذوق تھا اور بڑے بڑے شعراء کے قصائد زبانی یاد تھے واقعہ افک کی مناسبت سے ان کی شان میں قرآن کریم کی دس آیات نازل ہوئیں، نبی ﷺ کی سب سے چہیتی زوجہ محترمہ تھیں، آپ نے ۶۷ سال کی عمر پائی، حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں ماہ رمضان ۵۸ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، آپ کی مرویات کی تعداد پر اسی کتاب کے مقدمے میں بحث کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَدْحِ الشَّعْبِيِّ

(۳۸۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمَغَازِي وَابْنُ عُمَرَ يَسْمَعُهُ قَالَ
حِينَ يَسْمَعُ حَدِيثَهُ أَنَّهُ يُحَدِّثُ كَأَنَّهُ شَهِدَ الْقَوْمَ۔

امام شعبی رضی اللہ عنہ کی مدح

ترجمتاً: ہیشم کہتے ہیں کہ امام شعبی مغازی کے متعلق احادیث سناتے تھے، حضرت ابن عمر جب ان کی روایات کو سنتے تو

فرماتے کہ یہ بعینہ اسی طرح بیان کر رہے ہیں جیسے وہاں موجود چشم دید گواہ بیان کرے۔

(۲۸۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَلَقَةٍ فِيهَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ إِنَّهُ لَيُحَدِّثُ حَدِيثَنَا كَانَ يَشْهَدُ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "شہد" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی موجود ہونا "القوم" مراد صحابہ کرام ہیں "حلقة" ترکیب میں موصوف ہے اور "فیہا ابن عمر" اس کی صفت۔

تخریج حدیث: انظر تهذيب التهذيب: ۶۷/۵، وخرجه الحارثي: ۶۵۶۔

امام شعبي رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی عامر اور کنیت ابو عمر ہے شعبي آپ کا لقب نہیں بلکہ قبیلہ کی طرف نسبت ہے آپ کے والد کا نام شراحیل ہے آپ کی والدہ غزوة جلواء کے قیدیوں میں آئی تھیں آپ کی پیدائش ایک قول کے مطابق ۱۹ھ میں ہوئی آپ کو پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت اور اڑتالیس سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے آپ کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا ہے فن حدیث میں آپ کی اہمیت اور مقام ہر زمانے میں مسلم رہا ہے قوت حافظہ بہت عطاء ہوئی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے آپ نے ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲۸۶) زُفْرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ حَمَادًا يَقُولُ كُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَكُلُّ مَنْ رَأَى هَدْيَهُ يَقُولُ كَانَ هَدْيُهُ هَدَى عَلْقَمَةَ وَكُلُّ مَنْ رَأَى عَلْقَمَةَ يَقُولُ كَانَ هَدْيُهُ هَدَى عَبْدِ اللَّهِ وَيَقُولُ مَنْ رَأَى هَدَى عَبْدِ اللَّهِ كَانَ هَدْيُهُ هَدَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں جب بھی ابراہیم نخعی کو دیکھتا ہوں تو ان کی سیرت کو دیکھنے والا ہر شخص یہی کہتا ہے کہ یہ علقمہ کے طریقے پر ہیں اور علقمہ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کے طریقے پر ہیں اور حضرت ابن مسعود کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہیں۔

(۲۸۷) أَبُو حَمْزَةَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ دَاوُدَ يَقُولُ لِأَبِي حَنِيفَةَ مَنْ أَدْرَكَتْ مِنَ الْكِبَرَاءِ قَالَ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا وَطَاوُسًا وَعِكْرِمَةَ وَمَكْحُولًا وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ دِينَارٍ وَالْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ وَعَمْرُو بْنَ دِينَارٍ وَأَبَا الزُّبَيْرِ وَعَطَاءَ وَقَتَادَةَ وَإِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيَّ وَنَافِعًا وَأَمْثَالَهُمْ۔

ترجمہ: ابو حمزہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے کبار علماء میں سے کن کن کو پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابو الزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم نخعی، شعبی اور نافع جیسے حضرات کو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "من ادركت" میں "من" استفہامیہ ہے اور آگے باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پانا، ادراک کرنا "الکبراء" برون "فعلاء" بمعنی بڑے لوگ۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اما الاول فهو قول تابعي اخرجہ الحارثی: ۳۸۴، واما الثاني فمتعلق بصاحب الكتاب ادرجه غيره۔

مَقْبُولٌ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ اسناد حماد بن ابی سلیمان سے شروع ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعود کے ذریعے نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کو بارگاہ نبوت میں جو تقدم حاصل تھا اس کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت بالکل اہل خانہ کی طرح رہتی تھی، حضرت ابن مسعود کے شاگرد علقمہ ان کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے اور حضرت ابن مسعود انہیں اپنا علمی جانشین قرار دیتے تھے۔

علقمہ کی نشست و برخاست اور انداز زندگی کا مکمل عکس ان کے شاگرد رشید ابراہیم نخعی پر پڑا اور وہ ایسے فقیہ بنے کہ ایک دنیا نے ان کی فقاہت کا اعتراف کیا، یہی رنگ جب حماد بن ابی سلیمان پر پڑا تو وہ چار دانگ عالم میں مشہور ہو گئے اور جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان کے رنگ میں رنگے اور اپنے دادا استاذ حضرت عبداللہ بن مسعود کی نیابت کے فرائض انجام دینا شروع کیے تو قدرت نے ان سے ایسا عظیم الشان تاریخی کام لیا کہ آج تک کوئی وہ کام کر ہی نہ سکا، اور خدا کی شان ہے کہ خود ان کے فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء نے بھی فقہی مسائل کے حل کے لیے کمیٹی کے اس طریقے کو اختیار کیا جو امام صاحب نے اختیار کیا تھا تو یہ سلسلہ زیادہ دیر چل ہی نہیں سکا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

کتاب فضل امتہ صلی اللہ علیہ وسلم

امت مسلمہ کے فضائل

(۳۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَسْجُدُوا سَجَدَتْ أُمَّتِي مَرَّتَيْنِ قَبْلَ الْأُمَمِ طَوِيلًا قَالَ فَيُقَالُ اِرْفَعُوا رُؤُوسَكُمْ فَقَدْ جَعَلْتُ عَدُوَّكُمْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى فِدَائِكُمْ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو سب لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا لیکن کفار سجدہ نہیں کر سکیں گے اور میری امت دوسری امتوں سے پہلے دو مرتبہ طویل سجدہ کر چکی ہوگی ان سے کہا جائے گا اپنے سر اٹھاؤ، میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو جہنم کی آگ سے تمہارا

فدیہ مقرر کر دیا ہے۔

(۳۸۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُعْطَى كُلُّ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَيُقَالُ هَذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ۔
وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أُعْطِيَ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ رَجُلٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَيُقَالُ هَذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ دُفِعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقِيلَ لَهُ هَذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ مَرْحُومَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيهَا۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لیے یہ تمہارا فدیہ ہے ایک روایت میں کافر کا ذکر آیا ہے ایک روایت میں اہل کتاب کا لفظ آیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں ہوگا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "يدعون" باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بلانا "عدو" دشمن 'فداء' کم "فدیہ بدلہ۔

تَجَنُّبُ حَدِيثٍ: اخرجهما مسلم: ۷۰۱۱ (۲۷۶۷) والسبوطی والطبرانی۔

مَقْبُولٌ: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ میدان حشر میں ہر طبقہ اور ہر قسم کے لوگ جمع ہوں گے ان میں مؤمن بھی ہوں گے کافر بھی اور منافق بھی جن کی شناخت کے لیے پروردگار عالم ایسا طریقہ اختیار فرمائیں گے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا چنانچہ جو لوگ واقعی دل سے مؤمن ہوں گے وہ سجدہ کا حکم ملتے ہی سجدہ ریز ہو جائیں گے اور جو اسلام و ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے اہل دنیا کو دھوکہ دیتے رہے ہوں گے ان کی کمر تختہ کر دی جائے گی اور وہ سجدہ کر ہی نہیں سکیں گے ایسے لوگوں میں گزشتہ اقوام مثلاً یہود و نصاریٰ کے افراد بھی ہوں گے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے لے کر تا قیامت ان پر ایمان نہیں لاتا ان کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا ہے اور کفر کی زندگی بسر کرتا ہے اسے سزا کے طور پر جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں مسلمان کا فدیہ ہے یعنی جس طرح انسان فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتا ہے اسی طرح ہر کافر اور ہر وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا کو بطور فدیہ کے پیش کیا جائے گا۔

۲۔ حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک جوتیوں کی خاک کے صدقے پروردگار عالم نے امت مسلمہ کو مجموعی طور پر

کسی گناہ کی پاداش میں بالکل ختم نہیں کیا، ورنہ گزشتہ اقوام کی تباہی کے تمام اسباب ہمارے اندر بھی بدرجہ اتم واکمل پائے جاتے ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی اس امت پر اللہ کی خاص کرم نوازی ہوگی۔

کرم بالائے کرم یہ ہوگا کہ ہر مسلمان کا فدیہ کسی یہودی اور عیسائی کو بنا کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور وہاں کی جو سزا اس کے لیے مقرر کی گئی ہوگی، دنیا میں ایک دوسرے کے ہاتھوں انہیں وہ سزا دلوا دی جائے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خانہ جنگیاں اور آپس کی لڑائیاں اپنے تمام تر مفاسد کے باوجود امت مسلمہ کو اخروی عذاب و سزا سے بچانے کا اہم ترین ذریعہ ہیں، ایک دوسرے کو جو ذہنی اور جسمانی اذیت دی جاتی ہے اسی کو ان کے لیے کافی سمجھ کر جنت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةً صَفِّ

(۲۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا لِأَصْحَابِهِ أَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبْعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةً صَفِّ أُمَّتِي مِنْ ذَلِكَ ثَمَانُونَ صَفًّا۔

اہل جنت کی ایک سو بیس صفوں کے ہونے کا تذکرہ

ترجمہ: حضرت بریدہ سلمیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا نصف بن جاؤ؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا خوش ہو جاؤ کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، جن میں سے اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "أَرْضَوْنَ" ہمزہ برائے استفہام، باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی خوش ہونا "ربع" چوتھائی "ثلث" تہائی "نصف" آدھا۔

تَجْرِبَةُ حَدِيثٍ: الحدیث مشتمل علی جزئین، فالاول منہما الی قولہ ابشروا۔

اخرجه البخاری: ۶۶۴۲، ومسلم: ۵۳۰ (۲۱۱) والترمذی: ۲۵۴۷، وابن ماجہ: ۴۲۸۳، وابن حبان:

-۷۴۵۸

واما الثانی منہما:

فقد اخرجہ الترمذی: ۲۵۴۶، وابن ماجہ: ۴۲۸۹، وابن حبان: ۷۴۵۹۔

مَفْهُومًا: اس حدیث کو پڑھ کر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جنت میں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام و ملل سے سے دو گنی ہوگی ان کی چالیس صفیں اور اکیلی امت مرحومہ کی اسی صفیں، تو سیدھا سیدھا یہ کیوں نہیں فرمادیا، اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی اور بار بار سوال و جواب کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شوق و رغبت دلانے اور امید کو متوجہ کرنے کے لیے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا گیا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ تثنین (دو تہائی) کی حیثیت واضح ہو جائے اس لیے کہ اگر ابتداء ہی یہ فرمادیا ہوتا کہ اہل جنت میں مسلمان دو تہائی ہوں، تو اس کی وہ اہمیت برقرار نہ رہتی جو اس تعبیر میں ہے۔

نیز زیر بحث حدیث میں امت مرحومہ کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فضیلت اور خصوصیت ہے جسے متعدی کر کے اللہ نے ہم سب کو بھی اس میں شامل فرمایا۔

بَابَ كَيْفَ يَكُونُ فَنَاءُ هَذِهِ الْأُمَّةِ

(۳۹۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرَحُومَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيهَا فِي الدُّنْيَا. وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ بِالْقَتْلِ.

یہ امت کس طرح فناء ہوگی؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت امت مرحومہ ہے اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں دنیا میں ہو جائے گا اور ایک روایت میں قتل کا لفظ زائد ہے۔

(۳۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَنَاءُ أُمَّتِي بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُونَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَا فَمَا الطَّاعُونَ قَالَ وَخُزُّ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجَنِّ وَفِي كُلِّ شَهَادَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ: وَفِي كُلِّ شَهَادَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت طعن اور طاعون کے ذریعے فنا ہوگی کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! طعن تو ہماری سمجھ میں آگیا، یہ طاعون کیا چیز ہے؟ فرمایا تمہارے دشمن جنات کے نیزے، لیکن دونوں صورتوں میں شہادت ہوگی۔

(۳۹۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: فَنَاءُ أُمَّتِي بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُونَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَا فَمَا الطَّاعُونَ؟ قَالَ وَخُزُّ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجَنِّ وَفِي كُلِّ شَهَادَةٍ.

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حَالِ حَبَارَاتٍ: ”بایدیہا“ ید کی جمع ہے بمعنی ہاتھ ”الطعن“ نیزہ بازی ”وخز“ نیزے کا وار ”وفی کل“ خبر مقدم ہے اور ”شہادۃ“ مبتداء مؤخر ہے۔

تَجْتَجِحُ حَبَارَاتٌ: اما الحدیث الاول فقد اخرجہ ابو داؤد: ۴۲۷۸، واحمد: ۱۹۸۹۲، واما الثانی والثالث فقد اخرجہما احمد: ۲۵۰۳۲، ۲۶۷۱۲، ۲۵۶۳۱۔

مَفْهُومًا: جیسا کہ عنقریب یہ بات گزری کہ امت مرحومہ کو کسی گناہ یا گناہوں کی پاداش میں بالکلیہ مٹانے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے نہیں کیا گیا، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اسے مکمل طور پر چھوٹ دے دی گئی ہو اور آسمانی وزینی آفات سے اسے مکمل طور پر محفوظ کر دیا گیا ہو، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو انسان اپنے پیدا کرنے والے کو ہی فراموش کر بیٹھے اور اپنے مقصد تخلیق کو ہی بھلا بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سمندری طوفان اور سیلاب آتے ہیں اور بعض اوقات زلزلوں کے جھٹکے لگتے ہیں۔

انفرادی طور پر بھی بعض اوقات میدان جنگ میں دشمنوں کے نیزے اور آلات حرب انسان کے لیے آزمائش بنتے ہیں جس سے انسان موت کے منہ میں بھی چلا جاتا ہے اور حدیث مبارکہ میں اسی کو ”طعن“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض اوقات انسان کے دشمن جنات اسے کچوکے لگاتے ہیں اور اسے تکلیف پہنچاتے ہیں جس سے انسان موت کا پیالہ بھی منہ سے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسی کو حدیث میں ”طاعون“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گو کہ انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں انسان کی موت کو طبعی موت نہیں قرار دیا جا سکتا اس لیے زیر بحث حدیث میں ان دونوں صورتوں کی موت کو شہادت قرار دیا گیا ہے، پہلی صورت میں حقیقتاً اور دوسری صورت میں حکماً۔

یہ تقریر تو اس صورت میں ہے جب کہ ”طعن“ سے مراد نیزہ لیا جائے اور اسے میدان جنگ میں دشمنوں کے آلات حرب و ضرب پر محمول کیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ لفظ ”طعن“ سے مراد ”طاعون“ ہو جو کہ ایک وبائی بیماری ہے اور جس سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ لفظ ”طاعون“ جو حدیث میں آیا ہے اس کا وہی معنی ہو جو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے تو یہ بھی صحیح ہے اور ان دونوں توجیہوں میں فرق یہ ہو گا کہ پہلی توجیہ کے مطابق طعن کی صورت میں حاصل ہونے والی شہادت حقیقی ہوگی اور دوسری توجیہ کے مطابق حکمی۔ واللہ اعلم

کتاب الاطعمۃ و الشربۃ و الضحایا و الصيد و الذبائح

کھانے پینے کی چیزوں، قربانی، شکار اور ذبیحے کے احکام

بَابُ مَا يُنْهَى عَنْ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ

(۳۹۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ۔

کچلی والے درندے سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کچلی سے شکار کرنے والے ہر درندے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا يُنْهَى عَنْ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ

(۳۹۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔

بچہ سے شکار کرنے والے پرندہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے بچوں سے شکار کرنے والے ہر پرندے کو کھانے سے منع فرمادیا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”نَاب“ رباعی کے متصل جو دانت ہوتے ہیں انہیں انیاب اور ناب کہتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ کچلی والی دانت کیا جاتا ہے ”مخلب“ بچہ۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ احمد: ۲۱۹۲، ومسلم: ۴۹۹۴ (۱۹۳۴) و ابوداؤد: ۳۸۰۵، والترمذی: ۱۴۷۸، والبخاری: ۵۵۳۰، والنسائی: ۴۳۳۰، وابن ماجہ: ۳۲۳۴، وابن حبان: ۵۲۷۹۔

تَجْرِیحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ ابن حبان: ۵۲۸۰، والدارمی: ۸۵/۲، وهو جزء الحدیث السابق۔

مَفْهُومٌ: چونکہ کھانا پینا انسان کی ضروریات میں سے ہے، قربانی کا ضروری ہونا اس کے مذہبی احکام میں سے ہے جس کے لیے ذبیحہ بھی ضروری ہے اور شکار انسان کی جستجو اور طبیعت کا حصہ ہے اس لیے اب جو احادیث آئیں گی ان میں یہی احکام و مسائل زیر بحث آئیں گے۔

زیر بحث حدیثوں کی وضاحت سے قبل یہ سمجھئے کہ حیوانات میں سے بعض تو ایسے ہیں جو فضاؤں میں اڑتے ہیں مثلاً پرندے، بعض ایسے ہیں جو زمین پر چلتے ہیں مثلاً درندے، بعض ایسے ہیں جو زمین پر ریگتے ہیں مثلاً کیڑے مکوڑے اور بعض ایسے ہیں جو سمندر میں رہتے ہیں شریعت نے ان چاروں اقسام کے حیوانات میں سے بعض کو انسان کے لیے حلال قرار دیا ہے اور بعض کو حرام، پھر اس حرام و حلال کے لیے اس نے اصول بھی وضع کیے ہیں تاکہ اس اصول پر منطبق ہونے والی اشیاء کے متعلق انسان باسانی فیصلہ کر سکے۔

چنانچہ یہاں پہلی دو قسم کے حیوانات کا حکم ذکر کیا گیا ہے، حدیث نمبر ۳۹۷ میں تیسری قسم کے حیوان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور حدیث نمبر ۴۰۱ میں چوتھی قسم کے حیوانات کا حکم بیان کیا گیا ہے، حلال و حرام کی اس تعیین سے قبل یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسانوں کے فائدے کے لیے ان گنت چیزیں پیدا فرما رکھی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا بھی ہے، ان میں سے اکثریت ان چیزوں کی ہے جن کے استعمال سے شریعت نہیں روکتی اور صرف چند چیزیں ایسی ہیں جنہیں استعمال کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیجیے کہ غیر ممنوع چیزوں کے استعمال پر اکتفاء کرنے کی بجائے انسان شجر ممنوعہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے بغیر نہیں رہتا حالانکہ اس کے استعمال میں انسان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے، اس کی واضح مثال سؤر اور شراب ہے، شریعت انسان کو روکتی ہے اور انسان شریعت کو پس پشت ڈالتا ہے، اگر انسان صرف اسی بات پر غور کر لے کہ ان چند چیزوں کو چھوڑ کر جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے کیا ان کی مقدار اتنی کم ہے کہ انسان محرمات کی طرف لپجائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جائے؟

بہر حال! زمین پر چلنے والا ہر وہ جانور جو کچلی والے دانت رکھتا ہو (ظاہر ہے کہ وہ اپنے شکار کو انہی سے قابو کرے گا) اسے کھانا حرام ہے البتہ اس سے دوسرے طریقے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مثلاً اس کی کھال سے ملبوسات تیار کر لیے جائیں وغیرہ، اسی طرح فضاء میں اڑنے والا ہر وہ پرندہ جو پنچوں سے شکار کرتا ہو اسے کھانا حرام ہے البتہ اس سے بھی دوسرے طریقوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنِ أَكْلِ لُحُومِ الْاَهْلِيَّةِ

(۲۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ أَكْلِ لُحُومِ الْاَهْلِيَّةِ۔

گھریلو گدھوں کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پالتوں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "الحمير الاهلية" پالتو گدھے "الاهلية" کی قید لگانے کی وجہ "الوحشية" سے احتراز کرنا ہے کیونکہ

جنگلی گدھے بھی مل جاتے ہیں، انہیں عام طور پر فارسی میں گورخر کہا جاتا ہے۔

تخریج حذیفہ: اخرجہ البخاری: ۴۲۱۹، و مسلم: ۵۰۲۲ (۱۹۴۱) و ابوداؤد: ۳۷۸۸ والنسائی: ۴۳۴۱، وابن

ماجہ: ۳۱۹۱، وابن حبان: ۵۲۷۳، واحمد: ۱۴۹۵۱۔

مفہوم: کہنے کو پوں تو گدھا، گدھا ہی ہوتا ہے لیکن اہل عرب کے ماحول میں اس کی دو قسمیں مشہور تھیں، ایک کو ”حمر اہلیہ“ یعنی پالتو گدھے کہتے تھے اور دوسری قسم کو ”حمر وحشیہ“ یعنی جنگلی گدھے کہتے تھے، ابتداءً ان دونوں کا گوشت حلال تھا، بعد میں جنگلی گدھے کی حلت تو برقرار رہی لیکن پالتو گدھے کا گوشت کھانا غزوہ خیبر کے موقع پر حرام قرار دے دیا گیا، یہ وہی موقع ہے جب حرمت متعہ کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔

اور پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت کا یہ حکم صرف حضرت براء بن عازبؓ ہی کے ذریعے امت تک نہیں پہنچا بلکہ تقریباً ۱۴ صحابہ کرامؓ سے اس مضمون کی روایت مختلف کتابوں میں مختلف اسناد سے نقل کی گئی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

- ۱- حضرت علی مرتضیٰؓ
- ۲- حضرت عبداللہ بن عمرؓ
- ۳- حضرت براء بن عازبؓ
- ۴- حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ
- ۵- حضرت ابو ثعلبہ الخشنیؓ
- ۶- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ
- ۷- حضرت عبداللہ بن عباسؓ
- ۸- حضرت ابوسلیط انصاریؓ
- ۹- حضرت انسؓ
- ۱۰- حضرت ابو ہریرہؓ
- ۱۱- حضرت مقدم بن معدیکربؓ
- ۱۲- حضرت سلمہ بن اکوعؓ
- ۱۳- حضرت جابرؓ
- ۱۴- حضرت خالد بن ولیدؓ

بَابُ النَّهْيِ عَنِ نَجْشَاشِ الْأَرْضِ

(۲۹۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نُهَيْنَا عَنْ نَجْشَاشِ الْأَرْضِ -

حشرات الارض کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ہمیں حشرات الارض کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَمْرٍو: "نَجْشَاشٌ" خَاءُ كِ تَحْتِ فَتْحِهِ وَفَتْحِهِ أَوْ كَسْرِهِ تَيْنِ الْوَاوِ كَمَا سَلَّمَ بِمَعْنَى كَيْزِ الْكُوْزِ -

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ الَّذِي أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ: ۳۷۹۹ -

مفہوم: حیوانات کی اقسام میں درجہ بندی کے اعتبار سے یہ تیسری قسم ہے جس کے متعلق اس حدیث میں صراحت حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی قسم کے کیڑے مکوڑے کھانا جائز نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین پر چلنے والے جانوروں میں اکثر حلال اور چند ایک حرام ہیں اسی طرح فضاء میں اڑنے والے پرندوں میں بھی حلال و حرام کی تقسیم ہے لیکن حشرات الارض میں حلال و حرام کی تقسیم ہے ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو حشرات الارض کے زمرے میں آتی ہو مثلاً چوہا، سانپ، بچھو وغیرہ ان میں سے ہر چیز حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ مغربی ممالک میں تو حشرات الارض لوگوں کی مرغوب غذا بن چکی ہے اور وہاں ان تمام چیزوں کو جنہیں ہم یہاں جوتیوں اور اینٹوں پتھروں سے مارتے ہیں وہاں وہ لوگ انہی چیزوں کو بڑی رغبت و شوق و ذوق سے کھاتے ہیں اور اب یہ چیزیں باقاعدہ سامان تجارت بن چکی ہیں بقرعید کے موقع پر بکروں کے "رودوں" کا کاروبار بھی اسی لیے چمکتا ہے تو اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

یاد رکھئے! کسی معاشرے میں کسی حرام چیز کا رواج ہو جانے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا اور جب وہ معاشرہ ہی حلال و حرام کیا مذہب کی قید سے بھی آزاد ہو تو اس کے رواج کا تو بالکل ہی اعتبار نہیں کیا جاسکتا رہی یہ بات کہ وہ لوگ انہیں بڑی رغبت سے کھاتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ زہریلی چیزوں کو کھا کر زہر اگلتے بھی تو ہیں غلیظ اور گندے جانوروں کو کھا کر گندگی اور غلاظت ہی نہیں حیوانیت کا مظاہرہ بھی تو کرتے ہیں اور جہاں تک تجارت کا تعلق ہے تو شریعت ان چیزوں کو مال تجارت سمجھتی ہی نہیں ہے اس لیے ان کی تجارت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

بَابُ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا

(۲۹۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا

فَعَلَيْهِ شَأْءٌ مُحْرِمًا كَانَ أَوْ حَلَالًا -

مینڈک کو مارنے والے کا بیان

ترجمتاً: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مینڈک کو مارے اس پر ایک بکری واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

حَدَّثَنَا عِبَارَةُ: "ضفدع" مینڈک "محرما" ترکیب میں "کان" کی خبر مقدم ہے۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثٍ: اخرج ابن ماجه مثله: ۳۲۲۳۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں دو باتیں سمجھنے والی ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکیم نے کسی دواء میں اس کے اجزاء استعمال کرنے کے لیے نبی ﷺ سے اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اسے بھی منع فرمادیا، گو کہ ہمیں اس کی حکمت کے پیچھے تو نہیں پڑنا چاہیے لیکن ایک روایت سے اس پر تھوڑی سی روشنی پڑتی ہے جو حضرت عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے (یاد رہے کہ راقم الحروف کو اس کی سند پر اعتماد نہیں ہے لیکن فائدہ کی مناسبت سے اسے ذکر کیا جا رہا ہے)

اور وہ یہ کہ مینڈک کو جب پیدا کیا گیا تو اس پر باری تعالیٰ کا اتنا خوف طاری ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم میں گرا لیا، اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا اور اسے آگ کی گرمی سے نکال کر پانی کی ٹھنڈک میں رکھ دیا، اور اس کے ٹرانے کی آواز کو تسبیح بنا دیا۔

۲۔ اس حدیث مبارکہ کے مطابق مینڈک کو مارنے والے پر بطور سزا کے ایک بکری واجب ہے خواہ مینڈک کو مارنے والے نے احرام باندھ رکھا ہو یا عام حالات میں ہو، لیکن ظاہر بات ہے کہ اگر یہ حکم وجوب کے درجے میں ہے تو مینڈک کو مار کر کھانے پینے سے لے کر سانسی اشیاء تک میں استعمال کرنے والے شخص پر ہر مینڈک کے بدلے ایک بکری قربان کرنا ضروری ہوگی جو نہ کبھی دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔

اس لیے علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں اس حکم کے ذریعے مینڈک کو مارنے سے روکنا مقصود ہے اور اس کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے یہ فرمادیا گیا کہ اگر کسی نے اسے مارا تو اسے ایک بکری دینا پڑے گی، گویا اس کی حیثیت ایک دھمکی کی ہے اور اصل چیز اسے مارنے سے روکنا ہے۔

اس کی ایک توجیہ ابھی ابھی اللہ نے راقم کے ذہن میں یہ ڈالی ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اس حکم کے مخاطب وہ افراد ہیں جو حرم مکہ یا حرم نبوی میں موجود ہوں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ احکام بیان کرتے ہوئے اس قسم کی قید کا اضافہ کرنا نبی ﷺ کی عادت نہیں ہے اب جو اس موقع پر یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو یقیناً اس کا تعلق خاص لوگوں کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے اور چونکہ حرم شریف میں کبوتر تک کو چھیڑنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے اسے بھی اس ممانعت

میں داخل کر دیا گیا اور اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ وہ حکیم جو اسے کسی دوا میں استعمال کرنے کی اجازت حاصل کرنے آیا تھا وہ بھی حرم نبوی کا رہائشی تھا اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اہل حرمین شریفین کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّقَدُّرِ عَنِ الضَّبِّ

(۲۹۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أُهْدِيَ لَهَا ضَبٌّ فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَهَاهَا عَنْ أَكْلِهِ فَجَاءَ سَائِلٌ فَأَمَرَتْ لَهُ بِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَطْعِمِينَ مَا لَا تَأْكُلِينَ۔

گوه کی ناپسندیدگی کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کہیں سے گوه ہدیہ میں آئی انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں وہ کھانے سے منع فرمادیا اتنے میں ایک سائل آیا تو حضرت عائشہ نے خادم سے کہا کہ یہ اس سائل کو دے آؤ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تم خود نہیں کھاتیں وہ دوسروں کو کھلا رہی ہو؟
حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اهدى" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہدیہ دینا "ضب" گوه کہتے ہیں کہ یہ سات سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے پانی بالکل نہیں پیتا اور چالیس دن میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ الطحاوی: ۶۲۲۲، ویؤیدہ ما اخرجہ ابو داؤد: ۳۷۹۲۔

مَقْبُوحٌ: اس حدیث کا تعلق بھی جانوروں کی اس قسم کے احکام سے ہے جنہیں "حشرات الارض" کہا جاتا ہے کیونکہ گوه کو "جو چھپکلی کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے اور چھپکلی سے لمبا ہوتا ہے" بھی بعض علماء نے حشرات الارض میں ہی شمار کیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اس کے حرام ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا اور نہ ہی اس میں کوئی دو رائیں رہتی ہیں لیکن جب اس مضمون کی مختلف روایات کا احاطہ کیا جاتا ہے تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اسے کھانے سے منع فرمایا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے آپ ہی کے دسترخوان پر بعض صحابہ کرام نے اسے کھایا ہے گو کہ نبی ﷺ نے اسے خود تناول نہیں فرمایا لیکن اگر اسے کھانا حرام ہوتا تو نبی ﷺ صحابہ کرام کو بھی اسے کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

اس تمام تفصیل کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوه کا گوشت کھانا جائز مع الکراہۃ ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے آپ کو اس کے استعمال سے بچائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمِ إِلَى الصَّيْدِ

(۴۰۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَبْعَثُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ فَنَأْكُلُ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْنَا فَقَالَ إِذَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا مَا لَمْ يَشْرُكُهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَدُنَا يَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ قَالَ إِذَا رَمَيْتَ فَسَمَيْتَ فَخَرَقَ فَكُلْ وَإِنْ أَصَابَ بِعَرَضِهِ فَلَا تَأْكُلْ۔

سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو کیا ہم وہ شکار کھا سکتے ہیں جو انہوں نے ہمارے لیے کیا ہو فرمایا ہاں! جبکہ تم نے اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور کوئی دوسرا کتا اس میں شریک نہ ہوا ہو میں نے عرض کیا اگرچہ وہ اسے مار دے تب بھی؟ فرمایا تب بھی! پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی تیرے کے چوڑے حصے سے بھی شکار کر لیتا ہے؟ فرمایا اگر تم نے تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور وہ جانور کو پھاڑ دے تو تم اسے کھا لو اور اگر تیر چوڑائی میں لگا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔

حَدِيثُ عِبَادَةَ: "الكلاب المعلمة" سدھائے ہوئے کتے "امسکن" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی روکنا "لم يشركها" باب سمع سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شریک ہونا "یرمی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھینکنا "المعروض" چوڑائی "فخرق" باب ضرب سے فعل ماضی کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھاڑ دینا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری: ۵۴۷۶، ۵۴۷۷، ومسلم: ۴۹۷۲ (۱۹۲۹) وابوداؤد: ۲۸۴۷، والترمذی: ۱۴۶۵، والنسائی: ۴۲۷۰، وابن ماجه مختصراً: ۳۲۱۴۔

مَقْبُولٌ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ "جو حاتم طائی جیسے نامور اور مشہور عالم سخی انسان کے صاحبزادے تھے" نبی ﷺ سے اکثر شکار کے مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے اسی لیے صید و شکار کے اکثر مسائل و احکام ان ہی کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

تیر اور بندوق سے کسی جانور یا پرندہ کا شکار کرنے کے علاوہ شکاری لوگ کتوں اور باز سے بھی شکار کرتے ہیں ایسے کتے اور باز جو شکار کے لیے استعمال کیے جائیں انہیں "شکاری جانور یا پرندے" کہا جاتا ہے اور اس صورت میں شریعت نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ انہیں اچھی طرح سدھالیا جائے تاکہ یہ معلم بن جائیں۔

شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کو اپنے استعمال میں لانے کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ شکار کرنے کے بعد اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس پہنچا دے، اگر اس نے شکار میں سے خود بھی کچھ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی، اسی طرح باز کی تعلیم یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی سیٹی کی آواز کو اتنا پہچاننے لگے کہ جب مالک اسے بلائے، وہ فوراً واپس آجائے خواہ وہ شکار کے قریب ہی پہنچ چکا ہو، اگر ایسا نہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ ابھی اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ شکار کا طریقہ ہے جس کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑتے وقت شکاری بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور اس شکار میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شکاری جانور شریک نہ ہوا ہو، اس لیے کہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس دوسرے کتے کے مالک نے اسے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ان دونوں میں سے کس نے اس جانور کو دبوچا اور شکار کیا؟ یہ بھی معلوم نہیں۔

اسی طرح اگر تیرے سے شکار کیا جائے تو اس میں مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھا جائے کہ تیرے پھل والے حصے سے جانور یا زپرندہ زخمی ہو جائے یا مر جائے۔

اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوا بلکہ تیر کا چوڑائی والا حصہ اسے لگا اور وہ مارا گیا تو وہ حلال نہیں ہے، البتہ ان تمام صورتوں میں ایک استثنائی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے شکاری کتے یا باز یا تیر کے ذریعے کسی جانور کا نشانہ بنایا، اس میں دوسرا جانور شریک ہو گیا یا وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا یا جانور چوڑائی والے حصے سے زخمی ہو گیا اور شکاری کے وہاں پہنچنے تک تڑپتا رہا اور شکاری نے وہاں پہنچ کر اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیا تو اسے کھانا جائز اور حلال ہے۔

بَابُ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ

(۴۰۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلْ.

پانی جس چیز سے ہٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سمندر جس چیز سے ہٹ جائے اسے کھا لو۔

حَدِيثُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: "مَا" نَافِيَةٌ هِيَ بَلْكَ شَرْطُهَا فِي الْمَعْنَى فِي هِيَ "جَزَرَ" يَهْدُو جَزْرًا هِيَ بَابُ ضَرْبٍ مِنْ فِعْلِ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَالصَّيْغَةِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هِيَ بِمَعْنَى ذَالٍ دِينًا مُتَكَشِّفٌ هُوَ جَانَا هِثَّ جَانَا.

مَجْتَمِعٌ حَدِيثٌ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ: ۳۸۱۵، وَابْنُ مَاجَهَ: ۳۲۴۲.

مَقْبُولٌ: أَقْسَامُ حَيَوَانَاتٍ فِي سَمَنْدَرِي حَيَوَانَاتٍ چوتھی قسم کے طور پر ذکر کیے گئے تھے یہاں ان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

ہے اور وہ یہ کہ سمندری جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے اس کے علاوہ کوئی سمندری جانور حلال نہیں پھر اس مچھلی کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ انسان سمندر میں جال پھینک کر مچھلیاں حاصل کرے اور انہیں اپنے استعمال میں لے آئے یہ جائز حلال اور عام مروجہ طریقہ ہے۔

۲۔ سمندر کا پانی خشک ہونا شروع ہو جائے یا سمندر راستہ بدلنا شروع کر دے جس کے نتیجے میں مچھلیاں صاف نظر آنے لگیں اور ہر شخص انہیں باسانی پکڑ سکے۔

زیر بحث حدیث میں اسی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ یہ بھی حلال ہے۔

۳۔ سمندر ہی میں کوئی مچھلی مر جائے اور الٹی ہو کر سطح آب پر تیرنے لگے شرعی طور پر اس کا حکم یہ ہے کہ اسے کھانا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَرَادِ

(۴۰۲) أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ تَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرُ جُنْدِ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ الْجَرَادُ لَا أَكْلُهُ وَلَا أَحْرَمُهُ۔

ٹڈی دل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کا سب سے بڑا لشکر زمین میں ”ٹڈی دل“ ہے میں اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”جند“ لشکر، فوج ”لا اكله“ باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھانا۔

تَجْنِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ: ۳۲۱۹، وابوداؤد: ۳۸۱۳۔ وهو من الوجدانيات ان كانت عائشة بنت عجرد صحابية وهي كذلك كما في التنسيق۔

مفہوم: اس سے مراد وہ عام ٹڈیاں نہیں ہیں جو گھروں میں پائی جاتی ہیں اور کپڑوں میں سوراخ کر دیتی ہیں بلکہ اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو فصلوں کو تباہ کر دیتا ہے، غول کی شکل میں آتا ہے اور جس فصل سے گزر جاتا ہے اسے خراب کر دیتا ہے اس کا گوشت بھی بہت لذیذ ہوتا ہے اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا سر اور پچھلا حصہ توڑ کر آگ پر سینک کر اسے کھا لیا جاتا ہے جو ایک بوٹی کا نوالہ بنتا ہے، بعض روایات کے مطابق اس کا زمین سے ختم ہو جانا قیامت کی علامات میں سے ہے نیز اس روایت میں یہ جو آیا ہے ”لا اكله ولا احرمه“ بعض دوسری روایات سے نبی ﷺ کا اسے تناول فرمانا بھی ثابت ہے اس لیے تردد والی روایات کو ابتداء پر محمول کیا جائے گا اور تناول والی روایت کو انتہاء پر جس کے

لیے بہت سے قرآن مطولات میں ذکر کیے گئے ہیں۔ من شاء فلیراجع

بَابُ إِذَا نَدَّ بَعِيرٌ أَوْ بِهِيمَةً

(۴۰۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ عَبَّيْةَ ابْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ بَعِيرًا مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَطَلَبُوهُ فَلَمَّا أَعْيَاهُمْ أَنْ يَأْخُذُوهُ رَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَاصَابَ فَقَتَلَهُ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ بِأَكْلِهِ وَقَالَ إِنَّ لَهَا أَوَابِدًا كَأَ وَابِدِ الْوُحُوشِ فَإِذَا خَشِيتُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ بِهَذَا الْبَعِيرِ ثُمَّ كُلُّوهُ۔
وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ بَعِيرًا مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ أَكْلِهِ فَقَالَ كُلُّوهُ فَإِنَّ لَهَا أَوَابِدًا كَأَوَابِدِ الْوُحُوشِ۔

اگر کوئی اونٹ یا جانور بدک جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا، لوگ اسے پکڑنے میں لگے، لیکن جب اس نے انہیں تھکا کر چور کر دیا تو ایک آدمی نے اسے تیر مارا، وہ اسے جا لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں کھانے کی اجازت دی اور فرمایا کہ بعض اوقات یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدک جاتے ہیں، اس لیے جب ان سے خوف محسوس ہو تو تم اس کے ساتھ وہی کیا کرو جو اس اونٹ کے ساتھ کیا ہے، پھر اسے کھا لیا کرو۔

حَدَّثَنَا: بَابُ ضَرْبٍ مِنْ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَالصَّيْغَةِ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى بَهْرٍ جَانَاً بَدَكَ جَانَاً
”اعْيَاهُمْ“ بَابُ أَعْيَاهُمْ مِنْ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ هُوَ بِمَعْنَى تَهَكُّا دِينًا ”سَهْمٌ“ تِيرٌ ”أَوَابِدٌ“ وَحَشِيٌّ بِمَعْنَى ”خَشِيتُمْ“ بَابُ سَمِعَ مِنْ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَالصَّيْغَةِ جَمْعٌ مَذْكَرٌ حَاضِرٌ هُوَ بِمَعْنَى ذُرْنَا، خَوْفُ زِدَةٍ هُونًا۔

بخاری: أخرجه البخاری مطولاً: ۵۴۹۸، ومسلم: ۵۰۹۲ (۱۹۶۸) والترمذی: ۱۴۹۲، والنسائی: ۴۳۰۲، وابن ماجه: ۳۱۸۳، وابن حبان: ۵۸۸۶۔

مفہوم: شریعت نے کسی بھی جانور کو ذبح کرنے کے دو طریقے مقرر کیے ہیں، ایک طریقہ تو وہی ہے جو عام طور پر معروف و مشہور اور مروج ہے یعنی جانور کو زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کی چار میں سے کم از کم تین رگوں کو کاٹا جائے، اسے ”ذکاۃ اختیاری“ کہتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جانور کے جسم کے جس حصے کو بھی زخمی کرنا ممکن ہو اور جس طرح بھی اسے ذبح کرنا ممکن ہو اسے ذبح کر دیا جائے، اسے ”ذکاۃ اضطراری“ کہا جاتا ہے، اس طریقے کو اختیار کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب جانور اس طرح بدک جائے کہ کسی کے قابو میں نہ آئے، اور قصاب بھی اسے گرانے میں ناکام ہو جائیں تو اپنی جگہ کھڑے کھڑے ہی کوئی تیز دھاری دار چیز نیزہ یا تیر وغیرہ اسے دے مارے پھر

جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تو اسے قابو میں کر لیا جائے اور ذبح کر لیا جائے اور اسے اپنے استعمال میں لے آیا جائے یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ وہ جانور تیر یا نیزہ لگتے ہی مر جائے کہ اسے کھانا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهَىٰ عَنِ الْمُجْتَمَةِ

(۴.۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَىٰ عَنِ الْمُجْتَمَةِ۔

مجتمہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجتمہ سے منع فرمایا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "المجتمه" ثاء کے ساتھ وہ جانور جسے باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۱۴۷۳، والنسائی: ۴۴۴۳، والبخاری، ومسلم و ابو داؤد، وابن ماجه ما يدل عليه۔

مَفْهُومٌ: "مجتمہ" کا لفظ اگر سین کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مورتی یا بت ہوتا ہے اور اگر ثاء کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں

ہے تو اس کا اطلاق اس جانور پر ہوتا ہے جسے کسی دیوار یا درخت پر باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے، زمانہ جاہلیت

میں اس چیز کا بڑا رواج تھا اور اب بھی بعض جگہوں میں اس کا رواج ہے۔ تحفظ حقوق حیوانات کے سب سے بڑے علمبردار

جناب رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس ظالمانہ طریقے کی روک تھام فرمائی اور دوسری طرف اس جانور کو کھانا حرام

قرار دے دیا تاکہ اس پر نشانہ درست کرنے والوں کو اس چیز کا احساس ہو کہ جانور اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے ہوتا

ہے نشانہ صحیح کرنے کے لیے نہیں، اگر نشانہ ہی صحیح کرنا ہو تو اس کے لیے بے شمار بے جان چیزیں موجود ہیں، ان پر نشانہ صحیح

کیا جائے تاکہ نقصان بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ إِذَا ذَبَحَتِ الْمَرْأَةُ بِالْمِرْوَةِ

(۴.۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ غُنَيْمَةً

كَانَتْ لَهَا رَاعِيَةٌ فَخَافَتْ عَلَى شَاةٍ مِنْهَا الْمَوْتَ فَذَبَحَتْهَا بِمِرْوَةٍ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِأَكْلِهَا۔

اگر کوئی عورت پتھر سے کسی جانور کو ذبح کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن مالکؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

یا رسول اللہ! ایک باندی بکریوں کا رپوڑ چرا رہی تھی کہ اسے ایک بکری کے مر جانے کا اندیشہ ہوا، چنانچہ اس نے اسے پتھر

سے ذبح کر لیا، نبی ﷺ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۴.۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَرَجَ غُلَامٌ مِنَ الْأَنْصَارِ قَبْلَ أُحُدٍ فَمَرَّ

فِي طَرِيقِهِ فَاصْطَادَ اَرْنَبًا فَلَمْ يَجِدْ مَا يَذْبَحُهَا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَدْ
عَلَّقَهَا بِيَدِهِ فَاَمَرَهُ بِاَكْلِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ اَرْنَبِيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمِرْوَةٍ يَعْنِي الْحَجَرَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِاَكْلِهَا۔
وَفِي رِوَايَةٍ اَصَابَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ اَرْنَبًا بِاُحْدٍ فَلَمْ يَجِدْ سِكِّينًا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ
ﷺ بِاَكْلِهَا۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ انصار کا ایک لڑکا احد پہاڑ کی طرف نکلا راتے میں گزرتے ہوئے اس نے ایک
خرگوش پکڑ لیا اسے خرگوش کو ذبح کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے پتھر سے اسے ذبح کر لیا اس کے بعد وہ اسے
اپنے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۴۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَكَلَ مِنْ
ذَبِيْحَةِ اَمْرَاةٍ وَنَهَى عَنْ قَتْلِ الْمَرْاَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا ہے اور عورت کو قتل کرنے سے منع
فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو: "فَنَحَافَتٌ" بَابُ سَمْعٍ مِنْ فَعَلَ مَاضِيٌّ مَعْرُوفٌ كَا صَيْغُهُ وَاحِدٌ مَوْثٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى ذُرْنًا "فَذَبَحْتُهَا" بَابُ
فَتْحٍ مِنْ ذَكَرَهُ صَيْغُهُ هُوَ بِمَعْنَى ذَبْحٍ كَرْنَا "بِمِرْوَةٍ" پتھر "فَاصْطَادَ" بَابُ اِنْتِعَالٍ مِنْ ذَكَرَهُ فَعْلٌ كَا صَيْغُهُ وَاحِدٌ مَذْكُورٌ غَائِبٌ هُوَ
بِمَعْنَى شَكَارٍ كَرْنَا "اَرْنَبًا" خرگوش۔

مَجْتَمِعٌ حَدِيثٌ اَوَّلٌ: اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ: ۲۳۰۴، وَابْنُ مَاجَهَ: ۳۱۸۲، وَابْنُ حِبَانَ: ۵۸۹۳۔

مَجْتَمِعٌ حَدِيثٌ ثَانِيٌّ: اَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهَ مُخْتَصَرًا: ۳۱۷۵، وَابُو دَاوُدَ: ۲۸۲۲، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۱۴۷۲، وَالنَّسَائِيُّ: ۴۴۰۴،
وَابْنُ حِبَانَ: ۵۸۸۵۔

مَجْتَمِعٌ حَدِيثٌ ثَالِثٌ: الْحَدِيثُ مُشْتَمِلٌ عَلَى اَمْرَيْنِ، اِمَّا الْاَوَّلُ فَقَدْ سَبَقَ تَحْرِيجُهُ عَلَى الرَّقْمِ: ۴۰۶، وَامَّا الثَّانِيُّ مِنْهُمَا
فَقَدْ اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ: ۴۷۳۹، وَالبُخَارِيُّ: ۳۰۱۵، وَمُسْلِمٌ: ۴۵۴۷ (۱۷۴۴)، وَابُو دَاوُدَ: ۲۶۶۸، وَالتِّرْمِذِيُّ: ۱۵۶۹، وَابْنُ
مَاجَهَ: ۲۸۴۱۔

کلمہ: ان تینوں حدیثوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ذبیحہ کے لیے حلال ہونا مرد کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ
اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا عورت بھی جانور کو ذبح کر لے تو اس کے حلال ہونے میں شک نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ عورت آزاد ہو یا
باندی اسی سے اسلام کی نگاہ میں عورت کا مقام بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے کسی مرد کے ذبح کیے ہوئے جانور اور کسی
عورت کے ذبح کیے ہوئے جانور میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جانور کو ذبح کرنے کے لیے چھری کا ہونا شرط اور ضروری نہیں بلکہ کسی ایسی چیز سے بھی جانور کو ذبح کیا جاسکتا ہے جو تیز دھاری دار ہو اور ایک دم جانور اس سے ذبح ہو جائے اور اس کا خون بہنا شروع ہو جائے خواہ وہ دھاری دار پتھر ہی کیوں نہ ہو؟

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی جانور اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے مرنے کا اندیشہ ہونے لگے تو اسے ذبح کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے لیکن مرے ہوئے جانور کا استعمال میں لانا حرام ہے اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات جانوروں کی منڈیوں میں مرے ہوئے جانور کو بھی چھیل چھال کر بازاروں میں بیچنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے، لوگوں کو تو کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ اسے آنکھیں بند کر کے خرید لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ اخلاقاً دیناً اور شرعاً ہر طرح قابل مذمت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ

(۴۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي بَلِيعَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَفْضَلُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَيَّامِ عَشْرِ الْأَضْحَى فَاكْثُرُوا فِيهِنَّ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے پہلے عشرے سے زیادہ افضل کوئی دن نہیں، اس لیے ان میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

حَدِيثُ عِبَّاسٍ: "فَاكْثُرُوا" بَابُ اَفْعَالٍ سَعْدُ بْنُ مَرْجَانٍ فِي تَرْغِيْبِ الْعِبَادَةِ جَمْعُ نَذْرٍ حَاضِرٌ بِمَعْنَى كَثْرَتِهِ كَرْنَا۔

تَرْغِيْبُ الْعِبَادَةِ: اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ: ۵۴۴۶، وَ ۶۶۵۴۔

مفہوم: ”ذی الحجہ“ اسلامی کیلنڈر کا بارہواں اور سال کا آخری مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ بارگاہ خداوندی میں انتہائی عظمت و تقدس کا حامل ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں سے ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ایام حج اسی میں آتے ہیں، اسی عشرہ میں حجاج کرام کے تلبیہ سے منیٰ کی وادی گونجتی ہے، عرفات کا میدان حجاج کی آہوں اور سسکیوں کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہے، مزدلفہ کا میدان ان کی دعاؤں کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، عرفات اور مزدلفہ کے بعد دوبارہ منیٰ کی طرف واپسی اور شیطان کے مجسمے کو کنکریاں مار کر اس سے اپنی نفرت کا اظہار اور رحمان سے اپنی محبت کا اقرار اسی عشرے میں ہوتا ہے، اسی عشرے میں انسان سنت ابراہیمی کی تکمیل کرتے ہوئے قربانی کا نذرانہ گزارتا ہے، ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز اس کے عظمت و تقدس کو ثابت کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہے، اسی لیے اس عشرے میں خصوصیت کے ساتھ

ہر شخص کو ذکر الہی میں مشغول رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بَابُ أَضْحِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ أُمَّتِهِ

(۴۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَابِطٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَشْعَرَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرَ عَمَّنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ أُمَّتِهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بالوں والے کالے سفید رنگ کے دو مینڈھے قربانی میں پیش کیے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "ضحی" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قربانی کرنا "اشعرین" کثیر اشعر "املحین" کالے سفید رنگ کی آمیزش جسے "چتکبرا" کہا جاتا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۵۵۶۵، ومسلم: ۵۰۸۸ (۱۹۶۶) وابوداؤد: ۲۷۹۴، والترمذی: ۱۴۹۴، وابن ماجہ: ۳۱۲۰، والنسائی: ۴۳۹۲، وابن حبان: ۵۹۰۰، والدارمی: ۷۵/۲۔

مَقْهُوْمٌ: راقم الحروف یہ تو نہیں کہتا کہ اس حدیث کی موجودگی میں "جبکہ نبی ﷺ اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے قربانی فرما چکے" کسی شخص پر قربانی واجب نہیں رہی البتہ یہ کہنے کی جرأت ضرور کرتا ہے کہ ہم سب کے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ہر موقع پر اپنی امت کو یاد رکھا، امت نے اس طرح ہر موقع پر انہیں بھلایا، سوال یہ نہیں کہ انہوں نے ہماری طرف سے قربانی کر لی تو کیا اب ہمیں قربانی کرنی چاہیے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ انہوں نے ہماری طرف سے بارگاہ الہی میں ایک جانور پیش فرمایا تھا کیا ہم نے ان کی طرف سے سات حصوں والے جانور کا ایک حصہ بھی بارگاہ الہی میں پیش کیا؟

اگر ایسا ہے تو آپ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ ان کے نام کی طرف نسبت ہونے سے اور یہ کہنے سے "کہ پروردگار! اس جانور کو ہمارے آقا ﷺ کی طرف سے قبول فرما، یا اس کا ثواب انہیں عطا فرما" ہماری قربانی بھی قبول ہو جائے گی اور اگر اب تک ہم اس پہلو سے غافل رہے تو اب اس کی طرف متوجہ ہونے کا عزم کر لیجیے۔

بَابُ مَنْ ضَحَّى قَبْلَ الصَّلَاةِ

(۴۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةً قَبْلَ الصَّلَاةِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ تَجْزِي عَنْكَ وَلَا تَجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ۔

اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیار فرماتے ہیں کہ انہوں نے نماز عید سے پہلے اپنی بکری ذبح کر لی، نبی ﷺ کے سامنے جب اس کا ذکر ہوا تو فرمایا تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گی لیکن تمہارے بعد کسی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "تجزی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کفایت کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البخاری مطولاً: ۹۸۳، ومسلم: ۵۰۷۰ (۱۹۶۱) وابدوداؤد: ۲۸۰۰، والنسائی: ۴۴۰۰، وابن

حبان: ۵۹۱۰۔

مَفْهُومٌ: دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ بقر عید کے موقع پر نبی ﷺ نے نماز

عید کے بعد خطبہ دیتے ہوئے قربانی کے احکام اور اس دن کی فضیلت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا سب سے

پہلا کام نماز عید کی ادائیگی ہوگا، پھر خطبہ اور دعا کے بعد ہم قربانی کریں گے، خطبہ سے فراغت کے بعد حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ

حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بات معلوم نہ تھی کہ آج کے دن کی یہ ترتیب ہے اس لیے

میں نے نماز سے پہلے ہی اپنے جانور کو ذبح کر لیا تھا اور اب میرے پاس کوئی جانور بھی نہیں ہے، البتہ چھ مہینے کا ایک بکری

کا بچہ ہے جو سال بھر کا معلوم ہوتا ہے؟ فرمایا نماز سے پہلے جو تم نے بکری ذبح کی اس کی تو قربانی نہیں ہوئی، البتہ چھ مہینے کا

بکری کا بچہ تمہاری اس مجبوری کی وجہ سے تمہاری طرف سے کفایت کر جائے گا لیکن اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ قربانی میں

کفایت نہیں کرتا اس لیے آئندہ تم یا کوئی اور شخص چھ ماہ کے بچے کو قربانی کے لیے نہیں پیش کر سکتے۔

بَابُ تَوْجِيهِ النَّهْيِ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

(۴۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَادٍ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ

ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِيُوسِعَ مُوسِعُكُمْ عَلَى فَقِيرِكُمْ۔

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی وجہ

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن

سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں وہ تنگدستوں پر کسادگی کر سکیں۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "لیوسع" یہ لام امر نہیں ہے بلکہ لام مکی ہے اور باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر

غائب ہے بمعنی کسادگی کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۱۵۱۰، ومسلم وغيرهما كما سيأتي مفصلاً

مَفْهُومٌ: موجودہ زمانے میں فریق اور فریزر کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل علم اور عوام دونوں طبقوں نے اس

حدیث پر بھرپور عمل کیا ہے اور اس اجازت کا خوب فائدہ اٹھایا ہے جو ابتداء میں نہ تھی بلکہ ہر شخص کو یہ حکم تھا کہ قربانی کا گوشت صرف تین دن تک استعمال کیا جاسکتا ہے اس کے بعد نہیں اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ جب تین دن سے زیادہ گوشت کھانے کی ممانعت ہوگی تو لوگ اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے خود ہی کسی ضرورت مند کو دے دیں گے اس طرح قحط اور غذائی ضروریات کی کمی کسی حد تک پوری ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ حالات معمول پر آنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور لوگوں نے اس کے نسخ سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا جس میں دور حاضر کے لوگ سب سے زیادہ آگے محسوس ہوتے ہیں کیونکہ جدید آلات کی ایجاد نے اس راہ کی ساری مشکلات حل اور سارے پتھر ہٹا دیے ہیں اور الحمد للہ! اب پورے پورے بکرے فریز کر لیے جاتے ہیں اور الحمد للہ! سارا سال بازار سے گوشت خریدنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي الْخَلِّ

(۴۱۲) أَبُو حَنِيفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ مُخَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهِ وَقَرَّبَ إِلَيْهِ خُبْزًا وَخَلًّا ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَانَا عَنِ التَّكْلِيفِ وَلَوْ لَا ذَلِكَ لَتَكَلَّفْتُ لَكُمْ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

سرکہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ کے پاس محارب بن دثار آئے انہوں نے ان کے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تکلف سے منع فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا اور میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۴۱۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "دخَلَ" کا فاعل محارب ہیں "قرب" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب کرنا اس کا فاعل حضرت جابرؓ ہیں "خل" سرکہ "الادام" سالن۔

تصحیح حدیث: اخرجہما مسلم: ۵۳۵۰ (۲۰۵۱) و ابوداؤد: ۳۸۲۱ و الترمذی: ۱۸۳۹ و ابن ماجہ: ۳۳۱۷

وعبدالرزاق: ۱۹۵۶۹ والدارمی: ۱۰۱/۲ والحاکم: ۵۴/۴ والحديث الاول اخرجہ بلفظہ احمد: ۲۴۱۳۴۔

مفہوم: جس طرح ذاتی، نجی اور خانگی زندگی میں انسان بے تکلف ہوتا ہے اور کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اسی طرح اگر وہ زندگی کے ہر شعبے میں بے ساختگی، بے تکلفی اور تصنع سے دوری اختیار کر لے تو پھر اسے اپنی

تزیین و آرائش میں سرکھپانے کی ضرورت نہ رہے اور وہ خوشدلی سے جو مل جائے اسی کو کھاپی اور پہن کر اپنی ضرورت پوری کر لے کیونکہ جہاں تکلفات آتے ہیں وہاں تعیشات اپنا راستہ ہموار کر لیتے ہیں اور جہاں سے تعیشات کو راہ ملتی ہے وہاں تفکرات کی اندھیرنگری کا آغاز ہوتا ہے جو بالآخر انسان کو وادی ظلمات میں پہنچا کر ہی دم لیتی ہیں۔

بَابُ التَّمْيِيزِ بَيْنَ الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ فِي الْأَكْلِ

(۴۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءَ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ۔

کھانے کے معاملے میں کافر اور مؤمن کا امتیاز

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "امعاء" "معی" کی جمع ہے بمعنی آنت۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۵۳۹۶، ومسلم: ۵۳۷۲ (۲۰۶۰) والترمذی: ۱۸۱۸، وابن ماجہ: ۳۲۵۷۔

مَقْهُوْمٌ: اس حدیث کی وضاحت میں علماء کرام نے مختلف مطالب و معانی فرمائے ہیں لیکن سب سے زیادہ واضح اور دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ مسلمان کی روزی میں وہ برکت ہے جس سے کافر محروم رہتا ہے اور کافر کے دسترخوان میں وہ وسعت اور کشادگی دکھائی دیتی ہے جو مسلمان کے دسترخوان پر ڈھونڈے سے نہیں ملتی، ظاہر ہے کہ اس وسعت اور کشادگی کا کیا کرنا جو برکت سے خالی ہو جبکہ وہ برکت جو وسعت اور کشادگی سے اگرچہ خالی ہو کھانے والے پر اپنے اثرات ضرور مرتب کرتی ہے۔ و للتفصیل موضع آخر

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ مُتَكِنًا

(۴۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي حُجَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا أَكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاشْرَبُ كَمَا يَشْرَبُ الْعَبْدُ وَأَعْبُدُ رَبِّي حَتَّى يَأْتِيَنِي الْيَقِينُ۔

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا بلکہ ایک غلام کی طرح کھاتا ہوں اور ایک غلام ہی کی طرح پیتا ہوں اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں گا تا آنکہ موت آجائے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "متکنا" تکیہ لگا کر، ٹیک لگا کر، "اليقين" موت۔

مَجْتَمِعٌ حَدِيثًا: اخرجہ البخاری مختصراً: ۵۳۹۹، والترمذی: ۱۸۳۰۔

مَقْبُولٌ: یہ شریعت ہی کا امتیاز ہے کہ اس نے انسان کو اس کی طبعی ضروریات کی تکمیل کے آداب بھی بتائے ہیں اور اس شعبے میں بھی اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، ان آداب کا خیال رکھنے والا باادب کہلاتا ہے بصورت دیگر دنیا سے ہی اسے بے ادب کا لقب اور خطاب مل جاتا ہے، انہی آداب میں سے ایک ادب یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے اجتناب کرے اس لیے کہ یہ طریقہ متکبروں کا ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ فِيْ اِنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

(۴۱۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَشْرَبَ فِيْ اِنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيْهَا وَأَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيرَ وَالْدِيْبَاجَ قَالَ وَهِيَ لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان

تَرْجُمَانًا: حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے سونے چاندی کے برتن میں کچھ بھی کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، نیز ہمیں ریشم و دیباج پہننے سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔

(۴۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ نَزَلْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ عَلَى دِهْقَانَ بِالْمَدَائِنِ فَأَتَى بِطَعَامٍ فَطَعِمْنَا ثُمَّ دَعَا حُذَيْفَةَ بِشَرَابٍ فَأَتَى بِشَرَابٍ فِيْ اِنَاءٍ فِضَّةٍ فَضْرَبَ بِهِ وَجْهَهُ فَسَاءَ مَا صَنَعَ فَقَالَ اتَّدُرُونَ لِمَا صَنَعْتُ بِهِ هَذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ اِنِّي نَزَلْتُ عَلَيْهِ فِي الْعَامِ الْمَاضِي فَدَعَوْتُ بِشَرَابٍ فَأَتَانِيْ بِشَرَابٍ فِيْهِ فَأَخْبَرْتَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَأْكُلَ فِيْ اِنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَشْرَبَ فِيْهَا وَأَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيرَ وَالْدِيْبَاجَ فَإِنَّهَا لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَنَا فِي الْآخِرَةِ۔

تَرْجُمَانًا: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں ایک کسان کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرے وہ کھانا لے کر آیا جو ہم نے کھا لیا، پھر حضرت حذیفہ نے پانی منگوایا، وہ چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا، انہوں نے وہ برتن اس کے منہ پر دے مارا، ہمیں ان کا یہ عمل برا لگا، حضرت حذیفہ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا میں پچھلے سال بھی اس کے یہاں ٹھہرا تھا اور میں نے اس سے پانی منگوایا تھا تو یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں ہی پانی لے کر آیا تھا، اور میں نے اسے بتایا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے اور ریشم و دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے

ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے۔

(۴۱۸) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي فَرُورَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ اسْتَسْقَى حُدَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ مِنْ دِهْقَانَ فَأَتَى بِشَرَابٍ فِيْ إِنْاءِ فِضَّةٍ فَأَخَذَ الْإِنْاءَ فَضْرَبَ بِهِ وَجْهَهُ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ نَشْرَبَ فِيْ أَنْيَةِ الْفِضَّةِ۔

(۴۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كُنَّا مَعَ حُدَيْفَةَ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقَى دِهْقَانًا فَأَتَاهُ بِهِ فِيْ جَمَامِ فِضَّةٍ فَرَمَى بِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ أَنْيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔

ترجمہ: ان دونوں کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”آنیہ“ برتن اس کی جمع ”اوانی“ آتی ہے ”دھقان“ دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ کسان ”فساء نا“ باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی برا لگنا، ناگوار گزرنا ”استسقی“ باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانی طلب کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اما الاول: فقد اخرجہ البخاری: ۵۶۳۳، ومسلم: ۵۴۰۰ (۲۰۶۷) وابن ماجه: ۳۵۹۰، واحمد: ۲۳۶۵۸، واما الثلاثة الآخر فقد اخرجها مسلم: ۵۳۹۴ (۲۰۶۷) والنسائي: ۵۳۰۳، وابوداؤد: ۳۷۲۳، والترمذی:

۱۸۷۸۔

مَقْهُوْبَةٌ: ان احادیث مبارکہ میں سونا، چاندی، ریشم اور دیبا کے استعمال سے جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں سے نہیں، اور مردوں کے لیے ضرورت کے درجے میں ”سونا تو نہیں کہ اس سلسلے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری“ البتہ چاندی کی ایک مخصوص مقدار اور ریشمی کپڑے کے استعمال کا استثناء بھی موجود ہے تاہم اصل حرمت ہی ہے اور اس سے بچنا ہی مردانگی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ الدُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ

(۴۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الدُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ۔

دباء اور حنتم کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دباء اور حنتم کو استعمال کرنے سے ممانعت فرمائی

ہے۔

حَدِيثُ عِبْنِ عَبَّاسٍ: "الدُّبَاءُ" كَدُو كِي تَوْنِي "الْحَنْتَمُ" سَبْرُ مَثَلَا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ: ۵۱۷۶ (۱۹۹۵) وَاَبُو دَاوُدَ: ۳۶۹۰ وَالنَّسَائِي: ۵۶۴۰ وَالْبُخَارِيُّ: ۵۵۹۴۔

مَقْبُولٌ: زَمَانَةُ جَاهِلِيَّةٍ فِي شَرَابِ رَكْنِي كِي لِي مَخْصُوصُ بَرْتَنِ اسْتِعْمَالِ هَوْتِي تَحْتِي اِن فِي شَرَابِ رَكْنِي بِي جَاتِي تَحْتِي اُو رِي بِي جَاتِي تَحْتِي جَب حَرَمَتِ شَرَابِ كَا حَكْمُ نَازِلِ هُوَا تُو اِس كِي كَمَلِ نَفَرَتِ لُو كُو كِي ذَهْنُو فِي رَاخِ كَرْنِي كِي لِي اِن بَرْتَنُو كُو اسْتِعْمَالِ كَرْنِي سِي بِي مَنَعِ كَر دِيَا كِيَا جَن كُو اِس مَقْصِدُ كِي لِي اسْتِعْمَالِ كِيَا جَاتَا تَحْتَا يِي بَرْتَنِ بَعْضِ اَوْقَاتِ كَسِي مَثَلُ كِي شَكْلِ فِي هَوْتِي تَحْتِي جَسِ پَر سَبْرُ رَنگِ پِي هَر لِيَا جَاتَا تَحْتَا اُو رِي بَعْضِ اَوْقَاتِ كَدُو كُو اِنْدَرُ سِي كُوهَلَا كَر كِي اِسِي بَرْتَنِ كِي طُورِ پَر اسْتِعْمَالِ كَر لِيَا جَاتَا تَحْتَا پَهْلِي قَسْمِ كِي بَرْتَنِ كُو "حَنْتَمُ" اُو رِي دُوسَرِي قَسْمِ كِي بَرْتَنِ كُو "دُبَاءُ" كِي هِي اِسِي طَرَحِ اَكْلِي حَدِيثِ فِي دُو لَفْظِ اُو اَر هِي هِي مَزْفَتِ اُو رِي نَقِيرِ جَن فِي سِي اُو لِ الذِّكْرُ سِي مَرَادُ وِهُ بَرْتَنِ هِي جَسِ پَر سَبْرُ كِي فِي اسْتِعْمَالِ هَوْنِي دَالِي "لُكْ" مَلِ كَر اِسِي مَضْبُوطِ بَنِيَا كِيَا هُوَا اُو رِي مَوْخَرِ الذِّكْرُ سِي مَرَادُ لُكْزِي كَا وِهُ بَرْتَنِ هُوَا هِي جَسِي چَهِيدِ كَر اِنْدَرُ سِي كُوهَلَا كَر لِيَا كِيَا هُوَا اِبْتِدَاءُ اِس كِي اسْتِعْمَالِ سِي مَنَعِ كَر دِيَا كِيَا تَحْتَا بَعْدِ فِي اِجَازَتِ دِي دِي كِي جِيَا كِي اَكْلِي حَدِيثِ فِي اَتَا هِي۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ وَلُحُومِ الْأَضَاحِيِّ وَالظُّرُوفِ

(۴۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَهَيْنَاكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا هُنَّ جُرَا وَعَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ أَنْ تُمَسِّكُوا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَإِنَّا نَهَيْنَاكُمْ لِيُوسِعَ مُوسِرُكُمْ عَلَي فُقَيْرِكُمْ وَالْآنَ قَدْ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَكُلُوا وَتَزَوَّدُوا وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْحَنْتَمِ وَالْمُزْفَتِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ النَّقِيرِ وَالذُّبَاءِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ شَيْئًا فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُجِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحْرِمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فزُورُوهَا وَنَهَيْنَاكُمْ أَنْ تُمَسِّكُوا لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَامْسِكُوهَا وَتَزَوَّدُوهَا فَإِنَّمَا نَهَيْنَاكُمْ لِيُوسِعَ غَنِيُّكُمْ عَلَي فُقَيْرِكُمْ وَنَهَيْنَاكُمْ أَنْ تَشْرَبُوا فِي الذُّبَاءِ وَالْمُزْفَتِ فَاشْرَبُوا فِيمَا بَدَا لَكُمْ فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُجِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحْرِمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا۔

وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَفِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الذُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزْفَتِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا۔

قبرستان جانے، قربانی کے گوشت اور برتنوں سے متعلق احکام کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم نے تمہیں قبرستان جانے سے منع کیا

تھا اب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے اس لیے تم بھی قبرستان چلے جایا کرو لیکن کوئی بیہودہ بات مت کہنا اسی طرح تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں وہ تنگدستوں پر کشادگی کر سکیں اب چونکہ اللہ نے وسعت کر دی ہے اس لیے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اسی طرح ختم نقیر اور دباء میں کچھ پینے سے منع کیا تھا اب تم جس برتن میں چاہو پی سکتے ہو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے البتہ نشہ آور چیز مت پیو۔

(۴۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَحَمَادٍ حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ اشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر برتن میں پی لیا کرو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "فزوروها" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی زیارت کرنا "ہجرا" بضم الہاء بیہودہ گوئی "تزودوا" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ذخیرہ کرنا "المزفت" لک سے بنا ہوا برتن "النقیر" کھدی ہوئی لکڑی۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ مسلم: ۵۱۱۴ (۹۷۷) والنسائی: ۵۶۵۶، وابدواؤد: ۳۶۹۸۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ مسلم: ۵۲۰۸ (۹۷۷) والترمذی: ۱۸۶۹، وابن ماجہ: ۳۴۰۶۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ میں سابقہ تین حکموں کی منسوخ اعلان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ موقع کی نزاکت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ احکام کیوں دیے گئے تھے؟ چنانچہ قبرستان جانے کی ممانعت کو بیہودگی اور لغویات سے مقید کیا گیا ہے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت کو فقراء کے خیال سے مشروط کیا گیا ہے اور مذکورہ برتنوں میں مشروبات کو استعمال کرنے کی ممانعت کو شراب کی انتہائی نفرت پر محمول کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی اپنی ذات میں حرمت کی کوئی خاص وجہ اور سبب نہیں تھا بلکہ معروضی حالات کی وجہ سے مذکورہ احکام آئے تھے یہی وجہ ہے کہ جب وہ حالات ختم ہو گئے تو ان احکام کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّبِيْدِ

(۴۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَأْكُلُ طَعَامًا ثُمَّ دَعَا بِنَبِيْدٍ فَشَرِبَ فَقُلْتُ رَحِمَكَ اللَّهُ تَشْرَبُ النَّبِيْدَ وَالْأُمَّةُ تَقْتَدِي بِكَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ النَّبِيْدَ وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُهُ يَشْرَبُ مَا شَرَبْتُهُ۔

پن آگیا ہو وہ جھاگ چھوڑنے لگا ہو اور نشہ آور بن گیا ہو بظاہر یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ اکیلی کھجور کو پانی میں بھگویا گیا ہو اور اس صورت میں بھی جبکہ اس کے ساتھ کشمش وغیرہ بھی شامل کی گئی ہو لیکن زیر بحث حدیث میں اس دوسری صورت کو اختیار کرنے اور ایسا مشروب استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ دو چیزوں کے مخلوط ہو جانے سے اس میں نشہ جلد پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے اور چونکہ شریعت کی نگاہ میں ہر نشہ آور چیز حرام ہے اس لیے اس کی ممانعت معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ كَمْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ؟

(۴۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي عَوْنٍ مُحَمَّدِ الثَّقَفِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ شَدَّادٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيلُهَا وَكَثِيرُهَا وَالسُّكَّرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ۔

شراب کی کتنی مقدار حرام ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں شراب کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ حرام کر دی گئی ہے اسی طرح ہر نشہ آور چیز بھی حرام کر دی گئی ہے۔

بَابُ هَلْ يَجُوزُ أَنْ يَأْكُلَ ثَمَنَ الْخَمْرِ

(۴۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي عَامِرِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ كَانَ يُهْدِي لِلنَّبِيِّ ﷺ فِي كُلِّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيفٍ يُكْنَى أَبُو عَامِرٍ كَانَ يُهْدِي لِلنَّبِيِّ ﷺ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ فَأَهْدَى فِي الْعَامِ الَّذِي حُرِّمَتْ فِيهِ الْخَمْرُ رَاوِيَةً كَمَا كَانَ يُهْدِي لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا عَامِرٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي خَمْرِكَ قَالَ خُذْهَا فَبِعْهَا فَاسْتَعِنْ بِثَمَنِهَا عَلَى حَاجَتِكَ فَقَالَ يَا أَبَا عَامِرٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ حَرَّمَ شُرْبَهَا وَبَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمَنِهَا۔

کیا شراب بیچ کر اس کی قیمت کھانا جائز ہے؟

ترجمہ: محمد بن قیس ہمدانی کہتے ہیں کہ ابو عامر ثقفی ہر سال نبی ﷺ کے پاس شراب کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے ایک روایت میں یوں ہے کہ بنو ثقیف کا ایک آدمی جس کی کنیت ابو عامر تھی ہر سال نبی ﷺ کے پاس ایک مشک شراب بھیجا کرتا تھا جس سال شراب حرام ہوئی اس نے اس سال بھی نبی ﷺ کو حسب عادت ہدیہ میں ”مشک“ بھیجی نبی ﷺ نے فرمایا اے ابو عامر! بیشک اللہ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے اس لیے ہمیں تمہاری شراب کی کوئی ضرورت نہیں اس نے

کہا کہ اسے لے کر بیچ دیجیے اور اس کی قیمت اپنی ضروریات میں استعمال کر لیجیے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ نے اس کا پینا بیچنا اور اس کی قیمت کھانا سب حرام کر دیا ہے۔

حَدَّثَنَا عُبَّادُ بْنُ رَافِعٍ: "راویہ" ایک خاص قسم کی شراب "فاستعن" باب استفعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مانگنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اول: أخرجه النسائي من: ۵۶۸۶ الی: ۵۶۸۹۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثانی: أخرجه الحمیدی فی مسنده: ۱۰۳۴، ومسلم: ۴۰۴۴ (۱۵۷۹) واحمد: ۲۰۴۱، ومالك:

۵۲۸، والدارمی: ۲۱۰۹، ۲۵۷۴، وابویعلی: ۲۴۶۸۔

مَقْلُوبٌ: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ ہر وہ چیز جس کی زیادہ مقدار پینے سے انسان پر نشہ طاری ہو جاتا ہو شریعت نے اس کے لیے یہ اصول مقررہ کیا ہے کہ جس طرح اس کی زیادہ مقدار کو استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا ایک چمچہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے اس لیے کہ حرام تو حرام ہی ہے جیسے سانپ تو سانپ ہی ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور ویسے بھی اگر تھوڑی مقدار کی اجازت دے دی جائے تو شیطان اسے ایک نہ ایک دن زیادہ مقدار پر بھی لگا ہی دے گا اس لیے "گر بہ کشتن روز اول" کے تحت اس کی قلیل مقدار کو بھی حرام قرار دے دیا گیا خواہ اس سے نشہ نہ بھی آئے۔

۲۔ دوسری حدیث میں ابو عامر کا شراب کی مشک ہر سال خدمت نبوی میں پیش کرنا مذکور ہے جسے پڑھ کر راقم الحروف تو ایک دم چکر میں آ گیا کہ آخر نبی ﷺ تو شراب کے کبھی قریب بھی نہیں گئے پھر ابو عامر کا شراب ہی کو بطور ہدیہ کے پیش کرنا چہ معنی دارد؟ نیز یہ کہ اگر نبی ﷺ اسے خود استعمال نہیں فرماتے تھے تو کس کو دیتے تھے؟ جسے بھی دیتے اس میں "تعاون علی الاثم" لازم آتا ہے جو شان رسالت سے بعید ہے؟

اس کا جواب صراحتہ تو کہیں نظروں سے نہیں گزرا، البتہ اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جہاں تک شراب ہی کو بطور ہدیہ پیش کرنے والی بات ہے تو شراب اہل عرب میں ایک قیمتی چیز تصور کی جاتی تھی اور بڑے مہنگے داموں خریدی اور بیچی جاتی تھی اس شخص نے اپنی عقیدت اور محبت ظاہر کرنے کے لیے اپنے خیال کے مطابق مہنگی ترین چیز پیش کی اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ اس کا انتخاب صحیح نہ رہا۔

رہی یہ بات کہ نبی ﷺ اس کا کیا کرتے تھے تو اس میں ایک صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ کسی طریقے سے اسے ضائع کر دیتے تھے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ پڑے پڑے خود بخود سرکہ بن جاتی تھی اور جو شراب پڑے پڑے خود بخود سرکہ بن جائے اس کے حلال ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ اسے کسی کیمیکل وغیرہ کے ذریعے سرکہ بنایا جائے۔

بہر حال! یہ دونوں صورتیں قرین قیاس ہو سکتی ہیں لیکن ان کی حقیقت صرف قیاس آرائی کی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو

اللہ کی طرف سے ہے ورنہ اسے شیطانی وہم سمجھ کر رد کر دیا جائے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرمت شراب کا حکم سنایا تو اس نے اپنے غلام سے سرگوشی میں کچھ کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے اسے یہ حکم دیا ہے کہ شراب کی اس مشک کو فروخت کر دے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس ذات نے اس کا پینا حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے چنانچہ اس نے وہ مشکا وہیں بہا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی یہ درخواست اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کی تھی بلکہ یہ حکم اس نے اپنے غلام کو دیا تھا اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی ہے اس اعتبار سے مسند اعظم کی روایت مجمل قرار پائے گی جس کی تفصیل صحیح مسلم کی روایت میں وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

کتاب اللباس والزینة

لباس وزینت کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَلَانِسِ

(۴۲۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَّةٌ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَاءُ شَامِيَّةٌ۔

ٹوپوں سے متعلق روایات کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شام کی بنی ہوئی سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

حَدِيثٌ غَرِيبٌ: "قَلَنْسُوَةٌ" ٹوپی اس کی جمع "قَلَانِس" آتی ہے۔

تَجْرِيحٌ حَدِيثٌ: أخرجه ابن حجر في المطالب العالیة: ۲۱۹۷، والطبرانی، وابن عساکر۔

مَفْهُومٌ: بعض حضرات سر کو ڈھانپنا خلاف سنت سمجھتے ہیں اور بعض حضرات سر کو نہ ڈھانپنا خلاف سنت اور گناہ عظیم سمجھتے

ہیں، ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے افراط و تفریط پر مبنی ہیں اسی لیے محققین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ

باندھنا اور ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے اور سر کو خالی رکھنا بھی ثابت ہے اس لیے عام معمولات میں مثلاً بازار آتے جاتے

ہوئے ٹوپی نہ پہننا خلاف مروت ہے جبکہ نماز کے دوران بھی تشدد کی راہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کی ضد میں آ کر ٹوپی

نہ پہننا خلاف ادب ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ سر اور داڑھی کے بکھرے ہوئے بالوں سے پریشان حال لوگ نہ تو بال ہی سنوارتے ہیں اور نہ ہی ٹوپی پہنتے ہیں کہ اس سے کچھ فرق پڑ جائے اس سے ان کا چہرہ اور بھی ”قابل زیارت“ ہو جاتا ہے اس لیے اہل علم کو تو اس کی پابندی اور التزام کرنا چاہیے اور عوام کو اس پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّدْلِ

(۴۲۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهُ فَأَعْطَفَهُ عَلَيْهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنْقَطِعًا۔

بغیر پہنے کپڑا بدن پر لٹکانے کا بیان

تَرْجُمَانًا: حضرت ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک آدمی کے پاس سے گزر ہوا جس نے ”سدل“ کر رکھا تھا، نبی ﷺ نے اس کے کپڑے کو اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”سادل“ باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کپڑا لٹکانا ”فاعطفہ“ باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی جھکا دینا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه البيهقي: ۲/۲۴۳، وعبد الرزاق: ۱/۳۶۳۔

مَفْهُومًا: ”سدل“ فقہی اصطلاح کے مطابق اس طرح کندھوں پر کپڑا لٹکانے کو کہتے ہیں کہ دونوں جانب اس کے پلو لٹک رہے ہوں اور ان میں گرہ نہ لگائی گئی ہو جیسا کہ بہت سے حضرات کو اس طرح رومال اوڑھے ہوئے دیکھا جاتا ہے نماز کی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اس کے دونوں پلو گرہ لگا کر باندھ لیے جائیں تاکہ وہ دوران نماز دائیں بائیں نہ ہو سکیں اور نمازی ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنی نماز کو خراب نہ کر بیٹھے۔

لیکن یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے اسی طرح رومال لٹکائے ہوئے نماز پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا اور اسے قضاء کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی البتہ ایسا کرنا پسندیدہ نہیں ہے جب ہی تو نبی ﷺ نے اس شخص کے لٹکتے ہوئے کپڑوں کو اس کے کندھے پر الٹ دیا تاکہ وہ ان ہی میں مشغول ہو کر نہ رہ جائے اور یہ ایک عام تجربہ کی بات ہے، عرب ممالک میں یہ طریقہ بہت کثرت کے ساتھ رائج ہے۔

بَابُ مَنْ يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا

(۴۳۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ حُدَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ

وَالدِّيْبَاجِ وَقَالَ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ۔

دنیا میں ریشم پہننے والے کا بیان

ترجمنا: حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

تخریج حدیث: أخرجه مسلم: ۵۴۱۷ (۲۰۶۹) و ابوداؤد: ۴۰۴۲، والترمذی: ۱۷۲۱، وابن ماجه: ۳۵۹۳، وابن حبان: ۵۴۴۱ وراجع له ایضاً: ۴۱۶۔

مفہوم: ریشمی کپڑوں کا پہننا مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کپڑا خالص ریشمی ہو اور اگر کپڑے میں ریشم کے کچھ تار اور ذرات استعمال کر لیے گئے ہوں تو مردوں کے لیے بھی اسے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور آج کل عام طور پر جو کپڑے ریشمی سمجھے جاتے ہیں وہ خالص ریشمی نہیں ہوتے خواہ مردانہ ہوں یا زنانہ اس لیے کہ خالص ریشمی کپڑے کی قوت خرید کسی غریب یا متوسط درجے کے آدمی میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ بہت مہنگا ہوتا ہے۔

اس تمام تفصیل کو ذکر کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بعض لوگوں کے سامنے یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آج کل تو بہت سے مرد بھی ریشمی کپڑے پہن رہے ہیں کیا وہ سب گنہگار ہوں گے؟ لیکن جب یہ تمہید واضح ہو جائے تو اس مسئلہ میں کوئی ابہام اور پیچیدگی برقرار نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّصَاوِيرِ

(۴۳۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ عَلِيِّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ كَانَ عُلِقَ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم سِتْرًا فِيهِ تَمَائِيلُ فَأَبْطَأَ جِبْرَائِيلُ ثُمَّ آتَاهُ فَقَالَ لَهُ مَا أَبْطَأَكَ عَنِّي قَالَ إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَائِيلٌ فَأَبْسَطِ السِّتْرَ وَلَا تُعَلِّقْهُ وَأَقْطَعْ رُءُوسَ التَّمَائِيلِ وَأَخْرِجْ هَذَا الْحِرْوَ۔

تصاویر کے احکام

ترجمنا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر ایک مرتبہ ایسا پردہ لٹکایا گیا جس میں کچھ تصاویر تھیں انہیں دیکھ کر حضرت جبریل نے حاضر ہونے میں تاخیر کر دی جب وہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تاخیر کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتیا یا تصویریں ہوں اس لیے اس پردہ کا بستر بنا لیجئے اسے مت لٹکائیئے ان تصویروں کے سر اتار دیجیئے اور اس پلے (کتے کے فرزند) کو نکال دیجیئے۔

حلی عبارت: "علق" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لٹکانا "تمائیل" تمشال کی جمع

ہے بمعنی مجسمہ تصویر "فابطاً" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تاخیر کرنا "فابسط" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بچھانا "الجرو" پلہ۔

تَجْرِجُ حَلَابِيَةً: اخرجہ مسلم مفصلاً: ۵۵۱۳ (۲۱۰۵) و ابوداؤد: ۴۱۵۷، وابن حبان: ۵۸۵۶، واما نفس قولہ ﷺ: لا تدخل الملكة بيتا الخ فقد اخرجہ جميع الاثمة۔

مَقْبُوهٌ: گزشتہ صفحات میں "کتے" کے متعلق تفصیلات گزر چکی ہیں اس لیے یہاں انہیں دہرائے بغیر تصویر سے متعلق مختصر طور پر عرض کرنا ہے کہ اسلام میں جاندار اشیاء کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی قطعاً حرام ہے جبکہ بے جان اشیاء کی تصویر اور مجسمہ سازی مکمل حلال ہے اور اسے بطور آرٹ اور پیشہ کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ جاندار اشیاء کی تصاویر خواہ پردوں پر ہو یا کپڑوں پر ناجائز ہیں کیونکہ ایک تو اس صورت میں بظاہر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ بازی کا احساس ہوتا ہے جو شانِ بندگی کے منافی ہے اور دوسرے یہی چیز جو ابتداء میں تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی حد تک محدود ہوتی ہے بعد میں بڑھتے بڑھتے تصویر و مجسمہ پرستی تک پہنچا دیتی ہے گویا یہ چیز بالواسطہ شرک کا ذریعہ بنتی ہے اور شریعت کی نگاہ میں شرک ناقابل معافی جرم ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر غیر واضح اور انتہائی چھوٹی تصویر جو بدقت تمام نظر آئے، اس میں حرمت کا پہلو زیادہ شدید نہیں ہے اسی طرح اگر کسی ذی روح کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس کا سر کاٹ دیا جائے یعنی گردن کے ساتھ نہ جوڑا جائے تو اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل بعض دکاندار کپڑے لٹکانے اور سجانے کے لیے سر کٹے مجسمے استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِضَابِ بِالْحِنَاءِ

(۴۳۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اخْضِبُوا شَعْرَكُمْ بِالْحِنَاءِ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ۔

مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا

تَرْجَمًا: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بالوں کو مہندی سے رنگ لیا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو۔

(۴۳۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْكِنْدِيِّ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنْ أَحْسَنَ مَا غَيْرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتْمُ۔ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أَحْسَنُ مَا غَيْرْتُمْ بِهِ الشَّعْرَ الْحِنَاءُ وَالْكَتْمُ وَفِي رِوَايَةٍ مِنْ أَحْسَنِ مَا غَيْرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتْمُ۔

ترجمتاً: حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے بالوں کی سفیدی جس چیز سے تبدیل کرتے ہو اس میں سب سے بہتر چیز مہندی اور کتم ہے۔

(۴۳۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ أَنَّ أَبَا قُحَافَةَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَلِحْيَتُهُ قَدِ انْتَشَرَتْ قَالَ فَقَالَ لَوْ أَخَذْتُمْ وَأَشَارَ إِلَيَّ نَوَاحِي لِحْيَتِهِ۔

ترجمتاً: ہیشم ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو قحافہؓ (سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم) کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، ان کی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، نبی ﷺ نے داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر تم اسے کتر لیتے تو اچھا ہوتا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اخضبوا" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی رنگنا، خضاب لگانا "الشيب" بالوں کی سفیدی "انتشرت" باب اتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی منتشر ہونا، پھیل جانا، بکھر جانا "نواحي" ناحیہ کی جمع ہے بمعنی کنارہ "الحناء" مہندی "الکتم" وسمہ اس سے بال ہلکے براؤن ہو جاتے ہیں۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرج البخارى مثله: ۳۴۶۲، ومسلم: ۵۵۱۰ (۲۱۰۳) وابدواؤد: ۴۲۰۳، والترمذی: ۱۷۵۲، والنسائی: ۵۰۷۵، وابن ماجه: ۳۶۲۱، وابن حبان: ۵۴۷۰۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرج ابو داؤد: ۴۲۰۵، والترمذی: ۱۷۵۳، والنسائی من: ۵۰۸۰، الی: ۵۰۸۵، وابن ماجه: ۳۶۲۲، وابن حبان: ۵۴۷۴۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَالِثٍ: اما نفس الحديث فقد اخرج مسلم: ۵۵۰۹ (۲۱۰۲) وابدواؤد: ۴۲۰۴، والنسائی: ۵۰۷۹، وابن ماجه: ۳۶۲۴، وابن حبان: ۵۴۷۱، واما بهذا السياق فقد اخرج الحارثی: ۶۶۶۔

مَفْهُومٌ: "بڑھاپا" انسان کے تدریجی عمل اور ارتقائی زندگی کا آخری سٹیج ہوتا ہے جہاں سے انسان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے یہ انسانی زندگی کا زوال ہوتا ہے جس کے بعد عروج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ ایسا تنزل ہوتا ہے جو ترقی کی امید سے محرومی لے کر آتا ہے اور اس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، چنانچہ کبھی دانت ٹوٹ جاتے ہیں، کبھی جسم کی مشینری کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور کبھی جسم پر اگی ہوئی گھاس سفید ہونا شروع ہو جاتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک چیز چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہوتی ہے کہ بس! اب تیرا کھیل ختم ہونے والا ہے، تیری بساط لپیٹی جانے والی ہے اور تیرا نامہ اعمال بند ہونے والا ہے، لیکن حضرت انسان کے کان پر جوں تک نہیں ریگتی اور وہ اصلی دانت کی جگہ مصنوعی دانت لگوا لیتا ہے، جسم کی مشینری سے کام لینے کے لیے مقویات اور ادویات استعمال کرتا ہے اور بالوں کی سفیدی کو چھپانے کے لیے کالا خضاب استعمال کرتا ہے۔

یاد رکھئے! بالوں کی سفیدی اللہ کی طرف سے ملنے والا وقار ہے، اسے ضائع مت کیجیے اور اگر آپ ابھی جوان ہیں

یا جوان نظر آنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں شرعی ہدایات کی پیروی کیجیے، کالا خضاب استعمال کرنے سے بچئے، تاہم نوجوانی میں جس شخص کے بال سفید ہو جائیں اسے فقہاء نے کالا خضاب لگانے کی اجازت دی ہے جس کے دلائل احادیث میں موجود ہیں، مہندی لگا کر بھی بالوں کی سفیدی کو چھپایا جاسکتا ہے۔

تاہم یہ اجازت درجہ استحباب میں ہے، اس اجازت کو فرض و واجب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے اور مہندی لگا کر مکمل براؤن یا دسمہ کے ذریعے ہلکے براؤن کرنے کا حکم بھی اہل کتاب سے اپنی مشابہت ختم کرنے کے لیے دیا گیا ہے، سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم حضرت ابو قحافہؓ کے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرنے کا حکم بھی اسی بناء پر دیا گیا تھا۔

فائدہ: آخری حدیث کا ترجمہ الباب سے تعلق روایت کے ان الفاظ سے ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا اور اس کی تخریج بھی کی گئی ہے، امام صاحبؒ کی اس مختصر روایت کو محمولہ بالا مفصل روایت پر محمول کیا جائے گا۔

بَابُ الْمَوْصُولَةِ

(۴۳۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثِمِ عَنْ أُمِّ ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ لَا بَأْسَ أَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةُ شَعْرَهَا بِالصُّوفِ إِنَّمَا نَهَى بِالشَّعْرِ وَفِي رِوَايَةٍ لَا بَأْسَ بِالصُّوفِ إِذَا لَمْ يَكُنْ شَعْرًا بِالرَّأْسِ۔

بالوں کے ساتھ بال ملانے والی عورت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت کو اپنے بالوں کے ساتھ اون ملانے میں کوئی حرج نہیں، اصل میں جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق بالوں کے ساتھ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر عورت کے سر پر بال نہ ہوں تو بال ملانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ: ”تصل“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ملانا ”الصوف“ اون۔

ترجمہ: موقوف علی ابن عباس اخرجہ الحارثی: ۶۵۷۔

مفہوم: اس حدیث کا مکمل پس منظر سمجھنے کے لیے اس مضمون کی دیگر روایات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے جن کے مطابق حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنا جسم گدواتی ہیں یعنی اس میں سوراخ کر کے نیل یا کوئی اور رنگ بھرتی ہیں یا اس طرح اس پر کسی کا نام کندہ کروالیتی ہیں کہ جسم کی کھال چھل جائے اور وہ نام نہ مٹ سکے اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو جسم گودنے کا کام کرتی ہیں۔

نیز نبی ﷺ نے ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں میں ”کسی دوسرے انسان کے بال“ ملا لیتی ہیں تاکہ بال لے نظر آئیں، ایسی عورتوں کو ”موصولہ“ کہتے ہیں اور جو عورتیں یہ کام کرتی ہیں انہیں ”واصلہ“ کہا جاتا ہے اور

نبی ﷺ نے ان پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

”کسی دوسرے انسان کے بال“ کا لفظ ہم نے ایک خاص مقصد کے تحت اختیار کیا ہے گوکہ حدیث کا مفہوم یہی ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس حدیث کے مختلف طرق اور پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر وہ بال اس عورت کے اپنے ہی ہوں اور انہیں دوبارہ اس کے سر کا حصہ بنا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ کسی دوسرے کے بال نہیں اس کے اپنے ہی ہیں۔

نیز بال کے لفظ سے حضرت ابن عباسؓ نے فائدہ اٹھایا اور فرمایا کہ یہ حکم بال ہی کے ساتھ خاص ہے اگر کوئی عورت کسی جانور کی اون قابل استعمال ہونے کے بعد اپنے بالوں کے ساتھ ملا لے تو وہ اس لعنت اور ممانعت میں داخل نہیں ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

کتاب الطب

طب کے احکام

بَابُ إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ يُكْتَبُ لَهُ أَجْرُهُ

(۴۳۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لِيُكْتَبُ لِلْإِنْسَانِ الدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَكُونُ لَهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَبْلُغُهَا فَلَا يَزَالُ يَبْتَلِيهِ اللَّهُ حَتَّى يَبْلُغَهَا۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کے لیے نیک اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ انسان کے لیے جنت میں ایسے بلند درجات کا فیصلہ کرتا ہے جہاں تک اس کے اعمال نہیں پہنچتے اس لیے اللہ تعالیٰ اسے مسلسل مصائب میں مبتلا کرتا ہے تا آنکہ اس کے اعمال وہاں تک پہنچ جائیں۔

(۴۳۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ اُكْتُبُوا لِعَبْدِي مِثْلَ أَجْرِ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ۔

زَادَ فِي رِوَايَةٍ مَعَ أَجْرِ الْبَلَاءِ

وَفِي رِوَايَةٍ أُكْتُبُوا الْعَبْدِي مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ-

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلَى عَمَلٍ مِنَ الطَّاعَةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِحَفَظَتِهِ

أَكْتُبُوا الْعَبْدِي أَجْرَ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ-

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے اور وہ نیکی کے کچھ کام پہلے سے کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لیے اتنا ہی اجر لکھ دو جس کے برابر وہ تندرستی میں عمل کرتا تھا جو اس مصیبت پر صبر کے علاوہ ہو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "بیتلیہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بتلا کرنا، آزمائش کرنا۔

مَجْمَعُ حَدِيثِ ابْنِ سَعْدٍ، وَالْحَاكِمُ، وَالْبَيْهَقِيُّ، وَالْحَارِثِيُّ: ۳۵۷-

مَجْمَعُ حَدِيثِ فَانِي: اخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مِثْلَهُ: ۳۰۹۱، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: ۱۰۸۱۲-

مَفْهُومٌ: دنیا کی اس مختصر اور ناپائیدار زندگی میں ہر انسان پر کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے اور ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی کا شکار ضرور ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بعض لوگ مصیبت اور پریشانی کو اپنی ذات میں چھپا لیتے ہیں اور بعض لوگ پورے خاندان اور محلے میں ڈھنڈورا پیٹ دیتے ہیں، بعض لوگ ان مصائب و مشکلات کو حل کرنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں اور بزعم خود توکل کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس مصیبت اور تکلیف کے لیے اللہ میاں کو میں ہی نظر آیا تھا، میرے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا، اگر مجھ پر ہی مصیبت آئی تھی تو مثلاً ایک سیڈنٹ نہ ہوتا، بخار ہو جاتا۔

ظاہر ہے کہ اس آخری صورت میں اللہ کے ساتھ سودے بازی کا عنصر نمایاں ہے اور اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ بندہ دوسری مصیبت اور بیماری کو برداشت کر سکتا تھا جبکہ اس سے پہلے والی صورت میں تقدیر خداوندی پر اعتراض ہے اس لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان ایسے مواقع پر اللہ سے سودے بازی کرے اور نہ ہی تقدیر پر اعتراض کرے بلکہ یہ سوچے کہ اس بیماری میں بھی کچھ کیے بغیر ہی مجھے ان اعمال صالحہ کا اجر و ثواب برابر مل رہا ہے جو میں صحت کی حالت میں کرتا تھا اور یہ کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں، اگر میں اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو انعام کے طور پر مجھے ایسے بلند و بالا مقامات عطا فرمائے جائیں گے جہاں تک اپنے اعمال کے سہارے اور بل بوتے پر میری رسائی کبھی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ سوچ انسان کو جزع فزع سے بھی محفوظ رکھے گی، ہر ایک کے سامنے اپنے دکھڑے رونے سے بھی بچائے گی،

تقدیر خداوندی پر اعتراض کی راہ میں بھی رکاوٹ بنے گی اور سودے بازی کے درمیان بھی جاہل ہو جائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسی سوچ کو مثبت سوچ کہا جائے گا جو اس کے لیے بہر حال مفید ہی ہوگی جبکہ منفی سوچ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

بَابُ الدَّوَاءِ لِكُلِّ دَاءٍ

(۴۳۸) أَبُو حَنِيفَةَ وَمُقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لِكُلِّ دَاءٍ جَعَلَ اللَّهُ دَوَاءً فَإِذَا أَصَابَ الدَّاءُ دَوَاؤَهُ بَرِيءٌ بِإِذْنِ اللَّهِ۔

ہر بیماری کی دوا ہے

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا رکھی ہے جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے تندرستی مل جاتی ہے۔

(۴۳۹) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی جس کا علاج نہ رکھا ہو سوائے موت اور بڑھاپے کے اس لیے تم پر گائے کا دودھ استعمال کرنا لازم ہے کیونکہ گائے کا دودھ ہر درخت سے مل کر حاصل ہوتا ہے اور اس میں تمام نباتاتی اجزاء شامل ہوتے ہیں۔

(۴۴۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يُنَزَلِ اللَّهُ دَاءً إِلَّا وَأَنْزَلَ مَعَهُ الدَّوَاءَ إِلَّا الْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَرْمُ مِنَ الشَّجَرِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلْ فِي الْأَرْضِ دَاءً إِلَّا جَعَلَ لَهُ دَوَاءً إِلَّا الْهَرَمَ وَالسَّامَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ۔ وَفِي رِوَايَةٍ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ دَاءٍ إِلَّا أَنْزَلَ مَعَهُ دَوَاءً إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَضَعْ فِي الْأَرْضِ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ دَوَاءً فَعَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ، عَلَيْكُمْ بِالْبَّانِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَرْمُ مِنْ كُلِّ شَجَرَةٍ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

ترجمہ: اس کا بھی بعینہ یہی ترجمہ ہے۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "دَاءٌ" بيماری "دواء" علاج "برئ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی

تندرست ہو جانا "السام" موت "الهرم" بڑھاپا "ترم" باب نصر اور ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چارہ بننا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ مسلم: ۵۷۴۱ (۲۲۰۴) واحمد: ۱۴۶۵۱، وابن حبان: ۶۰۶۳، والحاكم: ۱۹۹/۴۔
تَجْرِيحُ حَدِيثِ ثَانِي وِثَالِثٍ: اخرج البخاری مثلہما: ۵۶۷۸، وابدواؤد: ۳۸۵۵، والترمذی: ۲۰۳۸، وابن ماجہ: ۳۴۳۶، ۳۴۳۹، والحاكم بزيادة: فعليكم بالبان البقر واحمد: ۱۹۰۳۶۔
مَقَالَةٌ: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ ہر زمانے میں لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے جو دوا دارو کرنا اور اپنی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کرنا اچھا نہیں سمجھتا، اس گروہ میں بعض لوگ تو ایسے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے اپنی بیماری کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں، بعض اپنی کنجوسی کے ہاتھوں اپنے علاج پر کچھ خرچ کرنے کو فضول خرچی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھ کر اس کے قریب پھٹکنے کو بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔

ان میں پہلا طبقہ تو مجبور ہے جس کے متعلق شریعت دوسرے انسانوں کو اس کی امداد کے لیے متوجہ کرتی ہے، دوسرا طبقہ "بیوقوف" ہے کہ اپنی کمائی اپنے اوپر ہی خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور تیسرا طبقہ "نادان" ہے کہ علاج معالجہ کو خلاف توکل سمجھتا ہے حالانکہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں، توکل ترک نتیجہ کا نام ہے۔

۲۔ نومولود بچے کے لیے جس طرح ماں کا دودھ انتہائی مفید ہونے میں دورائیں نہیں ہیں اسی طرح زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے گائے کے دودھ کی افادیت بھی مسلم ہے، اس کے نباتاتی اجزاء جو مختلف درختوں اور سرسبز و شاداب گھاس کی وجہ سے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں، انسان کو بڑھاپے میں بھی تقویت فراہم کرتے ہیں "گو کہ اس سے بڑھاپا ختم نہیں ہو سکتا" اور مکمل غذائیت سے بھی بھرپور ہوتے ہیں۔

لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ہم دودھ کے ایک ڈرم میں کم از کم آدھے ڈرم پانی کی ملاوٹ کیے بغیر اپنی ضروریات اس کے ذریعے کما ہی نہیں سکتے، راتوں رات امیر ہونے کے چکر میں گجروں نے اس طریقے کو خوب آزمایا اور بہت مفید پایا اس لیے اب ان کی گائیں دودھ کی بجائے روپیہ اگلتی ہیں اور ان کے تھنوں میں دودھ کی دھاروں کی بجائے سکوں کی کھنک محسوس ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اب لوگ نباتاتی اجزاء اور غذائیت سے بھرپور اس دودھ کو چھوڑ کر ڈبے کے دودھ کو ترجیح دینے لگے ہیں اور بزبان حال و قال یہ نغمہ گنگنانے لگے ہیں کہ اب تو پاکستان میں ہر چیز حتیٰ کہ بندوں میں بھی ملاوٹ ہونے لگی ہے۔

بَابُ الشِّفَاءِ فِي اَرْبَعَةٍ

(۴۴۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جُعِلَ الشِّفَاءُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

وَالْحَجَامَةُ وَالْعَسَلُ وَمَاءِ السَّمَاءِ -

چار چیزوں میں شفاء کا بیان

ترجمتاً: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلونجی، سینگی، شہد اور آسمان کے پانی میں شفا رکھی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَنِّ

(۴۴۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عُمَرَ وَالْجَرُّشِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنَ الْمَنِّ الْكَمَاءَ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ -

”من“ کا بیان

ترجمتاً: حضرت سعید بن زیدؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھنسی بھی ”من“ میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔

حَدِيثُ عِنَابَاتٍ: ”الحبة السوداء“ کالا دانہ مراد کلونجی ہے ”المن“ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی سویٹ ڈش ”الکماء“ کھنسی۔

تخریج حدیث اول: اما نفس مضمون الحدیث فثابت من الاحادیث الكثيرة كما في الحبة السوداء ما اخرجہ مسلم: ۵۷۶۶ (۲۲۱۵) والبخاری: ۵۶۸۸، وغيرهما، وهكذا في الحجامة ما اخرجہ البخاری: ۵۶۹۷، واما بهذا السياق فلم اجدہ۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری، ۵۷۰۸، ومسلم: ۵۳۴۲ (۲۰۴۹) والترمذی: ۲۰۶۷، وابن ماجه: ۳۴۵۳۔
مفہوم: ۱۔ ”طب نبوی“ ایک مستقل موضوع ہے جس پر علماء و اطباء نے اپنے اپنے انداز میں مختلف ادوار میں قلم اٹھایا ہے اور احادیث میں ذکر کردہ خواص اشیاء کو جدید سائنس سے ہم آہنگ کر کے دکھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے جس چیز کی جو خاصیت بیان فرمائی تھی، جدید سائنس اور میڈیکل اس کی تغلیط آج تک نہیں کر سکی چنانچہ کلونجی اور شہد کی افادیت تو آج بھی مسلم ہے اور ہر طبقہ زندگی کے افراد اسے استعمال کرتے ہیں۔

گو کہ اب سینگی لگانے کے ماہرین ”جس کا طریقہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا“ نہیں رہے لیکن اس کے مفید ہونے میں اب بھی کوئی شک نہیں ہے، اور سرنج کے ذریعے خون نکلوانا اسی کی جدید شکل ہے بلکہ ”سرنج اور سینگی“ کی لفظی مناسبت و مشابہت بھی انتہائی قریب اور زیادہ ہے۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اپنی بیوی سے حق مہر کی رقم میں سے کچھ پیسے لے کر شہد منگوائے اور اسے بارش کے پانی میں ملا کر پی لے تو اللہ تعالیٰ ہر بیماری سے شفاء عطا فرمادیتے ہیں، معلوم ہوا کہ بارش کے پانی میں اللہ نے شفاء رکھی ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی خصوصی بارش برسائی، ان پر بے شمار عنایات اور کرم نوازیاں اور عدل گتیاں فرمائیں، ان میں بے شمار انبیاء کرام کو بھیجا، نبوت اور حکومت سے سرفراز فرمایا، لیکن ان کی شورش پسند طبیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گئے، ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب یہودیوں کو رزق کی فکر اور فکر معاش سے مکمل طور پر آزاد کر دیا گیا تھا، پینے کے لیے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے گئے، کھانے کے لیے بیڑوں کی فوج بھیج دی گئی جو آج بھی ایک طاقتور اور گرم غذا شمار ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ ٹھٹھے کے طور پر ”من“ کی بھی ارزانی کر دی گئی اور پہننے کے لیے لباس کی ضرورت سے آزاد کر دیا گیا، ان کے کپڑے نہ تو گندے ہوتے اور نہ پھلتے اور جسم کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی بڑھتے جاتے لیکن ان ساری مہربانیوں کے جواب میں ان کی طرف سے ہمیشہ ناشکری ہی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے نبوت و رسالت اور امامت و حکومت ان سے چھین کر بنی اسماعیل کو دیدی۔

بہر حال! ”من“ کا لفظی معنی کھنسی ہے اور اردو میں اس کا مفہوم ”سانپ کی چھتری“ سے ادا کیا جاتا ہے، یہ ایک خود رو میٹھی چیز ہوتی ہے جو بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر بھی اگ جاتی ہے اور بارش کے موسم میں اکثر مل جاتی ہے، زیر بحث حدیث میں اسے بنی اسرائیل کے ”من“ سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا تھا اسی طرح ہمیں یہ بآسانی دستیاب ہو جاتی ہے، اگر ہم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح اسے حقیر سمجھا تو ہم سے اسے چھین لیا جائے گا۔ بھلا غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جو ہر شخص کی دسترس میں ہو اور ہر شخص اسے بآسانی حاصل کر سکتا ہو، اس کا کتنا عظیم فائدہ کہ آنکھ کے لیے انتہائی مفید اور بصارت کی تیزی میں مدد و معاون، سچ ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

بَابُ التَّعَوُّذِ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ

(۴۴۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ
أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتَّى يُمَسِيَ وَمَنْ قَالَ حِينَ يُمَسِي لَمْ
يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتَّى يُصْبِحَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ ”اعوذ
بکلمات اللہ التامہ“ کہہ لے تو اسے شام تک کوئی بچھونقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو شخص شام کے وقت یہ کلمات کہہ لے
اسے صبح تک کوئی بچھونقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

حَلَّ عِبَارَتٌ: "لم يضره" باب نصر سے نفی جہد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نقصان دینا "عقرب" بچھو اس کی جمع "عقارب" آتی ہے "یمسی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شام کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ: ۳۵۱۸، و ابوداؤد: ۳۸۹۸، ۳۸۹۹۔

مَفْهُومٌ: زیر بحث حدیث میں ان کلمات کا فائدہ بچھو کے کاٹے میں مفید ہونا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری احادیث میں یہی کلمات عمومی طور پر صبح شام پڑھنے کی تاکید آتی ہے اور اس میں ہر پریشانی و تکلیف سے نجات کا ذکر آتا ہے اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا پس منظر ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے جس کے مطابق ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس پر نبی ﷺ نے اسے یہ وظیفہ بتایا جبکہ دوسری حدیث کسی ایسے خاص واقعے پر موقوف نہیں ہے اس لیے اس کی عام ترغیب پر بھی عمل کیا جائے گا۔

بَابُ كَيْفِ يَدْعُو لِلْمَرِيضِ

(۴۴۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَى بِمَرِيضٍ يَدْعُو لَهُ يَقُولُ أَذْهَبِ الْبَأْسَ رَبِّ النَّاسِ إِنْ شِئْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

مریض کے لیے کیسے دعاء کرے؟

تَرْجُمَانًا: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی مریض لایا جاتا تو آپ ﷺ اس کے لیے یہ دعا کرتے تھے کہ اے لوگوں کے رب! اس کی تکلیف دور فرما، اسے شفاء عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء جو مرض کا نام و نشان بھی نہ چھوڑے۔ (مکمل ختم کر دے)۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ مسلم: ۵۷۱۰ (۲۱۹۱) والبخاری: ۵۶۷۵، و ابوداؤد: ۳۸۹۰، والترمذی: ۳۵۶۵، وابن ماجہ: ۳۵۲۰، وابن حبان: ۲۹۷۲۔

مَفْهُومٌ: مریض کے پاس جا کر اسے اور اس کے لواحقین کو اس کی بیماری سے ڈرا دھمکا کر پریشان کرنا اور ان کی پریشانی میں اضافہ کرنا گو کہ اس وقت ہمارا شعار خاندانی ذمہ داری اور قومی فریضہ بن چکا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، وہ کسی بھی بیماری میں مبتلا شخص کو مایوس اور ناامید نہیں کرتا اور نہ کسی کو اس کی اجازت دیتا ہے۔

بلکہ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ جب بھی کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے ایسی باتیں کرو جس سے وہ خاموشی کی مہر توڑنے پر مجبور ہو جائے اور مسکراہٹوں کا فوارہ اس کے منہ سے چھوٹنے لگے، اس کی ضروریات کی تکمیل

میں اس کے ساتھ تعاون کرو اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی صحت کے لیے دعاء ہی کر دو تا کہ اسے کچھ تو آس ہو اور اس کی ڈھارس بندھے۔

بَابُ مَا يَتَعَرَّضُ بِالْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيقُ

(۴۴۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيقُ۔

جو شخص ان چیزوں کے پیچھے پڑے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرتا پھرے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! مسلمان اپنے آپ کو ذلیل کر سکتا ہے؟ فرمایا ان چیزوں کے پیچھے پڑے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

خَلَّ عِبَادَاتُ: ”ذیل“ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ذلیل کرنا ”یتعرض“ باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چھیڑ چھاڑ کرنا ”لا يطيق“ باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طاقت رکھنا۔

تَجْنِيحُ حَلَانِيًا: اخرجہ عبدالرزاق: ۲۰۷۲۱، ویویدہ ما اخرجہ البخاری: ۵۸۶۱، ومسلم: ۱۸۲۷ (۷۸۲) و ابو داؤد: ۱۳۶۸، وابن ماجہ ۹۴۲، وابن حبان: ۲۵۷۱۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ نبی ﷺ کا مقصد خاص طور پر ”عبادات“ کے شعبے کو نمایاں کرنا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان اتنی عبادت کرے جتنی اس میں طاقت ہو، کیونکہ اپنی طاقت اور ہمت سے آگے بڑھ کر عبادت کرنا بعض اوقات انسان کے لیے مشقت اور پریشانی کا سبب بن جاتا ہے بلکہ بعض لوگ اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کے اوپر پانچ من وزن لاد دیا جائے حالانکہ وہ ایک من وزن بمشکل اٹھا سکتا ہو، تو لوگ اس کی توہین و تذلیل کرتے ہیں اور اس پر آوازے کتے ہیں، ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ نبی ﷺ کا مقصد ”عمومی“ ہے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسان اپنی طاقت و صلاحیت سے بڑھ کر کسی عہدے کو طلب کر کے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے آپ کو ذلیل نہ کرتا پھرے، اس لیے کہ اگر وہ اس عہدہ و منصب کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکا تو لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے گا اور اس کی عزت، ذلت سے بدل جائے گی۔

دونوں صورتوں میں اکثر اوقات انسان بیمار پڑ جاتے ہیں اس لیے اس سے منع کیا گیا اور کتاب الطب والمرضی

میں اس حدیث کو لانے کی وجہ بھی یہی مناسبت ہے۔

بَابُ مَا لَمْ يُوَلِّدْ لَهُ وَلَدٌ

(۴۴۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا رُزِقْتُ وَلَدًا قَطُّ وَلَا وُلْدِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ كَثْرَةِ الْأَسْتِغْفَارِ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ تَرُزَقُ بِهِمَا فَكَانَ الرَّجُلُ يُكْتَبِرُ الصَّدَقَةَ وَيُكْتَبِرُ الْأَسْتِغْفَارَ قَالَ جَابِرٌ فَوُلِدَ لَهُ تِسْعَةُ ذُكُورٍ۔

اگر کسی شخص کے یہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو کیا کرے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے یہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، نبی ﷺ نے فرمایا تو تم کثرت استغفار اور کثرت صدقہ سے کہاں غفلت میں رہے؟ اس کی برکت سے تمہیں اولاد نصیب ہوگی، اس آدمی نے کثرت سے صدقہ دینا اور استغفار کرنا شروع کر دیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اس کے یہاں نو لڑکے پیدا ہوئے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "ما رزقت" باب نصر سے فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رزق دینا "یکثر" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کثرت کرنا "فولد" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اولاد پیدا ہونا۔

تَجْنِيسٌ حَدِيثِيٌّ: يدل عليه الآيات والآثار، وأما بهذا السياق فلم اجده، وهو من الوجدانيات لابی حنيفة الامام۔

مَقْلُوبٌ: یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہے اور متن کے لحاظ سے بھی، سنداً تو اس طرح کہ یہ امام صاحب کی وجدانیات میں سے ہے یعنی اس حدیث کو امام صاحب نے براہ راست صحابی رسول حضرت جابرؓ سے سماعت فرمایا ہے گویا امام صاحب اور نبی ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے جو کتب حدیث میں سب سے عالی سند ہے۔

اور متناً اس طرح کہ اس میں اولاد آدم کے ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کر دیا گیا ہے کیونکہ اولاد کی ہر شادی شدہ کو خواہش ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لیے کبھی وہ درگاہوں اور درباروں پر دیکھیں چڑھاتا ہے اور کبھی گھوڑوں کے نیچے سے گزرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، کبھی منٹیں مرادیں مانتا ہے اور کبھی قبروں کے طواف اور سجدہ کرتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے اولاد ایک ایسی چیز ہے کہ اگر ہو تو سر میں درد اور نہ ہو تو دل میں درد رہتا ہے۔

نبی ﷺ نے حصول اولاد کا نسخہ دو کام بتائے ہیں، ایک تو بکثرت استغفار کرنا کیونکہ خود قرآن کریم میں حضرت نوح ﷺ کے واقع میں فرمایا گیا ہے

استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین الخ

اور دوسرے کثرت سے صدقہ و خیرات کرنا کیونکہ جب ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ متعلقہ آدمی کے حق میں دعا کر دے تو اللہ اس کی دعاء رد نہیں فرماتے۔

(۴۴۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُورٌ لَهُ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ اسے بخش دے گا تو واقعہً اسے بخش دے گا۔

تخریج حدیث: راجع لہ: ۱۸۷۔

مفہوم: خالق اور مخلوق، حامد اور محمود، عابد اور معبود، ساجد اور مسجود، قاصد اور مقصود، طالب اور مطلوب کا تعلق اگر اتنا مضبوط ہو جائے کہ انسان اپنے پروردگار سے وابستہ توقعات کو یقین کا درجہ دے لے تو میں اتنی بات جانتا ہوں کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کے متعلق اپنی خوش گمانی کا علم ہو جائے تو وہ اس کی خوش گمانی کی لاج رکھ لیتا ہے، کیا انسان کو وجود عطاء فرمانے والا اپنے متعلق انسان کی خوش گمانی کی لاج نہیں رکھے گا؟ یقیناً اس سے بڑا الجھال تو کوئی نہیں ہے اس لیے وہ اس کی لاج ضرور رکھے گا۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انسان اپنی توقعات کو یقین کا درجہ دے کر اور اپنی بخشش کے بارے حق تعالیٰ کی شان مغفرت پر اعتماد کر کے گناہوں کے شہر میں داخل ہو جائے اور اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے، اس حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ جو اللہ اپنے متعلق اچھے گمان اور عمدہ یقین پر اتنا کرم فرماتا ہے، وہ اپنی بندگی پر کیا کچھ نہ کرم فرمائے گا، وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری پر کیوں نہ مغفرت کے دریا بہائے گا؟ وہ بندے کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر کیوں نہ اپنی رحمت کے سمندر بہائے گا؟ وہ اپنے بندے کے متورم قدموں کو کیوں نہ پل صراط سے صحیح سالم عبور کروائے گا۔ یقیناً یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہو گا، انسان کچھ کر کے تو دکھائے۔

(۴۴۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ ہی سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔

تخریج حدیث: ہو اول جزء من حدیث طویل، قدم تخریجہ علی الرقم: ۱۱۹۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ کے وہ ننانوے اسماء حسنی جو ترمذی شریف کی روایت میں آئے ہیں ان کا ”احصاء“ کرنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، ان میں سے ایک نام ”السلام“ بھی ہے جس کا اطلاق ایسی ذات پر ہوتا ہے جو ذات کے اعتبار سے بھی

صحیح سالم ہو اور صفات کے اعتبار سے بھی یعنی وہ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو ہر قسم کے تغیرات سے محفوظ ہو اور ہر قسم کے زوال سے مبرا ہو کائنات میں ایسی کوئی ہستی نہیں جس پر بلا تکلف یہ نام صادق آسکے اور سوائے خالق کائنات کے کسی پر اس کا مفہوم مکمل طور پر منطبق نہیں ہوتا۔

گویا یوں کہہ لیجیے کہ ”السلام“ کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو سراپا سلامتی ہو اس سے سلامتی کا فیضان ہوتا ہو اور اسی سے پوری کائنات کو سلامتی کی نعمت ملتی ہو اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بیٹھے پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا اور ابلتا ہوا چشمہ کہ وہ خود بھی بیٹھا پانی ہے اسی سے سب کو بیٹھا پانی ملتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی سراپا سلامتی ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو اسی کی طرف سے سلامتی ملتی ہے۔

اگر وہ کسی چیز کو اپنی سلامتی سے محروم کر دے تو پوری کائنات مل کر بھی اسے سلامتی نہیں دے سکتی اور اگر کسی چیز کو وہ اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ دے دے تو پوری کائنات مل کر بھی اس سے سلامتی کا وہ سائبان نہیں چھین سکتی اس لیے ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ عطاء فرما کر جن وانس اور پوری کائنات کے شر سے محفوظ فرماوے۔

کتاب الادب

آداب کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

(۴۴۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ۔

والدین کے حقوق کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

(۲۵۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلٌ يُرِيدُ الْجِهَادَ فَقَالَ أَحَىٰ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جو جہاد میں شرکت کا ارادہ رکھتا تھا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا پھر ان کے معاملات میں ہی

جہاد کرو۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ عَبَّاسٍ: "احی" ہمزہ برائے استفہام ہے یعنی کیا زندہ ہیں؟ "فجہاد" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جہاد کرنا۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ اَوَّلٍ: اخرجہ ابن حبان: ۴۱۰، ۴۲۶۲، وابن ماجہ: ۲۲۹۱، وابوداؤد: ۳۵۳۰۔

تَجْنِیْحُ حَدِيثِ ثَانِي: اخرجہ البخاری، ۳۰۰۴، ومسلم: ۶۵۰۴ (۲۵۴۹) والترمذی: ۱۶۷۱، وابوداؤد: ۲۵۲۹ والنسائی: ۳۱۰۵، وابن حبان: ۳۱۸۔

مَفْهُومٌ: دنیا میں انسان کا وجود مادی طور پر اپنے والدین کا رہن منت ہے اس کا نمو و ارتقاء بھی ان ہی کی محبت و شفقت کا زیر بار ہے اور اس کی تمام علمی و عملی سرگرمیوں میں کامیابی کا سہرا ان ہی کے سر جتا ہے قرآن و حدیث میں ان کا مقام و مرتبہ بہت اونچا بتایا گیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم متعدد مقامات پر انتہائی اہمیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

"حقوق والدین" میں جہاں اور بہت سی چیزیں شامل ہیں وہاں ایک چیز یہ بھی ہے کہ انسان اپنی کمائی میں ان کا حصہ بھی رکھے جتنا کمائے سب اپنے پاس ہی نہ رکھ لے کیونکہ جب وہ کماتے تھے تو اسے اس کا حصہ دے دیتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اولاد جو بھی کمائے وہ سب باپ ہی لے جائے اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اولاد اپنی کمائی میں سے ماں باپ کو کچھ بھی نہ دے۔

دراصل ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط کے نمونے بڑی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں چنانچہ کہیں اولاد کی ساری کمائی پر باپ ہی قابض ہوتا ہے اولاد اپنی ضروریات کی تکمیل میں تنگ ہوتی ہے اور کہیں اولاد والدین کو پھوٹی کوڑی تک دینے کی روادار نہیں ہوتی حالانکہ اگر درمیانہ راستہ اختیار کر لیا جائے تو ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے اور کسی کو کسی سے شکایت بھی نہ رہے۔

بَابُ الْأَمْرِ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

(۴۵۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أَمَرَ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے حکم کا بیان

تَجْنِیْحُ: حضرت زیاد بن علاقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم دیا۔ تَجْنِیْحُ حَدِيثِ: اخرجہ البخاری: ۵۷، ومسلم: ۲۰۰ (۵۶) والترمذی: ۱۹۲۵۔

مَفْهُومٌ: ہمدردی اور خیر خواہی کے الفاظ یوں تو ڈکٹری میں اب بھی مل جاتے ہیں لیکن ہمدردی اور خیر خواہی کرنے لے افراد یا اس کا حقیقی نمونہ ہمارے معاشرے سے رخصت ہو چکا ہے اولاً تو ہمیں کسی سے ہمدردی رہی ہی نہیں لہذا خیر

خواہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کہیں اس کے کچھ اثرات نظر آتے ہیں تو وہ ذاتی مفادات اور مقاصد کے غلاف میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں بھی اپنا فائدہ سامنے رکھ کر ہی کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔

زندگی کے اس مختصر سے دورانیے میں میں نے ایسے بہت سے افراد کو دیکھا ہے جو بظاہر ہمارے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں، ہم ان پر اعتماد کر لیتے ہیں لیکن درحقیقت وہی لوگ ہمیں نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں، وہی ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہوتے ہیں اور وہی موقع پرستی کا مظہر اتم ثابت ہوتے ہیں، زیر بحث حدیث میں تو صرف خیر خواہی کا حکم دینا مذکور ہے جبکہ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ لوگوں سے اسلام قبول کرتے وقت ہر مسلمان کی خیر خواہی کا حلف لیتے تھے اور ان سے اس پر بیعت لیتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكِبْرِيَاءِ وَالْعِظْمَةِ

(۴۵۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَعْرَجِ صَاحِبِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعِظْمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا الْقَيْتَهُ فِي جَهَنَّمَ۔

کبریائی اور عظمت سے متعلق روایت کا بیان

ترجمتاً: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری رداء اور عظمت میرا ازار ہے، جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

(۴۵۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُتَكَبِّرَ رَأْسُهُ بَيْنَ رِجْلَيْهِ حَيْثُ كَانَ يَرْتَفِعُ بِرَأْسِهِ فِي تَابُوتٍ مِنْ نَارٍ مُقْفَلٍ عَلَيْهِ وَلَا يَخْرُجُ أَبَدًا مِنَ النَّارِ۔

ترجمتاً: محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ متکبر کا سر اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہوگا، کیونکہ وہ سر اٹھا کر ہی اکرٹا تھا، اور وہ آگ کے ایک تابوت میں ہوگا جس میں اسے بند کر دیا جائے گا اور وہ کبھی بھی جہنم سے نہ نکل سکے گا۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: ”ردائی“ اوپر والی چادر کو کہتے ہیں ”ازاری“ نیچے والے تہبند کو کہتے ہیں ”نازعنی“ باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑا کرنا ”القیته“ باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ڈال دینا ”مقفل“ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی تالا لگانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اما الحدیث الثانی فلم اجدہ واما الاول فقد اخرجہ مسلم: ۶۶۸۰ (۲۶۲۰) وابدوؤد: ۴۰۹۰، وابن

ماجہ: ۴۱۷۴، وابن حبان: ۵۶۷۱۔

مَقْبُولُونَ: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث میں کبریائی کو اللہ کی چادر اور دوسری میں عظمت کو اللہ کا تہبند جو قرار دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی چادر اور تہبند استعمال کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قمیص اور شلوار ہر انسان اپنے ناپ کے مطابق سلواتا ہے اور وہ انسان کے پورے وجود کو ڈھانپ لیتے ہیں اسی طرح کبریائی اور عظمت اللہ کے ناپ کے مطابق ہیں اور وہ اللہ کی مخصوص صفات ہیں، چونکہ کسی دوسرے کا یہ ناپ نہیں اس لیے کسی دوسرے کو اسے زیب بدن کرنے کا بھی اختیار نہیں، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو خدائی صفات میں دخل اندازی کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

۲۔ چونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے کا سودا انسان کے دماغ میں سماتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کا خناس اس کے پورے وجود پر طاری ہو جاتا ہے اس لیے تکبر کا اصل مرکز دماغ اور سر ہوا، قیامت کے دن تکبر سے لبریز اسی سر کو کسی دوسرے انسان کے نہیں، خود اپنے ہی قدموں تلے روندنے کی نوبت آجائے گی اور انسان خود اپنی ذلت کا اقرار کرے گا، پوری انسانیت کے سامنے اس ذلت آمیز عذاب سے بچنے کے لیے کیا سب سے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی حقیقت پر غور کرے کہ تو ہے کیا؟ اگر سب چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اس نکتے کو اپنے سامنے رکھ لے تو اس کے دماغ سے یہ خناس یوں غائب ہو جائے گا جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّفْقِ

(۴۵۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالْأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا خَيْرٌ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ قَالَ خُلِقَ حَسَنًا۔

نرزی کا بیان

تَرْجَمْنَا: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ حاضر تھا، کچھ دیہاتی لوگ سوال کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! انسان کو سب سے بہتر چیز کیا دی گئی ہے؟ فرمایا اخلاق حسنہ۔

(۴۵۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّ الرَّفْقَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يُرَى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى خَلْقٌ أَحْسَنَ مِنْهُ وَلَوْ أَنَّ الْخَرْقَ خُلِقَ يُرَى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى أَقْبَحَ مِنْهُ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر نرزی اور حسن خلق جسمانی قالب میں دکھائی دینے لگے تو اللہ کی مخلوق میں اس سے بہتر کوئی مخلوق ہی نظر نہ آئے، اور اگر بد خلقی دکھائی دے تو اللہ کی مخلوق میں اس

سے زیادہ بدتر کوئی مخلوق نظر نہ آئے۔

خَلَقَ عِبَارَاتٌ: "یری" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "لما" لام ابتدائیہ اور مانا یہ ہے "الخرق" زیادتی، مراد بد خلقی۔

تَخْرِجُ حَدِيثَ اَوَّل: اخرجہ ابو داؤد مطولاً: ۳۸۵۵، والترمذی: ۲۰۳۸، وابن ماجہ: ۳۴۳۶، وابن حبان: ۶۰۶۱، واحمد: ۱۸۶۴۵، والحاکم: ۱۲۱/۱۔

تَخْرِجُ حَدِيثَ ثَانِي: اخرجہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق و مساویہا، کذا قالہ القاری، والحرثی فی مسندہ: ۵۲۴۔
مَفْهُومٌ: عام طور پر ہم یہ پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں اور یہ صحیح بھی ہے کہ حسن خلق دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے اور اچھے اخلاق رکھنے والا ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے لیکن یہاں ہم سے ایک غلطی ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم حسن خلق یا اخلاق حسنہ کا مفہوم صرف ہنسنے اور مسکرانے کی حد تک محدود سمجھتے ہیں، ہمارا ذہن یہ کہتا ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ پوری بتیسی ہی نہیں جبراً بھی کھول کر بات کرے، بات بے بات دانت نکالتا رہے اور جی حضور کرنا رہے اس سے بڑھ کر خوش اخلاق پوری دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا گویا ہمارے نزدیک خوش اخلاقی خوشامد اور چا پلوسی کا دوسرا نام بن چکا ہے جس میں مسکراہٹ کی آمیزش اس شراب کو مزید دو آتشہ بنا دیتی ہے لیکن معاف کیجیے گا کہ یہ خوش اخلاقی نہیں ہے۔

اخلاق حسنہ کی فہرست اور تفصیل پر غور کریں تو ہمیں اخلاق حسنہ کے بڑے بڑے علمبردار اس سے کوسوں میل دور دکھائی دیں گے مثلاً شکر، صبر، قناعت، توکل، شجاعت، سخاوت، بردباری اور اپنے فرائض کی بجا آوری وغیرہ یقیناً جن میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں انہیں اخلاق حسنہ کا مالک کہا جاسکتا ہے۔

آسان لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں اگر کسی قالب کو اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا جیسے حیوان ناطق کو انسان کا نام دیا گیا، اور اس کا جسم معروف شکل پر تخلیق کیا گیا، حیوان مفترس کو شیر کا نام دے کر ایک مخصوص شکل و صورت دی گئی، یوں ہی اگر اخلاق حسنہ کو کوئی جسم عطاء کیا جاتا تو پوری کائنات میں اس سے زیادہ بہتر اور خوبصورت مخلوق کوئی نہ ہوتی، اسی طرح اگر بد خلقی کو کسی قالب میں ڈھال دیا جاتا تو اس سے زیادہ بدترین صورت کوئی نہ ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ اخلاق حسنہ کا مالک ہر جگہ احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خیر مجسم چلا آ رہا ہے، جبکہ بد اخلاق شخص سے لوگ اسی طرح دور بھاگتے ہیں جیسے کسی بد صورت سے نفرت کھاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَمَائِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۵۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَخْرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيسٍ لَهُ قَطُّ

بَلْ يَقْعُدُ مُسَاوِيًا لَهُمْ وَلَا تَنَاولَ أَحَدٌ يَدَهُ فَيَتْرُكُهَا قَطُّ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَدْعُهَا وَمَا جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَحَدٌ قَطُّ فَقَامَ حَتَّى يَقُومَ قَبْلَهُ وَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَطُّ أَطِيبَ مِنْ رِيحِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مَا قَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَجُلٌ فِي حَاجَةٍ فَانصَرَفَ عَنْهُ قَبْلَهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنصَرَفُ.

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَافَحَ أَحَدًا لَا يَتْرُكُ يَدَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَتْرُكُ.

شماںل نبوی کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہم مجلسوں کے سامنے ٹانگیں نہیں پھیلائیں بلکہ ہمیشہ ان کے برابر بیٹھتے تھے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ ﷺ نے اسے چھڑا لیا ہو تا آنکہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص مجلس میں آ کر بیٹھے اور نبی ﷺ اس سے پہلے کھڑے ہو جائیں اور میں نے نبی ﷺ کے جسد اطہر کی مہک سے زیادہ کوئی خوشبودار چیز نہیں پائی۔

حَدَّثَنَا عِبْرَاتٌ: "يَقْعُدُ" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "لا تناول" باب تفاعل سے فعل ماضی منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا، مراد پکڑنا "صافح" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مصافحہ کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی ثلاثہ اجزاء، اما الاول: فقد اخرجہ الترمذی فی الشمائل۔

واما الثانی: فقد اخرجہ ابو داؤد: ۴۷۹۴، و الترمذی: ۲۴۹۰، وابن ماجہ: ۳۷۱۶، و راجع له ایضاً: ۳۵۹۔

واما الثالث: فقد سبق تخریجہ علی الرقم: ۳۵۹، و المجموع اخرجہ الترمذی: ۲۴۹۰۔

مفہوم: ماہ ربیع الاول میں حلوے کے جلوے دیکھ کر ہر شخص سیرت نبوی ﷺ کی اتباع و پیروی میں کامیابی اور نجات کو مضمر قرار دیتا ہے اور اسی مجلس کے اختتام پر جب کھانے کی میز لگتی ہے تو اسے وی آئی پی پروٹوکول درکار ہوتا ہے، اسے مائیک سے دور ہوتے ہی سامعین اور عوام کی نگاہیں ناگوار گزرتی ہیں، ان کے ساتھ چند لمحے بیٹھنے سے پہلے فوٹو گرافر کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اگلے دن اخبارات میں تصور چھپ سکے، مجلس میں قدم رنجہ ہوتے ہی پوری قوم کا احترام میں کھڑے ہونا فرض خیال کیا جاتا ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ جس پیغمبر کی نسبت سے ہمارے گھروں کے چولہے جل رہے ہیں وہ ہمیشہ کمزوروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھے، کسی امتیاز اور پروٹوکول کے بغیر بیٹھے، بجائے اس کے کہ لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوں وہ لوگوں کے احترام میں خود کھڑے ہو جاتے تھے، ان کا تو یہ عمل اور ہمارے یہ طور طریقے؟ کہیں تو عمل کی

جھلک دکھائی دے جاتی۔

(۴۵۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا نَادَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِهِ فَقَالَ لَبَّيْكَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَخَرَجَ إِلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو آپ کے گھر میں سے آواز دے کر بلایا، آپ ﷺ نے فرمایا میں حاضر ہوں، آ رہا ہوں، پھر باہر تشریف لے آئے۔

حَالِ عِبَارَاتٍ: "اجبتك" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جواب دینا، ایجاب کرنا۔
تخریج حدیث: أخرجه البخاری فی ضمن حدیث طویل: ۶۳، وابوداؤد: ۴۸۶، وابن ماجه: ۱۴۰۲، وابن حبان: ۱۵۴، والہیثمی: ۲۰/۹۔

مَفْهُومٌ: دربانوں، گن مینوں، محافظوں اور سکیورٹی اہلکاروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والے ذرا اس نکتے پر غور فرمائیں کہ اگر نبی ﷺ اپنے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر دربان بٹھانا چاہتے تو کیا دربانی کرنے والا اپنی قسمت پر نازاں نہ ہوتا؟ یقیناً ایسا ہی ہوتا لیکن امت اس عدل و انصاف سے محروم ہو جاتی جس کی راہ میں دربان سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں، امت اس مصلح کی رفاقت سے محروم ہو جاتی جس میں گن مین اور محافظ دستے حائل ہو جاتے ہیں، امت اس مساوات سے محروم ہو جاتی جو اسے نبی ﷺ کے برابر بیٹھ کر حاصل ہوئی تھی، امت زندگی کے ان بکھیڑوں میں الجھ کر رہ جاتی جنہیں سلجھانے کے لیے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ موجودہ حالات میں حکمران طبقہ سکیورٹی کی پرواہ نہ کرے لیکن اتنی بات ضرور کہتا ہوں کہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے دستیاب رہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُصَافِحِ النِّسَاءَ

(۴۵۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أُمِّمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَايِعَهُ فَقَالَ إِنِّي لَسْتُ أَصَافِحُ النِّسَاءَ۔

عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ سے بیعت کر سکوں، نبی ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

تخریج حدیث: أخرجه البخاری: ۲۷۱۳، ومسلم: ۴۸۳۴ (۱۸۶۶)، وابوداؤد: ۲۹۴۱، والترمذی: ۳۳۰۶، وابن ماجه: ۲۸۷۵، وابن حبان: ۵۵۸۰، واحمد: ۲۵۳۳۴۰، والحمیدی: ۳۴۱، وابن سعد: ۹۵۵۴۔

مَقْبُولًا: ہمارے یہاں کے نام نہاد اور جعلی پیر تو عورتوں سے مصافحہ پر اکتفاء نہیں کرتے، وہ تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں جنہیں پڑھ اور سن کر گھن آتی ہے، دین کے تقدس کو پامال کرنے والے ان نقلی پیروں نے دین کا تقدس بحال کرنے والوں کو بھی بدنام کر رکھا ہے اور ہمارے عوام بھی ماشاء اللہ ایسے عقلمند ہیں کہ چرس کے سونے لگانے والے بھنگیوں اور چرسیوں کو پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کون پیر ہو سکتا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت کو چھوا تک نہیں، یہ احتیاط اس صورت میں ہے جبکہ آپ ﷺ معصوم بھی تھے، غیر معصوم کے لیے کس قدر احتیاط ضروری ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْعُذْرَ

(۴۵۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ عُذْرَ مُسْلِمٍ يَعْتَدِرُ إِلَيْهِ فَوِزْرُهُ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا صَاحِبُ مُكْسٍ قَالَ عَشَارٌ۔
ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا عذر قبول نہ کرے جو اس سے معذرت کر رہا ہو تو اس کا گناہ ایسے ہی ہے جیسے صاحب مکس کا گناہ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! صاحب مکس کیا چیز ہے؟ فرمایا عشر وصول کرنے میں ظلم کرنے والا۔

(۴۶۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اعْتَدَرَ إِلَيْهِ أَخُوهُ الْمُسْلِمِ فَلَمْ يَقْبَلِ عُذْرَهُ فَوِزْرُهُ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ يَعْنِي عَشَارًا۔
ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

خَلِّ عِبَارَاتٍ: ”لم يقبل“ باب سمع سے نفی حجبہ بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبول کرنا ”يعتذر“ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی معذرت کرنا ”وزر“ بوجھ گناہ ”مکس“ ظلم و زیادتی ”عشار“ عشر سے ہے بمعنی وصولی عشر میں ظلم کرنے والا۔

تَجَنُّبُ خَدَائِثٍ: انحرجهما ابن ماجه: ۳۷۱۸۔

مَقْبُولًا: بعض اوقات ہم اپنے ماتحت سے کوئی کام کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اسے کوئی ذمہ داری سونپتے ہیں اور وہ کسی وجہ سے اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکا ہو تو ہم اس سے ناراض ہوتے ہیں اور اس پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں بالخصوص جبکہ وہ ہمارا ملازم یا تنخواہ دار بھی ہو اور اس سلسلے میں ہم اس کا کوئی عذر سننے کو تیار نہیں ہوتے، اور یہ نہیں سوچتے کہ ہر انسان کو مجبوری پیش آ سکتی ہے اس لیے اگر اسے بھی کوئی مجبوری پیش آ گئی ہے تو ہم درگزر سے کام لے لیں اور یہ تصور کر لیں کہ نبی ﷺ نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کام کرنے کے لیے کہا تھا، تم نے

کیوں نہیں کیا؟ یا تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے تو تمہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور اس کا عذر قبول کر لیں۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اندر سے حوصلہ بردباری اور دوسرے کی بات سننے کا جذبہ رخصت ہو چکا ہے نتیجہ
یہ ہے کہ ہمیں ہر ایک سے شکایت ہوتی ہے ہر ایک پر زبان طعن دراز ہوتی ہے اور کسی کی بات سن کر اس پر اعتماد کرنے
کی بات قصہ پارینہ بن چکی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَزِدَّ الطَّيِّبَ

(۴۶۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ النَّبِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا أُتِيَ أَحَدُكُمْ بِطَيِّبٍ فَلْيَصِبْ مِنْهُ۔

خوشبو نہ لوٹانے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے پاس
خوشبو لائی جائے تو اسے چاہیے کہ اس میں سے لگالے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "فليصب" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِهَا: اخرج مسلم مثله: ۵۸۸۳ (۲۲۵۳) و ابوداؤد: ۴۱۷۲ و ابن حبان: ۵۱۰۹ والنسائي: ۵۲۶۱ و ابن
عدی: ۲۱۹/۴۶۔

مَفْهُومٌ: "خوشبو" فارسی زبان کا مرکب لفظ ہے جس کا معنی ہے اچھی مہک، فطری اور طبعی طور پر اچھی مہک اور خوشبو کی
طرف ہر انسان کو میلان ہوتا ہے نہ صرف یہ کہ انسان کو بلکہ فرشتوں کو بھی اس سے رغبت اور بدبو سے نفرت ہے یہی وجہ
ہے کہ مسجد اور دینی مجالس میں خوشبو لگا کر جانے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے اور چونکہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرشتوں سے بھی اونچا درجہ رکھتے
ہیں اس لیے خوشبو کی طرف آپ کا میلان طبعی بھی واضح ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خود بھی خوشبو کا ہدیہ رد نہیں فرماتے
تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خوشبو بطور ہدیہ کے پیش کرے تو اسے رد نہیں کرنا
چاہیے۔

یوں تو خوشبو کی بہت سی اقسام اب بھی رائج ہیں جن میں سے بعض سونے سے بھی زیادہ مہنگی ہوتی ہیں تاہم
"مشک" ایک ایسی خوشبو ہے جس کا قرآن و حدیث میں بھی تذکرہ آتا ہے اور ہر عام و خاص میں اس کی شہرت بھی ہے
اس اعتبار سے وہ خوشبویات میں دوسروں سے منفرد اور ممتاز ہے۔

بَابُ النَّظْرِ فِي النُّجُومِ

(۴۶۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّظْرِ فِي النُّجُومِ۔

ستاروں میں دیکھنے کا بیان

ترجمتاً: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ستاروں میں دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث: أخرجه الہندی: ۲۹۴۳۶ وابن عدی: ۱۹۱۶/۵ والسیوطی فی الدر: ۳۵/۳۔

مفہوماً: اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کی چھت پر ستاروں کی شکل میں جو ان گنت اور لا تعداد روشن فانوس لٹکا رکھے ہیں، وہ صرف روشنی ہی کا کام نہیں دیتے بلکہ شیاطین کے لیے کوڑوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راہرو منزل کو راستہ دکھانے اور راستہ بتانے کے دونوں کام بھی کرتے ہیں چنانچہ ان کی روشنی میں مسافر اپنی منزل تک پہنچانے والے راستے کو دیکھتا ہے اور انہی کے ذریعے وہ اپنی منزل کا اندازہ لگاتا ہے۔

گویا بعض ستارے ایسے بھی ہیں جن سے منزل مقصود کا اندازہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے کسی حکم کی نفی بھی نہیں ہوتی، لیکن جہاں حکم شریعت کی نفی ہوتی ہے وہاں شریعت خود ہی اس کے آگے بند باندھ دیتی ہے چنانچہ زیر بحث حدیث میں ستاروں میں دیکھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق علم نجوم کے ساتھ ہے جسے آج کل ایک بہت بڑا فن سمجھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنے مسائل و مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو طوطا نجومی کے پاس آنے والوں کی قسمت کا حال جانتا ہے، وہ طوطا زیادہ بڑا عالم ہو یا نجومی؟ پھر وہ طوطا دوسروں کو ان کی قسمت کا حال بتا سکتا ہے، اپنے مالک کی قسمت کا حال کیوں نہیں بتا سکتا؟ اسی طرح وہ نجومی جو ستاروں کی چال دیکھ کر حالات کا اندازہ لگا لیتا ہے خود کیوں مصائب سے دوچار ہوتا ہے اور کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے؟ یہ سب واہیات اور لغویات ہیں جن میں گھسنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَدْخُلِ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ

(۴۶۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ أَنْ يَدْخُلَ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ وَلَمْ يَسْتُرْ عَوْرَتَهُ مِنَ النَّاسِ كَانَ فِي لَعْنَةِ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْخَلْقِ أَجْمَعِينَ۔

تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہونے کا بیان

ترجمتاً: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں کہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہو اور اس نے اپنی شرمگاہ کو لوگوں سے چھپا نہ رکھا ہو، کیونکہ ایسا کرنے والا اللہ کی فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت میں ہوتا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "بمیزر" اسم آلہ کا صیغہ ہے بمعنی تہبند "عورتہ" شرمگاہ "لم یستر" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف

کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا۔

تَجْنِجُ حَاجِنِيْثًا: اخرج الترمذی مثله: ۲۸۰۱، واحمد: ۸۲۵۸، وابوداؤد: ۴۰۱۱، وابن ماجه: ۳۷۴۸۔

مَقْفُوْمٌ: ماضی بعید میں لوگوں کے نہانے کے لیے جو حمام بنے ہوتے تھے ان میں سب سے بڑا خرابی یہ ہوتی تھی کہ مرد مردوں کے سامنے برہنہ ہو کر نہانے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہ کرتے اور عورتیں عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے میں شرم محسوس نہ کرتیں پھر مردوں اور عورتوں کے حمام ساتھ ساتھ بنے ہوتے تھے درمیان میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ ہوتا تھا ظاہر ہے کہ کوئی بھی غیرت مند انسان اس طریقے کو اچھا نہیں سمجھتا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے تو خواتین کے حمام میں جانے پر پابندی لگائی پھر حمام میں مردوں کو ایک دوسرے کے سامنے مکمل طور پر برہنہ ہونے کی قباحت کو واضح کرتے ہوئے اس کی بھرپور مذمت فرمائی۔

موجودہ دور میں جو حمام بنے ہوئے ہیں ان میں بھی اگر یہ قباحت ہو تو وہاں جانا حرام ہے اور اگر یہ قباحت نہ ہو جیسا کہ عام طور پر شہروں میں حمام کی دکان میں غسل خانے ہوتے ہیں کہ ہر مرد کے غسل کے لیے الگ کیبن بنے ہوتے ہیں اور کسی کے ستر پر دوسرے کی نظر نہیں پڑتی اور وہ صرف مردوں کے لیے ہی مخصوص ہوتے ہیں ان میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ طبعی طور پر آدمی وہاں غسل کرنے میں حجاب محسوس کرے تو اور بات ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَحَبِّ الْأَسْمَاءِ

(۴۶۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ أَحَبَّ الْأَسْمَاءِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ۔

سب سے زیادہ پسندیدہ ناموں کا بیان

تَرْجَمْنَا: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن معلوم ہوتے تھے۔

تَجْنِجُ حَاجِنِيْثًا: اخرجہ مسلم: ۵۵۸۷ (۲۱۳۲) وابوداؤد: ۴۹۴۹، والترمذی: ۲۸۳۳، وابن ماجه: ۳۸۲۸، والہندی:

۴۵۱۹۴، والحاكم: ۲۷۴/۴، والبیہقی: ۳۰۶/۹، واحمد: ۶۱۲۲۔

مَقْفُوْمٌ: نام نہاد ترقی کے اس دور میں یہ فیشن بن چکا ہے کہ بچے کا نام ایسا ہونا چاہیے جسے ادا کرنے کے لیے زبان کو پانچ مرتبہ موڑنا اور توڑنا پڑے اور جو اس سے پہلے کسی نے سنا نہ ہو فیشن کی اس دوڑ میں حصہ لینے والے یہ تک بھول جاتے ہیں کہ آیا اس نام کا کوئی معنی بھی ہے یا یہ مہمل لفظ ہے؟ نیز یہ کہ اگر اس کا کوئی معنی ہے تو وہ صحیح بھی ہے یا غلط؟ مثلاً ایک آدمی اپنی بیٹی کا نام ”عاصیہ“ رکھ دے کہ عاصمہ اور آسیہ تو سب ہی نام رکھتے ہیں ہم ذرا تھوڑی سے جدت پیدا کر لیں اب جدت تو ہوگی لیکن معنی کہاں سے کہاں پہنچ گیا کہ عاصمہ کا معنی بچانے والی اور آسیہ کا معنی امید رکھنے والی جبکہ عاصیہ کا

معنی نافرمانی کرنے والی۔

فیشن کے انا جدید کارناموں سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آخر نبی ﷺ نے عبد اللہ اور عبد الرحمن جیسے ناموں کو کیوں پسند فرمایا؟ اور بے معنی ناموں کو غلط معنی رکھنے والے کو یا اپنی بڑائی، پاکیزگی اور برتری ثابت کرنے والے ناموں کو کیوں دوسرے ناموں سے تبدیل کیا؟

اور اسی سے اندازہ ہوا کہ ایسی جدت جس کے غلط اثرات جدید نسل پر پڑیں، اس سے وہ قدامت ہی بہتر ہے جس سے جدید نسل اچھے اثرات اخذ کر سکے، اس لیے کہ ناموں کا بھی شخصیت پر اثر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ”پرویز“ جن لوگوں کا نام ہو، انہیں نبی ﷺ سے کوئی عقیدت و محبت نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ، خواہ پوری دنیا کے مسلمان گستاخانہ خاکوں اور فلم پر سراپا احتجاج بن جائیں لیکن اس نام کے لوگ اپنے جد امجد کسریٰ پرویز شاہ ایران کے نقش قدم پر چلنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْإِثْمِ

(۴۶۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْبِرُّ لَا يُبْلَى وَالْإِثْمُ لَا يُنْسَى۔

نیکی اور گناہ کے حکم کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”لا يبلى“ باب سمع من فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پرانا ہونا ”لا ينسى“ مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بھول جانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه عبد الرزاق: ۲۰۲۶۲، والهندي: ۴۳۶۷۲۔

مَقْبُولٌ: حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والا یہ ارشاد ”جوامع الكلم“ میں سے ہے جو مسلم شریف کی روایت کے مطابق نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ مختصر ہوں اور ان کے معانی و مفہیم لامحدود و سعوتوں کے حامل ہوں، چنانچہ آپ خود غور کر لیجیے کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی کتنا پیارا اور مختصر جملہ ہے اور اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتا ہے کہ نیکی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی ہے، پرانی ہو کر مرجھا نہیں جاتی، نیکی ہمیشہ یاد رکھی جاتی ہے اور لوگوں میں اس کا اچھا تذکرہ ہمیشہ رہتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ نیکی ایک لازوال دولت ہے جو اپنے ساتھ ساتھ نیکی کرنے والے کو بھی لازوال بنا دیتی ہے۔

اسی طرح لوگوں کے حافظے سے کسی گناہ کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا اور اس کی ”برکت“ سے گناہگار بھی لوگوں کو یاد رہتا ہے، لوگ ہمیشہ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ کسی یتیم کے مال پر غاصبانہ قبضہ کرنے والا، کسی بیوہ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والا، اپنی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنے والا، سود، رشوت اور جوئے کے ذریعے دولت کے انبار اکٹھے کرنے والا، شراب و شباب کی رنگین محفلوں میں اپنوں سے چھپ کر جانے والا کبھی بھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا جاتا، لوگ اسے اور اس کی کرتوتوں کو بھلا نہیں پاتے۔

اور دوسری تقریر اس حدیث کی یہ ہے کہ انسان کو اس کی نیکی کا صلہ بہر حال مل کر رہے گا اور گناہگار کو اس کی سزا مل کر رہے گی، نیکی کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس کی نیکی تو بہت پرانی ہو گئی، اتنے عرصے کے بعد اس کا بدلہ کیونکر مل سکے گا اور گناہگار یہ نہ سمجھے کہ میں اب تک جو آزاد پھر رہا ہوں، محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا گناہ بھول گئے ہیں اور اب مجھے سزا نہیں ملے گی، اس لیے کہ بارگاہ خداوندی کا ضابطہ یہ ہے کہ کوئی نیکی پرانی نہیں ہوتی اور کوئی گناہ بھلایا نہیں جاتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّجُلِ أَيْنَ يَقْعُدُ إِذَا أَتَى الْمَجْلِسَ

(۴۶۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَمَاكِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ قَعَدْنَا حَيْثُ انْتَهَى الْمَجْلِسُ۔

جب آدمی مجلس میں آئے تو کہاں بیٹھے؟

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ ہم جب نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتًا: ”انتھی“ باب اتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ختم ہونا، انتہا کو پہنچنا۔

تَجْنِيسٌ بِحَدِيثٍ: أخرجه ابوداؤد: ۴۸۲۵، والترمذی: ۲۷۲۵، وابن حبان: ۶۴۳۳، واحمد: ۲۱۱۴۵۔

مَفْهُومٌ: صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ طرز عمل نبی ﷺ کے اس طرز عمل کی مکمل تقلید اور اتباع ہے جو شمال ترمذی میں منقول ہے کہ خود نبی ﷺ اگر کسی مجلس میں شرکت فرماتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اور جگہ ملتی وہیں تشریف فرما ہو جاتے، صدر نشین بننے اور سٹیج تک پہنچنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا نبی ﷺ کی سنت تھی اور نہ ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ

(۴۶۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَشْكُرُ اللَّهُ مَنْ لَا

يَشْكُرُ النَّاسَ۔

جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے

تَرْجَمْنَا: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

حَدِيثٌ غَبَارِيٌّ: "لا يشكر" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکر کرنا اور لفظ اللہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه ابوداؤد: ۴۸۱۱، والترمذی: ۲۰۳۸، وابن حبان: ۲۰۷۰، والطیالسی: ۳۴۹۱، واحمد:

۷۹۲۶

مَقْبُولٌ: زیر توضیح روایات میں زندگی کے ایسے آداب اور زریں اصول سامنے آرہے ہیں کہ اگر کوئی شخص یا معاشرہ ان کی پاسداری کرنا شروع کر دے تو اس کے مثالی ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں رہے گا، اسی بات کو دیکھئے کہ جس میں لوگوں کا شکریہ اور ان کے احسانات کا اعتراف کرنے کا جذبہ اور ہمت نہیں ہے وہ اللہ کا شکر کہاں ادا کرے گا اور اس کے احسانات کا اعتراف کیونکر کرے گا؟

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں احسان فراموشی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک قابل مذمت چیز ہے، نیز شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان دوسروں کے احسانات کا اعتراف کرنے، طوطا چشتی کا مظاہرہ نہ کرے تاکہ اس کے دل میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

جبکہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کا احسان ماننا اور اس کا اعتراف کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، اس مہربانی اور احسان کو بھی کسی سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ذاتی مفادات کا حصہ گردانتے ہیں حالانکہ یہ تو قرآن کا اصول ہے۔

لئن شکرتم لا زیدنکم

بَابُ التَّوَقُّيِّ عَنِ الظُّلْمِ

(۴۶۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِيَّاكَ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

ظلم سے بچنے کا بیان

تَرْجَمْنَا: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن

اندھیروں کی شکل میں ہوگا۔

تَجْنِجُ حَيَاتِنَا: اخرجہ البخاری: ۲۴۴۷، ومسلم: ۶۵۷۶ (۲۵۷۸) والترمذی: ۲۰۳۰۔

مَقْبُحٌ: یہاں ظلم کی صورتیں بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی جامع اور مانع تعریف ذکر کر دی جائے تاکہ اس کی مختلف صورتیں اور مثالیں خود بخود ہر شخص کی سمجھ میں آجائیں، چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ظلم کا معنی ہے

”وضع الشيء في غير محله“

یعنی جس چیز کا جو مقام بنتا ہے اسے وہاں سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے مثلاً ٹوپی کا مقام سر اور جوتی کا مقام پاؤں ہے، اگر کوئی شخص ٹوپی کو پاؤں اور جوتی کو سر پر رکھ دے تو اسے ظالم کہا جائے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کا تعلق زندگی کے کسی خاص شعبے سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبے اور ہر لمحے سے ہو سکتا ہے اور اسی مناسبت سے قرآن کریم میں شرک کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ الوہیت کا مقام صرف پروردگار عالم کو حاصل ہے، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا گویا الوہیت کو اس کے غیر محل میں رکھنا ہے اور یہی ظلم ہے۔

اس اعتبار سے یہ حدیث بھی ”جوامع الکلم“ میں سے ہے جس کے تحت بہت سی مثالیں ذکر کی جاسکتی ہیں۔

بَابُ مَنْ أَخَذَ الشَّيْءَ لِأَخِيهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ

(۴۶۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ زَارَ قَوْمًا مِنَ الْأَنْصَارِ فِي دِيَارِهِمْ فَذَبَحُوا لَهُ شَاةً وَصَنَعُوا لَهُ مِنْهَا طَعَامًا فَأَخَذَ مِنَ اللَّحْمِ شَيْئًا فَلَاكَةً فَمَضَعَهُ سَاعَةً لَا يُسِيغُهُ فَقَالَ مَا شَأْ هَذَا اللَّحْمِ فَقَالُوا شَاةٌ لِفُلَانٍ ذَبَحْنَاهَا حَتَّى يَجِيءَ فَنُرْضِيَهُ مِنْ ثَمَنِهَا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَطْعَمُوهَا الْأَسْرَاءَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَنَعَ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا وُضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ ﷺ بِضَعَةٍ مِنْ ذَلِكَ اللَّحْمِ فَلَاكَةً فِي فِيهِ طَوِيلًا فَجَعَلَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْكُلَهَا فَالْقَاهُ مِنْ فِيهِ وَأَمْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ فَقَالَ أَخْبِرْنِي عَنْ لَحْمِكَ هَذَا مِنْ أَيْنَ هُوَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَاةٌ كَانَتْ لِصَاحِبٍ لَنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا فَشَتْرِيهَا مِنْهُ وَعَجَّلْنَا بِهَا وَذَبَحْنَاهَا وَوَضَعْنَاهَا لَكَ حَتَّى يَجِيءَ فَنُعْطِيَ ثَمَنَهَا فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَفْعِ هَذَا الطَّعَامِ وَأَمَرَ أَنْ يُطْعِمَهُ الْأَسْرَاءَ قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ قُلْتُ لِأَبِي حَنِيفَةَ مِنْ أَيْنَ أَخَذْتَ هَذَا الرَّجُلُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الرَّجُلِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ يَتَصَدَّقُ بِالرِّبْحِ قَالَ أَخَذْتُهُ مِنْ حَدِيثِ عَاصِمٍ۔

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک علاقے میں ان کی ایک جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے انہوں نے نبی ﷺ کی مہمان نوازی کے لیے بکری ذبح کی اور اس کا کھانا تیار کیا، نبی ﷺ نے اس کی ایک بوٹی اٹھائی اور اسے منہ میں ڈالا، کچھ دیر تک آپ ﷺ اسے چباتے رہے لیکن وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکی، پوچھا کہ اس بکری کا کیا قصہ ہے؟ اہل خانہ نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی بکری ہے جو ہم نے ذبح کر لی ہے، وہ آئے گا تو اسے قیمت دے کر منالیں گے، نبی ﷺ نے فرمایا یہ قیدیوں کو کھلا دو۔

حَلَقٌ غَبَارَتًا: "فلاں" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لقمہ چبانا، منہ میں گھمانا، "لا یسیغہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی موافق نہ آنا، "فرضیہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی راضی کرنا، "الاسراء" اسیر کی جمع ہے بمعنی قیدی۔

تَجْرِجُ حَلَاثًا: اخرجہ ابو داؤد: ۳۳۳۲، والدارقطنی: ۲۸۵/۴۔

مَقْبُولٌ: فقہاء کرام نے اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی توانائیاں امت کی بھلائی کی خاطر اسی نیک کام میں خرچ کرنے کا عزم کر رکھا ہے جس پر ہم ان کے شکر گزار اور ان کے لیے دعاء گو ہیں، ان فقہی مسائل کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہمارے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا نقطہ نبی ﷺ کی وہ فضیلت ہے جو اس حدیث کا مدار ہے اور وہ یہ کہ پروردگار عالم نے نبی ﷺ کی یہاں تک حفاظت فرمائی کہ ایک مشتبہ غذا کو آپ کے جسم کا حصہ نہیں بننے دیا، خیال کیا جاسکتا ہے کہ محرمات سے حفاظت کس درجے ہوگی؟

پھر جس ذات کو مشتبہ اور حرام غذاؤں سے بچایا گیا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ اسے مشتبہ اور مشکوک شخصیات و افراد سے نہ بچایا گیا ہو؟ جس ذات کے معدہ نے ایک مشتبہ چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا قلب و دماغ کسی مشکوک شخصیت کو قبول کر لیتا؟ یقیناً یہ ناممکن ہے اور اسی وجہ سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کے تمام صحابہ کرام ہمارے لیے معیار نجات اور راہ ہدایت کا چمکتا دمکتا ستارہ ہیں جن میں سے کسی ایک کی راہنمائی بھی ہمیں جنت تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

اس حدیث پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جس شخص کی زبان پر ایک مشتبہ بوٹی نہ ٹھہر سکی، کیا اس پر شیطانی کلام ٹھہر سکے گا؟ بھلا جس کے حلق سے ایک مشکوک غذا کا ایک لقمہ نہ اتر سکا، اس کی زبان سے نکلنے والے کسی لفظ میں شک کی راہ اختیار کرنا صحیح ہوگا، کیا اس کے ارشادات کو محض انسانی کلام قرار دے کر اقوال زریں کے درجے پر فائز کرنا صحیح ہوگا؟ یقیناً نہیں، کیونکہ اللہ نے ہر مشتبہ چیز سے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور خدائی وعدہ ہے

والله يعصمك من الناس

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ

(۴۷۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔

نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والے کا بیان

ترجمتاً: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(۴۷۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔

ترجمتاً: حضرت انس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(۴۷۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَحْمَلَهُ فَقَالَ

مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلَكِنْ سَادُّكَ عَلَى مَنْ يَحْمِلُكَ انْطَلِقُ إِلَى مَقْبَرَةِ بَنِي فُلَانٍ فَإِنَّ فِيهَا شَابًّا مِنَ الْأَنْصَارِ يَتْرَامِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ وَمَعَهُ بَعِيرٌ لَهُ فَاسْتَحْمَلُهُ فَإِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلِقُ الرَّجُلُ فَإِذَا بِهِ يَتْرَامِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَحْلَفَهُ بِاللَّهِ لَقَدْ قَالَ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَخَلَفَ لَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ حَمَلَهُ فَمَرَّ بِهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ فَاخْبِرْهُ الْخَبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ انْطَلِقُ فَإِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ يَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي مِنْ شَيْءٍ أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلَكِنْ انْطَلِقُ فِي مَقْبَرَةِ بَنِي فُلَانٍ فَإِنَّكَ سَتَجِدُ ثَمَّهُ شَابًّا مِنَ الْأَنْصَارِ يَتْرَامِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ فَاسْتَحْمَلُهُ فَإِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلِقُ الرَّجُلُ حَتَّى أَتَى الْمَقْبَرَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَاسْتَحْلَفَهُ فَقَالَ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ فَأَعْطَاهُ بَعِيرًا لَهُ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَاتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ ﷺ انْطَلِقُ فَإِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔

ترجمتاً: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آ کر سواری کی درخواست کی، نبی ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں البتہ میں تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ دیتا ہوں جو تمہیں سواری مہیا کر دے گا، تم فلاں قبیلے کے قبرستان چلے جاؤ، وہاں ایک انصاری نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہا ہوگا، اس کے پاس ایک اونٹ ہوگا، تم اس سے یہ درخواست کرنا وہ تمہیں سواری مہیا کر دے گا، وہ آدمی چلا گیا، وہاں پہنچ کر اسے وہ نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کرتا ہوا مل گیا، اس نے سارا واقعہ اس نوجوان کو سنایا، اس

نوجوان نے اس سے واقعہ کی سچائی پر حلف لیا کہ یہ بات نبی ﷺ نے فرمائی ہے اس نے دو یا تین مرتبہ قسم کھائی اور نوجوان نے اسے اپنا اونٹ دے دیا جب اس شخص کا نبی ﷺ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے نبی ﷺ کو بتایا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

حَدَّثَنَا عِبْنُ أَبِي عَدْوَانَ: "الدال" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی رہنمائی کرنا "فاستحمله" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سواری طلب کرنا "یترامی" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تیر اندازی کرنا "فقص" باب نصر سے فعل ماضی کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیان کرنا "فاستحلفه" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قسم کا مطالبہ کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اما الاول والثاني فقد اخرجهما الترمذی: ۲۶۷۰، واحمد: ۲۱۷۷۱، والبزار: ۱۵۷۰، وابویعلی:

۴۲۳۴۔ واما الثالث فقد اخرج احمد مختصراً: ۲۳۴۱۵، ومسلم: ۴۸۹۹ (۱۸۹۳) والترمذی: ۲۶۷۱، وابوداؤد:

۵۱۲۹ والبخاری فی الأدب المفرد: ۲۴۲۔

مَفْهُومٌ: کوئی برائی متعدی ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ نیکی اور برائی بہر حال متعدی ہوتی ہے، نیکی اپنے اثرات چھوڑتی ہے اور گناہ اپنے اثرات دکھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک نیکی انسان کو دوسری نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور ایک گناہ انسان کو دوسرے گناہ کا راستہ بھاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نیکی کا فائدہ صرف نیکی کرنے والوں کو ہی نہیں ہوتا بلکہ اس نیکی کا سبب بننے والا بھی اس فائدہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے، اسی طرح گناہ کا نقصان صرف گناہ کرنے والے کو ہی نہیں ہوتا بلکہ اس گناہ کا سبب بننے والا بھی اس گناہ اور نقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ مَا هُوَ؟

(۴۷۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ

عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

افضل ترین جہاد کیا ہے؟

تَرْجُمَانًا: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افضل ترین جہاد کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابن ماجہ: ۴۰۱۱، والنسائی: ۴۲۱۴، والترمذی: ۲۱۷۴۔

مَفْهُومٌ: میدان جہاد میں داد شجاعت دینے والا بعض اوقات جام شہادت نوش کر کے امر ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات غازی بن کر واپس لوٹ آتا ہے جبکہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنے کی سزا سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی،

بظاہر اسی وجہ سے اسے افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

اور الحمد للہ! امت میں ہمیشہ میدان جہاد میں جام شہادت نوش کرنے والے افراد بھی موجود رہے ہیں اور کلمہ حق کا فریضہ ادا کرنے والے بھی اپنی جان پر کھیل کر امت کو سرخرو کرتے رہے ہیں خواہ وہ ماضی کے حجاج بن یوسف کے سامنے ہوں یا دور حاضر کے آمروں کے سامنے ان کی ایک للکار ایوان کفر پر لرزہ طاری کر دیتی ہے ان کی ایک پکار پوری قوم کے لیے حیات نو کا سہارا ہوتی ہے اور ان کا ایک ایک قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خواہ وہ سعید بن جبیر ہوں، مجدد الف ثانی ہوں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہوں، سید احمد شہید بریلوی ہوں یا غازی عبدالرشید شہید۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔

بَابُ الْمُسْتَشَارِ مُؤْتَمَنٌ

(۴۷۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَشَارَكَ فَأَشْرَهُ بِالرُّشْدِ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَقَدْ خُنْتَهُ۔

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تم سے مشورہ مانگے، اسے اچھا مشورہ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس سے خیانت کی۔

حَلَّ عِبَارَتٌ: "استشارك" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مشورہ طلب کرنا "فاشره" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مشورہ دینا "خنتته" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خیانت کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرج الترمذی نحوه: ۲۸۲۲، و ابو داؤد: ۵۱۲۸، و احمد: ۸۲۴۹۔

مَقْلُوبٌ: پوری دنیا میں ہمیشہ یہ اصول کار فرما رہا ہے کہ انسان جس پر اعتماد کرتا ہے اسی سے اپنے دل کی بات کہتا ہے اور اسی سے اپنے نجی و ذاتی معاملات میں مشورہ کرتا ہے لیکن اگر حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دوسرے کے اعتماد پر پورا اترنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس سے اپنے دل کی بات کہتے ہیں وہ دوسروں کے سامنے اس کی تشہیر کرتا پھرتا ہے اور جس سے ہم اپنے نجی معاملات میں مشورہ کرتے ہیں وہ مخلصانہ مشورہ دینے کی بجائے ان نجی معاملات کو بھی اپنے ملنے جلنے والوں تک پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے درمیان باہمی اعتماد ختم ہو گیا، دوستی کے پیمانے بدل گئے اور لوگوں نے اپنے اندر ہی اندر گھلنا اور پگھلنا شروع کر دیا، اگر ہم کسی کے اعتماد پر پورے نہیں اتر سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ

اسے اپنی طبیعت سے آگاہ کر دیں؟ اگر ہم کسی کو صحیح مشورہ نہیں دے سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اس سے معذرت کر لیں کہ اس وقت میرے ذہن میں کوئی اچھی تجویز نہیں آرہی؟

میں تو حیران ہوں کہ اب مشورہ دینے والا مشورہ دیتے وقت اپنے مفاد کو عزیز رکھنے لگا ہے خواہ اس سے دوسرے کا نقصان ہی ہو جائے اے کاش! ہم لوگوں کی زندگی تبدیل کرنے سے قبل اپنی زندگی کو تبدیل کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَمْثِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

(۴۷۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ
مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ جَسَدٍ وَاحِدٍ إِذَا اشْتَكَى الرَّأْسُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُهُ
بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى۔

مسلمانوں کی مثال کا بیان

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر سر کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

حَدِيثٌ عِبَارَتُهُ: "توادهم" محبت و مودت، باب تفاعل کا مصدر "اشتكى" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکایت کرنا "تداعى" باب تفاعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی موافقت کرنا "السهر" شب بیداری "الحمى" بخار۔

تجزيہ حدیث: أخرجه البخاری: ۶۰۱۱، ومسلم: ۵۶۸۶ (۲۵۸۶) والترمذی: ۲۱۷۳، وابن ماجه: ۳۹۸۴، وابن حبان: ۲۹۷، ۲۳۳۔

مفہوم: مسلمانوں میں باہمی محبت و الفت اور تعلق کی اس سے بہترین مثال کوئی نہیں ہو سکتی جو جناب سرور دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہے، واقعی اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا حصہ یہ نہیں کہتا کہ یہ تکلیف مجھے تو نہیں ہے جسے یہ تکلیف ہے وہ خود اس کے ازالے کی کوشش کرے، اگر ایسا ہو جائے تو پاؤں کبھی انسان کو ڈاکٹر کے پاس نہ لے جائے، آنکھیں کبھی راستہ نہ دکھائیں، کان کبھی ڈاکٹر کی ہدایات نہ سنیں، ہاتھ کبھی فیس ادا نہ کرے، پورا جسم کبھی بے آرامی کا شکار نہ ہو، ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جسم کے ہر حصے کو دوسرے حصے کا احساس ہے اور وہ اس کی خوشی غمی میں برابر کا شریک ہے، نجانے آج کے مسلمان کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے کسی چیز کا دکھ اور احساس ہی نہیں ہوتا، جتنی مرضی بڑی قیامت بیت جائے ہماری نظروں میں لال مسجد والے ہی برے رہیں گے، ہم جامعہ حفصہ والوں کو ہی اپنی صفوں سے خارج کریں گے۔ فالی

اللہ المشتكى

بَابُ وَصِيَّةِ جِبْرِيلَ بِالْجَارِ

(۴۷۶) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُورِثُهُ وَمَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِقِيَامِ اللَّيْلِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّ خِيَارَ أُمَّتِي لَا يَنَامُونَ إِلَّا قَلِيلًا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی پڑوسی کے متعلق وصیت

ترجمہ: حضرت انس مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے جبریل مسلسل پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا اور مجھے جبریل مسلسل قیام اللیل کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ میری امت کے بہترین لوگ رات کو بہت تھوڑا سو سکیں گے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "يُوصِينِي" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وصیت کرنا "يُورِثُهُ" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وارث بنانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری مختصراً: ۶۰۱۴، ومسلم: ۶۶۸۷ (۲۶۲۵) والترمذی: ۱۹۴۲، وابن ماجه: ۳۶۷۳ وابن حبان: ۵۱۱، ۵۱۲، وابوداؤد: ۵۱۵۲۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے دو چیزوں کی بکثرت تاکید کا ذکر آیا ہے ایک تو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا اور دوسرے قیام اللیل یعنی تہجد کا، ان میں سے پہلی چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور دوسری کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اس تقدیم و تاخیر میں نکتہ یہی ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کیا جائے کیونکہ اکثر لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ اگر تمہارا ہمسایہ اور پڑوسی اگر بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، فوت ہو جائے تو جنازہ میں شرکت کرو، قرض کی درخواست کرے تو قرض دے، دو تنگ دست ہو تو اس کی پردہ پوشی کرو، اسے کوئی خوشی نصیب ہو جائے تو مبارک باد دو، غم کا شکار ہو تو اس کے غم میں شریک ہو، اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ، کہیں اس کی ہوانہ رک جائے، اگر پھل اور میوہ خرید کر لاؤ تو اسے بھی بھیجو، اگر نہیں بھیج سکتے تو اسے چھپا کر رکھو۔

اس فہرست پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے! کیا ہم واقعی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں یا ہمارا پڑوسی رات کو "بھوک" اپنے پیٹ باندھ کر سو جاتا ہے اور ہم مرغ مسلم کی دعوتیں اڑاتے پھرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مہینہ بھر سے بیمار پڑا ہو اور ہمیں اس بات کی بھی فرصت نہ ہو کہ جا کر اس کی عیادت ہی کر لیں؟ سوچئے اور غور کیجئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِغَاثَةِ اللَّفْهَانِ

(۴۷۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّفْهَانِ۔

مظلوموں کی فریاد رسی کا بیان

تَرْجَمْنَا: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ مظلوموں کی مدد کرنے کو پسند کرتا ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "اغاثۃ" باب افعال کا مصدر ہے بمعنی دادرسی کرنا، فریاد رسی کرنا "اللفهان" مظلوم۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: هو من الوجدانيات لابی حنیفۃ الامام وقد اخرجہ احمد، وابو یعلیٰ، وابن عساکر۔

مَقْبُوهٌ: مظلوم کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا مردانگی نہیں، ظلم و ستم کی چکی میں پستے ہوئے بے بس مرد و عورت پر مزید ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا غیرت مندی نہیں اور ظالم کے ساتھ مل کر مظلوم کا استحصال کرنا شرافت نہیں، مردانگی تو یہ ہے کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر توڑ دے تاکہ آئندہ وہ کسی پر ظلم نہ کر سکے، غیرت مندی تو یہ ہے کہ مظلوم کو جان و مال کا تحفظ دے اور شرافت تو یہ ہے کہ مظلوم کی عزت و آبرو کو اپنے اہل خانہ کی عزت سمجھے۔

کیونکہ مظلوم کی دعا بھی بہت جلدی قبول ہوتی ہے اور بددعا بھی اس لیے کہ وہ شکستہ دل ہوتے ہیں اور حدیث قدسی میں آتا ہے "انا عند المنكسرة قلوبهم" اور وہ اللہ کے قریب بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔

"اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب"

اس لیے مظلوم کی ہر ممکن مدد کرنا انسانیت کا تقاضا بھی ہے اور اللہ کا محبوب ہونے کی دلیل بھی۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ سَبِّ الدَّهْرِ

(۴۷۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ۔

زمانہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

تَرْجَمْنَا: حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زمانے کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لا تسبوا" باب نصر سے فعل نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گالی دینا، برا بھلا کہنا، "الدھر" زمانہ اس کی جمع "دھور" آتی ہے۔

تَجْنِجٌ خَائِفٌ: اخرجہ البخاری: ۶۱۸۱، ومسلم: ۵۸۶۶ (۲۲۴۶) وابوداؤد: ۵۲۷۴۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک مثال سمجھئے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ آپ اپنے گھر میں لکڑی کا کام کروانے کے لیے کسی ماہر بڑھی اور ترکان کو بلاتے ہیں اسے کام سمجھاتے ہیں، سامان مہیا کرتے ہیں اور کام ختم ہونے پر اس کی مزدوری دے دیتے ہیں، کام ختم ہونے پر وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آیا میرا کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اور آپ کو پسند آیا یا نہیں؟ اگر آپ اس کے کام کی تعریف کرتے ہیں اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے اور اگر آپ اس کے کام میں نقص نکالیں اور یوں کہیں کہ فلاں الماری تو بالکل ہی بھدی لگ رہی ہے، فلاں درازہ ٹیڑھا لگا ہوا ہے اور فلاں کھڑکی مضبوطی کے ساتھ نہیں لگی ہوئی، تو ایک دم اس کے چہرے پر اس کے اثرات بھی نمایاں ہو جائیں گے۔

اب اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بھئی! یہ تم نے رونی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟ مالک نے تم میں کوئی نقص تھوڑی نکالا ہے اس نے تو کام میں نقص نکالا ہے؟ اس نے صانع پر تو اعتراض نہیں کیا، اس نے تو مصنوع پر اعتراض کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کا یہی جواب دے گا کہ مصنوع پر اعتراض درحقیقت صانع پر اعتراض ہے، اور کام پر اعتراض درحقیقت کام کرنے والے پر اعتراض ہے اس لیے وہ مجھ پر ہی اعتراض کر رہا ہے اور اسی وجہ سے میں غمگین ہوں۔ بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ زمانے کو برا بھلا کہنے والے درحقیقت زمانہ بنانے والے کو برا بھلا کہتے ہیں، اسی بنا پر علماء کرام فرماتے ہیں کہ ”اللہ ہی زمانہ ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی خالق زمانہ ہے، گویا مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے:

”فان الله هو خالق الدهر“

اس لیے زمانے کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي حُبِّ الرَّجُلِ الشَّيْءَ

(۴۷۹) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِينَ وَقَدِمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَنَسٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْكُوفَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَتِسْعِينَ وَرَأَيْتُهُ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔

آدمی کا کسی چیز کی محبت میں فریفتہ ہو جانا

ترجمتاً: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن انیس جو صحابی رسول ہیں ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے تھے میں نے ان کی زیارت بھی کی ہے اور ان سے حدیث کی سماعت بھی کی ہے اس وقت میری عمر

چودہ سال تھی وہ فرماتے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا بہرا کر سکتی ہے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "حبك الشيء" حب مصدر ہے "ك" ضمیر اس کا قائل ہے اور "الشيء" مفعول بہ ہے اور اسی وجہ سے منصوب بھی ہے "يعمى" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اندھا کر دینا "يصم" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہرا کر دینا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه ابو داؤد: ۵۱۳۰، واحمد: ۲۲۰۳۶، وعبد بن حميد: ۲۰۵، وهو من الوجدانيات لابي حنيفة الامام **مَفْهُومٌ:** "محبت" ایک پاکیزہ جذبہ ہے جو مال و دولت، عہدہ و منصب اور حسن و جمال کی کم تر چیزوں کا محتاج نہیں ہوتا اب دنیا سے محبت رخصت ہو گئی ہے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت حرص و لالچ اور ہوی و ہوس کو محبت سمجھ بیٹھے ہیں یہ ایک دھوکہ ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے مقاصد حاصل کر کے اپنے محبوب کو بیچ دریا کے چھوڑ آتے ہیں، لیکن اگر ایک لمحے کے لیے اس حرص و طمع سے بھرپور ملاقات اور تعلق ہی کو "محبت" تسلیم کر لیا جائے تب بھی حدیث کا مدعا واضح ہے کہ لوگ اس کی خاطر ہر چیز سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کسی ناصح کی نصیحت سن کر بھی ان کے کان پر جوں تک نہیں ریگتی، وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں تک کو فراموش کر دیتے ہیں اپنا کیر بیر داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اپنے تمام خاندان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت ہے جو کھلی آنکھوں ہمیں نظر آ رہی ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ

(۴۸۰) أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ وَائِلَةَ بِنَ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا تُظْهِرَنَّ شَمَاتَةَ لِأَحَبِّكَ فَبِعَا فِيهِ اللَّهُ وَيَتَلِيكَ اللَّهُ۔

کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت کا بیان

تَرْجِمَانًا: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت وائلہ بن اسقع کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کبھی نہ کرنا، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: "لا تظھرن" باب افعال سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ظاہر کرنا "شماتة" مصیبت پر خوشی منانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۲۵۰۶، وهو من الوجدانيات ايضاً۔

مَفْهُومٌ: اللہ سے ڈرنے والے لوگ تو اپنے دشمن کی تکلیف اور مصیبت پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس پر غمگین

ہوتے ہیں اور اپنے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں اور اس مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دل اللہ کی معرفت سے خالی ہوں اگرچہ دیکھنے والے ان کی نمازوں سے دھوکہ کھا جائیں وہ اپنے حقیقی بھائی کی پریشانی اور مصیبت پر بھی خوشی کے شادیاں بجاتے اور بتائے بانٹتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم پر ایک ایسی ہستی بھی ہے جو میری خوشیوں کو چھین کر میرے بھائی کو خوشیوں سے مالا مال کر سکتی ہے اور جو اس کی پریشانیوں سے دور کر کے مجھ پر مسلط کر سکتی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسے واقعات حد و شمار سے باہر ہیں جن میں حالات بدلتے دیر نہیں لگی اس لیے انسان کو ہر لمحہ اللہ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے۔

کتاب الرقاق

دل کو نرم کرنے والی احادیث کا بیان

(۴۸۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْإِنْسَانِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَإِذَا سَقُمَتْ سَقُمَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ إِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ۔
ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بیمار پڑ جاتا ہے یاد رکھو! وہ ٹکڑا دل ہے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "مضغة" گوشت کا ٹوٹھرا، ٹکڑا "صلحت" باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی صالح ہونا "سقمت" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیمار ہونا "الا" حرف تنبیہ ہے۔

تصحیح حدیث: أخرجه البخاری مطولاً: ۵۲، ومسلم: ۴۰۹۴ (۱۵۹۹) وابن ماجہ: ۳۹۸۴۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم اچھی طرح سمجھنے کے لیے ایک مثال ذہن نشین کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مقصد واضح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں، دفاتر، مساجد اور مدارس وغیرہ میں جتنی بھی بجلی استعمال کرتے ہیں اس میں یہ اصول کار فرما ہوتا ہے کہ جیسے ہی بٹن دبایا جائے گا برقی رو اپنا کام کرنا شروع کر دے گی لیکن شرط یہ ہے کہ مرکز یعنی واپڈ اہاؤس سے اس کا رابطہ برقرار ہو اور وہاں سے بجلی کی سپلائی ہو رہی ہو اگر مرکز سے رابطہ برقرار نہ رہے یا مرکز سے بجلی کی سپلائی بند ہو جائے تو سونے کے پتھے اور چاندی کی ٹیوبیں اور بلب بھی کام نہیں کریں گے اسی طرح اگر مرکز میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تو کہیں بھی بجلی نہیں پہنچ سکے گی جیسا کہ لوڈ شیڈنگ کے موقع پر ہر انسان کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جسم انسانی میں ”دل“ مرکز ہے اور یہاں سے پورے جسم کو توانائی کی سپلائی ہو رہی ہے یہیں سے دانائی کی سپلائی ہو رہی ہے یہیں سے خیر و شر کے راستے نکلتے ہیں اب اگر دل صحیح ہے تو پورا جسم صحیح کام کرے گا اور اگر دل میں کوئی خرابی ہے تو پورے جسم میں خرابی کی لہر سرایت کر جائے گی۔

اگر دل تقویٰ وللہیت سے بھر پور ہو تو پورے جسم میں تقویٰ وللہیت کی سپلائی ہوگی پھر آنکھ کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا ظہور ہوگا کان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا پنکھا چلے گا زبان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا بلب جلے گا اور اگر دل شیطان کی آماجگاہ بنا ہوا ہو تو ہر بٹن دبانے پر شیطانیت ٹپکتی دکھائے دے گی۔

اس لیے قلب کی اصلاح بہت ضروری ہے اسے ہر طرح کی آلائشوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں حسد، بغض، عداوت، کینہ، تکبر، چغلی، خودنمائی، خودستائی، خود پسندی اور دیگر رذائل پنپ نہ سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۸۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا مِنْ حُبْزٍ مُتَّابِعًا حَتَّى فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا زَالَتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا كُدْرَةً عُسْرَةً حَتَّى فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا فَلَمَّا فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا صَبَّتْ عَلَيْنَا صَبًّا۔

وَفِي رِوَايَةٍ صَبَّ الدُّنْيَا عَلَيْنَا صَبًّا وَفِي رِوَايَةٍ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ مِنْ حُبْزِ الْبُرِّ۔

نبی ﷺ کی معیشت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم مسلسل تین دن رات تک کبھی بھی روٹی سے سیراب نہیں ہوئے یہاں تک کہ نبی ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم پر دنیا ہمیشہ تنگ اور منکدر رہی یہاں تک کہ نبی ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ہم پر دنیا انڈیل دی گئی۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”ما شبعنا“ باب سَمِعَ مِنْ فِعْلِ مَاضِي مُنْفِي مَعْرُوفٍ كَمَا صِيغَةُ جَمْعٍ مُتَكَلِّمٍ هِيَ بِمَعْنَى سِيرَابٍ هَوْنًا ”مُتَّابِعًا“ مُسَلَّسٌ ”فَارَقَ“ بَابُ مَفَاعَلَةٍ مِنْ فِعْلِ مَاضِي مَعْرُوفٍ كَمَا صِيغَةُ وَاحِدٍ مُذَكَّرٍ غَائِبٍ هِيَ بِمَعْنَى جَدَا هَوْنًا ”صَبَّتْ“ بَابُ نَصْرٍ مِنْ فِعْلِ مَاضِي مُجْهُولٍ كَمَا صِيغَةُ وَاحِدٍ مُؤنَّثٍ غَائِبٍ هِيَ بِمَعْنَى انْدِيلَانًا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۲۳۵۸، ومسلم: ۷۴۴۴ (۲۹۷۰) وابن ماجه: ۳۳۴۳، وابن حبان: ۶۳۴۶، واحمد:

مفہوم: زندگی کا یہ نقشہ کسی عام شخص کے حالات کی عکاسی نہیں کرتا یہ اس ہستی کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے جس سے

اللہ خود محبت کرتا تھا جسے اللہ نے کائنات رنگ و بو کی وجہ تخلیق قرار دیا تھا جس کے ایک آنسو پر اس کا عرش حرکت میں آجاتا تھا جس کی ایک دعاء پر دنیا کے ضابطے بدل دیے جاتے تھے جس کی ایک آہ پر پوری امت کے لیے عذاب سے محفوظ ہونے کے فیصلے کر دیے جاتے تھے جس کے ایک حکم پر لوگوں کی گردنیں عمل کے لیے جھک جایا کرتی تھیں جس کے وضو کا پانی اور ناک کی ریزش لوگوں کے لیے تبرک کی حیثیت رکھتے تھے جس کا ایک ایک قدم لوگوں کے لیے نشانِ زندگی تھا جو چلا تو کائنات چلی اور جور کا تو پوری کائنات رک گئی۔

اس مبارک ہستی کے اہل خانہ پر کچھ کھائے پئے بغیر تین تین دن گزر جایا کرتے تھے خود وہ ذات اپنی پوری زندگی میں تین دن تک تسلسل کے ساتھ پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھا سکی حالانکہ ان کی شخصیت تو اتنی عظیم تھی کہ اگر وہ صرف اس پیشکش کو قبول کرنے کی حامی بھر لیتے کہ احد پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے تو احد پہاڑ پتھر کی بجائے سونے کا بن جاتا لیکن قربان جائے! ان کی شخصیت جتنی عظیم تھی ان کا حوصلہ بھی اتنا ہی عظیم تھا اس لیے فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو تین دن سے پہلے سب کا سب راہ خدا میں تقسیم کر دوں اور اپنے پاس صرف اتنا رکھوں کہ اپنا قرض ادا کر سکوں۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر شخصیت بڑی ہو لیکن حوصلہ بڑا نہ ہو تو شخصیت کا بڑا پن بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر حوصلہ بڑا ہو تو شخصیت میں بخود بخود بڑا پن پیدا ہو جاتا ہے اے کاش! ہماری بڑی شخصیات کا حوصلہ بھی بڑا ہو جائے۔

بَابُ مَنْ يَكُونُ أَشَدَّ بَلَاءً

(۴۸۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي شَكَاةٍ شَكَاهَا فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى عِبَاءَةٍ قُطْوَانِيَّةٍ وَمَرْفَقَةٍ مِنْ صُوفٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ فَقَالَ يَا بَابِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ كَسْرِي وَقَيْصِرُ عَلَيَّ الدِّيْبَاجِ فَقَالَ يَا عُمَرُ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكُمْ الْآخِرَةُ ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ مَسَّهُ فَإِذَا هُوَ فِي شِدَّةِ الْحُمَى فَقَالَ تَحَمُّ هَكَذَا وَأَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَشَدَّ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَلَاءً نَبِيُّهَا ثُمَّ الْخَيْرُ ثُمَّ الْخَيْرُ وَكَذَلِكَ كَانَتِ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْأُمَّمُ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ نبی ﷺ کے بیمار ہونے پر عیادت کے لیے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کی ”قطوان“ کی بنی ہوئی ایک کھر دری چادر پر لیٹے ہوئے ہیں اور اون کا تکیہ رکھا ہوا ہے جس میں ”اذخر“ نامی گھاس بھری ہوئی ہے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار! قیصر اور کسریٰ ریشم پر آرام کریں (اور آپ اس تنگی میں رہیں؟) فرمایا عمر! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ انہیں دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے جسم مبارک کو ہاتھ لگایا تو وہ انتہائی تیز بخار میں پتا ہوا محسوس ہوا، عرض کیا کہ آپ کو بھی اس طرح بخار ہوتا ہے حالانکہ آپ پیغمبر خدا ہیں؟ فرمایا اس امت میں سب سے زیادہ سخت تکلیف نبی کو ہوتی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ بہترین لوگوں کو اور تم سے پہلے دیگر انبیاء کرام ﷺ اور امتوں کا بھی یہی حال تھا۔

حَدِيثُ عِبْنِ أَبِي شَيْبَةَ: "شكَاة" اى مرض "عباءة" كهردرى چادری "قطوانية" ايك جگہ کی طرف منسوب "مسہ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "تحم" فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بخار میں مبتلا ہونا "الخیر" خیر کی جمع ہے بمعنی بہترین لوگ۔

تَجْمِيعُ حَدِيثَاتِهِ: اخرجہ البخاری فی آخر: ۴۹۱۳، و مسلم فی ضمن: ۳۶۹۱ (۱۴۷۹) والترمذی: ۲۴۶۱، وابن حبان: ۶۳۶۲، و اما قوله ﷺ: اشد بلاء فقد اخرجہ الترمذی: ۲۳۹۸۔

مَقْلُوبٌ: اس حدیث کا آخری جملہ "جس میں انبیاء کرام ﷺ کی تکالیف کو شدید ترین قرار دیا گیا ہے" سمجھنے کے لیے ماں کی محبت پر غور کرنا ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ذرا سی تکلیف پر بھی کس طرح تڑپتی ہے اور اولاد کی معمولی سی بھی لاپرواہی اسے کس قدر اذیت پہنچاتی ہے اور اپنی اولاد کی گستاخی اور بدتمیزی پر وہ اندر ہی اندر کتنا کڑھتی ہے گو کہ یہ تکلیف باپ، بھائیوں اور بہنوں کو بھی ہوتی ہے اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی، لیکن درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

حضرت انبیاء کرام ﷺ کو اپنی امت سے ماں کی نسبت بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے اس کی معمولی سے لاپرواہی بھی انہیں بے چین کر دیتی ہے اور معمولی گستاخی و بدتمیزی بھی ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے جس کا احساس نہ تو امت کو ہوتا ہے اور نہ بعد والوں کو! البتہ انبیاء کے قریب رہنے والے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے درجہ بدرجہ اس کی تکلیف اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔

پھر چونکہ نبی ﷺ اللہ کے آخری نبی اور مسلمانوں پر ہی نہیں، پوری امت پر تمام انبیاء سے زیادہ شفیق تھے اس لیے آپ ﷺ کو اپنی امت کی معمولی سی لاپرواہی اور گستاخی بھی بہت تکلیف پہنچاتی تھی، اسی چیز کو احادیث میں نبی ﷺ نے اپنے لیے دیگر انبیاء کرام ﷺ کی نسبت زیادہ ثابت کیا ہے جس پر بعض اوقات ایک طالب علمانہ اشکال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت نوح ﷺ، حضرت ابراہیم ﷺ، حضرت یوسف ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ پر آنے والے مصائب بظاہر زیادہ شدید محسوس ہوتے ہیں اور نبی ﷺ ان سب کی نسبت اپنے مصائب کو زیادہ شدید قرار دے رہے ہیں؟ ہماری مذکورہ بالا تقریر سے اس اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم

کتاب الجنایات

جنایات کے احکام

(۴۸۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ عَفَا عَنْ دَمٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص خون معاف کر دیتا ہے اس کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔

حَدِيثُ عِبْرَاتٍ: "عفا" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی معاف کرنا "لم یکن" نفی ہے اور "الا الجنة" اثبات اس سے حصر کا فائدہ ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجہ الہندی: ۳۹۸۵۴، ابوداؤد مثله: ۴۴۹۷، والنسائی: ۴۷۸۷، وابن ماجہ: ۲۶۹۲۔

مفہوم: اصولی طور پر تو مقتول کے ورثاء اور اولیاء کو قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے اور شرعی طور پر اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت بھی نہیں ہے لیکن اگر انسان اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سوچ لے کہ اسے قصاصاً قتل کرنے سے ہمارا عزیز تو واپس نہیں آئے گا اور وسعت ظرفی سے کام لے کر اسے معاف کر دے تو گویا اس نے "تخلقوا باخلاق اللہ" پر عمل کیا اس لیے اس کا بدلہ یہی ہے کہ اسے اللہ کی وسیع جنت کا مالک بنا دیا جائے۔ اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر قرآن کریم کہتا ہے:

"فاجره على الله"

اس آیت کی روشنی میں اللہ کی بارگاہ سے اسے وہ کچھ دیا جائے گا جو باری تعالیٰ کے شایان شان ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ

(۴۸۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلَ دِيَةِ الْمُسْلِمِ۔

اہل کتاب کی دیت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودی اور عیسائی کی دیت بھی مسلمان

کی دیت جتنی ہے۔

تَجْرِيحُ خَدَائِشَ: اخرجہ ابو داؤد فی مراسیلہ، و عبدالرزاق، والبیہقی، والطبرانی۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس بحث کو چھیڑا ہے کہ یہودی اور عیسائی کی دیت کتنی ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک مسلمان کی دیت کا نصف، بعض حضرات کے نزدیک چوتھائی اور بعض کے نزدیک بالکل برابر اور مساوی اور ہر ایک کی رائے پر اس کے دلائل اور جواب دلائل کی بحث مفصل ذکر کی ہے۔

لیکن ہمیں یہ بات ذکر کرنا ہے کہ پوری دنیا میں حقوق انسانی کے علمبردار بننے والے ذرا بتائیں تو سہی کہ انسانی حقوق میں مساوات کو قائم رکھتے ہوئے وہ مسلمانوں کے ساتھ معاملات کیوں نہیں کرتے؟ کیا وہ اپنے مذہبی آئین میں ایسی وسعت دکھا سکتے ہیں جو اسلام نے دکھائی ہے کہ اگر مسلم ممالک میں کوئی یہودی یا عیسائی ناحق مارا جائے اور مقتول کے ورثاء اس سے دیت کا مطالبہ کریں تو انہیں اس یہودی اور عیسائی کے بدلے میں وہی دیت دینی جائے گی جو ایک مسلمان کے مقتول ہونے کی صورت میں متعین کی گئی ہے، یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کسی یہودی اور عیسائی کا خون بھی رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ مقتول کے ورثاء کو اس کا معاوضہ دلوا دیا ہے۔

اے کاش! اسلام پر تبرا بازی کرنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں۔

بَابُ مَتَى يُسْتَقَادُ

(۴۸۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُسْتَقَادُ مِنَ الْجِرَاحِ حَتَّى تَبْرَأَ۔

قصاص کب لیا جائے گا؟

تَرْجُمَانًا: حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زخمی کا قصاص اس کے تندرست ہونے سے پہلے نہیں لیا جائے گا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "لا يستقاد" باب استفعال سے فعل مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قصاص کا مطالبہ کرنا "تبرا" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی تندرست ہونا۔

تَجْرِيحُ خَدَائِشَ: اخرجہ احمد مطولاً: ۷۰۳۴۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر زید نے عمرو کو کسی چیز سے زخمی کر دیا مثلاً چھری، چاقو یا تیر اور تلوار سے اور عمرو کے جسم پر زخم کا نشان پڑ گیا، خون بہنے لگا اور گوشت کٹ گیا تو اب ایک صورت تو یہ ہے کہ زید سے فوراً قصاص لیا جائے، بظاہر یہ بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ زخمی بھی موجود ہے اور زخم لگانے والا بھی موجود ہے اور قصاص لینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے عمرو کا علاج کروایا جائے اس کا زخم مندمل ہونے کا انتظار کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ زخم کتنا کاری تھا اور اس سے کیا نقصان ہوا اس کے بعد زید سے قصاص لیا جائے بظاہر یہ صورت قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر گہرائی اور گیرائی کو سامنے رکھا جائے تو یہی دوسری صورت زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اولاً تو زخم کا صحیح طور پر اندازہ ہو جائے گا اور زید سے انتقام لینے کی صورت میں عمرو اس پر زیادتی کرنے والا نہیں ہوگا۔

اور دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ اس وقت تک عمرو کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہوگا زید بھی اپنے فعل پر نادم و شرمسار ہوگا ہو سکتا ہے کہ عمرو اسے معاف ہی کر دے جو کہ انتقام کی نسبت تو بہت ہی افضل ہے اس لیے زیر بحث حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ تندرستی سے پہلے قصاص نہ لیا جائے۔

گویا اس تعلیم کے ذریعے مسلمانوں میں حوصلہ اور معاف کرنے کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے کہ اگرچہ انتقام لینا جائز بھی ہو اور اس پر قدرت بھی ہو پھر بھی اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی یہی ہے کہ انسان اپنے دشمن کو معاف کر دے۔ شاید اسی چیز کو دیکھ کر دشمن اپنی دشمنی ختم کر دے لوگوں کو نقصان پہنچانے کی سرشت چھوڑ دے اور اللہ کی طرف رجوع کر لے۔

کتاب الاحکام

فیصلے اور احکام

(۴۸۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا ذَرٍّ الْإِمَارَةُ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِزْبٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ وَأَتَى ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنِ أَبِي عَسَّالٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْإِمَارَةُ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِزْبٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ وَأَتَى ذَلِكَ يَا أَبَا ذَرٍّ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو ذر! سرداری امانت ہے اور قیامت کے دن باعث شرمندگی و ندامت ہے ہاں! جو شخص اسے اس کے حق کے ساتھ لے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے اور ایسا ہوتا ہی کہاں ہے؟

حکایت عبارت: "امارة" ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی سرداری، گورنری، "بخزی" رسوائی "ادی" باب تفعیل سے

فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ادا کرنا۔

تَجْرِبَةُ الْحَدِيثِ: اخرجہ مسلم: ۴۷۱۹ (۱۸۲۵) واحمد: ۲۱۸۴۵۔

مَفْهُومٌ: حکمرانی اور حکومت لوگوں کی نگاہ میں پھولوں کی تیج ہوتی ہے جس کے حصول کی آرزو ان کے من میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے اور وہ اس کے لیے ہر ممکن حربہ اور طریقہ استعمال کر گزرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حکومت کانٹوں سے بنا ہوا تاج ہوتی ہے جو ہر لمحے انسان کو چبھتا رہے، حکومت اللہ کی طرف سے ملنے والی امانت ہوتی ہے جس میں خیانت کا ارتکاب کرنے والا قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے گا، حکومت کی ابتداء ملامت درمیان ندامت اور انتہاء عذاب یوم قیامت پر ہو جاتی ہے اس لیے انسان کو ان چکروں میں الجھنا ہی نہیں چاہیے۔

مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ لوگ کس ڈھٹائی کے ساتھ دیواروں اور پوسٹروں پر امیدوار برائے فلاں امیدوار برائے فلاں لکھواتے ہیں اور عہدوں کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں، تیج ہے کہ عہدے اور منصب کی محبت انسان کو ذلت و رسوائی کے اس گڑھے تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے انسان کی واپسی ممکن نہ ہو سکے، اگر حکومت حاصل کرنی ہی ہے تو پھر صرف انسانوں پر حکومت کرنا کون سے کمال کی بات ہے؟ انسان پوری کائنات پر حکمرانی کر کے دکھائے، فضا و خلا، بروجر، حیوانات اور نباتات سب پر اپنا حکم چلا کر دکھائے، آپ اسے ناممکن سمجھتے ہوں گے لیکن میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا اور شیخ سعدی کی زبان میں کہتا ہوں

تو ہم گردن از حکم داور تیج
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو تیج

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَرْفَعِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

(۴۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَرْفَعَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند درجہ آدمی کا بیان

تَرْجَمَانًا: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن انصاف کرنے والا حکمران سب سے زیادہ بلند درجہ ہوگا۔

تَجْرِبَةُ الْحَدِيثِ: اخرج الترمذی مثلہ: ۱۳۲۹، واحمد: ۱۱۱۹۰، والبیہقی فی الشعب: ۷۳۶۶، وفی الکبری:

-۱۹۹۵۶

مَفْهُومٌ: حکومت اور حکمران کے بارے میں اگر اسلامی تعلیمات کا ایک خلاصہ سامنے رکھا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ حصول حکومت کے لیے انسان کو خود سے امیدواری ظاہر نہیں کرنی چاہیے البتہ اگر وہ اس کا جائز حقدار بنتا ہو اور اس میں

اسے سنبھالنے کی صلاحیتیں بھی موجود ہوں تو اس کی گنجائش ہے حکومت فی نفسہ کوئی بری چیز ہے اور نہ اچھی حکمرانوں کی اچھائی اور برائی سے وہ اچھی یا بری ہو جاتی ہے اگر حکمران عدل و انصاف سے کام لیں تو روز قیامت اللہ کے نزدیک بلند ترین درجہ کے حامل ہوں گے اور اگر ظلم و ستم کی راہ اپنائیں تو وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہوں گے عادل و منصف حکمران زمین پر اللہ کا نائب ہوتا ہے اور ظالم بادشاہ اللہ کا قہر اور غضب۔

اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں، چنانچہ نوشیرواں کی حکومت اس کے کافر ہونے کے باوجود قائم رہی اور ظالموں کی حکومت خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا عراق میں، کبھی قائم نہیں رہی اور اب بھی نہیں رہے گی۔

بَابُ الْقُضَاةِ ثَلَاثَةٌ

(۴۸۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ حُبَيْبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ قَاضِيَانِ فِي النَّارِ قَاضٍ يَقْضِي فِي النَّاسِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيُوكِلُ بَعْضُهُمْ مَالَ بَعْضٍ وَقَاضٍ يَتْرُكُ عِلْمَهُ وَيَقْضِي بِغَيْرِ الْحَقِّ فَهَذَا فِي النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ۔

قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قاضی (جج) تین طرح کے ہوتے ہیں جن میں سے دو طرح کے قاضی جہنم میں جائیں گے (اور ایک جنت میں جائے گا) ایک تو وہ قاضی جو لوگوں کے درمیان بغیر علم کے فیصلے کرتا ہے اور ایک کا مال دوسرے کو کھلا دیتا ہے اور دوسرا وہ قاضی جو اپنے علم کو چھوڑ کر غلط اور ناحق فیصلے کرتا ہے یہ دونوں تو جہنم میں جائیں گے اور وہ قاضی جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔

(۴۹۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَقْضِي الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضْبَانٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی جج غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "القضاة" قاضی کی جمع مکر ہے "یوکل" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھلانا "غضبان" بروزن "فعالان" بمعنی غضب ناک۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ الترمذی: ۱۳۲۲م، و ابوداؤد: ۳۵۷۳، وابن ماجہ: ۲۳۱۵۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۶۷۳۹، و ابوداؤد: ۳۵۸۹، و الترمذی: ۱۳۳۴، وابن ماجہ: ۲۳۱۶، و النسائی:

۵۴۰۸، مسلم: ۴۴۹۰ (۱۷۱۷)

مَقْبُولٌ: حدیث اول تو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اور اس پر کسی مزید اضافہ یا تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہمارے حج صاحبان کو یہ حدیث خود ہی پکار پکار کر دعوت فکر دے رہی ہے کہ آپ ان تین میں سے کس قسم میں شامل ہونا چاہتے ہیں اب یہ ہمارے حج صاحبان اور جسٹس حضرات کی اپنی صوابدید ہے کہ ان میں سے کس گروہ اور جماعت کا انتخاب کرتے ہیں جیسا انتخاب ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی ہوگا۔

اور دوسری حدیث بھی انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے اس لیے کہ انسان کا غصہ کی حالت میں اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا اور جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت کچھ کہہ جاتا ہے جس کا احساس اسے بعد میں ہوتا ہے اب اگر کوئی قاضی اور حج غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ دے دے اور لوگ اس کے مطابق عمل کر لیں اور فی الواقع اس میں نقصان کا خدشہ ہو تو بعد میں اسے پچھتانا پڑ سکتا ہے اس لیے اس حالت میں فیصلہ دینے سے گریز کرے خاص طور پر حدود اور سزاؤں کے معاملے میں۔

یہی حکم ان تمام صورتوں میں ہے جب انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رہے مثلاً انتہائی خوشی کی کیفیت میں انسان عام طور پر اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے یا انتہائی صدمہ اور غم کی کیفیت میں یا شدید نیند سے بد حال ہونے کی کیفیت میں بھی انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا ان تمام صورتوں میں اس کے لیے لائحہ عمل یہی ہے کہ وہ کوئی بھی فیصلہ نہ کرے تاکہ اسے بھی نقصان نہ ہو کسی فریق کو بھی نقصان نہ ہو اور ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رُفِعَ عَنْهُ الْقَلَمُ

(۴۹۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيْقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ۔
وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيْقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ۔

کون لوگ مرفوع القلم ہیں؟

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں ایک بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے دوسرے مجنون یہاں تک کہ تندرست ہو جائے اور تیسرے سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔

حَلِّ عِبَارَاتٍ: "رفع" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اٹھانا "یکبر" باب کرم سے فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے بمعنی بڑا ہونا "یفیق" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی افاقہ ہونا۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرجہ ابو داؤد: ۴۴۰۳، والترمذی: ۱۴۲۳، وابن ماجہ: ۲۰۴۱، وابن حبان: ۱۴۲، والحاکم: ۵۹/۲، واحمد: ۵۲۲۰۱۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ میں تین قسم کے لوگوں کو جو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً و قانوناً ان کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا معاشرت سے اس لیے کہ جو آدمی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو اس میں "مکلف" ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی لہذا احکام شرعیہ کو بھی اس کی طرف متوجہ نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ بچہ کوئی معاملہ کر لے تو اس کے ولی کو وہ معاملہ منسوخ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مجنون کی دی گئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی اور سویا ہوا شخص اولاً تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے لیکن اگر اسی حالت میں اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے طلاق کے الفاظ نکل جائیں یا جائیداد کسی کی ملکیت میں دینے کی بات آجائے تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَا إِذَا لَمْ تَكُنْ بَيْنَةً

(۴۹۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَوْلَى بِالْيَمِينِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَةً۔

اگر گواہ موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

تَرْجِمَانًا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مدعی علیہ قسم کھانے کا زیادہ حقدار ہے جبکہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو۔

حَلِّ عِبَارَاتٍ: "المدعی علیہ" جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو دعویٰ کرنے والے کو "مدعی" کہتے ہیں۔

تَجْرِیحُ حَدِيثٍ: اخرج ابو داؤد مثله: ۳۶۱۹، والحديث مشهور مستفيض بالفاظ اخر، وبهذا السياق اخرجہ عبدالرزاق: ۱۴۷۴۱، وابن عدی: ۲۰۴۔

مَفْهُومٌ: شریعت کے اصولوں میں یہ ایک اہم ترین اصول ہے کہ اگر قاضی کی عدالت میں کوئی جھگڑا پیش ہو تو اس کا فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مدعی جو دعویٰ کر رہا ہے اس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ بھی ہیں یا نہیں؟ اگر مدعی کے پاس گواہ موجود ہوں جو مدعی کے حق میں اور مدعا علیہ کے خلاف گواہی دیدیں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ مدعی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، اگر وہ قسم کھا لیتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دیتا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی کے دعویٰ میں کچھ نہ کچھ صداقت بہر حال موجود ہے۔

بَابُ إِذَا اِخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ؟

(۴۹۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ أَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهُ أَنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرَى مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَقِيقًا فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ الْأَشْعَثُ وَابْتَعْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ الْأَفِ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ بَعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِينَ أَلْفًا فَقَالَ اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ مَنْ شِئْتَ فَقَالَ أَنْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أُخْبِرْكَ بِقَضَاءِ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا اِخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فِي الثَّمَنِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةً فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَانِ۔

اگر بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک غلام خریدا، بعد میں حضرت ابن مسعود نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ میں نے آپ سے دس ہزار کے بدلے میں خریدا ہے، حضرت ابن مسعود کہنے لگے کہ میں نے تو آپ کو یہ بیس ہزار میں فروخت کیا ہے اور فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان جسے چاہو ثالث بنا لو، اشعث کہنے لگے کہ آپ ہی میرے اور اپنے درمیان ثالث ہیں اس پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں تمہیں نبی ﷺ کے ایک فیصلے کے متعلق بتاتا ہوں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیمت کی مقدار میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور بیع موجود ہو تو بائع کی بات کا اعتبار ہوگا یا پھر وہ دونوں از سر نو بیع کر لیں۔

(۴۹۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرَى مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَقِيقًا مِنْ رَقِيقِ الْإِمَارَةِ فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللَّهِ فَاجْتَلَفَا فِيهِ فَقَالَ الْأَشْعَثُ اشْتَرَيْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ الْأَفِ دِرْهَمٍ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بَعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِينَ أَلْفًا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ الْأَشْعَثُ فَإِنِّي اجْعَلُكَ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِكَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَإِنِّي سَأَقْضِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ بِقَضَاءِ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا اِخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ فَإِمَّا أَنْ يَرْضَى الْمُشْتَرِي بِهِ أَوْ يَتَرَادَانِ الْبَيْعَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ وَالسَّلْعَةُ قَائِمَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ أَوْ يَتَرَادَانِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ الْأَشْعَثَ اشْتَرَى مِنْهُ رَقِيقًا فَتَقَاضَاهُ وَاخْتَلَفَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بِعِشْرِينَ أَلْفًا وَقَالَ الْأَشْعَثُ بِعِشْرَةِ أَلْفٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ أَوْ يَتَرَادَانِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "رَقِيقًا" غلام "فتقاضاه" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تقاضا کرنا، مطالبہ کرنا "البیعان" بائع و مشتری "السَّلْعَةُ" سامان، بیع "یترادان" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی باہم لوٹا لینا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجهما ابوداؤد مختصراً: ۳۵۱۱، وابن ماجه: ۲۱۸۶، والنسائی: ۴۶۵۳، واحمد: ۴۴۴۷، وابن ابی

شيبه: ۲۲۷/۶۔

مَقْبُولٌ: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

- ۱۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی دنیوی معاملات میں باہم اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔
- ۲۔ اس اختلاف کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کی عظمت اور اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔
- ۳۔ اختلاف کے موقع پر وہ جھگڑا بڑھانے کے بجائے ثالث مقرر کر لیا کرتے تھے اور اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتے تھے۔
- ۴۔ اختلاف کے موقع پر وہ نبی ﷺ کے فیصلوں سے استشہاد کرتے تھے۔
- ۵۔ یہ شرعی اصول ہے کہ اگر قیمت کی مقدار میں دکاندار اور گاہک کے درمیان اختلاف ہو جائے، دکاندار زیادہ بتائے اور گاہک کم بتائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں، یا تو بائع کی بات کا اعتبار کیا جائے اور قیمت وہی ہو جو بائع بتا رہا ہے اور اگر مشتری اس پر راضی نہ ہو اور سامان بھی موجود ہو تو ان دونوں کو چاہیے کہ پہلا معاملہ منسوخ کر دیں اور از سر نو معاملہ کر لیں، اگر کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو بہت اچھا، ورنہ مشتری اپنے پیسے لے کر واپس لوٹ جائے اور بائع اپنا بیع سنبھال لے۔

بَابُ إِذَا أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَايَعِينَ الْبَيِّنَةَ

(۴۹۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فِي نَاقَةٍ وَقَدْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَّهَا نَتَجَتْ عِنْدَهُ فَقَضَى بِهَا لِلَّذِي فِي يَدِهِ۔

اگر فریقین میں سے ہر ایک گواہ پیش کر دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی آئے، وہ ایک اونٹنی کے بارے

جھگڑا کر رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لیے بینہ بھی قائم کیے ہوئے تھا کہ یہ اس کے یہاں پیدا ہوئی ہے، نبی ﷺ نے فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضے میں وہ تھی۔

(۴۹۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ اخْتَصَمَ رَجُلَانِ فِي نَاقَةٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُقِيمُ الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا نَاقَةٌ نَتَجَّهَا فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ آتِيَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي نَاقَةٍ فَأَقَامَ هَذَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ نَتَجَّهَا وَأَقَامَ هَذَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ نَتَجَّهَا فَجَعَلَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "ناقة" اونٹنی "نتجت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پیدا کرنا۔ تَجَنَّبَ حَدِيثًا: اخرجهما الدارقطني في سننه والحرثي في مسنده: ۳۴۔

مفہوم: بعض اوقات قاضی صاحبان کے سامنے ایسے مسائل پیش ہوتے ہیں جن میں ان کی عقل چکرا کر رہ جاتی ہے اور وہ مسئلے کا حل تلاش کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں مثلاً یہ بات تو واضح ہے کہ عام طور پر پیش آنے والے مقدمات میں ایک شخص مدعی ہوتا ہے اور دوسرا مدعی علیہ اس صورت میں مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے بصورت دیگر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی لیکن اگر قاضی کی عدالت میں ایسا مقدمہ پیش ہو جس میں دونوں فریق ہی مدعی ہوں، دونوں ایک ہی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہوں تو قاضی صاحب ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ اس مسئلے کو حل کرنے کی عقلی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ چیز دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دی جائے، بعض روایات سے اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔

۲۔ قرعہ اندازی کر کے دیکھ لیا جائے، جس کے نام قرعہ نکل آئے، اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔

۳۔ قبضہ کے ذریعے فیصلہ کیا جائے، فریقین میں سے جس کے قبضہ میں وہ چیز ہو، اسی کے دعوے کو مضبوط سمجھا جائے گا اور اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

زیر بحث حدیث میں اسی تیسری صورت کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی پر فقہاء احناف نے اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے، جبکہ شوافع پہلی صورت کو اس مضمون کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

”وللناس فيما يعشقون مذاهب“

کتاب الفتن

فتنوں کا بیان

(۴۹۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَلَ السَّيْفَ عَلَيَّ أُمَّتِي فَإِنَّ لِحْهَنَهُمْ سَبْعَةَ أَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَ السَّيْفَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری امت پر تلوار کھینچتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک اس شخص کے لیے بھی ہے۔

حَدِيثٌ غَابِرٌ: "سَل" بَابُ نَصْرٍ مَعْرُوفٌ كَمَا صَيغُهُ وَاحِدٌ مَذْكَرٌ غَائِبٌ هُوَ بِمَعْنَى سَوْنَتَنَا كَهَيْبَانَا۔
تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اَخْرَجَ مُسْلِمٌ مِثْلَهُ: ۲۸۱ (۹۹)، وَاحِدٌ بِهَذَا السِّيَاقِ: ۵۶۸۹۔

مفہوم: اگر کوئی شخص آپ سے آ کر کہے کہ حرم شریف میں داخل ہونے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے تو یقیناً آپ کو بہت خوشی ہوگی لیکن اگر کوئی شخص کسی کو جا کر یہ اطلاع دے کہ فلاں جیل میں ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے مختص کر دیا گیا ہے تو یقیناً اگر وہ عادی مجرم نہ ہو تو اس کے چہرے پر اوس پڑ جائے گی اور وہ مارے خوف کے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے گا۔

دنیا کی ان جیلوں کی آخرت کی اس جیل سے کیا مناسبت؟ جس کا نام ہی جہنم ہے پھر ذرا سوچئے کہ اگر اس دائمی جیل کے سات دروازوں میں سے ایک دروازے کو صرف اس شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے جو امت کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو اسے کس قدر غمگین ہونا چاہیے اور اپنے اعمال سے کس قدر توبہ کرنا چاہیے۔

اس لیے کہ خانہ جنگی ”خواہ کہیں بھی ہو“ اندرونی طور پر بھی انسان کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے اور بیرونی اعتماد کو بھی زائل کر دیتی ہے خاندانی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی بربادی اور افسوس کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور ملکی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی ذلت و رسوائی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اسلام اس خانہ جنگی کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا، وہ آپس میں افتراق و انتشار اور لڑائی جھگڑے کی بجائے مذاکرات، امن و صلح اور آشتی کا پیغام دیتا ہے اس لیے امن عامہ کو خراب کرنے والے اور پورے ملک کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے والے کی سزا بھی اتنی سخت مقرر فرمائی کہ جہنم کا ایک پورا دروازہ اس قسم کے لوگوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس اخروی سزا کے علاوہ دنیوی سزا کے طور پر بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص ”جو ہم پر اسلحہ اٹھاتا ہے“ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَلَاثِينَ كَذَابًا

(۴۹۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ السَّبَائِيِّ كَلَامًا عَظِيمًا فَاتَيْنَا بِهِ عَلِيًّا وَنَحْنُ نَهْزُ عُنْقَهُ فِي طَرِيقِهِ فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِيًا عَلَى ظَهْرِهِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى فَسَأَلَهُ عَنِ الْكَلَامِ فَتَكَلَّمَ بِهِ فَقَالَ أَتْرُويهِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ عَنْ رَسُولِهِ فَقَالَ لَا قَالَ فَعَمَّا تَرَوِي قَالَ عَنْ نَفْسِي قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوُ رَوَيْتَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ عَنْ رَسُولِهِ ضَرَبْتَ عُنْقَكَ وَلَوْ رَوَيْتَهُ عَنِّي أَوْ جَعْتَكَ عُقُوبَةً فَكُنْتَ كَاذِبًا وَلَكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلَاثُونَ كَذَابًا وَأَنْتَ مِنْهُمْ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ فِيْمَنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ السَّبَائِيِّ كَلَامًا عَظِيمًا فَاتَيْنَا بِهِ عَلِيًّا فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِيًا ظَهْرَهُ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى فَسَأَلَهُ عَنِ الْكَلَامِ فَتَكَلَّمَ فَقَالَ أَتْرُويهِ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ عَنْ رَسُولِهِ قَالَ لَا قَالَ فَعَمَّنْ تَرُويهِ قَالَ عَنْ نَفْسِي قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوُ رَوَيْتَ عَنِ اللَّهِ أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ رَسُولِهِ ضَرَبْتَ عُنْقَكَ وَلَوْ رَوَيْتَ عَنِّي أَوْ جَعْتَكَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلَاثُونَ كَذَابًا فَأَنْتَ مِنْهُمْ۔

تمیس کذاب لوگوں کا بیان

ترجمہ: ابو الجلاس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا یہودی سے ”بڑی بات“ سننے والوں میں میں بھی شامل تھا، ہم اسے لے کر حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور راستے بھر اس کی گردن کھینچتے رہے، ہم نے حضرت علیؑ کو مسجد کوفہ کے صحن میں چپت لیٹے ہوئے اور ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے ہوئے دیکھا، حضرت علیؑ نے اس سے اس کے عقائد کے بارے پوچھا، اس نے کچھ بولا، حضرت علیؑ نے پوچھا کہ کیا تم یہ باتیں اللہ کے حوالے سے یا اس کی کتاب کے حوالے سے یا اس کے پیغمبر کے حوالے سے نقل کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا پھر کہاں سے بیان کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اپنے دل سے! فرمایا اگر اب تو نے کوئی جھوٹی بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے پیغمبر کے حوالے سے نقل کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا اور اگر میری طرف منسوب کر کے نقل کی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا اور تو جھوٹا قرار دیا جائے گا، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے قریب تمیں کذاب آئیں گے اور تو ان ہی میں سے ایک ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ: "نَهْزُ" بَابُ نَصْرٍ مِنْ مَضَارِعِ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَغَهُ جَمْعُ مُتَكَلِّمٍ هِيَ بِمَعْنَى كَهَيْبِجَا، حَرَكَةُ دِينَ، "رَحْبَةٌ" صَحْنٌ كَشَادَهُ جَكَ "أَوْ جَعْتَكَ" بَابُ أَعْمَالٍ مِنْ فَعْلٍ مَاضِيٍّ مَعْرُوفٍ كَمَا صَيَغَهُ وَاحِدٌ مُتَكَلِّمٍ هِيَ بِمَعْنَى سَزَادِينَا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: أَمَا قَوْلُهُ: بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلَاثُونَ كَذَابًا فَقَدْ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَغَيْرُهُمَا، وَأَمَا بِهَذَا السِّيَاقِ فَقَدْ أَخْرَجَهُ

احمد: ۱۰۶۰۵، وابن ابی شیبہ: ۳۱۶۹۴، و ابو عوانہ: ۷۵۰۹۔

مَقْبُولٌ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و عقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے جس طرح انہیں الوہیت کے درجے پر فائز کر کے عیسائیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں جن میں سرفہرست عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اگر اسلام خدا کا آخری دین نہ ہوتا اور اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھی ہوتی تو دشمنانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دشمنانِ اسلام نے اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی جان توڑ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔

اور عجیب بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس شخص کو جھوٹا، کذاب اور تیس میں کا ایک دجال قرار دے رہے ہیں بعض لوگوں کے نزدیک اس کا وجود ہی مشکوک ہو اور بعض کی نگاہوں میں وہ قومی ہیرو ہو، ظاہر ہے کہ یہ دونوں خیالات حقائق اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی ذریت نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس پر ”آستین کا سانپ“ والی کہادت پوری پوری صادق آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مذموم مقاصد اور باطل عقائد و نظریات پر مطلع ہوئے تو آپ نے اسے سخت سزا کی دھمکی دی اور جب وہ اپنے ان نظریات کی اشاعت سے باز نہ آیا اور لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے گرد اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو باوجود ممنوع ہونے کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں آگ میں جلا دیا، لیکن نظریات و خیالات کا جو بیج وہ بو چکا تھا اب وہ تناور درخت بن چکا تھا جس نے اب بڑھتے بڑھتے پورے جنگل کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بَابُ مَا يَكُونُ لِشِدَّةِ الزَّمَنِ

(۴۹۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَخْتَلِفُونَ إِلَى الْقُبُورِ فَيَضَعُونَ بُطُونَهُمْ عَلَيْهِ وَيَقُولُونَ وَدِدْنَا لَوْ كُنَّا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَكَيْفَ يَكُونُ قَالَ لِشِدَّةِ الزَّمَانِ وَكَثْرَةِ الْبَلَايَا وَالْفِتَنِ۔

زمانے کی سختی کا نتیجہ کیا ہوگا؟

تَرْجَمْنَا: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ وہ قبروں پر آ کر اپنے جسم ان پر گرڑیں گے اور کہیں گے کہ کاش! ہم اس قبر والے کی جگہ ہوتے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا شدتِ زمانہ اور کثرتِ مصائب و فتن کی وجہ سے۔

خَلَّتْ عِبَارَتُ: ”یختلفون“ باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اختلاف کرنا، مراد آنا جانا ہے کیونکہ آنے والے مختلف راستے پر ہوتے ہیں جانے والے سے۔ ”بطونہم“ بطن کی جمع ہے بمعنی پیٹ ”وددنا“

باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پسند کرنا "البلايا" بلیۃ کی جمع ہے بمعنی آزمائش۔

تجلیح حدیث: أخرجه البخاری: ۷۱۱۵، ومسلم: ۷۳۰۲ (۱۵۷)

مفہوم: علماء کرام نے قیامت کی علامت کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے اور انہیں علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ کا نام دیا ہے، علامات کبریٰ میں ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، خروج یا جوج و ماجوج وغیرہ کو شمار کیا ہے اور انہی کے ظہور کا انتظار ہے جیسے ہی ان میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہوگی، دوسری علامات بھی یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گی اور قیامت آگے گی، نزول عیسیٰ پر تو بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، بقیہ تینوں علامتوں کے لیے راقم الحروف کی ان موضوعات پر الگ الگ کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

رہی قیامت کی علامات صغریٰ تو وہ سب پوری ہو چکی ہیں، زیر بحث حدیث میں بھی ان ہی میں سے ایک علامت کو بیان کیا گیا ہے جس کا مشاہدہ اب ہر شخص اپنی آنکھوں سے کر سکتا ہے کہ جان اور مال کے عدم تحفظ کی وجہ سے اب ہر انسان زمین کے اوپر رہنے سے بہتر زمین کے اندر رہنا سمجھتا ہے، زمین کی پشت کی نسبت زمین کا پیٹ اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے، دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کو اچھا سمجھتا ہے کہ دنیا کے ان جھنجھٹوں سے نجات پا کر وہی اچھے رہ گئے، ہم ابھی تک ان ہی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں، اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ زندگی کی بجائے موت کی تمنا کرنے لگے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ تمنا موت کا شرعی حکم کیا ہے؟ قابل غور بات یہ ہے کہ آخر زندگی کے مقابلے میں موت کی تمنا کرنے پر کون سی چیز انسان کو ابھار رہی ہے؟ اور وہ کیوں زندگی پر موت کو ترجیح دے رہا ہے؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ زمانے کی سختیوں، تکلیفوں، پریشانیوں اور کثرت سے پیش آنے والے حادثات اور فتنوں نے انسان کو یہ راستہ دکھایا ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کی پیشین گوئی آج سے چودہ سو سال قبل نبی ﷺ نے فرمادی تھی۔

کتاب التفسیر

آیات قرآنی کی تفسیر

(۵۰۰) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي فَرَوَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ
عَزَّوَجَلَّ الْمَرَّ قَالَ أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ وَأَرَى۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے ارشاد باری تعالیٰ "المر" کی تفسیر میں منقول ہے کہ میں اللہ ہوں، جانتا اور دیکھتا ہوں۔

تجلیح حدیث: أخرجه ابن ابی خاتم، وابن جریر، كما قاله ابن کثیر: ۵۳/۱۔

مَقْلُوبًا: "حروف مقطعات" قرآن کریم کا ایک اہم ترین جزو ہیں جن کے بارے جمہور علماء و مفسرین کی صحیح رائے یہی ہے کہ ان کا معنی اور مطلب اللہ ہی کو معلوم ہے، چونکہ ان حروف میں کوئی عملی حکم موجود نہیں ہے اس لیے امت کو ان کا معنی معلوم ہونا ضروری نہیں ہے البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ قرآن کریم کا حصہ ہیں اور مہمل یا بے معنی الفاظ نہیں ہیں۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو کہ ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہیں، ان حروف مقطعات میں سے ہر ایک کا معنی بیان فرماتے ہیں اور ان حروف مقطعات کو اسماء و صفات الہیہ کا مخفف قرار دیتے ہیں جیسا کہ زیر بحث روایت میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ الف سے "انا" لام سے اللہ میم سے "اعلم" اور ر سے "اری" مراد لے رہے ہیں۔
فائدہ: مسند کے اس نسخے میں جو ہمارے پیش نظر ہے "الم" لکھا ہوا ہے، لیکن ہم نے اسے کاتب کی غلطی پر محمول کرتے ہوئے اس کا تلفظ "الم" کیا ہے ورنہ "انا اللہ اعلم" کے بعد "اری" کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّا نَزَّكْنَا مِنَ الْمُحْسِنِينَ

(۵۰۱) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نَبِيْطٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ الضَّحَّاكِ ابْنِ مُزَاحِمٍ فَيَسْأَلُهُ رَجُلٌ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ إِنَّا نَزَّكْنَا مِنَ الْمُحْسِنِينَ مَا كَانَ إِحْسَانُهُ قَالَ كَانَ إِذَا رَأَى رَجُلًا مُضِيْقًا عَلَيْهِ وَسَّعَ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَى مَرِيضًا قَامَ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَى مُحْتَاجًا سَأَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ۔

سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۳۶ کی تفسیر

تَرْجُمَانًا: سلمہ بن نبیط کہتے ہیں کہ میں ضحاک بن مزاحم کے پاس تھا، ان سے ایک آدمی نے آ کر یہ سوال پوچھا کہ "انا نراک من المحسنین" والی آیت میں "احسان" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام جب کسی قیدی کو تنگی میں دیکھتے تو اس پر کشتادگی کر دیتے، کسی کو بیمار پاتے تو اس کی دیکھ بھال کرتے اور جب کسی کو محتاج دیکھتے تو اس کی ضرورت پوری کر دیتے۔

تَخْرِيجُ حَدِيثٍ: اخرجہ البغوی فی تفسیرہ۔

مَقْلُوبًا: اس حدیث میں سورۃ مبارکہ یوسف کی آیت نمبر ۳۶ کی تفسیر ذکر کی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر نے ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل بھیجا تو وہاں ان سے دو قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور کہا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں، جیل میں "احسان" چہ معنی دارد؟ زیر بحث روایت میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

لیکن اس وضاحت پر پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جیل میں تو آدمی خود تنگ دست ہوتا ہے، دوسروں پر کیا کشتادگی

کرے گا اور کسی محتاج کی ضرورت کیونکر پوری کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عادات اور طور طریقوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ آدمی جب جیل میں اتنا اچھا ثابت ہو رہا ہے تو یقیناً جیل سے باہر یہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہوگا، ان کی بیمار پرسی کرتا ہوگا اور تنگدستوں کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہوگا اس لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ان عادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں یعنی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا شیوہ احسان کرنا ہے لہذا ہم پر بھی ایک احسان کر دیجیے اور ہمارے خواب کی تعبیر بتا دیجیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

(۵۰۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ الْمُتَفَرِّسِينَ۔

فراستِ مؤمن کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت تلاوت کی ”ان فی ذلک لآیت للمتوسمین“ بمعنی فراست والے۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: ”فراست“ وہ باطنی نور جو انسان کو صحیح راستہ اور مخفی اشیاء دکھائے اسی سے ”متفرسین“ بھی ہے۔

تَجْرِبَةُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۳۱۲۷۔

مَفْهُومٌ: ”فراست“ ایک ایسے باطنی نور کا نام ہے جس کی روشنی اور چمک سے انسان ”ظاہر“ کے حالات و حقائق پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس نور کے اثرات کا بعض اوقات لوگوں کو بھی مشاہدہ ہوتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کی کرامات اسی قبیل سے ہیں لیکن یہ چیز یوں ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے لیے اللہ سے مضبوط ترین تعلق بہت ضروری ہوتا ہے یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ فراست اور شعبدہ بازی میں فرق کرنا ممکن ہو سکے۔

جبکہ بعض علماء کرام فراست کا معنی تجربہ بتاتے ہیں کہ انسان لوگوں کے طور طریقوں کو دیکھ دیکھ کر اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر چہرہ شناسی کا جو مرتبہ حاصل کرتا ہے اسے ”فراست“ کہا جاتا ہے پہلی صورت میں اس کا نور الہی کا اثر ہونا واضح ہے اور سورہ حجر کی آیت نمبر ۷۵ جس کی نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تلاوت فرمائی اور زیر بحث حدیث میں فراست سے پہلا معنی ہی مراد ہے جبکہ دوسری صورت میں یہ انسانی محنت و مشقت پر مبنی ہے نیز پہلی صورت میں یہ نعمت کسی کو بھی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ دوسری صورت میں اس کے لیے طویل تجربہ اور مزاج شناسی کا ملکہ نہ ہونے کی صورت میں یہ کیفیت

حاصل نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ

(۵۰۳) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

سورہ حجر کی آیت نمبر ۹۲ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ”فو ربك لنسالنهم اجمعين عما كانوا يعملون“ کی وضاحت میں فرمایا ہے اس سے مراد ”لا اله الا الله“ ہے۔

تصحیح بخاری: أخرجه الترمذی: ۳۱۲۶۔

مفہوم: علماء کرام نے یہاں یہ بحث چھیڑی ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے یا نہیں؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو کہ سورہ حجر کی آیت نمبر ۹۲، ۹۳ ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے جبکہ بعض آیات سے اس کی نفی ہوتی ہے؟ پھر انہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اس لیے جن آیات میں نفی ہے ان کا مطلب تو واضح ہے اور جن آیات میں سوال کا اثبات ہے وہ زجر و توبیخ پر محمول ہیں۔

لیکن راقم الحروف کے نزدیک اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس آیت میں درحقیقت منکرین قرآن کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تم تکذیب و تردید کی جس راہ پر چل رہے ہو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں کیونکہ دنیا میں بھی تم پر ہماری پکڑ آ سکتی ہے اور اگر یہاں ڈھیل مل گئی تو آخرت کے عذاب سے بچ کر کہاں جا سکو گے؟ وہاں تمہارا مال و دولت اور آل و اولاد کسی کام نہ آسکیں گے وہاں تو سکہ رائج الوقت کلمہ توحید و رسالت کا اقرار اور اعمال صالحہ کی پونجی ہوگی اور ہم ایک ایک سے اسی سکہ رائج الوقت کا سوال کریں گے جس کے پاس یہ نکل آیا اسے سیدھا جنت میں بھیج دیں گے اور جس کے پاس نہ نکلا اسے سیدھا جہنم میں بھیج دیں گے اس تقریر سے آیت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور مذکورہ سوال جواب کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا نَنْزَلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ

(۵۰۴) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِعَجْرَةَ بِنْتِ مَالِكٍ تَزُورُنَا أَكْثَرَ مَا تَزُورُنَا قَالَ فَأَنْزَلْتُ بَعْدَ لَيْالٍ وَمَا نَنْزَلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا۔

سورہ مریم کی آیت نمبر ۶۳ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے ایک مرتبہ فرمایا تم اس مقدار

سے زیادہ کثرت کے ساتھ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ چند ہی دنوں کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی ”وما ننزل الا بامر ربك له ما بين ايدينا وما خلفنا“

حَدِيثُ بَخَارِيَّ: ”مالك“ میں ”ما“ حرف استفہام ہے ”تذورنا“ باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ملاقات کرنا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثِ: أخرجه البخاری: ۴۷۳۱، والترمذی: ۳۶۵۸۔

مَقْهُومٌ: اس حدیث میں سورہ مبارکہ مریم کی آیت نمبر ۶۴ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے جس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام جتنی کثرت کے ساتھ (بعض علماء کے مطابق ۲۳ سالہ دور نبوت میں ۲۴ ہزار مرتبہ) نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کسی اور نبی کی خدمت میں باوجود ان کی طویل عمروں کی تشریف نہیں لائے اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا ان سے کثرت اور اضافہ کا تقاضا کرنا چہ معنی وارد؟

بہت سے علماء کرام نے اسے شوق اور رغبت پر محمول کیا ہے کیونکہ جبریل کی آمد کسی نہ کسی حکم الہی کا اعلان ہوتی تھی اور محبوب کی بات بھی محبوب ہوتی ہے اس لیے یہ تقاضا کیا، لیکن راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب کہ فترت وحی کا زمانہ گزرنے کے بعد پہلی مرتبہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے تھے، درایہ بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ فترت وحی کے بعد تو خود بخاری شریف کی روایت کے مطابق ”فحمی الوحی وتتابع“ والی صورت پیدا ہوگئی تھی۔

اور الحمد للہ! بعد میں کتب تفسیر کی مراجعت سے حافظ ابن ابی حاتم کا قول بھی راقم کی موافقت میں مل گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُنْكَرِ الَّذِي يَأْتِيهِ قَوْمٌ لُوطٍ

(۵۰۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سِمَاكِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا كَانَ الْمُنْكَرُ الَّذِي كَانُوا يَأْتُونَ فِي نَادِيهِمْ قَالَ كَانُوا يَخْذِفُونَ النَّاسَ بِالنَّوَاةِ وَالْحَصَاةِ وَيَسْخَرُونَ مِنْ أَهْلِ الطَّرِيقِ۔

قوم لوط کے ناپسندیدہ عمل کا بیان

تَرْجُمَانًا: حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا ناپسندیدہ کام تھا جو قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ لوگوں کو گٹھلیاں اور کنکریاں مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حَدِيثُ بَخَارِيَّ: ”يخذفون“ باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کنکر مارنا ”النواة“ گٹھلی ”الحصاة“ کنکری ”يسخرون“ باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مذاق اڑانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۳۱۹۰، واحمد: ۲۷۴۲۹، والطیالسی: ۱۶۱۷۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ کا تعلق سورۃ عنکبوت کی آیت نمبر ۲۹ سے ہے جس میں قوم لوط کی عادات و خصائل میں سے ایک خصلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں برسر عام ہر ایک کے سامنے ناپسندیدہ کاموں اور حرکتوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ کسی چھوٹے بڑے کو دیکھ کر ہی شرما جائیں بلکہ سب مل کر ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ ہر راہ گیر کو چھیڑتے، اسے کنکریاں مارتے اور اس کا مذاق اڑاتے اور تہقہ لگاتے، جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ برسر عام بھری محفل اور مجلس میں ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کر لیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے اعضاء ریسہ کو ظاہر کر دیتے تھے اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ان ہی کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ان کی غلطیوں کو دہرانے سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے ان کا انجام بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر اخلاقی عیب اور ہر قسم کی گندگی و بدکرداری سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي ضَعْفٍ

(۵۰۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً فَرَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ قُلْ مِنْ ضَعْفٍ۔

لفظ ضعف میں قراءت کا بیان

تَرْجَمَةً: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے ”اللہ الذی خلقکم من ضعف الخ“ والی آیت ض کے فتح کے ساتھ پڑھی تو آپ ﷺ نے اسے رد کرتے ہوئے فرمایا ”من ضعف“ (ضمہ کے ساتھ) کہو۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه الترمذی: ۲۹۳۶، و ابوداؤد: ۳۹۷۸، واحمد: ۵۲۲۷، و ابن کثیر: ۵۷۶/۳۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث کا مفہوم واضح ہونے کے لیے ضعف اور ضعف میں فرق واضح ہونا ضروری ہے، چنانچہ علماء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ ضعف کا معنی جسمانی کمزوری ہے اور ضعف کا معنی عقلی کمزوری ہے، ظاہر ہے کہ جسمانی کمزوری کے بعد قوت کا حاصل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے اور یہی آیت کا منشاء ہے لیکن عقلی کمزوری کے بعد قوت جسمانی کا حاصل ہونا ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، اسی لیے نبی ﷺ نے اس لفظ کو ضمہ کے ساتھ پڑھنے پر اصرار فرمایا۔

جبکہ بعض علماء کرام ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو ض کے فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيهَا مَضَى مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

(۵۰۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ مَسْرُوقٍ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

قیامت کی گزر جانے والی علامات کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ”دخان اور بطشہ“ تو نبی ﷺ کے دور باسعادت میں ہی گزر چکے۔

تجلیح حدیث: أخرجه البخاری مطولاً: ۴۷۷۴، ومسلم: ۷۰۶۸ (۲۷۹۸) والترمذی: ۳۲۵۴۔

مفہوم: اس روایت کا مکمل پس منظر سمجھنے کے لیے بخاری شریف کی اس روایت کو بھی ساتھ ملانا ضروری ہے کہ جس کے مطابق ایک مرتبہ نبی ﷺ نے قریش کی چیرہ دستیوں اور سازشوں سے تنگ آ کر ان کے خلاف بددعاء کی بارگاہ خداوندی میں اسی وقت اسے شرف قبولیت مل گیا، اور اہل مکہ سخت قسم کی قحط سالی میں مبتلا ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ کتے اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے اور بہت سے اسی دوران مر گئے ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اپنی قوم کے لیے دعا کیجئے بالآخر نبی ﷺ کی دعا پر وہ عذاب ملا۔

اس قحط میں اہل مکہ کی صورت حال یہ تھی کہ بھوک سے نڈھال ہو کر انہیں بس ہر طرف دھواں ہی دھواں دکھائی دیتا تھا، اور کچھ نہ بچھائی دیتا، قرآن کریم نے سورہ دخان میں اسی کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح سورہ دخان میں جس بطشہ کبریٰ کا ذکر آیا ہے وہ غزوہ بدر کی صورت میں ہو گئی اور اتنی سخت پکڑ ثابت ہوئی کہ اس میں قریش کے بڑے بڑے سوار مارے گئے۔

گویا حضرت ابن مسعود کی رائے کے مطابق یہ دونوں چیزیں دور نبوت میں ہی وقوع پذیر ہو چکیں، رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کے برعکس رائے رکھتے تھے اور وہ انہیں ان علامات قیامت میں شمار کرتے تھے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گی، ان کی رائے مبنی برصحت نہ ہونے کو ثابت کرنے کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ وضاحت کرنا پڑی۔

بَابُ الْوَلَدِ مِنْ كَسْبِ الرَّجُلِ

(۵۰۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَهَبَةُ اللَّهِ لَكُمْ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا نَا وَ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الدُّكُورَ۔

اولاد انسان کی کمائی ہوتی ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے اور تمہارے لیے اللہ کا تحفہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے۔

تخریج: بخاری: ۳۵۲۸، الترمذی: ۱۳۵۸، ابن ماجہ: ۲۲۹۰، والنسائی من: ۴۴۵۴، الی: ۴۴۵۷، واحمد: ۲۴۵۳۳، وابن حبان: ۴۲۶۰۔

مفہوم: چونکہ دنیا میں نسل انسانی کی بقاء کا ظاہری اعتبار سے سب سے بڑا ذریعہ اولاد ہی ہے اور ہر انسان اپنی نسل کی بقاء کی خواہش رکھتا ہے اس لیے فطری طور پر اسے اولاد کی خواہش بھی ہوتی ہے جو اکثر اوقات پوری بھی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حکمت خداوندی کا تقاضا اولاد نہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جسے اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا جائے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے اولاد زرینہ عطاء ہو اسی خواہش کی تکمیل میں بعض اوقات اس کی اولاد کی تعداد آٹھ نو سے بھی تجاوز کر جاتی ہے اور اسی چکر میں بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان خاموش جنگ بھی شروع ہو جاتی ہے میاں کہتا ہے کہ تم ہر مرتبہ بچی کو جنم دیتی ہو؟ بیوی کہتی ہے کہ اس میں میرا کیا عمل دخل ہے؟ یہ تو تو میں میں بڑھتے بڑھتے دونوں کے خاندانوں تک وسیع ہو جاتی ہے اور نتیجہ اولاد کی عدم تربیت کی صورت میں نکلتا ہے اگر انسان صرف اس بات پر غور کر لے کہ یہ چیز میری خواہش پر نہیں، اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتی ہے تو کبھی یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّينِ اسْرَفُوا عَلَى انْفُسِهِمْ

(۵۰۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَكِّي بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي لَهَيْعَةَ عَنْ أَبِي قَبِيلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُبْرَنْبِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ ثُوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَا اَحْبُّ اَنْ لِي الدُّنْيَا بِمَا فِيهَا بِهَذِهِ الْاَيَةِ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَى انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَقَالَ رَجُلٌ وَمَنْ اشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اشْرَكَ۔

اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کا بیان

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دنیا و ما فیہا کے مقابلے میں مجھے یہ آیت زیادہ پسند ہے ”قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم الخ“ ایک شخص نے عرض کیا کہ مشرک کا کیا حکم ہے؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تین مرتبہ اس طرح سوال اور خاموشی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہاں! مشرک کا بھی یہی حکم ہے۔

تجلیح حدیث: اخرجہ احمد: ۲۲۷۲۰۔

مفہوم: سورہ مبارکہ زمر کی یہ آیت نمبر ۵۳ ہے جو ”آیت امید“ ہے علامت رحمت اور مایوسیوں کے بادلوں کی دبیز تہوں کو پھاڑنے والی ہے یہ بڑے سے بڑے گناہگار اور مشرک کو ناامید ہونے سے بچاتی ہے یہ بڑے سے بڑے ظالم اور بدکار و قاتل کو مایوسی کے بھنور سے نکالتی ہے یہ زندگی کے ہر شعبے میں پاپی بن کر زندگی گزارنے والوں کو اپنے رب سے قریب کرتی ہے اور امیدوں کے ایسے دیے روشن کرتی ہے جس سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے دل روشن ہو جائیں۔

اس آیت کا ترجمہ خود اپنی وضاحت آپ ہے اس لیے اس کی تشریح کیے بغیر ہم اس کا ترجمہ ہی پیش کیے دیتے

ہیں۔

”اے میرے حبیب ﷺ! آپ فرمادیجیے کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت

سے مایوس نہ ہو، بیشک وہ سارے گناہوں کو معاف فرمادے گا، وہی تو بے انتہاء بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے۔“

بَابُ كَيْفَ اسْلَمَ وَحُشِيُّ بْنُ حَرْبٍ

(۵۱۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ وَحُشِيًّا لَمَّا قَتَلَ حَمْزَةَ مَكَّةَ زَمَانًا ثُمَّ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ فَارْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُولُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا فَاِنِّي قَدْ فَعَلْتُهُنَّ جَمِيعًا فَهَلْ لِي رُحْصَةٌ۔

قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهُ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا قَالَ فَارْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِهِدِهِ فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَيْهِ قَالَ وَحُشِيٌّ إِنَّ فِي هَذِهِ آيَةٍ شُرُوطًا وَأَحْشِيٌّ أَنْ لَا آتِي بِهَا وَلَا أَحَقِّقُ أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا أَمْ لَا فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ الْيَنُّ مِنْ هَذَا يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِئِيلُ بِهِدِهِ الْآيَةَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ قَالَ فَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِهِدِهِ الْآيَةَ وَبَعَثَ إِلَى وَحُشِيٍّ۔

قَالَ فَلَمَّا قُرِئَتْ لَهُ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَأَنَا لَا أَدْرِي لَعَلِّي أَنْ لَا أَكُونَ فِي مَشِيئَتِهِ إِنْ شَاءَ فِي الْمَغْفِرَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْآيَةُ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ لِمَنْ شَاءَ كَانَ ذَلِكَ فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ أَوْ سَعُ مِنْ ذَلِكَ يَا مُحَمَّدُ فَنَزَلَ جِبْرِئِيلُ بِهِدِهِ

الْآيَةِ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ قَالَ فَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَبَعَثَ بِهَا إِلَىٰ وَحْشِي فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَيْهِ قَالَ أَمَا هَذِهِ الْآيَةُ فَنَعَمْ ثُمَّ أَسْلَمَ فَأَرْسَلَ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ فَأَذِّنْ لِي فِي لِقَائِكَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ وَارِعْنِي وَجْهَكَ فَإِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِي مِنْ قَاتِلِ حَمْزَةَ عَمِّي قَالَ فَسَكَتَ وَحْشِي حَتَّىٰ كَتَبَ مُسَيْلَمَةُ مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُولِ اللَّهِ إِلَىٰ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَمَا بَعْدُ فَقَدْ أَشْرَكْتُ فِي الْأَرْضِ فَلِي نِصْفُ الْأَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُهَا غَيْرَ أَنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُونَ قَالَ فَقَدِمَ بِكِتَابِهِ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَجُلَانِ فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْكِتَابُ قَالَ لِلرَّسُولَيْنِ لَوْلَا أَنَّكُمْ رَسُولَانِ لَقَتَلْتُكُمَا ثُمَّ دَعَا بَعْلِي بِنِ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ أَكْتُبْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَىٰ مُسَيْلَمَةَ الْكُذَّابِ السَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ أَمَا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

قَالَ فَلَمَّا بَلَغَ وَحْشِيًّا مَا كَتَبَ مُسَيْلَمَةُ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَخْرَجَ الْمِدْرَاعَ فَصَقَلَهُ وَهَمَّ بِقَتْلِ مُسَيْلَمَةَ فَلَمْ يَزَلْ عَلَىٰ عِزْمٍ ذَلِكَ حَتَّىٰ قَتَلَهُ يَوْمَ الْيَمَامَةِ۔

وحشی بن حرب نے اسلام کیسے قبول کیا؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب وحشی بن حرب نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تو ایک زمانہ تک کفر پر ہی رہے جب دل میں اسلام گھر کر گیا تو نبی ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر چکا ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور ناحق کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہو اور زنا نہیں کرتے جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا سے دو چار ہوگا جو قیامت کے دن دو گنی کر دی جائے گی اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا میں نے یہ سب کام کر رکھے ہیں کیا میرے لیے رخصت کا کوئی پہلو ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ اس پر حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! اسے کہہ دیجیے کہ جو شخص توبہ کر لے ایمان لے آئے اور اچھے اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے نبی ﷺ نے اسے یہ جواب بھجوا دیا جب وہ آیات اسے پڑھ کر سنائی گئیں تو اس نے کہا کہ اس آیت میں تو کچھ شرائط ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان شرائط کو پورا نہیں کر سکوں گا اور مجھے یقین نہیں ہے کہ میں اچھے اعمال کر سکوں

گایا نہیں؟ تو کیا اس سے زیادہ بھی نرم حکم ہو سکتا ہے؟

اس پر جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ ہر گناہ جسے چاہے گا معاف فرمادے گا، نبی ﷺ نے یہ آیت وحشی کے پاس لکھ بھیجی، جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے اپنے عریضے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے ”ان اللہ لا یغفر ان یشرك به الخ“ مجھے کیا پتہ کہ اس کی مشیت میری مغفرت سے متعلق ہے یا نہیں؟ اگر یہ آیت یوں ہوتی ”ویغفر ما دون ذلك“ اور ”لمن یشاء“ نہ ہوتا تو بات بن جاتی، کیا آپ کے پاس اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے؟

اس پر جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اے حبیب ﷺ! آپ فرمادیجیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہوں کو معاف فرمادے گا، بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت لکھ کر وحشی کو بھیج دی، جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ ہاں! یہ آیت ہے پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد اس نے پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اب مجھے ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمائیے، نبی ﷺ نے یہ جواب بھیجا کہ مجھ سے اپنے چہرے کو چھپا کر ہی رکھو کیونکہ میں اپنے چچا حمزہ کے قاتل کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، اس پر وحشی خاموش ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد مسیلمہ نے نبی ﷺ کے پاس یہ پیغام بھیجا ”پیغمبر خدا مسیلمہ کی طرف سے پیغمبر خدا محمد ﷺ کی طرف، اما بعد! میں زمین میں آپ کا شریک ہوں، اس لیے نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کی، یہ الگ بات ہے کہ قریش ایک با اعتماد قوم ہے“ اس کا یہ پیغام نبی ﷺ کے پاس دو آدمی لے کر آئے، نبی ﷺ کو جب یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان قاصدوں سے فرمایا اگر تم دونوں قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کروا دیتا، پھر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا لکھو ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، پیروکار ہدایت پر اللہ کی سلامتی ہو، اما بعد! زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام متقیوں کا ہوتا ہے، وصلی اللہ علی سیدنا محمد۔

جب وحشی کو مسیلمہ کے اس خط کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنا حربہ نکالا، اس کی دھارتیز کی اور مسیلمہ کے قتل کی فکر میں رہا یہاں تک کہ جنگ یمامہ کے دن اسے جہنم رسید کر دیا۔

حَلَّتْ بِرَبِّهَا رَيْتُ: ”فعلتھن“ فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کرنا ”شروطا“ شرط کی جمع ہے ”احقق“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی محقق کرنا، ثابت کرنا ”الین“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم ”قرأت“ باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پڑھنا، ”اوسع“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی کشادگی، ”وارعنی“ ”عن“ حرف جار اور ”می“ ضمیر متکلم مجرور ہے، صرف لفظ ”وار“ صیغہ ہے جو باب مفاعلہ سے فعل امر

معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی چھپانا ”املا“ باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھرنا ”اشرکت“ باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شریک کرنا ”المدراع“ حربہ چھوٹا نیزہ ”فصله“ باب نصر اور سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چکانا، دھارتیز کرنا ”ہم“ باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تخریج حدیث: اور وہ الزبیدی فی عقود الجواهر المنیفة: ۲۰۰/۱، واما انه کیف اسلم فقد اخرجہ البخاری: ۴۰۷۲۔
مفہوم: اس حدیث مبارکہ کی تفصیلی وضاحت اور اس پر سیر حاصل بحث کے لیے تو بڑا وقت درکار ہے جس کی فرصت اجازت دی جاتی ہے اور نہ یہ صفحات اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اس لیے صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔
اور وہ یہ کہ جب وحشی بن حرب نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تو اس نے صرف ایک صحابی کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ اس نے نبی ﷺ سے ان کا حقیقی چچا چھین لیا تھا، نبی ﷺ سے ان کا رضاعی اور دودھ شریک بھائی چھین لیا تھا، ایک ایسا بہادر اور جی دار پہلوان چھین لیا تھا جو اکیلا ہی پورے غنیم کو کافی ہو جاتا تھا، ایک سبیل اور کڑیل نوجوان چھین لیا تھا اور صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جسم کے ٹکڑے کیے گئے، اس کا سینہ چیر کر جگر چبایا گیا، اس میں شراب پی گئی اور بزم خود اپنے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائی گئی۔

یہ نبی ﷺ ہی کا حوصلہ تھا کہ اس شخص کو نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اسے مسلمانوں کی صف میں قبول بھی کر لیا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی ﷺ نے اسے اپنے سامنے آنے سے کیوں روکا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ شخص جان بوجھ کر نادان بن رہا ہے اور حقائق کو چھپا رہا ہے۔

الغرض! وحشی نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کر کے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا، اسی وحشی سے پروردگار عالم نے اس نقصان کا ازالہ اس طرح کروایا کہ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلمہ کذاب کو اس کے ہاتھوں اسی نیزے سے جہنم رسید کروایا جس سے اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ پروردگار اپنے دین کی خدمت جس سے چاہے لے سکتا ہے، نیز یہ کہ کسی شخص کے برے کام کو دیکھ کر اس پر کوئی حکم صادر نہیں کرنا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انجام کار ایسا کام لے لے جس سے اس کا سارا داغدار ماضی دھل کر صاف ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ

(۵۱۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزَّعْرَاءِ مِنْ أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
لِيُخْرِجَنَّ بِشَفَاعَتِي مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ مِنَ النَّارِ حَتَّى لَا يَبْقَى فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا أَهْلُ هَذِهِ الْآيَةِ مَا

سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَحْوُضُ مَعَ
الْحَائِضِينَ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى آتَانَا الْيَقِينَ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ يُعَذِّبُ اللَّهُ تَعَالَى أَقْوَامًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ
مُحَمَّدٍ ﷺ حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ
الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَحْوُضُ مَعَ الْحَائِضِينَ إِلَى الشَّافِعِينَ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری شفاعت کی برکت سے اہل
ایمان کو جہنم سے نکالا جائے گا حتیٰ کہ اس میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا مگر اس آیت کی وجہ سے کہ تمہیں کون سی چیز جہنم
میں لے آئی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، بیکار کاموں میں گھسے رہتے تھے اور
قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی، سواب انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ
دے گی۔

(۵۱۲) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَلْمَةَ بِنِ كَهَيْلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي
هَذِهِ الْآيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرِ إِلَى الشَّافِعِينَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔

تخریج حلالیہ: اخرجہما فی سراج المنیر۔

مفہوم: بعض لوگوں کی رائے عام طور پر پڑھنے اور سننے کو ملتی رہتی ہے کہ ہم تو جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور
مرتے ہی سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے، اس لیے ہمیں نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں، کوئی بھوکا مرتا ہے تو ہماری بلا
سے اور ہماری مصروفیات لغویات ہیں یا ضروریات؟ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اور اگر ان سے کوئی ان کاموں پر
اصرار کرے تو کہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب ہمیں بخشوا لیں گے، وہ ہماری سفارش کر دیں گے اور ہم فرشتوں کو چکمہ دے کر
جنت میں پہنچ جائیں گے، اور اس پر حاشیہ یہ لگاتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے اصل چیز ایمان ہے، جس کے پاس
ایمان ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا خواہ اس کے اعمال دیکھ کر شیطان بھی کیوں نہ شرما جاتا ہو۔

ایسے حضرات سے بڑی عاجزی اور انتہائی ادب سے درخواست ہے کہ ان آیات کریمہ کے متعلق جناب والا کیا
ارشاد فرماتے ہیں؟ ان آیات میں تو ایمان کے ساتھ اعمال کی پونجی نہ ہونے کی صورت میں جہنم کے عذاب کی خوشخبری
سنائی گئی ہے، ظاہر ہے کہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ تو اعمال کی ضرورت کا ہی انکار کرتے
ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ واقعہ اگر ایمان نہ ہو تو انسان کے سارے نیک اعمال دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور واقعہ ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکے گا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس سے ضرورتِ اعمال کی نفی کا استنباط کر لیا جائے ایمان اور عمل صالح میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حیثیت ہے اور ہر مسلمان کے پاس یہ دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔

اس بات کی وضاحت ایک مثال سے یوں کی جاسکتی ہے کہ دنیا میں ہر تالے کو کھولنے کے لیے ایک چابی ہوتی ہے اور ہر چابی پر دندانے ہوتے ہیں اگر چابی نہ ہو تب بھی تالا نہیں کھلتا اور اگر چابی پر دندانے نہ ہوں تب بھی تالا نہیں کھلتا ایمان کی مثال چابی کی سی ہے اور اعمال کی مثال دندانوں کی سی ہے اور جنت کا تالا کھولنے کے لیے ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے باقی جسے اللہ تعالیٰ صرف ایمان کی برکت سے جنت میں داخلہ نصیب فرمادیں وہ ان کا کرم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُقْبِ

(۵۱۳) حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ الْحُقْبُ ثَمَانُونَ سَنَةً مِنْهَا سِتَّةٌ أَيَّامٌ عَدَدَ أَيَّامِ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: ابو صالح کہتے ہیں کہ ”حقب“ اسی سال کا ہوگا جس میں سے چھ دن دنیا کے سارے ایام کے برابر ہوں گے۔

تخریج حاشیہ: ذکرہ ابن کثیر: ۵۹۵/۴

مفہوم: قرآن کریم کی سورہ نبا آیت نمبر ۲۳ میں کفار و مشرکین اور نافرمانوں کے متعلق یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ وہ جہنم میں کئی ”حقب“ رہیں گے بنیادی طور پر اس کا مقصد غیر متعینہ مدت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے لیکن لفظ ”حقب“ کی مراد معلوم کرنے کے لیے مفسرین کرام نے مختلف خیالات اور آراء کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ ایک رائے تو وہ ہے جس کا ذکر زیر بحث روایت میں آیا ہے دوسری رائے یہ ہے کہ ایک ”حقب“ اسی سال کا ہوگا ہر سال میں بارہ مہینے ہوں گے ہر مہینے میں تیس دن ہوں گے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا تیسری رائے یہ ہے کہ ایک حقب سترہ ہزار سال پر مشتمل ہوگا۔

ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دینا مشکل ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں بلکہ حضرات مفسرین کی اپنی اپنی آراء ہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ جو بھی مراد ہو قرآن کریم کا اصل مقصد مد نظر رہنا چاہیے اور وہ مجروح نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى

(۵۱۴) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قَرَأَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

سورة اللیل کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی ﷺ کے سامنے ”صدق بالحنی“ کے تلاوت کی گئی تو آپ ﷺ نے حنیٰ کا مصداق ”لا الہ الا اللہ“ کو قرار دیا۔

تخریج حدیث: ذکرہ فی تفسیر سراج المنیر۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں سورہ لیل کی آیت نمبر ۶ کا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ”تصدیق حنیٰ“ کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ”کلمہ توحید“ ہے کہ جو شخص کلمہ توحید کا اقرار و تصدیق کرے صدق دل سے اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم کرے اور موقع آنے پر زبان سے اس کا اظہار و اعتراف کرے منافقین کی طرح اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ نہ ہو یا مشرکین کی طرح اس تصدیق سے کورانہ ہو تو پروردگار عالم کا وعدہ ہے کہ اس کی مشکلات کو دور فرمائیں گے اس کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں گے اس کی پریشانیوں کو حل فرمائیں گے اس کی بیماریوں کو دور فرمائیں گے اسے قرضوں سے خلاصی عطاء فرمائیں گے اسے کشادگی اور فراخی عطاء فرمائیں گے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے لیے سہولتیں اور آسانیاں پیدا کریں گے اور تاریخ گواہ ہے کہ جس نے ایسا کیا اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

کتاب الوصایا والفرایض

وصیت اور میراث کے احکام

(۵۱۵) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُ فِي مَرَضٍ

فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْصِي بِمَا لِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَنِصْفِهِ قَالَ لَا

قُلْتُ فَثُلُثِهِ قَالَ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ لَا تَدْعُ أَهْلَكَ يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيَّ سَعْدٍ يَعُودُ قَالَ أَوْصَيْتَ قَالَ نَعَمْ أَوْصَيْتَ بِمَا لِي كُلِّهِ

فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنَاقِضُهُ حَتَّى قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي فَقُلْتُ

يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْصِي بِمَا لِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالنِّصْفِ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالثُّلُثِ قَالَ فَبِالثُّلُثِ

وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدْعَ أَهْلَكَ بِخَيْرٍ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

تَرْجَمْنَا: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا نصف؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا تہائی؟ فرمایا ہاں! اور تہائی بھی زیادہ ہے اپنے اہل خانہ کو اس حال میں نہ چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔

حَلَّ عِبَارَاتٍ: ”اوصی“ ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ یہ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی وصیت کرنا ”یتکفون“ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کف پھیلانا ہاتھ پھیلانا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۱۲۹۵، ومسلم: ۴۲۰۹ (۱۶۲۸) وابوداؤد: ۲۸۲۴، والترمذی: ۱۱۶، والنسائی من: ۳۶۵۶ الی ۳۶۶۵، وابن ماجہ: ۲۷۰۸، واحمد: ۱۴۸۲، وابن خزیمہ: ۲۳۵۵۔

مَقْلُوبٌ: وصیت کے بارے شریعت کا یہ اصول نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ انسان اپنے پورے مال میں سے صرف ایک تہائی کی وصیت کسی ادارے یا مسجد اور مدرسہ کے لیے کرنے کا مجاز ہے، اس سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے اس سے زیادہ کی وصیت کی تو ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

بظاہر یہ اصول بہت چھوٹا اور معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا تعلق کسی سیاسی یا مذہبی تنظیم سے تھا اور وہ مرتے وقت ساری جائیداد اور دولت اس تنظیم کے نام کر گیا اور اب اس کی اولاد در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے، کھانے کی جگہ خاک پھانک رہی ہے اور لباس کی جگہ چیتھڑے اوڑھ رکھے ہیں تب احساس ہوتا ہے کہ واقعی اس اصول سے کتنے لوگوں کی زندگی وابستہ ہے، کتنوں کا سہارا ہے اور کتنے ہی گھرانے اس اصول کی وجہ سے قائم نظر آتے ہیں۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف حضور نبی مکرمؐ سرور دو عالم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ”جو رشتہ میں نبی ﷺ کے ماموں لگتے تھے“ متوجہ کیا تھا اور انہوں نے اپنے اس ارادے سے رجوع کر لیا تھا جس کے مطابق وہ اپنے سارے مال کی وصیت کرنے جا رہے تھے۔

یاد رہے کہ نبی ﷺ نے جس بیماری میں ان کی عیادت کی تھی اور وہ وصیت کرنا چاہ رہے تھے، نبی ﷺ نے اسی موقع پر فرما دیا تھا کہ سعد! ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ اور دوسروں کو نقصان پہنچائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ذریعے بہت فائدہ پہنچایا اور کفار کو ان کے ذریعے بہت سی ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بَابُ هَلْ يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ؟

(۵۱۶) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ إِلَّا ابْنَ

يَكُونُ عَبْدَهُ أَوْ أُمَّتَهُ۔

کیا کوئی مسلمان کسی عیسائی کا وارث ہو سکتا ہے؟

ترجمتاً: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان عیسائی کا وارث نہیں ہو سکتا الا یہ کہ وہ اس کا غلام یا باندی ہو۔

حَلَّ عِبَارَتٍ: "لا یرث" باب ضرب اور حسب سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وارث بنا۔

تَجْمِيعُ حَادِثٍ: اخرجہ الدارقطنی: ۷۴/۴، ۷۵، ۳ اما نفس مضمون الحدیث فقد اخرجہ البخاری: ۶۷۶۴، وابدو داؤد: ۲۹۱۱، والترمذی: ۲۱۰۷، وابن ماجہ: ۲۷۲۹، ۲۷۳۱، ومسلم: ۴۱۴۰ (۱۶۱۴)

مَقْبُولٌ: ماہرین وارثت نے تحریر فرمایا ہے کہ بعض چیزیں انسان کو وارثت سے محروم کر دیتی ہیں ان میں سے ایک چیز "اختلاف دین" بھی ہے مثلاً ایک شخص ہندو ہے لیکن اس کا باپ مسلمان ہے مرتے وقت اس کا باپ جتنی بھی جائیداد اور مال و دولت چھوڑے شرعی طور پر اس ہندو کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا البتہ اس مسلمان کی دوسری اولاد جو مسلمان ہو یا دوسرے رشتہ دار جن کا وارثت میں حصہ بنتا ہو انہیں ان کا حصہ دیا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص مسلمان ہے لیکن اس کا باپ کافر ہے آیا اس مسلمان کو اپنے باپ کی وارثت ملے گی یا نہیں؟ زیر بحث حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے وارثت نہیں ملے گی جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے وارثت ملے گی۔

ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عام حالات میں تو مسلمان کو اپنے کافر مورث کی وارثت نہیں ملے گی جیسا کہ زیر بحث حدیث میں بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ "اختلاف دین" کا اعتبار دونوں طرف سے ہونا چاہیے لیکن اگر مرنے والا کافر اس مسلمان کا غلام یا باندی ہو تو اس کی ولاء مسلمان ہی کو ملے گی کیونکہ درحقیقت غلام اور باندی کی ملکیت بھی آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے اس صورت میں اثبات وراثت والی روایات پر عمل کر لیا جائے گا۔

واللہ اعلم

بَابُ الْحَاقِ الْفَرَائِضِ بِأَهْلِهَا

(۵۱۷) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

وراثت کے حصے ذوی الفروض کو دینے کا بیان

ترجمتاً: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وراثت کے حصے ذوی الفروض میں

تقسیم کر دیا کرو اور جو باقی بچے وہ قریبی مذکر شخص کو دے دیا کرو۔

حَدِيثُ عِبَارَاتٍ: "الحقوا" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملانا "الفرایض" فریضۃ کی جمع ہے بمعنی حصہ "ذکر" مذکر۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: اخرجہ البخاری: ۶۷۴۶، مسلم: ۴۱۴۱ (۱۶۱۵) واحمد: ۲۶۵۷۔

مَفْهُومٌ: یہ حدیث علم الفرائض میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ماہرین وراثت نے اس پر مفصل کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے کچھ لوگوں کو مرنے والے کے ترکہ میں حصہ دار مقرر کیا ہے اور ان کے حصے بھی متعین کیے ہیں ایسے لوگوں کو اصحاب الفروض یا ذوی الفروض کہتے ہیں ان میں چار مرد اور آٹھ عورتیں شامل ہیں مثلاً باپ، دادا، شوہر، اخیانی، بھائی، ماں، بہن، بیٹی، دادی اور بیوی وغیرہ اور یہ اصول ہے کہ مرنے والے کا ترکہ سب سے پہلے ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

اب بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ترکہ وراثت پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد بھی کچھ حصہ بچ جاتا ہے ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تو کوئی پیچیدگی نہیں۔ البتہ دوسری صورت میں یہ اشکال سامنے آتا ہے کہ اب اس بقیہ مال کا کیا کیا جائے کیونکہ میت کی تجہیز و تکفین بھی ہو چکی، قرض بھی ادا ہو چکا اور وصیت بھی نافذ ہو چکی ان تین کے بعد جو تھا حق تقسیم ترکہ تھا، وہ بھی مکمل ہو چکا لیکن مال کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے تو ذوی الفروض کے بعد دوسرا حقہ "عصبہ" کا بنتا ہے جس کی تفصیل سراجی میں مذکور ہے۔

مثلاً باپ کا ترکہ میں حصہ "سدس" بنتا ہے اسے وہ دے دیا گیا اور دوسرے وراثت کو بھی ان کا حصہ دے دیا گیا اب چونکہ ان تمام وراثت کی نسبت باپ مرنے والے کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے لہذا "عصبہ" ہونے کی وجہ سے باقی سارا مال بھی اسے دے دیا جائے گا، زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ إِذَا عَتِقَ الْعَبْدُ فَمَاتَ

(۵۱۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ أَنَّ ابْنَةَ لِحْمَزَةَ أَعْتَقَتْ مَمْلُوكًا فَمَاتَ فَتَرَكَ ابْنَةً فَأَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ ابْنَةَ النِّصْفِ وَأَعْطَى ابْنَةَ حَمْزَةَ النِّصْفَ۔

اگر غلام آزاد ہونے کے بعد مر جائے تو کیا حکم ہے؟

تَرْجُمَانًا: حضرت عبداللہ بن شداد سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی نے ایک غلام آزاد کیا، وہ فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹی چھوڑ گیا، نبی ﷺ نے اس کی وراثت میں سے آدھا مال اس کی بیٹی کو دے دیا اور آدھا حضرت حمزہ کی صاحبزادی کو دے دیا۔

تَجْرِيحُ حَدِيثٍ: أخرجه ابن ماجه: ۲۷۳۴، واحمد: ۲۷۸۲۷۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث میں دو باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن شداد جو راوی حدیث ہیں اور حضرت حمزہ کی صاحبزادی جن کا نام بعض روایات کے مطابق فاطمہ اور بعض کے مطابق عمارہ ہے آپس میں اخیانی بہن بھائی تھے کیونکہ ان دونوں کی والدہ حضرت سلمی بنت عمیس تھیں جو پہلے حضرت حمزہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے مذکورہ بچی پیدا ہوئی تھی پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی غزوہ احد میں شہادت کے بعد حضرت سلمی بنت عمیس نے حضرت شداد بن الہاد سے نکاح کر لیا اور ان سے مذکورہ صاحبزادے پیدا ہوئے گویا دونوں بچوں کی والدہ ایک تھیں اور والد جدا جدا علم الفرائض کی اصطلاح میں اس رشتے کو اخیانی بہن بھائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ بات عنقریب گزر چکی ہے کہ میت کا ترکہ دوسرے حقوق کے ادا ہو چکنے کے بعد جب تقسیم کیا جائے گا تو سب سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا اگر وہ ان میں پورا پورا تقسیم ہو جائے تو بہت اچھا ورنہ وہ مال ”عصبہ“ کو دے دیا جائے گا عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عصبہ نسبی۔ جیسے باپ

۲۔ عصبہ سببی اس سے مراد غلام کا وہ آقا ہوتا ہے جو اسے آزاد کر دے ظاہر ہے کہ جو آقا غلام کو آزاد کرے گا وہ اس کا آخری آقا ہوگا اور اس کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا اس لیے ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اس کا جو بھی مال بچے گا وہ سب اس کے آقا کو ملے گا اور اگر اس کا کوئی بھی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو اس کا سارا مال آقا کو مل جائے گا یہی حکم عصبہ نسبی کا بھی ہے کہ اکیلا ہونے کی صورت میں سارا مال اسی کو مل جاتا ہے بصورت دیگر ما بقیہ سارا اسی کا ہوتا ہے۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب زیر بحث حدیث پر غور فرمائیے کہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی نے جس غلام کو آزاد کیا تھا ذوی الفروض میں سے صرف اس کی بیٹی موجود تھی اور شریعت نے بیٹی کا حصہ اکیلی ہونے کی صورت میں نصف مقرر کیا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اسے کل مال کا نصف دے دیا اور چونکہ کوئی دوسرا رشتہ موجود نہ تھا عصبہ سببی کے طور پر حضرت حمزہ کی صاحبزادی تھیں اس لیے بقیہ نصف انہیں دے دیا گیا اور ان کے اخیانی بھائی حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہما کو اس میں سے کچھ نہیں دیا گیا کیونکہ ایک تو وہ مرنے والے کے اخیانی بھائی نہ تھے اور دوسرے لیے کہ وہ اس کا عصبہ نسبی یا سببی کچھ بھی نہ تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ أَكَلَ أَمْوَالَ الْيَتْمَى ظُلْمًا

(۵۱۹) أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ مَسْرُوقٍ عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتْمَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا عَدَلَ مَنْ كَانَ يَعُولُ أَمْوَالَ

الْيَتَامَى فَلَمْ يَقْرَبُوهَا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ حِفْظُهَا وَخَافُوا الْإِثْمَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَنَزَلَتِ الْآيَةُ فَخَفَّفَتْ عَلَيْهِمْ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ الْآيَةُ-

یتیم کا مال ناحق کھانے والے کا بیان

ترجمتاً: حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آیت ”ان الذین یا کلون اموال الیتیمی ظلما الخ“ نازل ہوئی تو یتیموں کے مال کی سرپرستی کرنے والے پیچھے ہٹ گئے اور اس کے قریب بھی نہ پھٹکے کیونکہ انہیں اس کی حفاظت سخت گراں محسوس ہوئی اور انہیں خود پر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہنے لگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان پر تخفیف کر دی گئی کہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ اصلاح ان کے لیے بہتر ہے اور اگر اپنا مال ان کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

خَلَّى عِبَارَاتٌ: ”عدل“ وفي نسخة ”عزل“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہٹ جانا ”يعول“ باب نصر سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خبر گیری کرنا ”شق“ باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گراں ہونا۔

تَجَنَّبَ حَذِيثًا: اخرجہ ابو داؤد: ۲۸۷۱ والنسائی: ۳۶۹۹ واحمد: ۳۰۰۲ والحاکم: ۲۷۸/۲۔

مَقْبُولٌ: دراصل یہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر اور صحابہ کرام کے خوف خدا کا مظہر تھا کہ وہ اپنے لیے کسی یتیم کا مال استعمال کرنا مجبوری کے علاوہ حلال نہیں سمجھتے تھے اگر ہمارا معاشرہ بھی تربیت کا اثر اور خوف خدا کا مظہر بنا قبول کر لے تو کوئی شخص اپنے یتیم بھتیجوں کی جائیداد پر قبضہ نہ کرے، اپنی یتیم بھتیجیوں کو کبھی در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور نہ کرے، کبھی اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے نہ بھرے اور کبھی ان کی آہوں اور سسکیوں سے لبریز بددعاؤں کا ذخیرہ اپنے لیے اکٹھا نہ کرے چنانچہ جو لوگ تربیت یافتہ اور خوف خدا رکھنے والے ہوتے ہیں وہ یتیم بچوں کے مال کی ایک ایک پائی کا حساب رکھتے ہیں اور جو اس تربیت و خوف کا فقدان لیے پھرتے ہوں، وہ لاکھوں روپے ڈکار مارے بغیر ہضم کر جاتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اسلامی تربیت کا اثر اور خوف خدا کا تصور ظاہر فرمادے۔

بَابُ إِلَى مَتَى يَكُونُ الْيَتِيمُ

(۵۲۰) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَتِيمٌ بَعْدَ الْحُلْمِ-

یتیمی کب تک رہتی ہے؟

ترجمتاً: حضرت انس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بالغ ہونے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

تجلیح حدیث: اخرجہ ابو داؤد: ۲۸۷۳، وابن عدی: ۲۴۳۲، والشہاب فی مسنده: ۷۸۲۔

مَفْهُومٌ: دنیا میں آنے والے ہر انسان پر دو زمانے گزرتے ہیں ایک بلوغت سے پہلے اور ایک بلوغت کے بعد شریعت نے ہر دو زمانوں کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں چنانچہ بلوغت سے پہلے کا اصول یہ ہے کہ اس کی نیکیاں والدین کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی اور گناہوں کا اندراج نہیں کیا جائے گا، نیز معاملات میں اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، جبکہ بلوغت کے بعد وہ اپنے معاملات کا ذمہ دار بھی ہوگا اور مختار بھی، نیز نیکیوں پر ثواب اور گناہوں پر سزا کا قانون اسی کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔

انہی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے باپ کا انتقال ہو جائے تو اس شخص کو بالغ ہونے سے پہلے تک تو یتیم کہا جاسکتا ہے لیکن بالغ ہونے کے بعد اسے یتیم نہیں کہا جاسکتا، یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس کا باپ اس کے بالغ ہونے کے بعد فوت ہوا ہو کہ اسے یتیم نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ اگر ایسا ہونا شروع ہو جائے تو پھر دنیا میں ہر دوسرا شخص ہی اپنے آپ کو یتیم کہنا شروع کر دے گا، اور یتیموں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر بہت سے منافع کما لے گا۔

اس زاویے سے اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث ”حقوق یتامی“ کے تحفظ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

کتاب القیمة وصفة الجنة

قیامت اور جنت کی صفات کا بیان

(۵۲۱) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذُو حَسْرَةٍ وَنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن حسرت و ندامت کا دن ہوگا۔

(۵۲۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْقِيَمَةَ ذُو حَسْرَةٍ وَنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

تجلیح حدیث: اما نفس مضمون الحدیث فیویدہ کثیر من المرویات والایات، واما بهذا السیاق فقد اخرجہما

الحارثی: ۷۵۷۔

مَفْهُومًا: اس حدیث مبارکہ میں قیامت کے دن کو جو ”یوم الحسرة والندامة“ قرار دیا گیا ہے، اگر نقشہ کشی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ واقعہ اس دن کی حسرت سے زیادہ انسان پر کبھی حسرت طاری نہ ہوئی ہوگی اور اس دن کی ندامت سے زیادہ آدمی پر کبھی ندامت کے اثرات نہ دکھائے گئے ہوں گے اس لیے کہ جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو عرش کے سائے میں دیکھے گا تو اسے بھی سائے کی حسرت اور اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنے کی ندامت ہوگی، جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو نور اور مشک و عنبر کے منبروں پر بیٹھے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس مقام بلند کی حسرت اور اس کے ذرائع اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی، جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کو حوض کوثر سے سیراب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس پانی کے ایک قطرے کی حسرت اور اس کے اسباب اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی، جب انسان اپنی آنکھوں سے فوج در فوج اور قطار در قطار لوگوں کو پل صراط عبور کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے دیکھے گا تو اسے بھی اس عبور و دخول کی حسرت ہوگی اور اعمال صالحہ بجانہ لانے پر ندامت ہوگی۔

جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیکھے گا تو اسے بھی یہ سعادت حاصل کرنے کی حسرت ہوگی اور اس کے تقاضے پورے نہ کرنے پر ندامت ہوگی، جب انسان اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد بیوی بچے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو اپنے سے دور بھاگتے ہوئے دیکھے گا تو اس پر وہ حسرت کے سمندر میں غرق اور ندامت کے آنسوؤں سے لبریز ہو جائے گا اور یہی وہ لمحہ ہوگا جب اس کی زبان سے نکلے گا۔

”یلتنی کنت ترابا“

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی حسرت و ندامت سے محفوظ فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْحُورِ الْعِينِ

(۵۲۳) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ مِنَ الْجَنَّةِ مَدِينَةً مِنْ مِسْكِ أَذْخَرَ مَاؤُهَا السَّلْسَبِيلُ وَشَجَرُهَا خُلِقَتْ مِنْ نُورٍ فِيهَا حُورٌ حَسَنَاتٌ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُونَ ذُؤَابَةً لَوْ أَنَّ وَاحِدَةً مِنْهَا أَشْرَقَتْ فِي الْأَرْضِ لَا ضَائِتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاتُ مِنْ طَيْبٍ رِيحُهَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ هَذَا قَالَ لِمَنْ كَانَ سَمِحًا فِي التَّقَاضِي.

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَوْ أَنَّ وَاحِدَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ أَشْرَقَتْ لَا ضَائِتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاتُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مِنْ طَيْبِهَا.

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِي مَدِينَةً خُلِقَتْ مِنْ مِسْكِ أَذْفَرٍ مُعَلَّقَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ وَشَجَرٌ مِنَ النُّورِ وَمَاؤُهَا السَّلْسَبِيلُ وَحُورٌ عَيْنُهَا خُلِقَتْ مِنْ نَبَاتِ الْجَنَانِ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُونَ ذُؤَابَةً لَوْ أَنَّ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ عَلَّقَتْ فِي الْمَشْرِقِ لَأَضَاءَتْ أَهْلَ الْمَغْرِبِ۔

حور عین کی صفات کا بیان

تَرْجُمَةً: حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت میں مشک کا ایک شہر بنا رکھا ہے جس کی خوشبو عمدہ پانی نہر سلسبیل کا اور اس کے درخت سے نور پیدا کیے گئے ہیں جس میں خوبصورت حوریں ہوں گی ہر حور کی ستر لٹیں ہوں گی اگر ان میں سے کوئی ایک لٹ بھی زمین پر لٹکا دے تو مشرق اور مغرب کے درمیان ساری جگہ کو روشن کر دے اور اس کی خوشبو سے زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء بھر جائے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ نعمتیں کس کے لیے ہوں گی؟ فرمایا جو قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اختیار کرے۔

حَلَّيْنِ عِبَارَاتٍ: ”مدینة“ شہر اس کی جمع ”مدن“ آتی ہے ”مسك“ مشک مشہور خوشبو ”حسان“ خوبصورت ”ذؤابة“ جوڑا بالوں کی لٹ ”لا ضاء ت“ لام ابتدائیہ ہے اور باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی روشن کرنا ”سمحا“ سہولت پسند۔

تَجْنِيحُ جَنَّاتٍ: اخرجہ البخاری مختصراً: ۲۷۹۶، والترمذی: ۱۶۵۱، والحرثی بهذا السياق: ۷۴۵۔

مَفْهُومٌ: اس حدیث مبارکہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ جنت کی نعمتوں، آسائشوں اور اسباب آرام و راحت کی تفصیلات پر مشتمل احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود و دستیاب ہے، زیر بحث حدیث بھی ان ہی میں سے ایک ہے ان احادیث سے جنت کا ایک بڑا خوشنما منظر تیار کیا جا سکتا ہے جن میں ایک طرف اپنی عظیم اور محبوب ہستیوں کی زیارت و رفاقت کا منظر ہے اور دوسری طرف پاکیزہ اور ہمیشہ الفت و وفاء کا دم بھرنے والی بیویوں کی رونق ہے، ایک طرف اپنی ہر خواہش کی تکمیل ہے اور ایک طرف دوام و خلود کا وعدہ الہی ہے لیکن ان سب چیزوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی ضرورت و افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف کی ”ذاتی“ رائے یہ ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں میں سے دو نعمتیں سب سے زیادہ عظیم اور اہم ہیں ایک تو دیدار باری تعالیٰ جس کی مجھ سمیت ہر مسلمان کو تمنا ہے اور جسے انشاء اللہ ہمیں پورا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا اور دوسری عظیم نعمت رضاء الہی ہے جس کا اعلان باری تعالیٰ خود اپنی سب سے زیادہ عظیم نعمت کے طور پر اہل جنت کے سامنے فرمائیں گے اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جنت نام ہے اللہ کی طرف سے ملنے والے مقام رضا کا تو یہ کچھ بعید نہ ہوگا۔

۲۔ قرض کی وصولی میں نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنے والے کے لیے جنت کی ان عظیم نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ قرض

کی وصولی قرض خواہ کا حق ہوتی ہے، اگر وہ اپنے حق کو چھوڑ دیتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اس سے متعلق اپنے حقوق چھوڑ دیں گے اور اگر وہ اپنے حق کی وصولی میں مقروض سے نرمی کرتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اپنے حقوق کی وصولی میں اس سے نرمی فرمائیں گے اور پروردگار عالم کی نرمی یہی ہوگی کہ اس کے لیے معافی کا پروانہ جاری کرتے ہوئے جنت میں داخلہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی وصولی میں قرض خواہ کو مقروض کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے، نرمی سے تقاضا کرے، اگر اس کی طرف سے تاخیر ہو تو اسے سختی نہ کہے بلکہ ممکن ہو تو اس کے قرض میں کمی کر دے یا مکمل معاف کر دے، پروردگار عالم کو معاف کرنے والے بہت پسند ہیں اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ اسی وجہ سے انسان کی بخشش کا فیصلہ فرمائیں کیونکہ

رحمت حق بہانہ می جوید

قَالَ جَامِعُهُ الشَّيْخُ الْمُحَقِّقُ الْعَلَّامَةُ الْفَهَامَةُ مَوْلَانَا الشَّيْخُ مُحَمَّدُ عَابِدُ السِّنْدِيُّ الْأَنْصَارِيُّ هَذَا
اٰخِرُ مَا وَجَدْتُهُ مِنْ رِوَايَةِ الْخَصْكَفِيِّ فِي مُسْنَدِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي عَمَّ نَوَالُهُ عَلَى الْعِبَادِ وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
الْأَمْجَادِ۔

اس کتاب کے جامع حضرت الشیخ، محقق عصر، علامہ زماں، فہامہ دوراں مولانا محمد عابد سندھی انصاری فرماتے ہیں کہ امام خصکفی کی روایت سے مسند امام اعظم ابو حنیفہ کی یہ آخری روایت ہے جو مجھے ملی ہے، اللہ کا شکر ہے جس کے احسانات اپنے بندوں پر عام ہیں، اور رحمت کاملہ و سلامتی کا نزول جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کی آل و اصحاب کرام پر۔

تشکر و امتنان

الحمد للہ! پروردگار عالم کے بے پایاں فضل و کرم اور ان ہی کی توفیق و مہربانی سے صرف تین ماہ کے مختصر عرصے میں آج مورخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات بمطابق ۳ اپریل ۲۰۰۸ء کو ایک عظیم محدث و فقیہ کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ و تخریج بتویب و ترقیم اور تشریح و توضیح سے فراغت ہو رہی ہے۔

راقم الحروف کو مکرر اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ وہ اس کتاب کا حق ادا نہیں کر سکا اور چند صفات تو سیاہ ہو گئے لیکن منزل پھر بھی دور ہی رہی تاہم اس بات کی خوشی سے اس فقیر بے نوا کے جسم کا ایک ایک جوڑ اور ایک ایک عضو بارگاہ ایزدی میں سر بسجود اور شکر گزار ہے کہ اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی ”جیسی بھی بن سکی“ خدمت کے

لیے اسے قبول فرمایا اور موقع مرحمت فرمایا۔
 اور اس پر امید کامل اور یقین محکم بھی ہے کہ جس ذات نے اس عاجز و کم حیثیت کو اس خدمت کے لیے قبول فرمایا ہے وہی ذات اس کی اس خدمت کو بھی شریف قبولیت سے سرفراز فرمائے گی، امت کے لیے نافع اور اہل علم کے لیے مفید فرمائے گی۔

اللہ تعالیٰ حیا و میناً اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے ہم سب کو قبول فرمائے

آمین

محمد ظفر

فاضل و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور



﴿ کتابیات ﴾

- | | |
|---------------------|------------------------------------|
| دار السلام، ریاض | (۱) الكتب الستة |
| دار المعرفة، بیروت | (۲) صحيح ابن حبان |
| بيت الافكار الدولية | (۳) مسند احمد بن حنبل |
| مكتبه حقانيه | (۴) فتح الباری |
| دار الكتاب العربی | (۵) نیل الاوطار |
| قديمی كتب خانہ | (۶) شرح معانی الآثار |
| دار الكتب العلمية | (۷) الثنائيات في مسند الامام |
| قديمی كتب خانہ | (۸) تفسير ابن كثير |
| مكتبه رشيديه | (۹) فضل الباری |
| مكتبه رشيديه | (۱۰) فتح الملهم |
| سهيل اكيڈمی لاہور | (۱۱) مفتاح كنوز السنة |
| دار الكتب العلمية | (۱۲) مسند ابی حنيفة برواية الحارثی |
| | (۱۳) كتب اللغة والسيرة |
| دار الفكر بیروت | (۱۴) اعلاء السنن |
| ايچ ایم سعيد کمپنی | (۱۵) معارف السنن |